
گھر کے ہر فرد کے لیے
ماہنامہ
پاکیزہ
کراچی
فروری 2018
نگرانِ اعلیٰ
معراج رسول
PDF
FEBRUARY 2018

نہایت اہم التماس

قارئین انتظار کے لیے معذرت خواہ ہیں لیکن آپ بخوبی واقف ہیں کے دُنیا میں ہر کوئی اپنے کاروبار کے لیے محنت کرتا ہے تاکہ منافع حاصل کر سکے لیکن اگر ہماری وجہ سے کسی کے کاروبار کو نقصان کا اندیشہ ہو تو ہمیں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ دیکھیں ہر ڈائجسٹ کے پبلشر بہت محنت کے ساتھ ہر مہینے ڈائجسٹ شائع کرتے ہیں تاکہ وہ مارکیٹ میں فروخت ہو سکے اور اُن کو منافع حاصل ہو سکے لیکن آج کے اس انٹرنیٹ دور میں جب وہی ڈائجسٹ یا رسالہ مارکیٹ میں پوری طرح آنے سے قبل ہی آن لائن پی ڈی ایف میں مل جائے تو مارکیٹ سے خریداری بہت کم رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے پبلشر کا بہت نقصان ہوتا۔ لہذا اس سارے معاملے کو خاطر میں رکھتے ہوئے urdusoftbooks.com کی انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کے آئندہ ماہ سے کوئی بھی ڈائجسٹ رواں مہینہ کی 30 تاریخ سے پہلے Upload نہیں کیا جائے گا تاکہ پبلشرز کا نقصان نہ ہو۔

خوشخبری

انشااللہ آئندہ urdusoftbooks.com پر تمام ڈائجسٹ بغیر واٹر مارک کے Upload ہوا کریں گے تاکہ قارعین کو پڑھنے میں دکت کا سامنا نہ کرنا پڑے

قارئین سے مزید درخواست ہے کہ urdusoftbooks.com کے لیے اپنے ویب براؤزر سے Adblocker ڈس ایبل کر دیں تاکہ ویب سائٹ پر سپانسر اشتہارات نظر آسکیں اور ویب سائٹ کو تھوڑی سی آمدن ہو سکے انہی سپانسر اشتہارات کی آمدن سے ویب سائٹ کے ماہانہ اخراجات پورے کیے جاتے ہیں لہذا آپ کا تھوڑا سا تعاون urdusoftbooks.com کو مستقل آن لائن رکھنے میں بہت مددگار ثابت ہوگا۔ شُکریہ

ماہنامہ

پاکیزہ

کراچی



نگرانِ اعلیٰ : معراج رسول

مدیرۂ اعلیٰ : عذرا رسول

مدیرہ : نزہت اصغر

معاون : آمنہ حماد

MEMBER APNS

CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

منیجر اشتہارات

محمد شہزاد خان

0333-2256789

سرکولیشن منیجر

سید منیر حسین

0333-3285269

قیمت فی پرچا (پاکستان) 70 روپے

قیمت فی پرچا (سعودی عرب) 12 ریال یا مساوی متحدہ عرب امارات

زرسالانہ (اندرونِ ملک) 900 روپے...... جلد: 45...... شمارہ: 11...... فروری 2018ء

اداریہ

سلسلے وار ناول

ناولٹ

مکمل ناول

افسانے

خصوصی مضامین

پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول • مقام اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکسٹینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500

پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ھاکی اسٹیڈیم کراچی



مستقل عنوانات

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone: (021)35895313-35802552 , E-mail address: jdpgroup@hotmail.com



Health

دنیا کا سب سے مہنگا زہر جس کی قیمت اربوں روپے میں ہے | World's Most Expensive Poison

computerxtech 0 Oct 03, 2017

اس ایک لیٹر زہر کی قیمت تقریباً ایک ارب 10 کروڑ پاکستانی روپوں کے مساوی ہے۔ (World's Most Expensive Poison) دنیا کا سب سے مہنگا زہر بچھوؤں کی ایک قسم "ل... Readmore

---



Health

بوڑھوں کو جوان بنانے والی سائنس | Old to Young Conversion Science

computerxtech 0 Sep 11, 2017

انسان کے جسم میں خلیوں کی دو سو سے زائد اقسام پائی جاتی ہیں۔ فوٹو : فائلپچھلے سال 20... Readmore

---



Health

صحت کے معاملے میں خواتین کی 10 سنگین غلطیاں | Ten Health Mistakes by the Women

computerxtech 0 Sep 11, 2017

خوبصورت نظر آنے کے لیے خواتین دنیا بھر کے جتن کرتی ہیں لیکن اکثر کو شکایت رہتی ہے کہ انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ فوٹو، فائلکراچی: اچھی صحت اور خ... Readmore

---



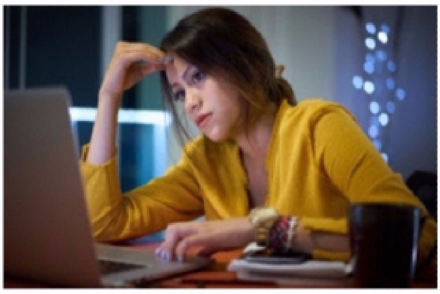
Health

ایسپرین دانتوں کو خرابی سے روک کر انہیں ازخود مرمت کے قابل بناتی ہے | Dental Treatment with Aspirin

computerxtech 0 Sep 11, 2017

کوئنز یونیورسٹی کے سائنسدانوں نے انکشاف کیا ہے کہ ایسپرین دانتوں کی حفاظت کرتی ہے۔ فوٹو: فائل لندن: سائنسدانوں نے انکشاف کیا ہے کہ گھروں میں ... Readmore

---



Health News

فکر اور پریشانی سے نجات پانے کے تین آسان طریقے | Three easy ways to eliminate Tension

computerxtech 0 Sep 03, 2017

ماہرین نفسیات نے پریشان خیالی سے چھٹکارا پانے کے تین اہم طریقے بیان کئے ہیں۔ فوٹو: فائل لندن: ماہر نفسیات کے مطابق پریشان اور فکرمندی کی مں... Readmore

---



Health News

ادرک جوڑوں کے درد کے لیے اکسیر دوا | Benefits of Ginger

computerxtech 0 Sep 03, 2017

ادرک میں کئی اجزا جلن، درد اور سوزش کو کم کرتے ہیں۔ فوٹو: فائلکراچی: ادرک کے جسمانی و طبی فوائد سے ہم سب بخوبی واقف ہیں اور اب ماہرین نے اس کے اس... Readmore



Interesting News

بچت کرنے کے 7 طریقے | Seven Methods of Savings

computerxtech 0 Oct 13, 2017

پیسہ خرچ کرنا جتنا ضروری ہے، پیسے بچانا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ یہ بچی ہوئی رقم مستقبل میں کسی آڑے وقت میں کام آ سکتی ہے۔ روز بروز بڑھتی مہنگائی ... Readmore

---



Interesting News

دنیا کے خطرناک روڈ | World's Most Dangerous Roads

computerxtech 0 Oct 02, 2017

دنیا بھر کے خطرناک ترین روڈ میں ایسی گزرگاہیں شامل ہیں جو اپنی تعمیر، محل وقوع، اونچائی، طوالت اور موسم کی وجہ سے عام سڑکوں کی نسبت مختلف ہیں۔دنیا بھر... Readmore

---



Interesting News

عرب امارات کے حکمران کروڑوں ڈالر خرچ کرکے زمین پر مریخ بنائیں گے

computerxtech 0 Oct 01, 2017

امارات کی حکومت نے اگلے 100 سال میں مریخ پر انسانی آبادی بسانے کے منصوبے کا افتتاح کردیا۔ فوٹو: حکومتِ دبئی متحدہ عرب امارات کے حکمران 15 ک... Readmore

---



Interesting News

کیا آپ مریخ پر جانا چاہتے ہیں ؟

computerxtech 0 Oct 01, 2017

مریخ ایک ایسا سیارہ ہے جہاں کہا جاتا ہے کہ پانی کی موجودگی ہوسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرخ سیارہ انسان کی دلچسپی کا سبب بن چکا ہے فوٹو: فائل انسان چاند پر... Readmore

---



Interesting News

مریخ کے بارے میں 11 حیرت انگیز معلومات

computerxtech 0 Oct 01, 2017

خلائی کھوجیوں کی بڑی تعداد مریخ پر پہنچی گئی ہے اور امید ہے کہ اگر زمین کے علاوہ زندگی اسی سیارے پر ممکن ہے۔ فوٹو، فائل کراچی: زمین کے بعد مریخ عا... Readmore

---

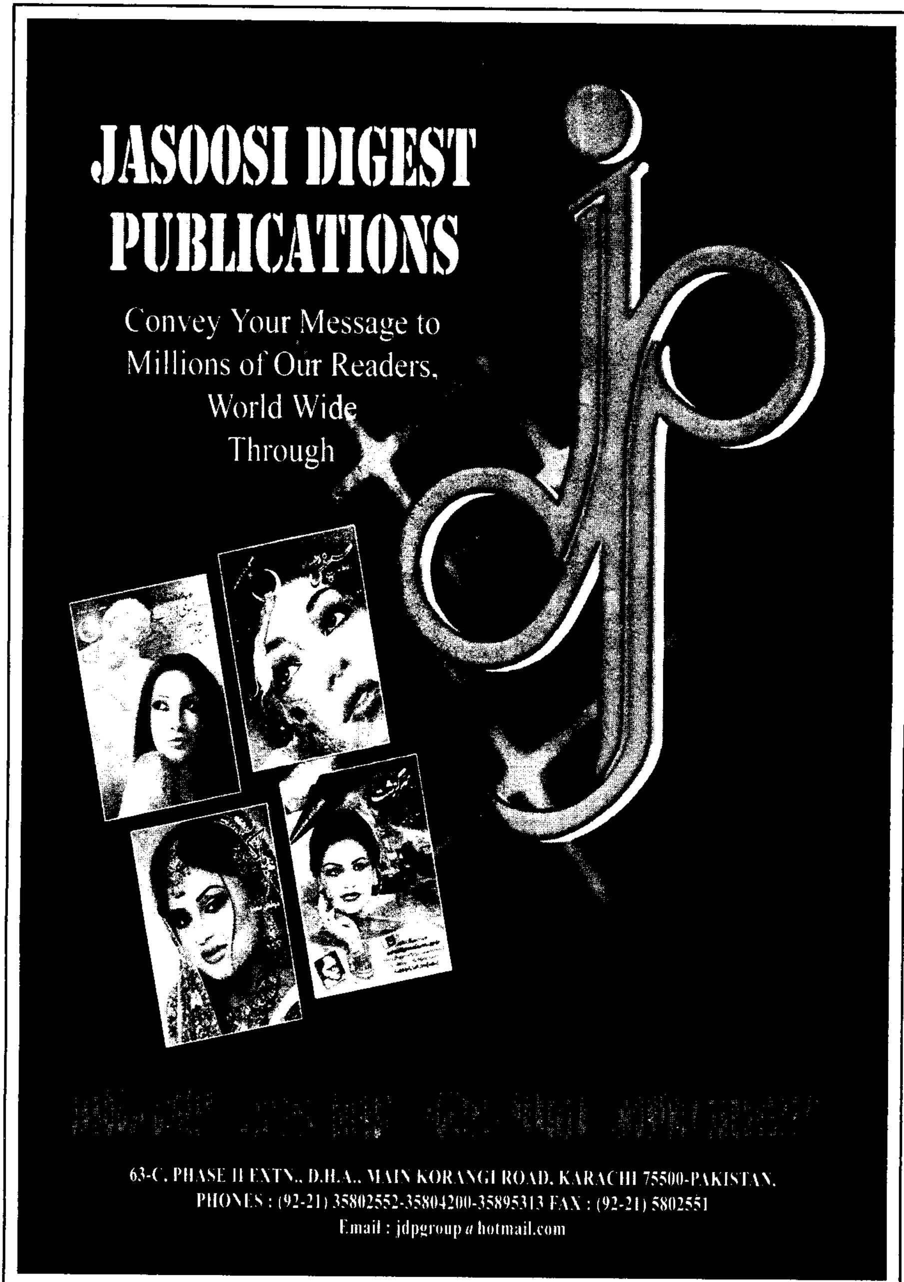


Interesting News

اے ٹی ایم استعمال کرنے والے اسے ضرور پڑھیں اور فراڈ سے بچیں

computerxtech 0 Sep 24, 2017

سائبر لٹیرے اے ٹی ایم میں تبدیلی کرکے بھی آپ کو قیمتی سرمائے سے محروم کرسکتے ہیں۔ (فوٹو: فائل)کراچی: پورے ملک میں نقد رقم نکلوانے کے لیے آٹو ٹیل... Readmore



WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجھے کچھ کہنا ہے......!

قارئینِ کرام......السلام علیکم!

کہتے ہیں فرد، خاندان کی اکائی ہوتا ہے اور خاندان، معاشرے کی اور پھر اسی طرح قومیں وجود میں آتی ہیں، کسی معاشرے میں بڑھتے ہوئے ذہنی انتشار، نفسانفسی، معاشی عدم استحکام، اخلاقی تنزلی اور تہذیبی اقدار وروایات کی پامالی کی بہت سی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ آج سے چالیس سال پہلے تک کے پاکستانی معاشرے میں فرد حتمی طور پر اپنے خاندان کی روایات اور اخلاقی تعلیمات کا پاسدار ہوا کرتا تھا۔ صرف اپنے والدین ہی نہیں چچا، ماموں، پھوپا، تایا حتیٰ کہ محلے برادری کے بزرگ بھی اس کی تربیت میں حصے دار ہوتے تھے۔ آج فرد کی اخلاقی تربیت اور کردار سازی کہیں کھو کر رہ گئی ہے اور یوں لگتا ہے کہ نوجوان نسل کسی امربیل کی طرح بڑھ رہی ہے جو کسی نزدیکی سہارے کو بھی اپنے آسیب میں لے لیتی ہے۔

ہمارے بڑے بوڑھے بوستان وگلستان سعدی اور حکایات رومی کے ذریعے بچوں کی تربیت کیا کرتے تھے۔ آج تربیت کے جدید برقی ذرائع اخلاقیات ومعاشرتی مثبت اقدار کو گھن کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ ہم یہاں اخلاقی گراوٹ کے کسی ایک واقعے کا ذکر ہرگز نہیں کریں گے کیونکہ یہ تو ایک قسط وار سلسلہ ہے جس کی کڑیاں لامحالہ دور تک جاتی ہیں۔ اپنی بات کو مزید پُراثر بنانے کے لیے بس ہم گلستان سعدی کی ایک حکایت ضرور نقل کریں گے، شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے مری بات......

مشہور بادشاہ نوشیرواں اپنے عدل کی بنا پر ہی عادل کہلایا، ایک روز وہ اپنے درباریوں، مشیروں کے ساتھ شکار کو نکلا، جب شکار کر کے جانور کو بھوننے کا وقت آیا تو پتا چلا کہ نمک تو ساتھ نہیں ہے، اب کیا، کیا جائے۔

بادشاہ حضور تک خبر پہنچی، ایک مشیر نے مشورہ دیا کہ حضور نزدیکی بستی سے جا کر نمک لیا جاسکتا ہے۔ جب درباری روانہ ہونے لگا تو نوشیرواں عادل نے تنبیہاً کہا۔

''نمک مول لے کر آنا۔''

''حضور......نمک اتنی ذرا سی چیز ہے ہر شخص بادشاہ سلامت کو دینے پر تیار ہوجائے گا۔'' مشیر بولا۔

اس پر نوشیرواں عادل نے تاریخی جملہ کہا۔

''اگر حکمران اپنی رعایا سے چاہے نمک ہی سہی بے مول لے لیں تو اس کے حواری اور مشیر اس بستی کے بھیڑ، بکرے سیخوں پر چڑھانے میں ذرا تامل نہ کریں گے۔''

تمام اہلِ وطن کے لیے پُرخلوص دعاؤں کے تحفے حاضر ہیں۔

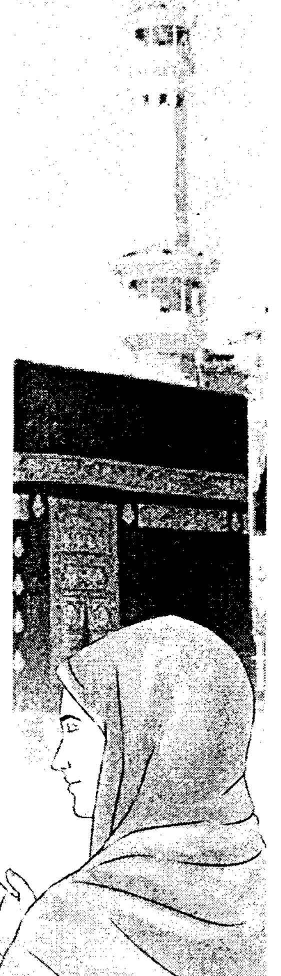
مدیرہ

نزہت اصغر

دین کی باتیں

اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (مبعوث کیا۔) اس نے کہا اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، تمہارے لیے اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔ وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں لے کر آیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے ایک نشانی ہے، پس اسے چھوڑ دو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھاتی پھرے، اور اسے بری طرح سے نہ چھونا، ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑے گا۔ (۷۳) اور وہ وقت یاد کرو جبکہ تمہیں عاد کے بعد جانشین بنایا، اور تمہیں زمین میں جگہ دی۔ تم اس کے میدانوں میں محل بناتے ہو، اور پہاڑوں کو کاٹ، کاٹ کر گھر بناتے ہو۔ پس تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو، اور تم مفسد بن کر زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔ (۷۴) اس کی قوم میں سے ان سرداروں نے جنہوں نے تکبر کیا، ان کمزور لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے تھے، کہا، کیا تم یہ جانتے ہو کہ یقیناً صالح اپنے رب کی طرف سے رسول ہے۔ انہوں نے کہا کہ جو کچھ یہ دے کر بھیجا گیا ہے، ہم اس پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ (۷۵)، وہ لوگ جنہوں نے تکبر کیا، کہنے لگے کہ یقیناً ہم اس چیز کے منکر ہیں جس پر تم ایمان لائے ہو۔ (۷۶) پس انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں، اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی، اور کہا اے صالح! اگر تم رسولوں میں سے ہو تو جس (عذاب) کا ہم سے وعدہ کرتے ہو اسے لے آؤ۔ (۷۷) پس انہیں زلزلہ نے آ پکڑا..... تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (۷۸) تب اس نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہا اے میری قوم یقیناً میں نے تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیے ہیں، اور تمہیں نصیحت کی ہے۔ مگر تم نصیحت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتے۔ (۷۹) اور لوط (کو بھی ہم نے بھیجا) تو اس نے اپنی قوم سے کہا۔ کیا تم ایسی بدکاری کرتے ہو جو تمام جہانوں میں سے کسی ایک نے بھی تم سے پہلے نہیں کی۔ (۸۰) تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر شہوت رانی کے لیے آتے ہو۔ بلکہ تم حد سے بڑھ جانے والے لوگ ہو (۸۱) اور اس کی قوم کے پاس کوئی جواب نہ تھا، سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا انہیں تم اپنی بستی میں سے نکال دو، یقیناً یہ لوگ پاک بنتے ہیں (۸۲) پس ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دی سوائے اس کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی (۸۳) اور ہم نے ان پر پتھر برسائے۔ پس تم غور کرو کہ مجرموں کا انجام کیا ہوا (۸۴) اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا)۔ اس نے کہا اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ تمہارے لیے اس کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں۔ یقیناً تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلیلیں آ چکی ہیں۔ پس تم ناپ اور تول پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو۔ اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مت کرو۔ اگر تم مومن ہو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے (۸۵)

(سورۂ اعراف ۷، پارہ ۸۔ آیات ۷۳ تا ۸۵)



دین کی باتیں

آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی

الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا نَبِیَّ الْهَاشِمِیِّ ط

افضل الانبیا، ختمی مرتبت، سید المرسلین حبیب پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسبتی اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام...... سیدنا ہاشمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہے۔ اور ہاشمی قبیلے سے تعلق رکھنے کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاشمی کہلائے۔

تفصیل مفہوم: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اسم مبارک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کی نسبت سے معروف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شجرۂ نسب میں قصی، عبد مناف اور ان کے فرزند ہاشم کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔ بنی ہاشم، عرب میں سب سے زیادہ معزز قبیلہ تھا۔

ہاشم کا نام عمر تھا مگر عمر و العلاء کے لقب سے مشہور ہوئے اپنے والد عبد مناف کے بعد قوم کے سردار بنے۔ ہاشم لقب پڑنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک بار مکہ میں آٹے کی بہت قلت ہوگئی۔ ان دنوں آپ تجارت کی مہم پر شام گئے ہوئے تھے۔ جب واپس آئے تو آٹا اور روٹیاں اونٹوں پر لاد کر لائے اور عام دعوت کی۔ شوربہ اور گوشت میں روٹیاں توڑ، توڑ کر ڈالی گئیں۔ عربی میں ''ہشم'' کے معنی ٹکڑے کرنا ہے۔ اسی نسبت سے ان کا نام ہاشم پڑ گیا۔

القرآن: ترجمہ: (اے قریش) نبوت سے پہلے بھی میں نے تم میں ایک مدت دراز تک زندگی بسر کی ہے کیا تم سمجھتے نہیں۔ (سورۂ یونس آیت ۱۶)

الحدیث: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابرہیمؑ کی اولاد میں سے اسماعیلؑ کی اولاد کو منتخب کیا اور اسماعیلؑ کی اولاد میں سے کنانہ کو اور کنانہ میں سے قریش اور قریش میں سے بنی ہاشم اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو۔ میں خاندان، گھر، نسب اور اپنی ذات کے حوالے سے سب سے افضل ہوں۔ (مسلم)

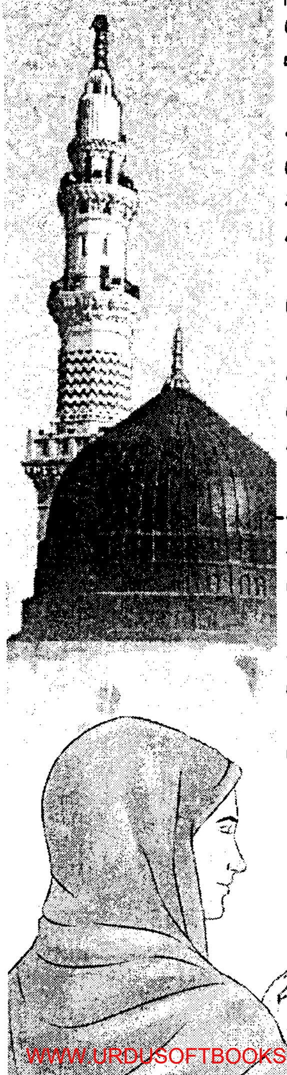
الوائے: وہ ان کے کردار کی تعریف کرتے تھے یہاں تک کہ ''الامین'' کے لقب سے پکارتے مخلص، وفادار، قابلِ اعتماد۔ اس وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پس منظر میں کردار ادا کیا۔ یعنی 605ء میں جب اہلِ مکہ نے خانۂ کعبہ کی از سر نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا جب کعبہ کی دیواریں گرائی گئیں تو حجر اسود کے رکھنے کا سوال اٹھا۔ آخر ایک شخص نے ثالث مقرر کرنے کی نصیحت کی۔ وہ پہلا شخص جو حرم میں پہلے داخل ہو۔ انہوں نے اس کو منظور کیا اور قسمت کے فیصلے کا انتظار کیا تو سب سے پہلے داخل ہونے والے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ انہوں نے ان کا استقبال کیا۔ ''یہ امین ہیں'' وہ چلائے یہ ابوالقاسم عبداللہ کے بیٹے ''ہاشمی'' ہیں ان کا فیصلہ حتمی ہوگا۔

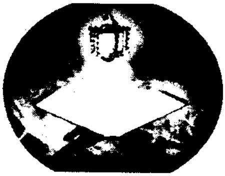
(ای۔ ڈرمینگھم)

الفضائل: 1۔ اس اسم مبارک ''سیدنا ہاشم'' کو 200 مرتبہ روزانہ پڑھنے والا عزیز خلائق ہوگا۔

2۔ اس اسم مبارک کا بکثرت ورد کرنے والا اللہ تعالیٰ کی نظر میں محبوب و مکرم ہوتا ہے۔ نیز اللہ اپنے فضل و کرم سے اس کی اپنی نسبت بلند کر دیتا ہے اور اس پر اپنا خصوصی فضل و کرم نازل فرماتا ہے۔

قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسماء النبی ﷺ سے اقتباس





اللہ اور اس کا نور



قرآن پاک سے عشق کی پُرنور داستان ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کے قلم سے

باب سیزدھم

بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی ہدایت

ہم یہاں ”سورۂ بقرہ“ کی آیات محکمات کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ جن میں تمام احکامات بہت واضح ہیں۔ پچھلے شمارے میں آیات 33 تک پیش کی گئیں اب آگے پڑھیے......

34۔ ”کوئی ہے کہ خدا کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے اس کو کئی حصے زیادہ دے گا۔“(245)

35۔ ”اے مومنو! جو مال ہم نے تم کو دیا ہے، اس میں سے اس دن کے آنے سے پہلے خرچ کر ڈالو، جس میں نہ اعمال کا سودا ہو اور نہ دوستی اور سفارش ہو سکے اور کافی لوگ تو ہیں ہی بڑے ظلم کرنے والے۔“(254)

36۔ ”اللہ تو مومنین کا دوست ہے جو اُن کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور جو کافر ہیں تو شیاطین ان کے دوست ہیں جو ان کو روشنی سے نکال کر تاریکی کی جانب لے جاتے ہیں، یہی لوگ دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ، ہمیشہ رہیں گے۔“(257)

37۔ ”مناسب بات کہہ دینا اور درگزر کر دینا ایسی خیرات سے بہتر ہے، جس کے بعد آزار پہنچایا جائے اور اللہ غنی ہے، حلم والا۔“(263)

38۔ ”اے مومنو! اپنے صدقات و خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا دے کر برباد نہ کرو۔“(264)

39۔ ”مومنو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال کھاتے ہو اور جو چیزیں ہم تمہارے لیے زمین سے نکالتے ہیں، ان میں سے خرچ کرو اور بری ناپاک چیزیں دینے کا قصد نہ کرنا کہ اگر وہ چیزیں تم کو دی جائیں تو بجز اس کے کہ لیتے وقت آنکھیں بند کرو، ان کو کبھی نہ لو۔“(267)

40۔ ”اگر تم خیرات ظاہر کر کے دو تو بھی خوب ہے اور اگر پوشیدہ کر کے حاجت مند کو دو تو یہ تمہارے لیے

زیادہ بہتر ہے اور اس طرح دینا تمہارے گناہوں کو بھی دور کردے گا۔'' (271)

41۔ ''نہ مانگنے والوں کی مدد کرنا۔'' (273)

42۔ ''اللہ تعالیٰ نے سودے کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔'' (276)

43۔ ''اللہ سود کو بے برکت کردیتا ہے اور خیرات کی برکت کو بڑھا دیتا ہے۔'' (276)

44۔ ''اے مومنو! اللہ سے ڈرتے رہو اور جو کچھ سود کا باقی ہے اس کو چھوڑ دو، اگر تم واقعی اللہ پر یقینِ کامل رکھتے ہو۔'' (278)

45۔ ''پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو سن لو اللہ کی اور رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔'' (279)

46۔ ''(مقروض) تنگدست ہو تو مہلت دینے کا حکم۔'' (280)

47۔ (مقروض کو قرض) اگر معاف کردو تو زیادہ بہتر ہے۔'' (280)

48۔ ''دستاویز لکھنے کا حکم، دو گواہ ضروری۔'' (280)

سورۂ آلِ عمران:3۔

49۔ ''مسلمانوں کو مسلمانوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنانا چاہیے۔'' (28)

50۔ ''مومنو! اگر اہلِ کتاب کے کسی فریق کا تم کہنا مانو گے تو وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تم کو کافر بنا دیں گے۔'' (100)

51۔ ''مومنو! اللہ سے ڈرا کرو جیسا کہ اس کا حق ہے، اور اسلام کے سوا کسی حالت پر بھی جان نہ دینا۔'' (102)

52۔ ''تم مل جل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور فرقہ بندی نہ کرنا۔'' (103)

53۔ ''مومنو! تم کسی غیر مذہب والے کو اپنا رازدار نہ بنانا۔ (118)

54۔ ''مومنو! سود نہ کھایا کرو، دوگنا، چار گنا اور اللہ سے ڈرا کرو تا کہ تم کامیاب رہو۔'' (130)

55۔ ''فراغت اور تنگی میں خرچ کرنا، غصے کو ضبط کرنا، لوگوں سے درگزر کرنا۔'' (134)

56۔ ''کسی کو موت آنا ممکن ہی نہیں، بغیر اللہ کے حکم کے۔'' (145)

57۔ ''مومنو! اگر تم کافروں کا کہنا مانو گے تو وہ تم کو الٹا پھیر دیں گے پھر تم ناکام ہو جاؤ گے۔'' (149)

58۔ ''بلکہ اللہ تمہارا دوست ہے اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے۔'' (150)

59۔ ''تم ان کو مردہ خیال نہ کرو، جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے بلکہ وہ تو زندہ ہیں اپنے رب کے پاس، ان کو رزق بھی ملتا ہے۔'' (149)

60۔ ''ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔'' (185)

61۔ ''تم ضرور آزمائے جاؤ گے، اپنے مالوں میں، اپنی جانوں میں۔'' (186)

سورۂ نسا4۔

62۔ ''اور یتیموں کا مال ان ہی کو دیتے رہا کرو اور تم اچھی چیز سے بری چیز کو نہ بدلا کرو اور ان کا مال نہ کھایا کرو ان کے مالوں میں ملا کر کیونکہ ایسا کرنا بڑا گناہ ہے۔''

63۔ ''دو، دو عورتوں، تین، تین عورتوں، چار، چار عورتوں سے نکاح کی اجازت، اگر تم کو اندیشہ ہو کہ انصاف نہیں کرسکو گے تو پھر ایک ہی کافی ہے۔'' (3)

64۔ ''اور اپنی عورتوں کو ان کا مہر خوشی، خوشی دیا کرو۔'' (4)

65۔ ''یتیموں کے مال کی حفاظت کرنا، بالغ ہونے پر ان کو دے دینا اور اس وقت گواہ بھی کرنے کی ہدایت۔'' (6)

66۔ ترکے کی تقسیم۔ (آیت 11,12)

67۔ ''مومنو! تم کو یہ جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ۔'' (19)

68۔ ''تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جو تم کو دودھ پلا چکی ہیں، اور تمہاری دودھ پلائی بہنیں، تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری

بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں رہتی ہیں اور ان بیویوں کی لڑکیاں جن سے صحبت کی ہے، تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری نسل سے ہو اور یہ کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ رکھو۔(23)

69۔''اور شوہر والی عورتیں بھی تم پر حرام ہیں، جن عورتوں سے نکاح کرو ان کا مہر دینے کی تاکید۔''(25)

70۔''مومنو! ایک دوسرے کا مال مت کھایا کرو۔''(29)

71۔''اگر تم بڑے گناہوں سے پرہیز کرو گے جن سے تم کو منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے، چھوٹے گناہ معاف کر دیں گے اور تم کو عزت کا مقام عطا کریں گے۔''(31)

72۔''اس چیز کی حرص نہ کرو، جس میں اللہ نے تم کو ایک دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے۔''(32)

73۔''مرد عورتوں کے محافظ اور نگراں ہیں، اس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فوقیت دی اور اس لیے کہ مرد اپنا مال ان پر خرچ کرتے ہیں۔''(34)

74۔''قریبی رشتے داروں، یتیموں، غریبوں، پڑوسی، صاحب مجلس، مسافر، غلام، لونڈی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم۔''(36)

75۔''مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرنے کی ممانعت۔''(38)

76۔''نشے کی حالت میں نماز کے پاس جانے کی ممانعت، ناپاکی کی حالت میں نماز کے پاس جانے کی ممانعت، تیمم کرنے کی اجازت۔''(43)

77۔''شرک کی ممانعت۔''(48)

78۔''بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ حق داروں کو ان کا حق ادا کر دیا کرو۔''(58)

79۔''مومنو! تم اللہ کا کہا مانو، رسول کا کہا مانو، تم میں جو حاکم ہیں ان کا کہا مانو۔''(59)

80۔''دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے اور بہت اچھی چیز پرہیزگار کے لیے آخرت ہی ہے۔''(77)

81۔''تم کہیں رہو، موت تو آ کر ہی رہے گی، خواہ تم بڑے مضبوط قلعوں میں رہو۔''(79)

82۔''جو اچھی بات کی سفارش کرے گا اس کو ثواب میں حصہ ملے گا اور جو بری بات کی سفارش کرے گا اس کو اس عذاب میں سے ملے گا۔''(85)

83۔''اور جب تم کو دعا دی جائے تم اس سے بہتر دعا دو یا اسی کو دُہرا دو۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز کا حساب لے گا۔''(86)

84۔''کسی مومن کی یہ شان نہیں کہ دوسرے مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے۔''(غلطی سے قتل کرنے کا کفارہ بیان ہوا ہے۔)(آیت 92)

85۔''اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے۔''(93)

86۔ہجرت کرنے کا حکم، اس کی تفصیلات۔ (97،100)

87۔سفر کے دوران نمازیں قصر کرنے کا حکم۔(101)

88۔''جو کوئی برائی کرے یا اپنے اوپر ظلم کرے پھر وہ اللہ سے معافی چاہے تو وہ اللہ کو بڑی مغفرت والا اور بڑی رحمت والا پائے گا۔''(110)

89۔''اور جو کوئی چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ اور پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے تو اس نے بڑا بھاری بہتان اور صریح گناہ اپنے اوپر لادا۔(112)

90۔''یتیم بچوں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو۔''(127)

91۔''اور تم تو اپنی عورتوں میں برابری کر ہی نہیں کرسکتے، خواہ تم کتنا ہی چاہو۔''(129)

92۔''مومنو! تمام انصاف پر قائم رہنے والے بنے رہو۔''(135)

93۔''مومنو! تم اللہ پر پورا، پورا یقین رکھو۔''(136)

94۔''منافقین کے لیے دردناک عذاب۔(138)

95۔''اور اللہ تمہاری کتاب میں یہ حکم دیتا ہے کہ جب تم احکام الٰہیہ کے ساتھ کفر اور مذاق ہوتا سنو تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھا کرو، جب تک کہ وہ کوئی بات نہ شروع کر دیں۔''(140)

96۔ ''مومنو! تم مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ۔'' (148)

97۔ ''اللہ زبان پر بری بات لانے کو پسند نہیں کرتا سوائے مظلوم کے۔'' (148)

سورۂ مائدہ۔5۔

98۔ ''مومنو! تم عہدوں کو پورا کیا کرو، تمہارے لیے تمام چوپائے مویشی حلال کیے گئے ہیں۔'' (1)

99۔ ''مومنو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کیا کرو۔'' (2)

100۔ ''تم پر حرام کیے گئے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نام نذر (ذبح) کر دیا گیا اور جو گلا گھٹنے سے مر جائے اور جو کسی ضرب سے مر جائے اور جو اونچے چشمے سے گر کر مر جائے اور جو کسی ٹکر سے مر جائے اور جس کو درندہ کھانے لگے مگر جس کو ذبح کر لو وہ جائز ہے اور جو جانور پرستش گاہ پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ تقسیم کرو قرعہ کے تیروں کے ذریعے سے، یہ سب گناہ ہیں۔'' (3)

101۔ ''تمام حلال جانور حلال ہیں، شکاری جانور کے ذریعہ شکار کرنا، حلال۔ (4)

102۔ ''اہلِ کتاب کا ذبیحہ کھانا تمہارے لیے حلال ہے، اہلِ کتاب کی پارسا عورتوں سے نکاح (حلال ہے)۔'' (5)

103۔ ''وضو اور تیمم کا بیان، طریقہ۔ (6)

104۔ ''مومنو! تم اللہ پر پوری پابندی سے انصاف پر قائم رہنے والے گواہ بنو۔'' (8)

105۔ ''مومنو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ کے قرب کا وسیلہ تلاش کرو۔'' (35)

106۔ ''چور مرد یا عورت کے ہاتھ کاٹنے کا حکم۔'' (38)

107۔ ''مومنو! تم یہودیوں اور نصرانیوں کو دوست نہ بنایا کرو، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔'' (51)

108۔ ''مومنو! تم اپنا دوست نہ بنانا، ان اہلِ کتاب کو جو تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں اور نہ کافروں کو، اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم ایمان والے ہو۔'' (57)

109۔ ''بے شک وہ بھی کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تین کا ایک ہے۔'' (57)

110۔ ''مومنو! تم ان پاک چیزوں کو حرام نہ کرو، جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دی ہیں، اور حد سے آگے نہ بڑھو۔'' (87)

111۔ ''حلال پاکیزہ رزق کھانے کی ہدایت۔'' (88)

112۔ ''پختہ قسم کھانے کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا کھلانا، یا کپڑے دینا، یا ایک غلام لونڈی آزاد کرنا، یا تین روزے رکھنا۔'' (89)

113۔ ''مومنو! بے شک شراب، جوا، بت، پانسے یہ چاروں چیزیں ناپاک ہیں، شیطانی کام ہیں، پس ان سے بچتے رہا کرو تا کہ تم کو نجات ملے۔'' (90)

114۔ ''احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت۔'' (95)

115۔ ''دریائی چیزوں کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا۔'' (96)

116۔ ''ناپاک اور پاک برابر نہیں۔'' (100)

117۔ ''مومنو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو بری معلوم ہوں۔'' (101)

118۔ ''وصیت کے وقت دو عادل مرد گواہ۔'' (106)

سورۂ انعام 6۔

119۔ ''زمین کے تمام حیوانات اور پرندے، ان کو رب کے سامنے جمع ہونا ہے۔'' (38)

120۔ ''اور ان کو برا نہ کہا کرو، جن کی اللہ کے سوا یہ عبادت کرتے ہیں کیونکہ وہ پھر اللہ کو برا کہیں گے۔'' (108)

121۔ ''اور تم ظاہری گناہ بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ دو۔ بلاشبہ جو گناہ کر رہے ہیں، ان کو ان کے برے کام کیے کی سزا جلد ملے گی۔'' (120)

122۔ ''اور بے جا صرف نہ کرو کیونکہ اللہ حد سے گزرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' (141)

(جاری ہے)

..... یہ کہاں آ بچیں کہ دل ہے

رفعت سراج

بنی اسرائیل کا سونے کا بچھڑا آج ڈالر، پونڈ، یورو، درہم و دینار کی شکل اختیار کر چکا ہے۔
دل جذبات کا استعارہ ہے مگر اب وہ دل کہاں . . .
سونے کے بچھڑے میں دل بھی سونے کا ہے . . .
دل کو رویا جاتا ہے، جگر کو پیٹا جاتا ہے . . .
کبھی ناقدروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے، یاریاں ٹوٹ جاتی ہیں۔
الزام تراشیوں کا ایک طوفان بدتمیزی برپا ہو جاتا ہے۔
دل سے دل کو راہ بھی ہوتی ہے . . .
آج کا انسان یہ راہ سٹیلائٹ کے ذریعے search کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
دل اور سونے کا بچھڑا . . .
عبادات، معاملات . . .
جنت گم گشتہ کے بے دخل باسیوں کی ازلی کہانی . . .

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غم عشق گر نہ ہوتا، غم روزگار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

قسط 19

فطری طور پر زبردست جھٹکا سا لگا تھا۔ سلمان اس کے ساتھ خاصا وقت گزار کر اور اپنی بنیادی و اصیل فطرت کا مظاہرہ کر کے رخصت ہوا تھا۔
یہ تو اب ممکن ہی نہیں رہا تھا کہ آئندہ کی غیر متوقع ملاقاتوں پر وہ الجھن محسوس نہ کرتا۔
وہ تو لاشعوری طور پر اس وقت زارا سے ملاقات کا موڈ بنا رہا تھا کہ غیر متوقع صورتِ حال اسے بے ترتیب سا کر کے رکھ دیتی تھی۔
''انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھائیے...... مجھے پانچ سے دس منٹ لگ سکتے ہیں۔'' بہر طور اسے صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لیے خود کو تیار تو کرنا ہی ہے۔ یہی سوچتے ہوئے ہدایت جاری کی...... اور گہری، گہری سانسیں لے



کر خود کو متوازن کرنے لگا۔

☆☆☆

لیڈی صوفیہ نے لاؤنج سے باہر نکل کر زارا کا استقبال کیا تھا اور یوں گلے سے لگایا تھا جیسے کوئی بیٹی بہت راہ دکھا کر میکے آئی ہو۔

''میں سمجھتی تھی کہ میں بہت خوش رہتی ہوں...... بالکل بھی اداس نہیں ہوں مگر اب محسوس ہوتا ہے کہ سفینہ کا ملنا میری خوشیوں کا بہانہ بن گیا ہے......اب تو میں جتنی دیر جاگتی ہوں بس ایک روحانی مسرت کو انجوائے کرتی ہوں۔ کتنی پیاری اور معصوم سی بیٹیاں مجھے مل گئی ہیں۔'' لیڈی صوفیہ، زارا کو پیار کرتے ہوئے بڑی سرشاری کیفیت میں کہہ رہی تھیں۔ زارا کو جہاں گرم جوش استقبال نے نہال کیا وہیں سفینہ کے نام نے طبیعت میں تکدر پیدا کیا۔

یہ ہر خوشی کی انتہا پر سفینہ کہاں سے آجاتی ہے۔ جیسے کھانا کھاتے ہوئے چاول میں کنکر، کھانے کا سارا لطف برباد کر دیتا ہے۔

بہر طور اسے مسکرانا تو تھا۔

کوئی کھل کر مسکراتا ہے، کوئی طنزیہ، کوئی جبراً مسکراہٹ تو معنی خیز بھی ہوتی ہے مگر اب وہ بے معنی سا مسکرائی تھی۔

تعمیرات کا شاہکار گھر، سائے کے سرسبز پودوں کے سرخ گملے، قیمتی ڈیکوریشن پیسز، روشنیوں کا سحر انگیز انتظام......مگر دل پر ایسا بوجھ جیسے تیرتی کشتی اچانک بارش کے پانی سے بوجھل ہو جائے۔

''اب تو تم فیملی ممبر ہو، ڈرائنگ روم گیسٹ کے لیے ہوتا ہے۔'' لیڈی صوفیہ نے ڈرائنگ روم کے دودھیا شیشے کے بند دروازے پر ایک سرسری سی نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔

زارا اس ثانیے میں خود کو سنبھال چکی تھی......سفینہ کو منظر سے آؤٹ کرنے سے پہلے تک یہ سب تو برداشت کرنا ہوگا......اس نے خود کو سمجھایا۔

لیڈی صوفیہ کے وہم و گمان میں نہیں آسکتا تھا کہ اس وقت ان کے ڈرائنگ روم میں صندل اور سلمان براجمان ہیں......اور پرنس کا انتظار کر رہے ہیں۔

وہ زارا کو ساتھ لے کر اپنے بیڈروم کی طرف بڑھیں۔ کونے میں مؤدبانہ کھڑی انجیلا بڑی پھرتی سے ان کے قریب آئی اور سائے کی طرح ساتھ چلنے لگی۔

لیڈی صوفیہ اپنی قیمتی چھڑی ٹکاتی آگے بڑھتے ہوئے بار، بار زارا کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

زارا یوں قدم رکھتی تھی گویا ملکہ سبا، سلیمانؑ کے محل میں فرش کو پانی سمجھ کر پاؤں دھر رہی ہو۔

محتاط، ہوشیار، اور خواہشات کے شدید دباؤ سے نڈھال......

☆☆☆

''خبردار اگر آنسوؤں کا ڈراما کرنے کی کوشش کی......'' صندل کی آنکھوں سے آنسو یوں ابل رہے تھے گویا پہاڑوں کی اوٹ سے چشمے ابل رہے ہوں۔ سلمان کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ دانت پیس کر بے رحم نظروں سے اس کی طرف گھور رہا تھا۔

صندل نے خوفزدہ انداز میں آنسو پونچھنے کی بار، بار کوشش کی مگر عجیب بے اختیاری تھی۔

مرنے جیسی بے اختیاری......مرنے کو جی نہ چاہے مگر مرنا پڑے۔

''اس شخص کا قصور کیا ہے......یہی ناں کہ اس نے ایک بے بس عورت کی اس وقت مدد کی جب وہ مرنے کے



قریب تھی۔'' صندل نے بھرائی ہوئی آواز میں بات کرنے کی ہمت کی۔

''وہ میرے گھر میں داخل کیسے ہوا؟ تم نے اس کو حوصلہ نہ دیا ہوتا تو وہ گھر میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔'' سلمان نے غرا کر جواب دیا۔

صندل نے بے بسی کی کیفیت میں آنکھیں موندلیں۔

''آخر آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں......؟'' صندل کی آواز میں بلا کا کرب تھا۔

''ابھی پتا چل جاتا ہے کہ تمہیں یہاں کیوں لایا ہوں۔'' سلمان نے خونی نظروں سے بیوی کی طرف دیکھا۔

اسی آن پرنس گرے راؤ سلک کے کرتے اور سفید شلوار میں ملبوس اندر داخل ہوا، اس کی آنکھوں میں تفکر بھی تھا اور تجسس بھی۔ اس نے شعوری طور پر خود کو منظم کیا اور صندل کی طرف دیکھنے کے بجائے سلمان کی طرف دیکھا جو اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

پرنس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ خواہ طوعاً و کرہاً سہی...... مگر سلمان نے اس کا ہاتھ نظرانداز کردیا۔

''میں تمہارا زیادہ ٹائم نہیں لوں گا......'' سلمان نے پرنس کو ''تم'' کہہ کر مخاطب کیا جو اپنے ملازمین سے بھی ''آپ'' کہہ کر بات کرتا تھا۔

پرنس نے سوچتی ہوئی نظروں سے سلمان کا چہرہ بغور دیکھا۔

''اگر تم ایک شادی شدہ عورت پر دل ہار چکے ہو تو جو اس کے ساتھ رہے وہ بے غیرت ہی ہے مگر میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں کہ تم اس کی اور اس کی اولاد کی ذمّے داری لینے کے لیے تیار ہو۔'' سلمان نے اعلیٰ درجے کی بے حمیتی اور بے رحمی سے اپنے دل کی بات کی اور کسی تکلیف کا مظاہرہ نہ کیا۔

''نان سینس...... آپ کو فوری طور پر کسی سائیکاٹرسٹ سے کنسلٹ کرنا چاہیے...... گھر ایک دن میں نہیں بنتا مگر ایک دن میں ٹوٹ ضرور جاتا ہے۔ اصولاً تو آپ کسی نیک عورت کو ڈیزرو نہیں کرتے مگر جبکہ آپ کسی کو اپنا چکے اور ایک بچے کے باپ بھی بن چکے تو شریف عورت کا فرض ہے کہ وہ آپ کو برداشت کرے۔'' پرنس نے اعلیٰ درجے کے تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے سرد لہجے میں بات کی۔

''ہونہہ...... شریف عورت؟'' سلمان کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔

''اسے شریف صرف تم ہی کہہ سکتے ہو...... اس لیے کہ تمہاری مجبوری ہے۔'' سلمان نے صندل پر ایک غضبناک نگاہ دوڑاتے ہوئے جواب دیا۔

''میرے نزدیک تو ہر خاتون قابلِ احترام ہے، عورت کی عزت کرنا تو بہادر مردوں کا ہی کام ہے...... جس میں جتنی غیرت ہوتی ہے اسی حساب سے عورت کو عزت دیتا ہے، میں اس وقت آپ کی آمد کا مقصد جاننا چاہتا ہوں؟'' پرنس مسلسل ضبط و تحمل کا مظاہرہ کر رہا تھا...... اس کے سامنے ایک مجبور و بے بس عورت تھی جس کا دور تک کا مفاد پیشِ نظر تھا...... اس کا ذرا سا جذباتی ہو جانا صندل کے لیے نیا گڑھا کھودنے کے مترادف تھا۔

''میں اسے یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔'' سلمان نے دھماکا کر دیا...... پرنس کو یوں لگا گویا زلزلے سے در و دیوار لرز اٹھے ہوں...... چند ثانیے کے لیے تو گویائی سلب ہو کر رہ گئی۔

''آپ اپنی شریکِ حیات کو غیر مرد کے گھر میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟'' پرنس نے بہت مہارت سے خود پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔

''اس لیے کہ اس کی خاطر ایک غیر مرد میرے گھر میں آتا ہے۔'' سلمان نے بھڑک کر جواب دیا۔

''یہ میری domain (سلطنت) ہے...... یہاں میرے فیصلے چلتے ہیں who are you؟'' پرنس نے نہایت مشکل سے انسانی کمزوری کو پھڑ پھڑاتے پروں کے ساتھ دبوچا...... اشتعال کا نازک لمحہ اس نے پھر زیر کر دیا تھا اور بہت نرم لہجے میں بات کی۔

''چالاکیاں نہیں چلیں گی، تمہیں پتا ہے میں اسے یہاں چھوڑ کر کیوں جا رہا ہوں؟'' سلمان نے خون آشام نظروں سے صندل کی طرف دیکھا...... جو پتھر کے بت کی طرح ساکت دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔

پرنس نے سوالیہ نظروں سے سلمان کی طرف دیکھنے پر اکتفا کیا۔ سلمان نے کوٹ کی جیب سے ریوالور نکالا...... پرنس اب بری طرح چکرا گیا کہ صورتِ حال نہایت نازک اور سنگین صورت اختیار کر گئی تھی۔

صندل بدحواس ہو کر کھڑی ہوئی اور دیوانہ وار سلمان سے ریوالور چھیننے کی کوشش کرنے لگی۔

سلمان نے اسے کہنی کے زور پر پرے دھکیلا اور ایک زوردار تھپڑ اس کے گال پر رسید کیا۔ وہ بری طرح لڑکھڑا گئی۔

''میں اس لیے اسے یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ تھوڑی، تھوڑی دیر بعد میرے سر پر خون سوار ہو جاتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ میں اسے کسی وقت قتل کر دوں گا...... جبکہ میں کسی ناپاک خون سے اپنے ہاتھ رنگ کر پھانسی نہیں چڑھنا چاہتا، بہت دولت ہے میرے پاس...... لائف انجوائے کرنے کے لیے سب کچھ ہے میرے پاس...... اور اس جیسی......'' سلمان نے حقارت سے صندل کی طرف دیکھا۔

''اسی جیسی بہت پھر رہی ہیں روڈوں پر۔'' یہ کہہ کر سلمان نے ریوالور واپس اپنے کوٹ کی جیب میں رکھ لیا۔
پرنس کی تمام تر فراست اس وقت سلب تھی......ذہن کسی برفانی تودے تلے دبا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ خواب جیسی زندگی......اس وقت دنیا کی بدترین بدصورتی ملاحظہ کر رہی تھی۔
''مجھے کسی کا خوف نہیں ہے، میں اپنے آپ سے ڈر رہا ہوں، یہ میرے سامنے رہی تو میرے ریوالور کا پورا چیمبر کسی بھی وقت خالی ہو سکتا ہے۔'' یہ کہہ کر سلمان نے پھر حقارت و غضب ناک نظروں سے صندل کی طرف دیکھا اور باہر کی طرف قدم بڑھائے۔
''listen Mr salman'' پرنس نے اسے آگے بڑھنے سے روکا۔
''قانون و مذہب آپ پر جبر نہیں کرتے......آپ اس مظلوم عورت کو آزاد کر دیں، یہ اتنی پڑھی لکھی تو ہوں گی کہ محنت، مزدوری کر کے اپنا بچہ پال سکیں......میرے گھر میں یہ کس حیثیت سے رہ سکتی ہیں؟'' سلمان کی ناقابلِ برداشت گفتگو کے بعد بھی پرنس بہت معصومیت سے سوال کر رہا تھا۔
''ایک دھوکے باز عورت کے ساتھ میں اتنی مہربانی نہیں کر سکتا......سوری، اسے چاہیے کہ یہ خلع کے لیے کورٹ کا دروازہ کھٹکھٹائے۔'' یہ کہتے ہی سلمان برق رفتاری سے ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا۔
پرنس چند ثانیے کے لیے پتھر کا آدمی بن گیا۔ اس کی دانش و فراست اسے آگاہ کر رہی تھی کہ سلمان کا ذہن متوازن نہیں ہے......حرام مشروب، حرام کمائی، ذہنی توازن بگاڑنے کے لیے بہت ہوتی ہیں......عیاش لوگ دانش و فراست سے اسی طرح محروم ہوتے ہیں جیسے صحرا پانی سے......
اس نے قرآن میں پڑھا تھا کہ سود کھانے والے کی مثال ایسی ہے جیسے اسے جن (شیطان) چھو گیا ہو۔
حرام کھانے پینے کے ساتھ دانش و فراست کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ پرنس نے کھرے، کھرے نکتہ پا لیا۔
جس کو اللہ نے گمراہی میں بھٹکنے کے لیے تنہا کر دیا ہو......اس کا علاج کسی انسان کے بس کی بات نہیں رہتی۔
اس نے محتاط نظروں سے اس عورت کی طرف دیکھا جو بے بسی کی تصویر بنی بیٹھی تھی۔
کسی بھی نسل کا بڑا گناہ کسی بددعا کی بنیاد بن جاتا ہے......اور بددعا کئی نسلوں کا پیچھا کرتی ہے۔
یہ تو معصوم و بے قصور عورت ہے......شاید کوئی بددعا اس کے تعاقب میں ہے۔
پرنس نے بہت مطالعہ کیا تھا حتیٰ کہ قرآن سے پہلے اترنے والے تینوں صحیفے بھی پڑھ ڈالے تھے......جاننے کی لگن نے اسے کبھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔
''میں آپ کو اپنی گرینڈ مام سے ملواؤں گا......آپ ریلیکس کریں......آپ کو اللہ سے رابطے کا بہت حسین موقع ملا ہے۔ آپ کثرت سے عبادت کریں اور آپ کے جو پیارے اس دنیا سے جا چکے ہیں نوافل پڑھ کر اُن کی روحوں کو ہدیہ کیجیے......مجھے امید ہے اللہ جو رحمٰن و رحیم ہے اس سختی کو نرمی سے بدل دے گا۔''
پرنس سر جھکائے دل سوز لہجے میں کہہ رہا تھا اور صندل اس کی طرف یوں دیکھ رہی تھی گویا اہرام میں سوئی ہوئی ممی صدیوں بعد جاگ کر ہمکلام ہو......حیرت کی کوئی انتہا نہیں ہوتی......اس کی آنکھیں پھیلتی جا رہی تھیں۔ وہ تو پہلے ہی بات کرنے کے قابل نہیں تھی۔ پرنس نے تو اس کی گویائی ہی چھین لی تھی۔ ایسی برف ہوئی کہ آنسو ہی جم گئے۔
''میں اپنی ملازمہ کو بھیجتا ہوں، وہ آپ کو گیسٹ روم میں پہنچا دے گی۔'' پرنس نے ایک بار بھی شعوری طور پر صندل کی طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی......بلکہ صندل کی طرف سے قدرے پشت کر کے بات کر رہا تھا۔ یہ کہہ کر وہ رکا نہیں فوراً ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا......
''یہ کلین شیو صوفی......'' صندل کے ذہن نے کام کرنا شروع کیا تو پہلا جملہ یہی ذہن میں آیا......کچھ تھا اس

لہجے میں...... جیسے ممتا کی تھپکی...... جیسے پھول کے دامن میں اترنے والا شبنم کا اولین قطرہ...... جیسے پر نکلتے ہی تتلی کی پہلی اڑان...... جیسے بادلوں کی اوٹ سے جھانکتا پورا چاند......

☆☆☆

پرنس دادی کی کھوج میں پڑنے کے بجائے سیدھا اپنے بیڈروم میں آیا تھا...... اس کے اعصاب چیخ رہے تھے۔ ایک عورت کی تذلیل کی انتہا نے اسے بدترین ذہنی تشدد سے دوچار کر دیا تھا۔

تھپڑ کھا کر جس طرح صندل نے گال پر ہاتھ رکھ کر سر جھکا لیا تھا...... وہ اس کی شاہکار مصوری کا منہ چڑا رہی تھی...... انسانی جذبات کی اس سے زیادہ بھرپور تشریح نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس کی انگلیوں میں ہلکا، ہلکا ارتعاش تھا...... ایسا ارتعاش جو اس پہاڑ پر ہاتھ دھرنے سے محسوس ہوتا ہے جو اپنے اندر آتش فشاں کی پرورش کر رہا ہوتا ہے۔

روزِ قیامت ایسے ہی پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے دکھائی دیں گے جو صدیوں آتشِ فشاں کی پرورش کرتے رہے...... جن کے پھٹتے ہی زمین اپنا توازن کھو دے گی...... کشش ثقل صفر ہو جائے گی...... ستارے ٹوٹ، ٹوٹ کر گرنے لگیں گے۔

اسے یوں لگا اگر اس نے خود پر قابو پانے میں کامیابی حاصل نہیں کی تو ایک قیامت برپا ہونے کا اندیشہ ہے۔

تہذیب و معاشرت کا اعلیٰ نمونہ و پروردہ اپنی آنکھوں کے سامنے ایک مظلوم عورت کی تذلیل برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا۔

آدم کا شرف ہی انسانیت ہے...... سلمان جیسے لوگوں کو انسانوں کی بستی میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کو جنگل میں رہنا چاہیے اور جنگل کے قانون کے مطابق اپنے سے کمزور جانوروں کو چیر پھاڑ کر اپنی وحشت مٹانی چاہیے۔

زندگی کے اس نئے اور تلخ تجربے نے اسے انوکھے اور نامانوس خیالات سے دوچار کر دیا تھا۔ وہ اس کیفیت میں دادی اور زارا کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ جبکہ صندل بھی اس گھر کی چھت تلے اپنی تقدیر کا ماتم کر رہی تھی۔

روشنیوں اور خوشیوں سے دمکتے گھر میں اچانک کرب بھری اندھیری سی شام اتر آئی تھی۔ بھری دوپہر میں جیسے اندھیرے پھیلتے جاتے تھے۔ ایک معرکہ درپیش تھا جو اسے سر کرنا ہی تھا...... ایک ایسا انسان جسے اپنے شرف کا کامل ترین شعور حاصل ہو، وہ اپنے ضمیر کی آواز دبانے کی اہلیت ہی نہیں رکھ سکتا۔ روڈ پر پڑے زخمی کو دیکھ کر گاڑی نہیں بڑھا سکتا...... بچے کے آنسوؤں کو مسکراہٹ میں تبدیل کرنے تک ہار نہیں مان سکتا...... زخمی بلی کی مرہم پٹی سے پہلے کھانا کھانے کو ترجیح نہیں دے سکتا......

وہ عام انسان نہیں تھا...... آبِ مقطر (distilled water) تھا...... جسے قدرت نے کئی نسلوں سے یوں کشید کیا تھا جیسے چاند، سورج سے شعاعیں مستعار لے کر دودھیا چاندنی کشید کرتا ہے۔

معاً دروازے پر پڑنے والی مدھم سی دستک نے اسے چونکا دیا۔

''یس......!'' دروازہ مقفل نہیں تھا۔ اور وہ مہذب حلیے میں تھا اس لیے بلا سوچے دستک دینے والے کو دروازہ کھول کر اندر آنے کی اجازت دی۔ دروازہ آہستگی سے کھلا اور انجیلا نے اندر قدم رکھا مگر دروازے کے قریب ہی رک گئی کیونکہ پرنس سامنے ہی منتظر تھا۔

''سر...... میم معلوم کرنا چاہ رہی ہیں آپ کب تک انہیں جوائن کر سکیں گے؟'' انجیلا نے سر کو مؤدبانہ خم دیتے ہوئے سوال کیا۔

''انشاء اللہ...... میں لنچ پر انہیں جوائن کروں گا۔'' پرنس نے سوچتے ہوئے جواب دیا...... اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ کوئی پل، پل پارے کی طرح مچل کر اس کی ایک جھلک دیکھنے کو تڑپ رہا ہے۔

''اوکے......'' انجیلا نے سر کو خم دیا اور میکانکی انداز میں پلٹ گئی۔

لنچ ٹائم تک اس نے کیا کرنا تھا...... اسے خود بھی معلوم نہیں تھا۔

☆☆☆

جان بار بر نے کہا تھا۔

"man was born free and everywhere he is in chains" (انسان آزاد پیدا ہوا تھا مگر ہر جگہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے)

زارا نے بڑی ادا سے کہا اور اپنی زلفوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کھلکھلائی۔

''اوہ...... او ہو...... "what's a nice quotation what's a good memory

لیڈی صوفیہ یوں خوشی سے بے حال نظر آئیں گویا زارا نے انہیں پل میں اپنا ہمنوا بنا لیا ہو...... یا پھر...... یہ کہ میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔

''آؤ میرے قریب آؤ، میں تمہیں بہت سا پیار کرنا چاہتی ہوں۔ ڈارلنگ، ابھی سے تمہارا یہ حال ہے؟ بڑی ہو کر کیا کرو گی......'' لیڈی صوفیہ نے اسے گلے لگانے کے لیے بازو وا کر دیے۔

زارا یوں جا گلے لگی گویا وہ فتح مند ہو گئی ہو...... لیڈی صوفیہ نے سفینہ کے بجائے زارا کو بہو بنانے کا اعلان کر دیا ہو۔

یوں بھی منفی سوچ کے حامل لوگوں کو خود کو دھوکا دینے اور فوراً خوش فہمی میں مبتلا ہوجانے کی فطری بیماری ہوتی ہے.....یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو کبھی اپنی غلطی، کوتاہی ماننے کو تیار نہیں ہوتے اور اپنی تمام تر ناکامیوں اور محرومیوں کا ذمے دار دوسروں کو ٹھہراتے ہیں...... یہ بھی بدترین تکبر کی ایک شکل ہے......اور اسی فطرت کے حامل لوگوں کو جادوٹونے اور کالے علم کے خیالات بھی آتے رہتے ہیں اور اندیشے بھی ستاتے ہیں۔

ان کے اندر وہ ''سوفٹ ویئر'' ہی نہیں ہوتا جو انہیں ان کی غلطیوں کی طرف متوجہ کرے......لیڈی صوفیہ نے زارا کو سینے سے لگا کر کئی بار.... اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

زارا یوں مطمئن ہوئی گویا کامیابی قریب کھڑی خوش آمدید کہہ رہی ہو۔

''تھینک گاڈ......! مجھے اس عمر میں کتنی بہترین دوست ملی ہے......جو حیران کردینے کی صلاحیت رکھتی ہے......''لیڈی صوفیہ سرخوشی کی کیفیت میں کہہ رہی تھیں۔نہال ہوتے ہی زارا کو پرنس کا خیال آیا۔جس کا دور، دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔اسی لمحے انجیلا اندر داخل ہوئی۔

لیڈی صوفیہ نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میم...... پرنس لنچ پر جوائن کریں گے۔''اس نے مؤدبانہ عرض کی۔

''اوکے......وہ اس وقت خاصا بزی ہوتا ہے......''لیڈی صوفیہ نے زارا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ٹیک کی لکڑی سے بنے منقش بڑے سے گھڑیال کی طرف دیکھا جس پر پچاس میٹر کے فاصلے سے بھی وقت دیکھا جاسکتا تھا۔

زرقون پتھر کے رومن ہندسے اور پیتل کا پنڈولم......جس کی لمبائی میں پیمائش لگ بھگ تین فٹ ہوسکتی تھی۔

زارا نے بھی ان کی نظروں کا تعاقب کیا۔

ایک عجیب سی بدمزگی اور کدورت حواس پر طاری ہوگئی......لنچ میں تو ابھی اچھا خاصا وقت تھا......اتنی دیر تک اسے ضعیف خاتون کو خوش کرنے کے لیے کتنی مشقت اٹھانا تھی۔ان سے عام باتیں نہیں کی جاسکتی تھیں۔خوب صورت الفاظ، پُرمغز خیالات، منفرد موضوعات......وہ اتنی دیر تک کس طور اکھٹے کرتی رہتی......

فوراً ہی اسے ایک آئیڈیا سجھائی دیا......وقت گزارنے کے لیے کیوں نہ کوئی مووی دیکھ لی جائے۔

''آپ نے beauty and the beast دیکھی ہے؟''زارا نے اپنی طرف سے بات شروع کی مبادا لیڈی صوفیہ کسی بور ٹاپک کی طرف آجائیں۔

لیڈی صوفیہ کے تاثرات آنِ واحد میں تبدیل ہوگئے......وہ پلکیں جھپکائے بغیر چند ثانیے اس کی طرف دیکھتی رہیں......زارا کی تو گویا تھرتھری چھوٹ گئی۔لیڈی صوفیہ کی آنکھوں کے تاثرات دوستانہ تو ہرگز نہیں تھے......غضبناک بھی نہیں تھے مگر کچھ، کچھ جنونی کیفیت ظاہر تھی۔

''ظلم کہیں ہو...... کسی شکل میں ہو......میرے لیے ناقابلِ برداشت ہے، گنتی کی چند سانسیں بچی ہیں......وہ بھی ظلم کی کہانیاں دیکھتے گزاردوں؟ مجھ پر اتنا ظلم ہوا کہ اس خاندان کے لوگ یوں مرنے لگے جیسے کسی بستی میں وبا پھیل جاتی ہے...... چلتے پھرتے دنیا سے اٹھنے لگے......میں خوفزدہ ہوگئی کہ میرے خاندان کا نام ونشان نہ مٹ جائے......میں رات کو کھڑے ہوکر نمازیں پڑھنے لگی۔کھڑے، کھڑے پاؤں سن ہوجاتے......سجدے میں رو، رو کر اپنے پرنس کے لیے دعائیں مانگتی......سجدے کی جگہ یوں گیلی ہوجاتی جیسے وہاں کسی نے بھرے پانی کا گلاس الٹ دیا ہو۔میں نے جوان، بیٹوں اور جوان وحسین بہوؤں کو کفن اور کافور میں دیکھا ہے۔ان کی برف جیسی پیشانیوں کو چوما ہے۔''

''اوہ مائی گاڈ......!'' خوف سے زارا کے جسم پر لرزہ طاری ہونے لگا......درحقیقت اس وقت اسے لیڈی صوفیہ سے بہت خوف محسوس ہو رہا تھا۔

''میں ظلم سے اتنی نفرت کرتی ہوں کہ مجھے نفرت کا احساس ہی اس خوفناک لفظ سے ملا ہے۔ اگر مجھے پتا چل جائے۔'' لیڈی صوفیہ نے ایک خبط کی سی کیفیت میں انگلی اٹھا کر زارا کی طرف اشارہ کیا......زارا سرک کر قدرے پیچھے ہٹ گئی۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ زبان پر کانٹے اُگ رہے تھے مگر کیفیت یہ تھی کہ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن......

''اگر مجھے پتا چل جائے کہ میرے سامنے بیٹھے ہوئے شخص پر ظلم کا الزام ثابت ہے تو میں اس کو بددعا دوں گی۔ اور میری بددعا ضرور پوری ہوگی کیونکہ میں نے ظلم سہا ہے اور مظلوم کی بددعا ہمیشہ لگتی ہے۔'' یہ سن کر تو زارا کے اوسان خطا ہوگئے، ہوش اُڑ گئے......وہ بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی اور لاشعوری طور پر یوں اِدھر اُدھر دیکھا گویا بھاگنے کا راستہ دیکھ رہی ہو۔ حلق کی خشکی کی وجہ سے کلام کرنا محال ہو رہا تھا......ہونٹوں پر بار، بار زبان پھیر کر ساری لپ اسٹک کھا چکی تھی۔

''ارے تم کھڑی ہوگئیں......؟'' لیڈی صوفیہ نے تعجب سے زارا کی طرف دیکھا۔

''بیٹھ جاؤ......'' لیڈی صوفیہ نے لاشعوری طور پر تحکمانہ لہجے میں کہا تھا۔

مگر زارا تو اسے کھلا order سمجھ رہی تھی......جھٹ بیٹھ گئی۔ جیسے کوئی گر جانے کے اندیشے کے باعث بلا ردّ و کد بیٹھ جاتا ہے۔

''ڈرو نہیں......تمہاری آنکھوں سے لگ رہا ہے کہ تم خوفزدہ ہو......تم تو بہت معصوم اور بے حد ذہین لڑکی ہو......مجھ سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''جی......'' زارا یوں مسکرائی جیسے مسکرانے کا بھی حکم ملا ہو۔

''میں تم سے بھی یہی کہوں گی کہ کبھی ظلم برداشت نہ کرنا......خاموش بددعائیں چاروں طرف ویرانیاں بکھیر دیتی ہیں کیونکہ جو ظلم پر خاموش ہے، وہ بھی تو ظالم ہے......ظالم کو سپورٹ کر رہا ہے۔ ظالم کو طاقت دے رہا ہے، اس کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے، یو نو زارا......'' لیڈی صوفیہ نے اپنی بپھری ہوئی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کی اور زارا کی طرف گھور کر دیکھا......زارا اندر ہی اندر بری طرح سہم گئی۔

''ظالم کا مزید طاقتور ہونا بہت خطرناک ہے......وہ ایک سے فارغ ہو کر دوسرے کی طرف جائے گا...... وہاں بھی اس کو کسی نے نہ روکا تو تیسرے کی طرف جائے گا......اور ظلم کے اس سلسلے کی ذمّے داری اس پہلے مظلوم کی طرف ہوگی جس نے ظلم سہنے کا جرم کیا تھا۔'' بولتے، بولتے لیڈی صوفیہ نڈھال ہوگئیں۔ جانے کس طرف سے انجیلا نمودار ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں بلوریں گلاس تھا جو بہت خوب صورت چاندی کی طشتری میں رکھا ہوا تھا۔ اس نے لیڈی صوفیہ کو پانی کا گلاس پیش کیا جو لیڈی صوفیہ نے اس انداز میں اٹھایا گویا وہ اسی کا انتظار کر رہی تھیں......اتنی بے تابی کے باوجود انہوں نے بہت باوقار انداز میں گھونٹ، گھونٹ پانی پیا......

زارا کی قوتِ گویائی سلب ہو کر رہ گئی تھی......اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس موقع پر اسے کیا بات کرنی چاہیے......ایسی بات جو لیڈی صوفیہ کے مزاج کے مطابق ہو اور ان کو پہلے کی طرح جذباتی نہ بنا دے۔

''میم آپ کیا لینا پسند کریں گی؟ فریش جوس، واٹر یا پھر کافی......؟'' انجیلا اب زارا کی طرف متوجہ ہوئی۔

زارا نے چونک کر خالی، خالی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"did you say something?" وہ یوں گویا ہوئی جیسے کسی پہاڑ سے پھسلتے ہوئے خود

کو محفوظ کرنے کی کوشش کر رہی ہو......

لیڈی صوفیہ خود غائب دماغی کی کیفیت میں مبتلا تھیں، وہ زارا کی غائب دماغی کیا نوٹ کرتیں۔

''میم......آپ کچھ لینا پسند کریں گی؟'' انجیلا نے روبوٹ کے انداز میں اپنا سوال جان بوجھ کر مختصر کر دیا۔

"cold water please" زارا نے لیڈی صوفیہ پر ڈرتے، ڈرتے ایک نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

انجیلا ایڑیوں پر گھوم گئی اور بیڈ روم فریج سے بوتل نکال کر قریب ہی ٹیبل پر رکھے اسٹینڈ سے گلاس اتار کر (جو اسٹینڈ میں الٹے لٹکے ہوئے تھے) پانی انڈیلنے لگی۔ لیڈی صوفیہ ابھی تک بہت تسلی سے پانی پی رہی تھیں اور بالکل خاموش تھیں۔

☆☆☆

پرنس اسٹوڈیو میں صوفہ کم بیڈ پر نیم دراز تھا......سر کے نیچے سفید ویلوٹ کے غلاف والا گاؤ تکیہ تھا۔ ذہن کبھی زارا کی طرف جاتا کبھی صندل کی طرف......معاً اس کے ذہن پر سفینہ نے دستک دی۔ وہ چونک کر مسکرا دیا۔

''تھینک یو سفینہ......مجھے یقین ہے تم کافی دیر سے knock کر رہی ہوگی......مگر نیٹ ورک بہت بزی مل رہا ہوگا......'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

'' کچھ trouble ہے......جو صرف تم سے شیئر کی جاسکتی ہے......مگر فون پر نہیں......ساتھ بیٹھ کر......

گرینڈ مام کو بتانا بھی مشکل اور چھپانا بھی مشکل......انسانیت اس وقت سخت آزمائش میں ہے۔ تمہارا پرنس تہمت سے داغ، داغ ہوگیا ہے......بہت اچھا سا جیتے، جیتے آج پتا چلا......صبر و ضبط کس کو کہتے ہیں۔'' وہ اتر کر ٹہلنے لگا......خیالات کی یلغار تھی جو ظرف و حوصلے کا امتحان تھی کسی بھی نعمت کے لیے انتظار کیا نہ کوفت اٹھائی......وہ پھر سوچنے لگا۔

''تمہارا ملنا محال ہوسکتا تھا......مگر تم بھی آسانی سے مل گئیں......اور وہ بھی محبت کے جواب میں محبت کے ساتھ ... آئی ایم سوسوری صندل......میں سفینہ کی اجازت کے بغیر آپ کے ساتھ تنہائی میں بات نہیں کرسکتا وہ مجھ سے اتنا پیار کرتی ہے کہ مرجانے کو جی چاہتا ہے......کہ اب تو کوئی نئی خواہش مجھے بے قرار نہیں کرسکتی۔'' وہ سفینہ کے پیار کے احساس سے یوں بھیگ رہا تھا جیسے رات کے اندھیرے میں شبنم پھول پتوں سے راز و نیاز کرتی ہے اور وہ کھلے، کھلے جاتے ہیں۔ اور صبح ان کی بلائیں لینے کو بے تاب ہوتی ہے۔

''حادثے سے پہلے تمہارا ملنا......کتنی بڑی......blessing ہے۔'' وہ سفینہ کو اسکیچ کرنے لگا......

سفینہ کی حیا آلود نگاہیں اسے نیا خاکہ بنانے پر اکسانے لگیں......محبت کے عظیم و طاقتور جذبے نے اسے ہر آزمائش سے ٹکرانے کے لیے نئے سرے سے تازہ دم کر دیا تھا۔

اب وہ خاکہ بنانے میں اس طرح منہمک تھا گویا ساری دنیا میں ''سب'' اچھا ہے۔

☆☆☆

قلب میں کون سا سرخاب کا پر لگا ہے
جو ملکہ کا شوہر بن کے بیٹھا ہے
پہلوئے حور میں لنگور خدا کی قدرت
لمبا تڑنگا جیسے کوئی جن کا بچہ ہے
ہم جیسے داماد نصیب سے ملتے ہیں

ساہوکار سوچ لے تجھے اللہ کا واسطہ ہے
جسم ایک، بیڈروم ایک، قبر بھی ایک ہے
دس محل بنانے کا تجھے کوئی فائدہ ہے؟
کیش ہاٹ کیش ہے خرچ کریں تب ناں!
بینک میں پڑا مال تو ایک حسین سپنا ہے
صبر کرو، امید پہ دنیا قائم ہے ساحل
پاکستان ہے یہ پرستان نہیں پتا تو ہے!

سفینہ کی سنگت میں گزارے ہوئے لمحات کے حصار میں وہ جیسے نشے میں تھا...... کام کی طرف ذہن متوجہ ہو کر ہی نہیں دے رہا تھا...... لگن نہ مستعدی نہ سنجیدگی......

''یار کیا کمال لڑکی ہے... کیا ناپ تاپ کر چلتی ہے، کیا تول کر بولتی ہے، ایسی لڑکی، آج تک نہیں ملی......'' اس کے ساتھ ایم بی اے کرنے والی درجن بھر لڑکیاں، خاندان میں طرح، طرح کی ''زاد'' لڑکیاں...... پڑوس سے بہانے، بہانے سے گھر آنے والی لڑکیاں...... درحقیقت انہی لڑکیوں نے تو اسے احساس دلایا تھا کہ وہ توجہ حاصل کرنے کے قابل ہے...... کوئی اس کو دیکھتی ہے تو سوچتی بھی ہے اور اس احساس کے ملتے ہی اس نے فوراً اپنی قیمت طے کر لی تھی۔ جب وہ صنفِ مخالف کی توجہ آسانی سے حاصل کر لیتا ہے تو پھر ''جنیٹری'' کیوں نہ move کرے۔ اپنے جیسوں میں کیوں زندگی گزارے؟ لڑکی امیر ہو یا غریب خواب و خواہشات تو ایک جیسی ہوتی ہیں...... سب ہی کوہ قاف کے کسی شہزادے کی منتظر ہوتی ہیں...... قاف کے شہزادے شہروں میں نہیں اترتے مگر ان کی جھلک تو کسی نوجوان میں مل سکتی ہے۔

بس یہ خوش فہمیاں اسے ہر دم چست و توانا رکھتی تھیں...... وہ کسی ہار جیت کے مقابلے سے پہلے ہونے والی ''نیٹ پریکٹس'' میں کوتاہی کا جرم کر ہی نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت بھی سوچ رہا تھا کہ تاجور کو مزید متاثر کرنے کے لیے کیا، کیا کچھ کیا جا سکتا ہے کچھ اس طرح سے کہ ایک دن تاجور کو اس کے علاوہ ڈھنگ کا لڑکا پوری روئے زمین پر دکھائی نہیں دے۔

اسی وقت شیشے کے دروازے کے پار اسے اکاؤنٹ کا بندہ کھڑا نظر آیا۔ وہ جلدی سے سنبھل کر بیٹھ گیا۔

یہ بندہ اکاؤنٹ میں مشین سے نوٹ گنا کرتا تھا، آفس کے لوگ مودی بھائی کہہ کر بلاتے تھے۔

مودی بھائی اندر تشریف لائے ان کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا جو اس نے بصد احترام ساحل کو پیش کیا۔

''سر یہ میم نے آپ کے لیے بھجوایا ہے۔''

ساحل نے الجھن بھری نظروں سے لفافے کی طرف دیکھا...... اور لفافہ اس کے ہاتھ سے لے کر الٹ پلٹ کر دیکھا...... لفافہ کھلا ہوا تھا۔ پرائیویٹ اور کانفیڈنشل ٹائپ کا نہیں تھا۔

اس نے لفافے میں جھانکا تو بڑی مالیت کے کچھ نوٹ نظر آئے...... اس نے اب لفافے کے کونے پر تحریر الفاظ پر توجہ کی۔

"with thanks"

''اوہ......'' اب اسے سمجھ آ گئی کہ تاجور نے ادھار چکایا ہے...... اس روز مزدور کے بچے کو رقم دیتے ہوئے تاجور کو لگا تھا کہ ان کے پاس رقم تھوڑی ہے اور انہوں نے شدید ذہنی دباؤ کی کیفیت میں ساحل سے قرض لے لیا تھا۔

''مجھے اجازت سر......؟ میرے لائق کوئی اور خدمت......؟'' مودی صاحب مؤدبانہ مخاطب تھے۔
''تھینک یو ویری مچ......'' ساحل نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔
''کیا لین دین کی کھری خاتون ہیں...... کتنی مصروف ہیں مگر بھولتی نہیں ہیں۔'' ساحل یوں سراہ رہا تھا گویا اسے پورا یقین ہو کہ وہ مستقبل میں اس کی خوش دامن بننے جا رہی ہیں۔
''سفینہ...... میں تو آپ کا...... actual partner (فطری ساتھی) ہوں کیونکہ میں ساحل ہوں...... سفینہ اور ساحل تو ایسے ہی ہے جیسے بادل اور بجلی...... چاند اور ستارے، رات اور چراغ...... سورج اور سویرا...... یہ تو قدرت کے اشارے ہوتے ہیں...... قدرت اشاروں کی زبان میں ہی ہم کلام ہوتی ہے......'' قوت...... یقین اور روشن امید نے نئے سرے سے وجود میں برق دوڑائی۔

☆☆☆

ایک طرح سے زارا کی گھگی سی بندھ گئی تھی...... یوں جیسے خطرہ بھانپ کر ہرنی چوکڑیاں بھرنا بھول جائے۔
مگر بھلا ہو پرنس کا کہ وہ اپنی مخصوص مہک کے ساتھ آن وارد ہوا تھا۔ زارا کی جان میں جان آئی...... وہ مسکرائی تو اس کی مسکراہٹ میں پرنس کو گزرے لمحات کی جھلک نظر آئی...... اس نے قدرے چونک کر لیڈی صوفیہ کی طرف دیکھا تھا جو نڈھال سی نظر آ رہی تھیں۔ پرنس سب کچھ خود بخود سمجھ گیا۔ سلام و جوابِ سلام کے بعد پرنس نے بڑی ذہانت سے ماحول کا اندازہ لگانے کی کوشش کی اور بولا۔
''I hope آپ بہت اچھا فیل کر رہی ہوں گی...... کیونکہ گرینڈ مام بہت خوش ہیں کہ انہیں بہت اچھی دوست مل گئی ہے۔'' پرنس نے زارا کے تاثرات بھی نوٹ کیے، ساتھ ہی لیڈی صوفیہ کی طرف تائید طلب نظروں سے دیکھا...... زارا کا زبردستی مسکرانا، طوعاً و کرہاً اثبات میں گردن ہلانا پرنس کے لیے پورا اخبار تھا۔
''گڈ...... میرا خیال ہے اب ہمیں لنچ کے لیے ڈائننگ میں چلنا چاہیے۔'' اس نے بہت پیار سے لیڈی صوفیہ کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔
''آئی ایم سو سوری...... میں لنچ نہیں کر سکوں گی۔ میں بہت rest less فیل کر رہی ہوں...... پلیز ڈونٹ مائنڈ......'' لیڈی صوفیہ نے لرزتے ہاتھ سے زارا کا رخسار چھو کر کہا۔
زارا کو تو یوں لگا جیسے کوئی منت کوئی نذر پوری ہو گئی ہو...... جھٹ اٹھ کھڑی ہوئی کہ تاخیر نہ ہو جائے...... لیڈی صوفیہ اگلے ہی پل لنچ نہ کرنے کا فیصلہ واپس نہ لے لیں۔
جس کے لیے وہ آئی تھی...... اس کی کمپنی ملنے جا رہی تھی...... اس کی تو ساری محنت وصول ہو گئی تھی۔
''اوکے...... آپ ریسٹ کیجیے......'' پرنس نے سہارا دے کر اٹھایا اور انجیلا نے بڑی پھرتی سے تھام لیا...... اور بیڈ کی طرف لے کر چلی۔
زارا نے کلمۂ شکر ادا کیا۔
''اتنا بھی ٹینس نہیں ہونا چاہیے۔ ninety plus میں تو چل رہی ہیں...... اور کتنا چلیں گی؟'' اس نے اپنے آپ کو تسلی دی اور تازہ دم ہو گئی۔
پرنس نے ایک نگاہ لیڈی صوفیہ پر ڈالی اور ہاتھ کے اشارے سے زارا کو باہر کی طرف قدم بڑھانے کا عندیہ دیا۔
زارا تو لپڑ سپڑ بھاگی...... بھول ہی گئی کہ اس گھر میں کوئی بے ڈھنگے پن سے نہیں چلتا...... مگر اسے تو اس پُراسرار خواب گاہ سے نکلنے کی جلدی تھی۔ پرنس کی گہری و لطیف نگاہ نے اس بدصورتی کو سہہ لیا۔

☆☆☆

''بھئی......اب تو تم ہر وقت (ڈرنک) drunk نظر آنے لگی ہو......'' ماہین نے واش روم سے باہر آ کر کھڑکی سے جھانکتی سفینہ پر حملہ کر دیا...... جو کچھ دیر پہلے ہی کراچی سے واپس لوٹی تھی۔

مسکراتی ہوئی، لڑکھڑاتی ہوئی، جھومتی جھامتی...... ماہین نے قریب آ کر اس سے بال بکھیر دیے۔

''کتنی واہیات سی example دی ہے، کچھ اچھا سا نہیں کہہ سکتیں تو خاموش رہنے کے پیسے لے لیا کرو۔''

''نکالو فائیو تھاؤزنڈ مگر یہ صرف پانچ گھنٹے کے ریٹ ہیں، مزید خاموشی چاہتی ہو تو پھر زیادہ پے کرنا ہوگا......'' ماہین کب باز آنے والی تھی۔ جھٹ منگتوں کی طرح ہاتھ پھیلا دیا۔

اس کے ساتھ ہی دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑی تھیں۔

''تو پھر خوب رومینس چلا...... چاند پر جانے، ستارے توڑنے کی باتیں ہوئیں؟''

''اس سے بھی کچھ زیادہ......'' سفینہ کی برجستگی نے ماہین کو مزید بولنے سے روک دیا؟

"really...?" ماہین سفینہ کا ایک نیا انوکھا روپ ملاحظہ کر رہی تھی۔ حیرت آمیز خوشی سے دیکھتے ہوئے اسے شانوں سے تھام لیا۔

''ہوں...... میں خوش ہوں کہ وہ بندہ میرا لائف پارٹنر بننے جا رہا ہے جو بہت realistic ہو کر سوچتا ہے...... اس کی پینٹنگز سے خود بخود پتا چلتا ہے کہ وہ کمال کا وژن رکھتا ہے۔ وہ کیا نہیں سوچتا؟ سب کچھ تو سوچتا ہے...... انسان کی وہ کون سی فیلنگ (احساس) ہے جو وہ پینٹ نہیں کر سکتا۔'' سفینہ دوریوں کے باوجود اس وقت قربتوں کی انتہا پر تھی۔

ماہین حیرت، سرخوشی اور بے پناہ پیار سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"you are most luckey" سفینہ کی مسکراہٹ بہت بھرپور اور پُراعتماد تھی۔

''تو...... انگیج منٹ رنگ پہنا دی ہے ان لوگوں نے......؟'' ماہین کی نظریں سفینہ کی انگلیوں پر پھسلنے لگیں۔

سفینہ نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے گم صم نظروں سے ماہین کی طرف دیکھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ یہ ایونٹ proper celebrate کیا جائے گا۔'' ماہین آنے والی کسی بھرپور تقریب کے خیال سے خوش نظر آئی...... سفینہ نے بڑی ادا سے شانے اچکا دیے...... اور مسکرا دی۔

''ایک دم سے تمہاری لائف میں کتنا چینج آ گیا ہے۔ کبھی، کبھی تو تمہیں خود بھی لگتا ہوگا جیسے یہ کوئی خواب ہے...... ہے ناں......؟'' ماہین کے انداز میں بچوں کی سی معصومیت تھی۔

سفینہ یک دم چونک پڑی...... اور خالی، خالی نظروں سے ماہین کی طرف دیکھنے لگی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟'' ماہین الجھی۔

''کچھ نہیں......'' سفینہ نے نظریں چرا لیں مگر ماہین بہت توجہ سے اس کی بدلتی کیفیت نوٹ کر رہی تھی۔

''نہیں، تمہاری شکل سے لگتا ہے تم کچھ خاص سوچ رہی ہو...... بتاؤ ناں!'' ماہین نے اصرار کیا...... کیونکہ سفینہ کی اچانک بولنے والی کیفیت نے اسے چونکا کر رکھ دیا تھا۔

''ماہین......'' سفینہ نے سر جھکا کر گہری سوچ کے دوران ماہین کا نام لیا۔

''ہوں......'' ماہین جاننے کے لیے بے تاب ہوئی۔

''پرنس جیسے پوزیٹو اور اتنی ینگ ایج میں اتنے wise (دانش مند) لوگ کہاں ہوتے ہیں؟ پتا نہیں کسی وقت ایک خیال آ جاتا ہے......'' سفینہ بولتے، بولتے رک گئی...... اور ماہین کو مزید بے قرار کر کے رکھ دیا۔

''بولو ناں...... رک کیوں گئیں؟''

''اچھے اور نیک انسانوں کی عمریں کم ہوتی ہیں۔'' سفینہ نے گم صم ہو کر ماہین کی طرف دیکھا تھا۔
"my goodness" ماہین نے گویا سر پیٹ لیا تھا۔
''کچھ خدا کا خوف کرو سفینہ.....توبہ، تم نے ایسا سوچ کیسے لیا؟'' ماہین نے ایک دم سفینہ کو گلے سے لگا لیا۔
''ان کی فیملی میں سب ہی males چلے گئے..... گرینڈ مام بتا رہی تھیں سب under forty تھے..... بلکہ پرنس کے فادر تو.....''
ماہین نے ایک دم سفینہ کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔
''دماغ تو صحیح ہے..... ساری فینٹسی کا بیڑا غرق کر کے رکھ دیا۔ یہ فضول سا خیال تمہارے ذہن میں کیسے آ گیا؟ اسی گھر میں ایک اور example موجود ہے۔ آج کل اتنی ایج کس کی ہوتی ہے؟ نائنٹی پلس میں پہنچ رہی ہیں..... خبردار جو آئندہ یہ فضول باتیں سوچیں۔'' ماہین تو سفینہ کے اندیشوں پر بری طرح سہم گئی تھی..... اس کے تو وہم و گمان میں نہیں تھا سفینہ ایسا کچھ سوچ سکتی ہے۔
''اپنے اختیار سے کون سوچتا ہے..... خیالات خود بخود آتے ہیں، پتا نہیں کہاں سے آتے ہیں؟'' سفینہ ماہین کی خاطر مسکرائی۔
''کہیں سے بھی آتے ہیں..... آتے ہیں تو جاتے بھی ہیں..... روک کر کیوں بیٹھتی ہو..... جانے دیا کرو.....''
ماہین بھی درحقیقت پریشان ہو گئی تھی..... وہ دوست کی خوشی پر جھوم رہی تھی اور درمیان میں اندیشوں کے بادلوں نے ڈھانپ لیا۔ گویا..... پانی نکالنے کی کوشش میں کدال کسی چٹان سے ٹکرا گئی ہو۔ سفینہ نے ماہین کی کمر میں بازو حمائل کر دیا۔
''تم کیوں اتنا سیریس ہو گئیں.....؟ میں نے تو بس ویسے ہی شیئر کر لیا تھا۔''
''اُف..... آئندہ اتنی خوفناک باتیں نہ کرنا..... ویسے ہی کچھ اور شیئر کر لینا چاہیے۔'' اب ماہین نے سفینہ کی کمر پر ایک دھپ جڑ دیا۔
''ایسا سوچتے ہوئے تمہیں کچھ بھی فیل نہیں ہوا.....؟'' ماہین ابھی تک سابقہ الفاظ کے زیرِ اثر تھی۔
''کچھ feel ہوا تھا..... تب ہی تو منہ سے نکل گیا.....'' سفینہ متفکر انداز میں سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
''اس کا سیدھا سا مطلب ہے تم پرنس کو بے انتہا چاہتی ہو.....'' ماہین نے تجزیہ کیا۔
''ابھی خود کو یقین نہیں دلا سکتی.....'' سفینہ نے سنجیدگی سے کہا۔
''کیا یقین.....؟ کس بات کا یقین.....؟'' ماہین نے پہلو سے نکل کر سامنے آتے ہوئے حیرت سے دیکھا۔
''یہی کہ کیا میں بھی کسی کو چاہ سکتی ہوں.....؟ یا کسی کی چاہت پر ری ایکٹ کر رہی ہوں؟'' سفینہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئی گویا بس جو کہنا تھا کہہ چکی۔
''اسی کو محبت کہتے ہیں..... ہر وقت کسی کو بہانے، بہانے سے سوچنا..... اسی کے خیال میں رہنا..... پرنس کی محبت نے تمہیں بے بس کر دیا ہے..... اور کچھ سوچنے کے قابل نہیں رکھا۔'' ماہین کسی ماہرِ نفسیات کی طرح اس کے لاشعور کو کھنگال رہی تھی۔
سفینہ نے مسکرا کر ماہین کی طرف دیکھا..... شرارت سے مسکرائی۔
''کہتی تو تم ٹھیک ہو..... بالکل بے بس کر دیا ہے..... اگر میرا رزلٹ خراب ہوا تو پرنس کو چھوڑوں گی نہیں۔''
سفینہ کی ادا اس معشوقہ کی سی تھی..... جسے اپنے عاشق پر اس طرح سے اعتبار ہوتا ہے جیسے اس بات پر کہ وہ زندہ ہے۔ وہ گرنے کے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گئی تھی..... ماہین اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''جون ایلیا نے کیا کمال بات کی ہے۔'' سفینہ اپنے کھلے بالوں پر انگلیاں چلاتے ہوئے ماہین کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

''ہم کتنے ہی حسین ترین، ذہین ترین، کامیاب ترین ہوں بالآخر مرجائیں گے۔'' یہ کہتے ہی وہ بیڈ پر اوندھی ہوگئی......

''مائی گاڈ......کیا ہوگیا ہے تمہیں؟ پھر وہی اُول فُول......'' ماہین نے اپنا تکیہ اٹھا کر سفینہ کی پشت پر دے مارا۔

''اُول فُول نہیں......اَول فَول......'' سفینہ نے سیدھا ہونے کا تکلف بھی نہیں کیا اسی طرح اوندھے پڑے، پڑے اصلاح کر دی۔

''بھئی......ممی سے سنا ہے، میں سمجھی Fool کے ساتھ ool لگاتی ہیں۔ یہ بھی کچھ ہوتا ہوگا۔''

اب سفینہ کھلکھلاتی ہوئی سیدھی ہوگئی۔ مگر ماہین کی آنکھوں سے لگتا تھا سفینہ نے اسے غور وفکر کے بھلے کام پر لگا دیا ہے۔ اس نے ہنسی میں سفینہ کا ساتھ نہیں دیا بس اس کی طرف دیکھتے ہوئے اپنا تکیہ اٹھانے لگی۔

☆☆☆

''سفینہ تو لاہور پہنچ چکی ہوگی۔'' پرنس نے اپنے دمکتے ڈائل والی رسٹ واچ پر نگاہ دوڑتے ہوئے زارا کی طرف دیکھا۔

زارا کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا مگر خود پر قابو پا کر دھیرے سے مسکرائی۔

''مجھے یہاں آئے دو گھنٹے سے زیادہ کا ٹائم ہوگیا ہے۔''

''نہیں......آپ کو یہاں آئے تین گھنٹے ہو چکے ہیں۔'' پرنس نے فوراً تصحیح کی......بڑا چونکا دینے والا انداز تھا......زارا ایک دم محتاط ہوگئی۔

کھانا خاموشی سے شروع ہوا تھا......زارا نے خود ہی اس کے فنِ مصوری کے قصیدے شروع کر دیے تھے۔

خصوصی طور پر وہ واقعہ ضرور دُہرایا جب اس نے آرٹ گیلری میں پرنس سے پانچ ہزار کے کرنسی نوٹ پر آٹو گراف لیا تھا۔

پرنس اپنی طرف سے زارا کو خصوصی توجہ دے رہا تھا، جہاں وہ اس کے مسکرانے کی توقع کرسکتی تھی وہاں مسکراہٹ بھی عطیہ کرتا تھا...... جہاں وہ اسے ہمہ تن گوش دیکھنا چاہتی تھی وہاں وہ پلکیں جھپکانے میں بھی تاخیر کرتا تھا......حقیقت تو یہ تھی کہ اس کا ذہن اس وقت صرف صندل اور لیڈی صوفیہ کی متوقع ملاقات کی طرف متوجہ تھا۔

زارا کی سرتوڑ کوشش تھی کہ وہ نئی، نئی بات شروع کرے اور پرنس اسے بات کرتے ہوئے صرف سنے نہیں دیکھے بھی......مگر پرنس اس کی ہر بات نظر جھکا کر سن رہا تھا۔

حسُن پھڑک، پھڑک کر مظاہرہ کرنے کو بے تاب تھا......مگر جس نگاہ کی خاطر ستر بہتر ادائیں تخلیق کی تھیں وہ نگاہ تو جیسے پتھر کی تھی......نہ عکس تھا نہ انعکاس......

زارا جیسی سطحی لڑکی صرف مظاہرے کی محتاج تھی......نگاہِ بینا سے محروم......ادراک ہی نہیں کرسکتی تھی کہ اس وقت پرنس کس طرح اسے بھگتا رہا ہے......اول تو یہ غیر متوقع ظہرانہ ہی خلافِ طبع تھا......وہ صرف اپنی دادی کے ساتھ ہی لنچ کیا کرتا تھا اور اسی معمول کا عادی تھا۔

''سفینہ اپنی منزل پر پہنچ کر آپ کو فون تو ضرور کرتی ہوگی......'' پرنس نے ایک ڈش اپنے ہاتھ سے پیش کر کے آدابِ میزبانی نبھا ہے......

''اتنی ڈھیر ساری باتوں کے بعد پھر سفینہ......'' زارا کا نوالہ کڑوا ہوگیا۔

پیارا گھر

ہوم سوئٹ ہوم گھر کسے پیارا نہیں ہوتا، سارا دن باہر رہنے کے بعد شام کو جب گھر آتے ہیں تو پیارا گھر کسی ماں کی گود کی طرح ہمیں اپنی بانہوں میں سمیٹ لیتا ہے۔ کہیں بھی چلے جائیں جو سکون اپنے گھر میں ملتا ہے وہ کہیں بھی نہیں۔ ویسے تو گھر کا ہر فرد ہی گھر کو سجانے اور سنوارنے کا شوق اور خواہش رکھتا ہے لیکن یہ ذمے داری سب سے زیادہ خاتون کی ہوتی ہے کہ وہ گھر کو سجائے، سنوارے، ہر کسی کی خواہش ضرورتوں کا خیال رکھے۔ گھر چھوٹا ہو یا بڑا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بس آرام دہ اور خوب صورت ہو، صاف ستھرا ہو، کچن سمٹا ہوا ہو، ہر چیز اپنی جگہ پر ہو، بچوں کو شروع سے عادت ڈالیں کہ اسکول سے آکر اپنے بیگ، شوز وغیرہ اپنی جگہ پر رکھیں کھیلنے کے بعد کھلونے اور اپنے کپڑے سب الماری میں رکھیں۔ کوشش کریں کہ فرنیچر کی بھر مار نہ ہو زیادہ فرنیچر سے گھر چھوٹا اور گھٹا، گھٹا لگتا ہے۔ کارپٹ سے بھی گرمی کا احساس ہوتا ہے ڈرائنگ روم میں اگر کارپٹ ہے تو لاؤنج میں سینٹر رگ ڈال دیں سائڈ میں کشن رکھیں اگر لاؤنج چھوٹا ہے تو کسی بھی وال پر ایک درمیانہ مرر لگا دیں اس کے نیچے ہینگ ہونے والا ریک سجے گا آپ کی زبردست ڈریسنگ ٹیبل بن گئی اس سے کمرا بڑا بھی لگے گا اور خوب صورت بھی...... ایسی چیزیں یا شوپیس کا انتخاب کریں جس میں چھوٹے، چھوٹے شیشے لگے ہوں اور چاہیں تو خود ہی گھر میں تیار کریں اکثر گھر میں جگ گلاس.... وغیرہ چٹخ جاتے ہیں اور استعمال کے قابل نہیں رہتے۔ آج کل اسپرے کلر ملتے ہیں بڑے چھوٹے ہر طرح کے اپنے پسندیدہ کلر کا اسپرے لیں جو بھی جگ یا گلاس چٹخ گیا ہے اس پر اسپرے کریں خشک ہو جائے تو چھوٹے، چھوٹے شیشے جو بہ آسانی بازار سے مل جاتے ہیں چپکا دیں یا اکثر بچوں کے ہیئر کلپس یا اور کوئی جیولری پرانی یا بیکار ہو جاتی ہے اس میں لگے ہوئے فلاور وغیرہ الگ کر کے اسپرے کیے ہوئے گلاس پر لگا دیں کولڈ ڈرنک تو ہر گھر میں آتی ہے اس کی خالی بوتلوں کو پھینکیں نہیں بلکہ اس پر کوئی بھی گفٹ پیپر چڑھا لیں یا کسی خوب صورت کپڑے کا کور بنا لیں اس کے منہ پر اچھی مضبوط ڈوری باندھ لیں پانی ڈالیں اور منی پلانٹ لگا دیں ایک بار لگا کر آپ کو اتنا اچھا لگے گا کہ آپ خود سے مختلف انداز سے سجائیں گے۔ اب میں آپ کو ایک فلاور ارینجمنٹ بتاتی ہوں۔ پیپل کے پتے لے لیں ان کو کم از کم پانچ دن تک پانی میں بھگو دیں اب ان پتیوں کو پانی سے نکال لیں ٹوتھ برش سے ہلکے ہلکے رگڑیں ہر پتا الگ، الگ صاف کریں اس کے اوپر سے اسکن صاف ہو جائے گی اور جال رہ جائے گا۔ ان کو خشک کریں کوئی

''ایسا نہیں ہے، وہ اماں کو انفارم کرنا کافی سمجھتی ہے۔'' زارا نے بدقت منہ سے آواز نکالی۔

''اوکے......!'' پرنس نے اختصار سے ردعمل دیا۔

''مگر اسے آپ کو تو inform کرنا چاہیے۔'' زارا کو خود ہی احساس ہوا کہ جس کے حوالے سے وہ بڑے دھڑلے سے یہاں بیٹھی لنچ کر رہی ہے، اس کی باتیں کرنا بھی تو بہت ضروری ہیں...... خواہ دل چاہے نہ چاہے......

''نہیں، یہ پابندی نہیں ہے، اس لیے کہ ابھی وہ میری پابند نہیں ہے...... اس کی کسٹوڈین اس کی ماں ہے۔'' پرنس نے مسکرا کر ٹکا سا جواب دے کر حیران کر دیا۔

''لیکن آج کل تو...... کپلز ایک دوسرے سے connected رہتے ہیں...... اور......''

''اپنی، اپنی سوچ ہوتی ہے...... میں اس محبت پر یقین نہیں رکھتا جس کو بار، بار یقین دہانی کی ضرورت پیش آئے...... ہاں ایک دوسرے کو اپنے ہونے کا احساس ضرور دلانا چاہیے۔ کیونکہ یہی خوب صورت پابندی تو محبت ہے...... ہم ایک دوسرے سے باتیں ضرور کریں گے...... مگر...... فیوچر پلان نہیں کریں گے۔ future ہمارے کنٹرول میں نہیں ہے...... جس لمحے میں ہم موجود ہیں وہ ہمارا اختیار ہے۔'' زارا ہکا بکا پرنس کی شکل دیکھنے لگی۔

وہ تو مستقبل کے اتنے خواب بنتی تھی کہ بقول بزرگوں کے قیامت کے بوریے سمیٹنے کی ذمے داری گویا اس کے کندھوں پر تھی۔

''future سراب ہے۔ خواب ہے...... ٹائم اینڈ اسپیس سے آگے کی بات ہے...... اگر ہم موجودہ لمحہ اچھی طرح جی لیں...... کچھ اچھا سا کر لیں تو یہی مکمل زندگی ہے۔''

پرنس، زارا کی حیرت سے لطف اندوز ہو کر مزید گویا ہوا...... جان بوجھ کر کہ اس کی اپنی خواہش تھی کہ دنیا کے سب لوگ حقیقت شناسی کے ساتھ جئیں کہ حادثات میں بڑے حادثے امید و خواب ٹوٹنے سے برپا ہوتے ہیں اور

بھی کلر لے لیں کپڑے رنگنے والا بھی چل جائے گا۔ کلر کو پانی میں حل کر کے یہ پتے اس میں ڈبو دیں کچھ دیر بعد نکال کر خشک کر لیں بہت خوب صورت پیپل کے پتے ہوں گے اب آپ جیسے چاہیں ارینجمنٹ کریں۔ پاپ کارن بچے کتنے شوق سے کھاتے ہیں۔ یلو، ریڈ، پرپل، پنک کلر میں پوسٹر کلر سے رنگ لیں یہ کارن اب کانٹوں پر لگائیں، اب دیکھیے آپ کا کتنا زبردست بو کے تیار ہے کسی بھی خوب صورت سے گلدان میں سجائیں اور تعریفیں وصول کریں۔ بھٹے کے چھلکے لے کر کسی بھی بیڈ کے یا بستر کے نیچے دبا دیں ایک ہفتہ بعد ان کو نکال لیں ان کو گہرا ... زرد کلر کر دیں، اب ایک گتے پر مختلف سائز کی پتیاں کاٹ لیں اب ان گتوں کی مدد سے بھٹوں کے چھلکوں کی پتیاں کاٹ بلکہ کپڑا لے کر چھوٹی، چھوٹی گول، گول باسکٹ کی طرح کاٹ لیں ان گول کترنوں میں روئی ڈال کر بول بنالیں اور کسی بھی تار یا دھاگے سے باندھ دیں۔ اب دھاگا جہاں باندھا ہے وہ سرا نیچے کی جانب رکھیں اور اس کے سائڈوں میں بھٹے کی پتیاں لگاتی جائیں مختلف سائز میں لگا دیں اور ان کو باریک تار سے باندھتے رہیں یہ سن فلاور تیار ہیں۔ بلیک کپڑے کے اوپر خشخاش کو پیلا کلر کر کے گم کی مدد سے چپکا دیں آپ کے سورج مکھی سن فلاور تیار ہیں۔ لال ثابت گول مرچ کھانے میں اور بگھار میں کتنی اچھی لگتی ہیں اب سنیں لال مرچ کا منفرد استعمال، کانٹے والی جھاڑی کی ضرورت پڑے گی۔ لال مرچ پر الگ الگ کلر کریں۔ پوسٹر کلر سے یہ مرچیں کانٹوں پر لگا دیں کون کہے گا یہ ارینجمنٹ لال مرچ سے بنی ہے۔ (پھول جھاڑو ..... لے لیں جھاڑو نئی ہونی چاہیے اب اس کی ٹہنیاں الگ، الگ کر لیں، ٹہنیوں کو پانچ حصے میں تقسیم کریں اور مختلف کلر میں رنگنا ہے۔ رنگنے والے کلر کو کسی بھی برتن میں پانی میں ملا کر ان ٹہنیوں کو بھگو دیں رات بھر بھیگنے دیں پھر نکال کر خشک کریں مٹی کے بڑے گلدان یا کسی چھوٹی مٹکی میں لگا دیں اس کو ڈریسنگ روم کے دروازے کے پاس رکھیں یا لاؤنج میں بچوں کے کھلونے جیسے گھوڑا، ہاتھی بڑے سائز میں لے آئیں پرلز جو ہم کپڑوں پر لگاتے ہیں وہ بھی لے لیں اب ان پرلز کو گم اسٹک کی مدد سے ان ٹوائز پر بہت نفاست سے چپکا دیں اور خشک ہونے دیں اور اب اپنا ہنر دیکھ کر آپ خود ہی دنگ رہ جائیں گی اب آپ پر برسیں گے تعریف کے پھولوں کے ٹوکرے تو آپ یہ پھول سمیٹیں ہم چلے اپنے ہوم سوئٹ ہوم......

مرسلہ: فہمیدہ غوری، کراچی

لوگ طرح، طرح کے نفسیاتی مسائل کا شکار ہوتے ہیں...... ذہن مفلوج ہو جائے تو زندگی مفلوج ہو جاتی ہے۔

''لیکن زندگی امید تو دلاتی ہے...... اور امید کو مستقبل کہتے ہیں۔'' زارا کو اپنا خواب ستیاناس ہوتا محسوس ہوا تو اپنی مخصوص بے ساختگی کے ساتھ جیسے پھٹ پڑی۔

''اور پھر آپ بھی تو یہی سوچ کر سفینہ کی طرف متوجہ ہوئے کہ زندگی کا سفر ساتھ، ساتھ کریں گے۔'' زارا کو اپنی ذہانت پر پورا اعتماد تھا، اسے لگا اس نے اس لمحے پرنس کو شکستِ فاش سے دوچار کر دیا ہے۔ اب وہ ضرور اس سے متاثر ہوگا......

پرنس کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی...... اس مرتبہ اس نے زارا پر ایک نگاہ بھی کی تھی۔

''خواہش ایک الگ احساس ہے اور یہ نیچرل (فطری) ہے مگر آنے والے لمحات میں زندہ رہنے کا یقین دوسری بات ہے...... خواہش بھی موجود لمحہ ہے، مستقبل نہیں......''

''sorry to say مجھے کہنا تو نہیں چاہیے...... مگر......'' زارا نے پھکڑ پن سے پرنس کی بات کاٹ کر بے تابی سے کچھ کہنا چاہا...... مگر رک بھی گئی جیسے الجھن میں پڑ گئی ہو...... اس نے لاشعوری طور پر کھانے سے اپنے ہاتھ روک لیے تھے۔ پرنس اپنے معمول کے مطابق نپا تلا لے چکا تھا...... اور ٹشو سے اپنے ہونٹ صاف کر رہا تھا۔

''پلیز...... آپ کہیے...... I am good listener'' پرنس نے گویا اسے حوصلہ دیا...... وہ تو اسے بچوں کی طرح لے رہا تھا۔

''یہ تو ابنارملیٹی ہے۔'' زارا نے حوصلہ ملتے ہی دل کی بات آخر کہہ دی۔

''تمام فنکارانہ مزاج لوگوں کو معاشرہ اسی طرح سے محسوس کرتا ہے۔ فنکار ہی تو ...... common behaveir (عام رویّے) سے abnormality نکال کر باہر لاتا ہے...... اسی لیے اس کی اپروچ کو داد

ملتی ہے۔'' پرنس نے بہت پُرسکون انداز میں زارا کو لاجواب کر دیا تھا۔
کچھ بھی ہم آہنگ نہ تھا......نہ خیالات نہ خواہشات......
''کتنا مشکل انسان ہے......'' زارا کا نشہ آہستہ، آہستہ ہرن ہونے لگا۔ پرنس نے کسی ایک بات سے بھی تو اتفاق نہ کیا تھا......بس لاجواب کیا تھا اور زارا اس لاابالی پن کی عمر میں یہ نکتہ نہیں سوچ سکتی تھی کہ انسان کی زندگی کے عقب میں ایک مکمل پس منظر ہوتا ہے۔ جو وہ اپنے خون میں لے کر دنیا میں نمودار ہوتا ہے۔
''آپ نے کچھ نیا پینٹ کیا ہے......کیا میں بغیر ٹکٹ کے دیکھ سکتی ہوں؟'' زارا نے اب اپنی دانست میں سنجیدہ و بوجھل فضا کو خوشگواری سے بدلنے کی کوشش کی......ایسے دقیق فلسفے سے طبیعت اوب کر رہ گئی تھی......گویا کسی نے ناک پر ہتھیلی جما دی تھی۔
''کچھ خاص نہیں، وہی ہے جو آپ دیکھ رہی ہیں......بغیر ٹکٹ اور آٹوگراف کے۔'' پرنس نے بھی اس کا بور ہونا محسوس کر لیا تھا......جواباً مسکرا کر نمٹا دیا۔
''ایسا کیسے ہو سکتا ہے......کہ اتنے دن میں آپ کو کوئی نیا آئیڈیا نہ ملا ہو۔'' زارا نے قطعاً اختلاف کر دیا......محض بات برائے بات کے لیے......کہ پرنس جب جواب دیتے ہوئے اس کی طرف دیکھتا تھا تو اسے اچھا لگتا تھا......وہ بڑی خود اعتمادی سے مسکراتی تھی کہ مجھے دیکھو......اللہ نے مجھے دیکھنے کے قابل بنایا ہے۔
''میں نے اس دوران صرف سفینہ کا چہرہ پینٹ کیا ہے......اور وہ پینٹنگ سفینہ اپنے ساتھ لے گئی تھی......یا یوں کہیں کہ میں نے اسے گفٹ کر دی ہے۔'' پرنس نے طبیعت کے خالص پن کے بموجب بغیر ہچکچاہٹ سچ بول دیا......زارا کا دل کسی نے جیسے مٹھی میں جکڑ لیا۔
''آخر سفینہ میں ایسی کیا بات ہے......بور اور بوڑھی روح......'' حسد کا اژدہا پھنکارنے لگا......اور پھنکاروں نے ماحول میں شعلے بھڑکا دیے......
''اٹس اوکے......میرا خیال ہے، بہت دیر ہو گئی ہے اب مجھے چلنا چاہیے......'' اس نے اپنے چہرے پر چھائی پژمردگی کو چھپانے کی حتی الامکان کوشش ضرور کی، زبردستی مسکرائی جیسے اپنے خوب صورت دانتوں کی نمائش کر رہی ہو۔
''اوکے......میں ڈرائیور کو میسج دیتا ہوں کہ وہ گاڑی تیار کرے......'' پرنس نے تکلفاً بھی نہ کہا کہ کچھ دیر اور تشریف رکھیے......گرینڈ مام ریسٹ کر رہی ہیں ان کے باہر آنے کا تھوڑا انتظار کیجیے وغیرہ، وغیرہ......
''گرینڈ مام تو ریسٹ کر رہی ہیں......مجھے بہت عجیب سا لگ رہا ہے......ان سے ملے بغیر جاؤں گی تو وہ کچھ فیل نہ کریں۔'' زارا نے شولڈر بیگ ٹیبل سے اٹھاتے ہوئے پرنس کی طرف دیکھا جیسے مخمصے میں پڑ گئی ہو۔
''ڈونٹ وری وہ کچھ نہیں سوچیں گی......وہ بہت تھک گئی تھیں اگر سو گئی ہیں تو پھر خود ہی بیدار ہوں گی......جب وہ سو جاتی ہیں تو اپنی مرضی سے ہی روم سے باہر آتی ہیں۔ کسی کو ناک کرنے کی اجازت نہیں ہے۔''
''شاید وہ میری وجہ سے rest less ہو گئی ہیں۔'' زارا کو اتنی دیر میں پہلی بار کوئی معقول خیال آیا۔
''نہیں......انہوں نے آپ کو warm welcome کیا ہے بس اب ایج ہی ایسی ہے کہ وہ زیادہ باتیں کرنے سے بھی تھک جاتی ہیں۔''
پرنس بہت صبر سے تنہائی ملنے کا انتظار کر رہا تھا......صندل اس کی زندگی کی پہلی اور سخت آزمائش تھی......کب سے وہ علم کا ہتھیار اٹھائے ایک مسلط کردہ جنگ سے دوچار تھا......مگر انسان ہی تو تھا......
انٹر کام کی گھنٹی نے گویا اس کی زنجیریں کھول دیں......اسے یقین تھا کہ ہاؤس منیجر گاڑی تیار ہونے کی اطلاع

دینا چاہتا ہے۔

اس نے ریسیور اٹھا کر کچھ سنے بغیر او کے کہہ کر ریسور رکھ دیا اور زارا کی طرف دیکھا۔

زارا کسی خیال میں تھی خیال کا عکس نگاہ میں تھا...... پرنس اپنی جگہ تھرا کر رہ گیا۔

"اوہ نو......" اس کی روح ایسے پرندے کی طرح پھڑ پھڑائی جس کا دورانِ پرواز شہپر ٹوٹ گیا ہو۔

وہ خود کو دھوکا دینے کا عادی تھا نہ کبھی ضرورت پیش آئی تھی۔ ہر وصول ہونے والا خیال بہت واضح اور بامعنی ہوتا تھا...... جیسے سورج نکلنے کے بعد شعاعیں براہ راست زمین پر پڑتی ہیں...... اس نے پھر علم و حیا سے خود کو سنبھالا...... اور زارا کو آگے بڑھنے کا عندیہ دیا۔ زارا نے باہر کی طرف قدم بڑھائے...... پرنس جان بوجھ کر دو قدم پیچھے چلا...... جیسے نقشِ قدم پر پاؤں دھرتا ہو۔

ایک دن میں دو حادثے...... پھر بھی قیامت کا دن ہے کوئی اور......؟ جاننا اچھا ہوتا ہے مگر کبھی کبھی عذاب بھی ہوتا ہے۔ وہ زارا کے ساتھ پورچ تک نہیں گیا...... لاؤنج کے داخلی دروازے پر ہی مہذبانہ انداز میں خدا حافظ کہہ کر پلٹ گیا۔

زارا کون سا خوش ہو کر جا رہی تھی۔

پرنس کی تازہ ترین تخلیق تو سفینہ پر بس تھی۔

☆☆☆

تاجور گھر واپس پہنچتے ہی پیر کی مصروفیات مرتب کرنے میں مصروف ہو گئی تھیں۔ جس میں اب کورٹ کے معاملات بھی شامل ہو چکے تھے جو کنسٹرکشن کمپنی انہیں کئی بار اپنی خدمات پیش کر چکی تھی، دیوار گرنے کے حادثے کے بعد قانون کے شکنجے میں آ چکی تھی کمپنی کے چیئر مین رشوت کے زور پر معاملات سلجھانے آگے بڑھے تو مزید پھنس گئے اب تاجور کو ان کے بھی بار، بار فون آ رہے تھے۔ تاجور شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھیں...... انہوں نے چائے کے لیے قدرے وقفہ لیا تو ذہن فوراً زارا کی طرف گیا۔

"نشاط کی طرف گئی ہے...... کافی دیر ہو چکی ہے...... حد سے زیادہ بے پروا لڑکی ہے کبھی خود سے فون کر کے نہیں بتاتی کہ میں پہنچ گئی ہوں۔" اعصابی دباؤ کی وجہ سے ان کا بی پی ہائی ہونے لگا۔ خواہ مخواہ زارا کے خیال سے جھنجلاہٹ ہونے لگی تھی۔

انہوں نے سیل فون اٹھا کر زارا کا نمبر ملایا...... غصہ مزید بڑھنے لگا...... سیل آف تھا۔

"آف کر کے بیٹھی ہوئی ہے۔" زارا کی غیر ذمے داری شدت سے محسوس ہوئی تو غصہ آنے لگا...... حالانکہ انہیں غصہ بہت کم آتا تھا...... غصہ آتا نہیں تھا بس غصہ ظاہر کرتی تھیں...... نظریہ ضرورت اور حالات کے تقاضے کے پیشِ نظر اب چونکہ سچ مچ غصہ آ رہا تھا تو ذہن کام کی طرف متوجہ ہی نہیں ہو رہا تھا۔ غصہ اتارنے کے لیے زارا اس وقت آسان ہدف تھی۔

انہوں نے سیل اٹھا کر نشا کا نمبر تلاش کیا۔ سفینہ اور زارا کی فرینڈز کے رابطہ نمبر ان کے پاس ہمیشہ ہوتے تھے۔ سیل میں نشا کا نمبر محفوظ نہیں تھا۔ انہوں نے نوکر کو بلا کر لاؤنج سے ڈائریکٹری منگوائی۔

"زیادہ سختی بھی نہیں کر سکتی...... یہ کیمبرج پڑھنے والے بچے تو ویسے ہی بہت جلد آؤٹ آف کنٹرول ہو جاتے ہیں...... دماغ میں خناس بھر جاتا ہے کہ ان کے پیرنٹس نوٹوں کے پیکٹ دے کر تعلیم خریدتے ہیں، کیسی اکیڈمی...... کہاں کے استاد......"

نوکر کے ڈائریکٹری مہیا کرنے تک وہ جی بھر کر پیچ و تاب کھا چکی تھیں۔ ڈائریکٹری ہاتھ میں آتے ہی N کا

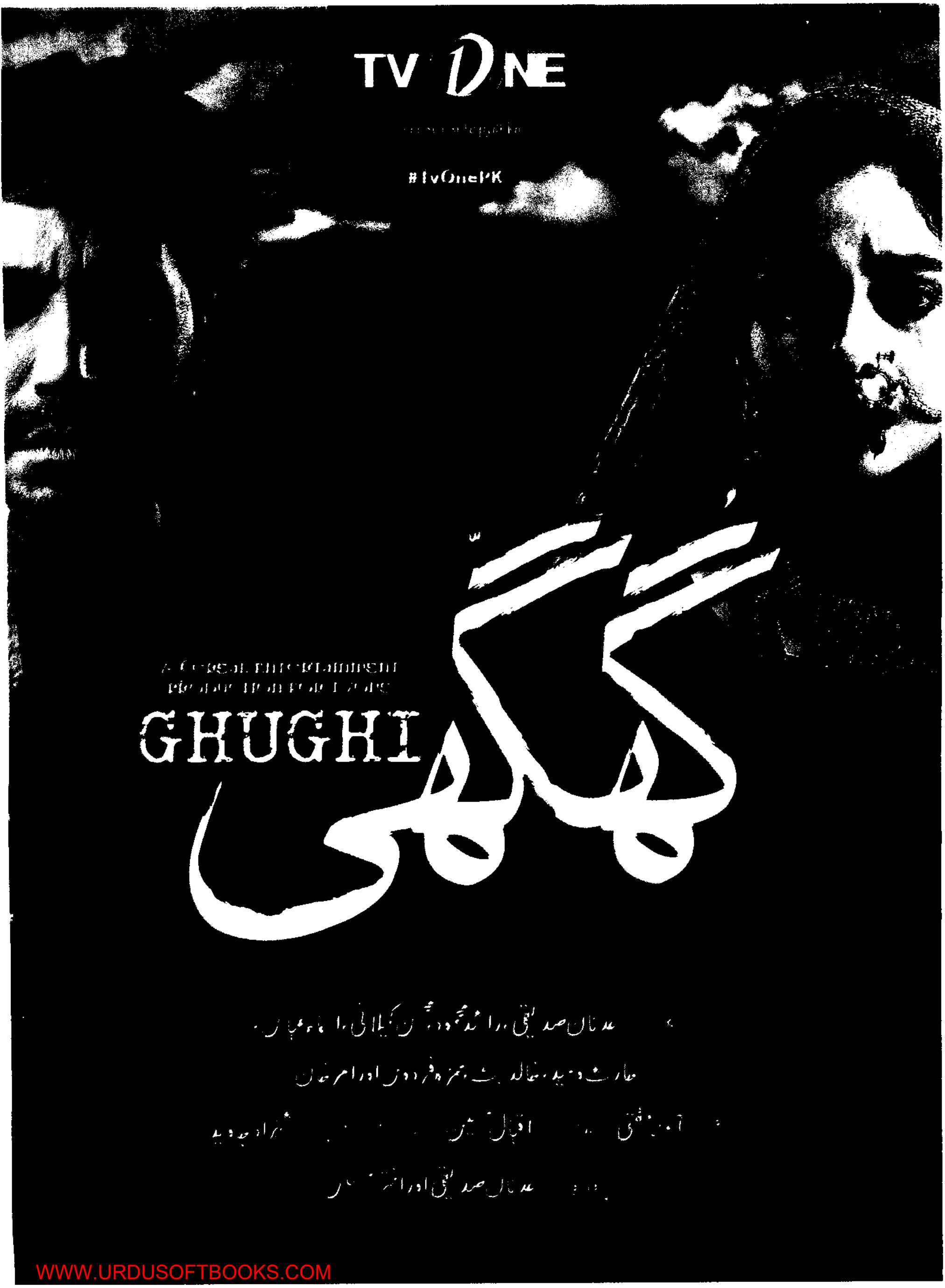
صفحہ نکال نشا کا نمبر تلاش کیا جو فوراً ہی مل گیا مگر وہ لینڈ لائن نمبر تھا۔
انہوں نے سیل اٹھا کر پہلے تو نمبر محفوظ کیا پھر ڈائل کیا۔ گھر کے کسی نوکر نے کال ریسیو کی تھی اور تاجور کو یہ کہہ کر حیران کر دیا تھا کہ نشابی بی تو اپنی مام کے ساتھ شاپنگ پر گئی ہوئی ہیں۔
تاجور نے پوچھا کہ ان کی کوئی دوست بھی ساتھ گئی ہے تو نوکر کا جواب تھا کہ نہیں بی بی اور بیگم صاحب ڈرائیور کے ساتھ گئی ہیں، ساتھ ہی یہ وضاحت بھی ہو گئی تھی کہ آج ان کے گھر میں کوئی مہمان نہیں آیا۔
تاجور کی تو غصے سے بری حالت ہو گئی۔
''جھوٹ بھی بولنے لگی ہے...... دھوکا بھی دینے لگی ہے...... یہ تو خطرے کا سرخ نشان ہے۔'' انہوں نے اضطراری کیفیت میں پھر زارا کا نمبر ڈائل کیا شاید یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ جھوٹ چھپانے کے لیے مزید سو دو سو جھوٹ کس رفتار سے بول سکتی ہے مگر اس کا سیل اب بھی آف ملا۔
تاجور کی توجہ ہر طرف سے ہٹ گئی۔
سفینہ نے علامہ اقبال ائر پورٹ لاہور پر اترتے ہی پلین کے اندر سے ہی تاجور کو صوتی پیغام (voice note) بھیج دیا تھا کہ اماں میں لاہور پہنچ گئی ہوں اور پلین سے ہی آپ کو میسج کر رہی ہوں۔
'' زمین آسمان کا فرق ہے دونوں میں...... ہونا بھی چاہیے...... دونوں کا شجرہ ہی الگ ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا جس بے ماں کی بچی پر میں رحم کھا رہی ہوں وہ آگے جا کر میرے ہی لیے آزمائش بن جائے گی۔''
تربیت تو دونوں کی ایک ہی انداز میں کی تھی...... مگر خاندانوں کا فرق شاید تربیت سے بھی نہیں مٹ سکتا......
جھوٹ اور دھوکے کے احساس نے تاجور کا بلڈ پریشر یک دم بڑھا دیا تھا۔
''یہ اہل ہی نہیں ہے...... کچھ نہیں کر سکتی......
اسے مڈل کلاس کی ہاؤس وائف بن کر زندگی گزارنی چاہیے...... شوہر کما کر لائے بیٹھ کر کھائیں...... اوندھا سیدھا گھر سنبھالیں۔ ہر سال بچہ پیدا کریں، دوستانے چلائیں...... فون پر لمبی، لمبی فضول باتیں کریں...... اور بس یہ بہت نہیں...... بہت ہی زیادہ alarming ہے۔ میں رسک نہیں لے سکتی۔'' وہ انکار میں سر بھی ہلا رہی تھیں۔
تاجور کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔
''یہ جھوٹ بول کر گئی کہاں ہے؟'' خوفناک اندیشے سر اٹھا رہے تھے۔ وہ بے قراری سے ٹہل رہی تھیں۔
''اسٹڈی کے نام پر پتا نہیں کب سے بے وقوف بنا رہی ہے؟ اسے جلد سے جلد .... اپنے گھر میں ہونا چاہیے۔ میرا اپنا ایک فیملی بیک گراؤنڈ ہے۔ سوشل اسٹیٹس ہے، یہ تو ہماری نسلوں کی محنت برباد کرنے جا رہی ہے۔''
ایک خیال آ رہا تھا دوسرا جا رہا تھا...... سکون تو یوں رخصت ہوا کہ جیسے راستے میں جیب کٹ گئی ہو...... اور خالی ہاتھ بندہ حیرت و صدمے سے پتھر بنا آتے جاتے راہ گیروں کو دیکھ رہا ہو۔
''ساحل محنتی بھی ہے شریف اور خوب صورت بھی...... میرا خیال ہے ساحل جیسا شخص ہی اس لڑکی کو کنٹرول کر سکتا ہے...... اس کا باپ بھی ساحل جیسا ہی تھا...... محنت سے اوپر آنے والا self mad bold and brave اگر اس نے مزاحمت کی تو پھر اسے حقیقت بتانا پڑے گی...... کہ تمہاری سوتیلی ماں نے تمہیں disown کر دیا تھا۔ میں نے تم پر رحم کھایا تھا...... اپنے سینے سے لگایا تھا۔'' تاجور غم و غصے کی کیفیت میں فیصلہ کُن انداز میں سوچ رہی تھیں...... اور شدت سے سوچ رہی تھیں کہ ماضی کا ایک مثبت مگر جذباتی اقدام اب ان کے گلے پڑ رہا ہے۔

(جاری ہے)



TS/44/2K11

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

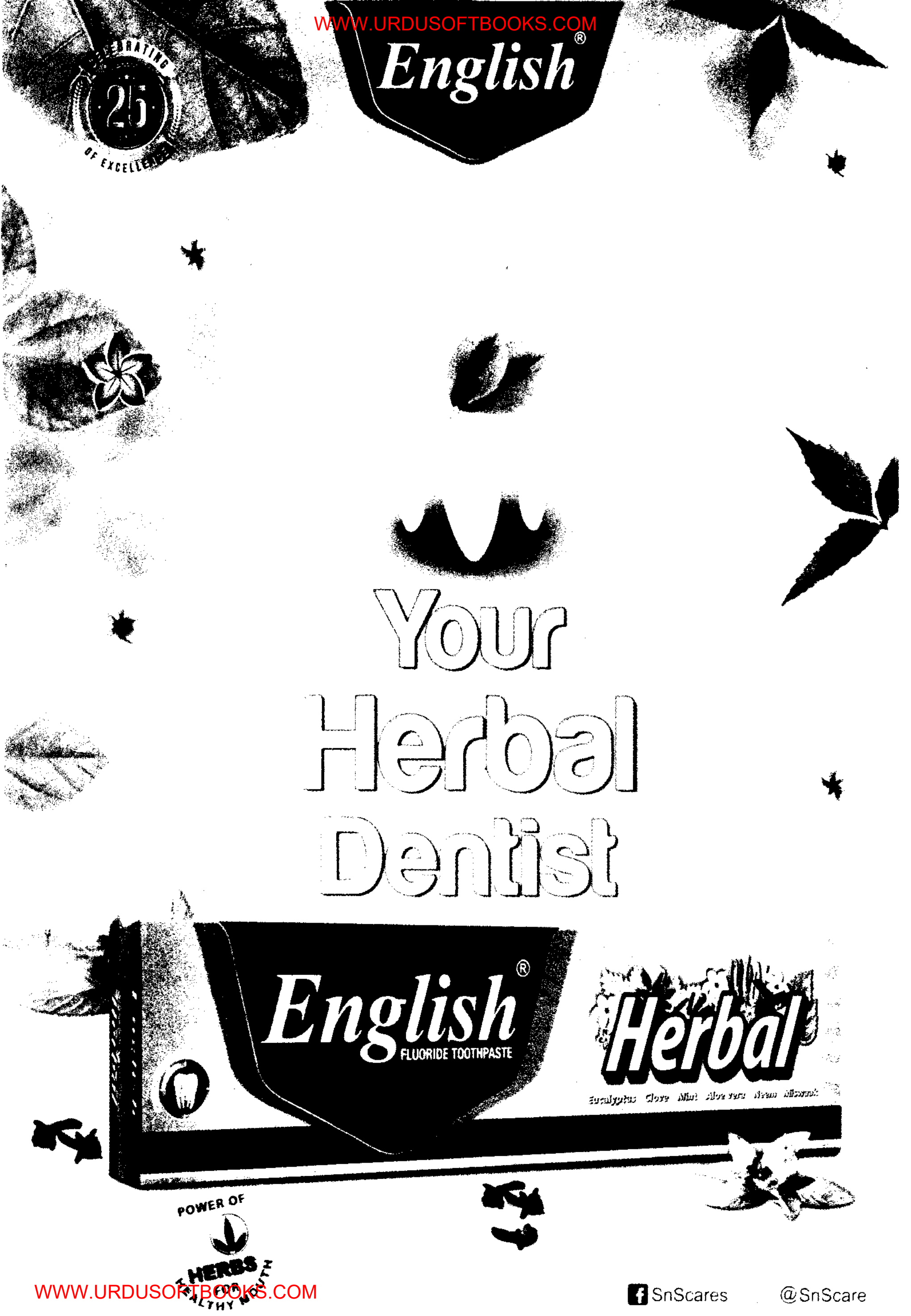

TV ONE
#TvOnePK
GHUGHI
گھگھی

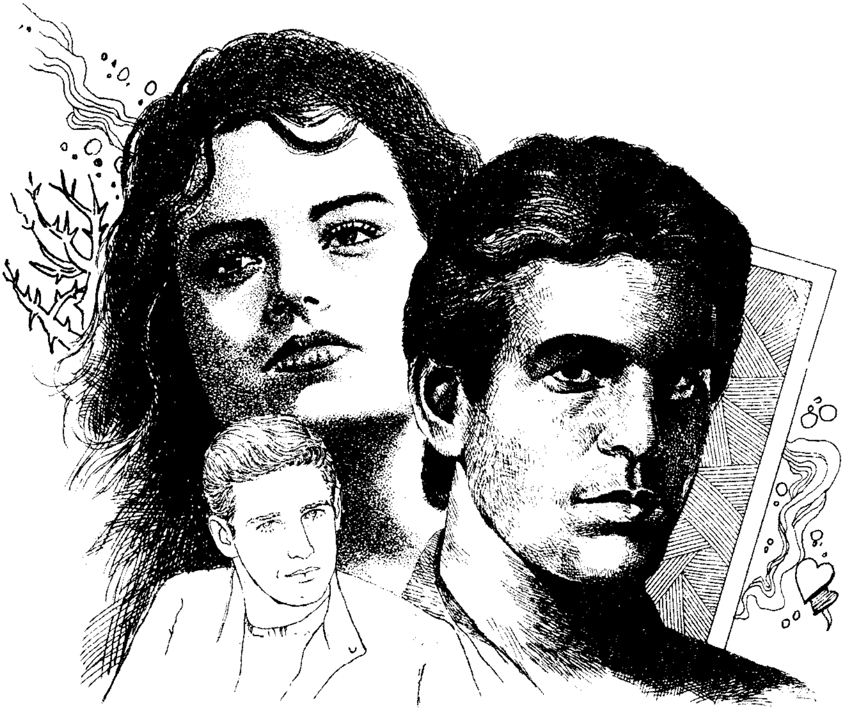
ایک محبت، ایک داستاں

1940 کی دہائی میں لاہور کے قریبی دیہات میں مسلمان شیخ اور ہندو ساہوکار برادریاں رہتی تھیں۔ شیخ ساہوکاروں کے قرض دار تھے۔ عدم ادائیگی پر پنچایت نے شیخوں کی لڑکی کو تین دن کے لیے ساہوکاروں کے حوالے کر دیا۔ لٹی پٹی برباد کی گئی عنایت بی بی شیخوں کے دل کا ناسور بن گئی۔ کافی عرصے بعد شیخوں کے لڑکے رشید نے ماں کے طعنوں سے تنگ آ کر عین بیاہ کے دن ساہوکاروں کی لڑکی ممو کو اغواء کر لیا مگر پہلی ہی نظر میں اسے ممو سے عشق ہو گیا۔ رشید نے ممو کو اپنی برادری کے حوالے کرنے کے بجائے گاؤں سے دور ایک جگہ اپنی ذاتی قید میں رکھا۔ رشید نے ممو کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالا بلکہ اس کے لیے سائبان بن گیا۔ مگر ممو ایک دن موقع پا کر قید سے نکلی اور اپنے گاؤں کی طرف بھاگ گئی ماں باپ نے اسے رکھنے سے انکار کر دیا کہ پندرہ دن گھر سے باہر رہنے والی عورت کو کون واپس لیتا ہے ممو رشید کے پاس واپس لوٹ گئی۔ رشید نے اسے مسلمان کر کے اس کے ساتھ شادی کر لی۔ اور اب ممو کا نام فاطمہ ہو گیا مگر اپنے منگیتر لیکھ چند کی یاد اس کے دل میں بسی رہی۔ اس سارے کھیل میں ممو کی اپنی حیثیت صفر ہو کر رہ گئی۔ اس کا جسم پامال، روح زخمی اور دل وحشت زدہ تھا جبکہ اس کا وجود صرف ایک ایسا پنجر بن کر رہ گیا تھا جسے گدھ بھی نہیں کھاتے۔ رفتہ رفتہ رشید سے ممو کا گریز اور صرف سمجھوتے کا رشتہ رشید کی شدید محبت اور بہترین سلوک کی وجہ سے ایک شوہر سے محبت کرنے والی بیوی میں بدلنے لگا۔ رشید کے دل میں یہ بات کانٹے کی طرح چبھی ہوئی تھی اور اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا رہتا تھا کہ اس نے بے قصور ممو کو ماں باپ بھائی بہنوں، سکھی، سہیلیوں اور اس کے منگیتر سے جدا کر کے بڑا ظلم کیا ہے اسے یہ احساس ہمیشہ ستاتا رہتا کہ ابھی تک وہ ممو کا دل جیتنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اور پھر قسمت نے رشید کو یہ موقع دے ہی دیا۔ وقت اسے ایک ایسے دوراہے پر لے آیا جہاں اسے فیصلہ کرنا تھا کہ وہ ممو کو اپنے پاس رکھے یا اپنے جرم کی تلافی کے لیے اسے اسکے مائکے بھیج دے ادھر ممو بھی ایک دوراہے پر کھڑی تھی کہ قدرت کے دیئے ہوئے سنہری موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے گھر والوں کے پاس واپس چلی جائے جو اسے دل سے قبول کرنے اور سینے سے لگانے کے لیے تیار تھے یا رشید کا ہاتھ تھامے رہے۔۔۔ ایک سنسنی خیز موڑ اس کہانی کا انجام ہے!

Thursday 8:00pm

#TvOnePK


English®
Your
Herbal
Dentist
English®
FLUORIDE TOOTHPASTE
Herbal
POWER OF
HERBS



اگر میں ہوتا

عقیلہ حق

بہت عرصے بعد اس نے اپنے جہیز کا صندوق کھولا...... اس میں رکھے بہت سارے رنگ برنگے جوڑوں میں سے، وہ جوڑے جو اس کی اماں نے شاید اس کی پیدائش کے دن سے جمع کرنا شروع کردیے تھے جنہیں سجانے سنوارنے میں اس کی اماں کی آنکھوں پر موٹے، موٹے شیشوں والی عینک لگ گئی تھی۔ ان جوڑوں کو پہننا اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی...... لیکن کسی بھی ایک سوٹ کو وہ تھیلی سے نکال بھی

نہیں سکی...... اور پھر وہ اس صندوق کو زندگی کے جھمیلوں میں بھول ہی گئی۔ لیکن آج دل ایک نئی لے پر دھڑ کا تو سب سے پہلے اسے ارمانوں، آرزوؤں سے بھرا یہ صندوق یاد آیا۔

ایک سے بڑھ کر ایک جوڑا......اور ہر جوڑے سے جڑی ایک خوب صورت یاد......

فیروزی کمخواب کی شلوار اور سفید کرتا دوپٹا......دوپٹے کے پلو پر بہت نفیس فیروزی کام بنا ہوا تھا۔ اس نے وہ سوٹ ہاتھ میں لیا۔

''اللہ اماں کیسا پیارا سوٹ ہے اور یہ فیروزی بیل، اور دوپٹے کے کنارے پر لگے سلور گھنگرو ...واہ اماں...... یہ سوٹ میں نبیلہ کی برات والے دن پہنوں گی۔'' اس نے دوپٹا سینے پر پھیلا کر اماں کی الماری پر لگے شیشے میں اپنے آپ کو دیکھتے ہوئے ان سے کہا۔

''اے ہے باؤلی ہوئی ہے، دماغ ہی الٹ گیا ہے تمہارا، کنواری لڑکیاں ایسے جوڑے لٹکا کر نہیں پھرتیں، رکھو جب میاں کے گھر جاؤ گی تو پہن لینا۔''

''میاں کا گھر......'' اس نے منہ بسورا۔

''ارے بیٹا، اپنے میاں کے لیے پہنوگی، وہ خوش ہوگا تو، تم کو اچھا لگے گا اب کس کے لیے چڑھا کر کھڑی ہوگی، لاؤ ذرا اِدھر دو دوپٹا، یہ تھوڑے سے گھنگرو بچے ہیں لاؤ میں لگاؤں، دنیا میں اور بھی کام ہیں یا بس یہی ایک کام ہے۔'' رقیہ بیگم نے اس کے ہاتھ سے دوپٹا جھپٹا۔

☆☆☆

''تم یہ پہنوگی، پاگل ہو گیا؟'' رضا نے دوپٹا چھین کر بیڈ پر اچھالتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

اس نے نیٹ کے سفید کرتے پر جھلملاتے فیروزی بٹن اور دوپٹے کے پلوؤں پر آج بھی جگمگاتے سلور گھنگروؤں کو حسرت سے دیکھا اور پھر حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''اتنا خوب صورت تو ہے۔'' فیروزی کمخواب کی شلوار اور سفید نیٹ کے کرتے دوپٹے کو حسرت سے دیکھتے ہوئے وہ منمنائی۔

''خبردار جو یہ گائے، بکریوں جیسے کپڑے میرے گھر میں پہنے تو...... یہ سارے شوق اپنی اماں کے گھر پورے کر کے آنا تھے۔'' رضا نے اس کی آنکھوں میں لرزتے آنسوؤں کو نظر انداز کیا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔ اس نے گھبرا کر نہ جانے بے خودی کے کسی لمحے میں آنکھ سے گرے، سیدھے ہاتھ کی پشت پر آنسو کے قطرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں...... آج میں نہیں روؤں گی، آج میں یہ جوڑا پہنوں گی۔'' اس نے اس محبت سے وہ جوڑا اپنے بازوؤں میں لے کر بھینچا۔ جیسے وہ ایک جوڑا نہیں، اس کی زندگی کا ہر ارمان اور ہر حسرت ہے......اور حسرت......

☆☆☆

نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ یا شاید وہ خودی ہی سونا نہیں چاہتی تھی......لیکن کیوں؟ آخر کیوں؟ وہ سونا کیوں نہیں چاہتی تھی۔ وہ جب بھی آنکھیں بند کرتی، کوئی اس سے سرگوشی کرتا۔ ''اگر میں ہوتا'' اور پھر ''اگر میں ہوتا'' نرم پھوار کی صورت اس کے سارے وجود کو بھگو دیتا، وہ گیلے بدن کے ساتھ اٹھ بیٹھتی۔

پھر دھڑکتے دل کے ساتھ، اپنے خشک کپڑوں پر ہاتھ پھیر کر ان کے خشک ہونے کا یقین کرتی۔

''اگر میں ہوتا'' اپنی پوری سچائی اور ملائمت کے ساتھ اس کے چاروں طرف گونج رہا تھا، اس نے گھبرا کر اپنے برابر سوئے ہوئے رضا کو دیکھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح گہری نیند میں تھے......ہمیشہ ہی کی طرح شاید ان کو یہ احساس بھی نہیں تھا کہ ایک زندہ سلامت، دھڑکتے دل اور جذبات و احساسات رکھنے والا وجود ان کے بستر پر پہلو میں موجود ہے، وہ خاموشی سے بستر پر سے اٹھ کھڑی ہوئی، نرم و دبیز قالین پر بظاہر پیر جما کر کھڑی ہو کر اس نے پلٹ کر بستر کی طرف دیکھا۔

تکیہ، رضائی، بستر کی چادر، سائڈ ٹیبل پر.... سر جھکائے خاموش کھڑے لیمپ سب مسکرا رہے تھے،

گدگدار ہے تھے، کہہ رہے تھے کہ ”اگر میں ہوتا“ وہ گھبرا گئی، دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ کر اس نے خاموش ملتجی نگاہوں سے سب کو دیکھا سب کو چپ رہنے کو کہا لیکن کوئی نہ مانا...... وہ خوفزدہ ہوگئی، گھبرا گئی، اسے ایسے لگا جیسے رضا سن لیں گے۔ اس نے خوفزدہ نظروں سے رضا کی طرف دیکھا اور......

☆☆☆

گہرا سانولا رنگ، درمیانہ قدم، معمولی سے نقش و نگار، چھدرے سے بال، کوئی بھی تو جاذبیت نہیں تھی سوائے گہری جھیل سی آنکھوں کے آئینے نے سرگوشی کی۔

”کیا ہر وقت شیشے کے آگے کھڑی رہتی ہو، ارے اگر صورت اچھی نہیں ہے تو کچھ اچھے گن ہی اپنے اندر پیدا کرلو، کم از کم اچھی عادتیں تو انسان کے اپنے ہاتھ میں ہوتی ہیں..لیکن یہاں تو شیشے میں منہ دیکھنے سے ہی فرصت نہیں......“ رقیہ بیگم نے بری طرح صبا کو ڈانٹا۔

”اب اماں ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے کہ میں ہر وقت آئینے سے چپکی بیٹھی رہتی ہوں، سارے گھر کے کام میں نہیں کرتی تو کون کرتا ہے......اب ہمارے گھر میں کوئی بھوت تو نہیں ہے ناں جو سارے کام کرتا ہے......کل ہی خالہ نسیمہ کہہ رہی تھیں کہ جیسے نرگسی...کوفتے میں پکاتی ہوں، ایسے کوفتے انہوں نے پوری زندگی میں نہیں کھائے۔ اتنا ذائقہ ہے میرے ہاتھوں میں۔“ صبا نے اماں کی جھڑکی کا برا مناتے ہوئے کہا۔

”غضب خدا کا کوئی ڈھنگ نہ کوئی گن......اوپر سے اتنی لمبی زبان......“ رقیہ بیگم نے اسے غصے سے گھورتے ہوئے کہا۔ انہیں اس کا جواب دینا بہت برا لگا تھا۔

صبا کو آتا تو ماشاء اللہ سب کچھ تھا۔ نماز، روزے کی پابندی کے ساتھ، ساتھ گھر داری میں بھی طاق تھی لیکن رقیہ بیگم جانتی تھیں آج کل لوگ ظاہری چمک دمک کو بہت اہمیت دیتے ہیں، ایسا تو شاذونادر ہوتا ہے کہ گن دیکھ کر کوئی دوسرے کی بیٹی کو بیاہ کر لے جائے......اور یہاں تو......

انسان

انسان جب ہنستا ہے کسی پر تو قبر اس پر زیادہ ہنستی اور کہتی ہے کہ
اے انسان اگر میں تجھے یاد ہوتی تو کبھی بھی نہ ہنستا۔
انسان جب کسی سے حسد کرتا ہے تو قبر کہتی ہے کہ اے انسان اگر
تجھے میری آگ کا پتا ہوتا تو کبھی تو کسی دوسرے سے حسد نہ کرتا۔ جب کوئی انسان زمین پر غرور سے چلتا ہے تو زمین کہتی ہے کہ اے بنی آدم تو کب تک ایسے اکڑ کر میرے اوپر چلے گا آخر کسی وقت تو میرے اندر بھی آنا ہے۔ اے انسان تو دنیا کی تیاری میں مصروف ہے جبکہ قبر تجھے دن میں پتا نہیں کتنی بار یاد کرتی ہے اور قبر کی تیاری کا مجھے پتا ہی نہیں۔

سیدہ غزالہ عالم، لانڈھی کراچی

رقیہ بیگم ماں تھیں، ہول تو اٹھتے تھے، کبھی جب کوئی عورت صبا کو دیکھنے آتی تو ان کا دل چاہتا، اس کا دامن پکڑ کر کہیں......

”ارے میری بہن، میری بیٹی بہت اچھی ہے، بہت نیک، فرمانبردار اور سلیقہ شعار ہے، صورت شکل کو چھوڑو اس کی خوبیاں دیکھو، خوبیاں......گھر کو جنت بنانے کے سارے گر آتے ہیں میری بیٹی کو، میری بیٹی بہت اچھی ہے۔“ لیکن ماں تھیں دل پر پتھر اور آنکھوں میں آس اور امید لیے بیٹھی رہتیں اور پھر صفا چٹ انکار پر......سارا غصہ اسی بیچاری پر اترتا......اور صبا......صبا ہمیشہ سوچتی اگر میں خوب صورت نہیں ہوں تو میرا کیا قصور ہے؟ لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ ضروری تو نہیں کہ قصور ہو، بعض اوقات انسان کی بے قصوری ہی اس کا سب سے بڑا قصور بن جاتی ہے۔

بچپن ہی سے وہ بدصورت ہونے کا چرچا سنتی آئی تھی، شادی کی عمر کو پہنچی تو ایسی، ایسی باتیں سننے کو ملیں کہ بیچاری گھبرا گئی۔ جب بھی اس کی کوئی سہیلی دلہن بنتی تو وہ افسردگی سے آئینے سے لگی پوچھتی۔ ”کیا میں بھی

کبھی دلہن بنوں گی۔ کیا کوئی مجھ سے بھی محبت کرے گا؟ کیا کبھی کوئی میرا بھی گھر ہوگا؟'' اتنی عمر بھی نہیں ہوئی تھی لیکن آس پاس والوں نے اور کم عمری میں بیاہی سہیلیوں نے اس قدر بولا دیا تھا کہ اس کی زندگی صرف ایک مرد کے تصور سے وابستہ ہوگئی۔

اس کا دل چاہتا، کوئی بھی ہو، کالا، لولا، لنگڑا، بیروزگار...... جو بھی ہو بس آئے اور اسے بیاہ کر لے جائے، وہ بھی مرد والی کہلائے اور جب ایک بچہ گود میں اٹھا اور دوسرے کی انگلی تھامے وہ اماں سے ملنے آئے تو اماں اسے بھی بڑی آپا کی طرح لپک کر سینے سے لگائیں اور پھر گھر کے چھوٹے بڑے معاملات میں اس سے مشورہ کریں۔ اور وہ دبے پاؤں اماں کی بیٹی سے اماں کی سہیلی بن جائے...... اس کا بچہ صحن میں کھیلتا پھرے اور دوسرے بچے کو رانوں پر لٹا کر تھپک، تھپک کر سلاتے ہوئے، وہ اماں کے معاملات کو دیکھے۔

اُدھر رقیہ بیگم اسے دیکھ، دیکھ کر کلستیں، بڑی کو تو سولھواں بھی نہیں لگا تھا اور رشتوں کی لائن لگ گئی تھی اور یہ صبا...... اس سال پچیس کی ہوجائے گی، رشتہ تو رشتہ اگر بھولے بھٹکے کوئی دیکھنے بھی آیا تو پھر پلٹ کر نہیں آیا۔

رقیہ بیگم دن میں نہ جانے انگلیوں پر کتنی دفعہ اس کی عمر کے سال گنتیں...... اور پھر گھبرا کر ہاتھ بلند کردیتیں۔ ''یا اللہ میری بچی کا نصیب کھول دے۔ میرے مالک تو نے کوئی بھی بے جوڑ نہیں بنایا، اس کا نصیب اس کا جوڑ جہاں کہیں ہے میرے مالک بھیج دے۔'' اور پھر ایک دن ایک بھولا بھٹکا رشتہ اس کے لیے آ ہی گیا۔ رضا احمد عمر کے 45 سال گزار چکے تھے، پہلی بیوی کا انتقال ہوچکا تھا، کوئی اولاد نہ تھی۔

رقیہ بیگم نے نہ عمر کا فرق دیکھا اور نہ ہی دوہاجو کی پخ لگائی، جھٹ ہامی بھری اور پٹ نکاح کر کے رخصت کیا۔

اور وہ جو کالے کلوٹے، لولے، لنگڑے کے لیے بھی تیار تھی جب سیج پر اس نے اس قدر خوبرو رضا علی احمد کو دیکھا، جو کہیں سے 45 سال کے نہ لگتے تھے، جیسے دم بخود رہ گئی۔

''چھ فٹ سے نکلتا قد، سرخ و سفید رنگت، چوڑا سینہ، سیاہ گھنگرالے بال اور اس پر چمکتی براؤن آنکھیں اس کا دل چاہا بستر پر ہی سجدے میں گر جائے...... اس کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے ہی رہ گئی۔

سانس تو جیسے رضا کی بھی رک گئی، جن کی پہلی بیوی مثل چاند کا ٹکڑا تھیں، جن کے حسن و جمال کے چرچے چار سو تھے، انہیں لے کر اللہ نے اب کیا دے دیا۔

رضا علی احمد جو گھونگٹ جھٹک کر تلملا کر بستر سے اٹھے تو پھر پلٹ کر کمرے میں نہیں آئے، جا کر برآمدے میں بیٹھ گئے۔ اُدھر وہ جو کسی حبشی کا تصور لیے بیٹھی تھی، ایک بانکے اور خوبرو شہزادے کو دیکھ کر لوٹ پوٹ ہوگئی...... واری صدقے ہوگئی۔

مرد کی فطرت ہرجائی ہوتی ہے، مرد دریافت کا پرندہ ہوتا ہے اور ہر اس چیز کے پیچھے بھاگتا ہے جو اس سے آگے بھاگتی ہے لیکن یہاں...... یہاں وہ کیا پیچھے بھاگتا، وہ خود منہ موڑ کر سرپٹ دوڑتا چلا گیا۔

اور صبا...... صبا کا تو یہ حال تھا جیسے بھوکے کو ملیدہ مل گیا...... وہ ہر وقت رضا کی خوشنودی میں لگی رہتی...... بھاگ، بھاگ کر ان کے کام کرتی، وہ آگے بھاگتے وُہ پیچھے دوڑتی، وہ جھڑکتے یہ لپٹتی، وہ ڈانٹتے وہ ہنس دیتی۔

وہ دفتر جانے کے لیے اٹھتے وہ لپک کر باتھ روم میں کپڑے لٹکا دیتی، وہ نہا کر نکلتے وہ تولیا تھما دیتی۔

ناشتے کی میز پر آتے تو گرم، گرم بل دار پراٹھے لوازمات کے ساتھ سامنے رکھ دیتی...... باہر نکلتے تو لپک کر گاڑی میں ٹفن رکھ دیتی، ان کی گاڑی گھر سے نکلتی تو جب تک گاڑی نظروں سے اوجھل نہیں ہوجاتی وہ اسے دیکھتی رہتی۔

اسے کبھی رضا کی کوئی بات بری ہی نہیں لگتی، رضا کا نام اور ایک چھت تلے رہنے کو وہ محبت کا نام دیتی، وہ اسی بات پر خوش تھی کہ وہ کبھی اپنے ازدواجی حقوق اور فطرت سے مجبور ہوکر اس کے قریب تو آتے تھے وُہ

معصوم اس ضرورت اور طلب کو ہی محبت سمجھتی۔

وہ ہروقت ایک احسان مندی کی کیفیت میں رہتی......وہ محبت کے مفہوم اور اہمیت سے نا آشنا تھی۔چاہنا اور چاہے جانے میں کیا فرق ہوتا ہے وہ ناواقف تھی۔محبت......گھر، چھت، نام اور روٹی نہیں ہوتی، وہ نہیں جانتی تھی۔

محبت ایک عورت کا حق ہے......اور وہ اس حقیقت سے ناواقف تھی۔

اُدھر رضا......رضا......کو اس سے ایک عجیب سی چڑ ہوتی......عام بیویوں کی طرح نہ وہ نخرے دکھاتی، نہ روٹھتی اور نہ ہی منانے کی ضد کرتی۔

وہ تو بس محبت کیے جا رہی تھی......وہ جتنا رضا سے محبت کرتی......وہ اتنا ہی اس سے دور بھاگتے، اس سے چڑتے۔

رضا کی کوئی بات، کوئی زیادتی اسے بری نہیں لگتی، وہ تو بس اس بات پر ہی خوش تھی کہ اس کی شادی ہوگئی......اب کوئی اسے دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے ''ہائے اس بیچاری کو کون پوچھے گا۔'' نہیں کہے گا، اب وہ دھڑلے سے فخر سے ناک میں ہیرے کی لونگ اور ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہن کر محفل میں بیٹھتی۔

رضا اس سے کھنچے، کھنچے رہتے، وہ جانتی تھی کہ ان کی یہ اکتاہٹ، یہ جھنجلاہٹ اس کی بدصورتی کی وجہ سے ہے تو وہ یہ چاہتی تھی کہ اپنی بدصورتی کو اپنی محنت، محبت اور خدمت سے ڈھانپ لے۔

وہ بے حد معصوم تھی، وہ نہیں جانتی تھی کہ مرد چکور ہوتا ہے، مرد ناشکرا ہوتا ہے، جو مل جائے اس کی طلب مٹا دیتا ہے......اور جو ہاتھ نہ لگے اس کے پیچھے بھاگتا ہے، گھر کا قورمہ چھوڑ کر باہر کی دال کے لیے فقیر کی طرح ہاتھ میں کشکول لیے لمبی، لمبی قطاروں میں جا کھڑا ہوتا ہے۔

صبا نہیں جانتی تھی کہ اس کی ذات رضا کے لیے ایک پُر تکلف دستر خوان ہے، جہاں وہ جب بھی بیٹھتا ہے، سیر ہو کر اٹھتا ہے لیکن وہ ناشکرا، کبھی شکر ادا نہیں کرتا نہ اس کا اور نہ ہی اللہ پاک کا......رضا کی خوشنودی میں اس نے سب کچھ بھلا دیا، حتیٰ کہ میاں، بیوی کے رشتے کو اولاد زنجیر کی طرح باندھے رکھتی ہے، کیسے ہی جھگڑا لو، ایک دوسرے سے کٹے کٹے ہوں، ضرورت کے کسی لمحے میں، وجود میں آنے والے بچے کی پیدائش بھی ان دونوں کو ملا دیتی ہے۔

کم از کم خاموشی میں گفتگو کا کوئی موضوع ہی نکل آتا ہے......بچے کا وجود کسی سورج سے کم نہیں ہوتا، جو اندھیرے میں روشنی بکھیر دیتا، جو میاں، بیوی کے سرد تعلقات میں گرمی پیدا کر دیتا ہے اور جو مکان کو گھر بنانے میں ایک عورت کی مدد کرتا ہے۔لیکن صبا تو رضا کی محبت میں ایسی غرق ہوئی کہ بچہ اس کے ذہن ہی سے نکل گیا۔لیکن جب بیاہی سہیلیاں اور آس پڑوس کی بڑی بوڑھیاں احساس دلانے لگیں تو وہ بھی سوچتی کہ اولاد ہو جاتی تو اچھا ہوتا۔

جو اولاد کی کمی کا احساس ہوا تو زندگی میں پہلی بار صبا کو عجیب سی یاسیت کا احساس ہوا۔وہ حسرت سے ان گھروں کو دیکھتی، جہاں مرد جب شام ڈھلے گھر واپس آتے تو اپنے بچوں سے کھیلتے، بیویوں کے ناز اٹھاتے، بیویاں ہنس، ہنس کر بچوں کے سارے دن کی شرارتیں اور شکایتیں کرتیں......اس کا بھی دل چاہتا کہ اس کا مکان گھر لگے۔

لیکن رضا اولاد کے حق میں نہیں تھے، وہ سمجھتے تھے کہ اولاد اگر ہوئی تو صبا جیسی ہی ہوگی......اور صبا......

صبا ہر معاملے میں محروم ہی رہی، کبھی پیار کے دو بول بھی ان کے منہ سے نہ نکلے......لیکن وہ محسوس بھی نہ کرتی۔وہ تو بچپن ہی سے لعن طعن، بدصورتی کے طعنے اور جھڑکیاں سنتی آئی تھی۔

☆☆☆

دن ہفتوں، ہفتے، مہینوں، مہینے، سالوں میں بدلتے گئے۔اور شادی کو پندرہ برس گزر گئے۔لیکن رضا اول دن جیسے صحت مند اور چاق و چوبند تھے۔

ہمیشہ بہترین لباس میں رہتے، اعلیٰ غذا کھاتے، چین، سکھ، آرام نے تو جیسے انہیں دوبارہ جوانی کی دہلیز پر لا کھڑا کر دیا تھا۔ اُدھر صبا تھی، پہلے کالی تھی اب بہت کالی لگتی، رات، دن، میاں کی آؤ بھگت اور گھر داری میں اتنی مصروف رہتی کہ کئی، کئی دن آئینہ بھی بھی نہیں دیکھ پاتی۔ سر میں چاندی کے تار جھلملانے لگے تھے، رکوع میں جاتی تو گھٹنوں میں درد کی لہر اٹھتی...... لیکن رضا کبھی کسی بات ...کسی کام، کسی چیز کو نہ گردانتے، ہمیشہ لہجہ اکھڑا، اکھڑا سا رہتا لیکن صبا کو برا نہیں لگتا، اگر کسی دن آرام سے پکار لیتے تو وہ پریشان ہو جاتی، گھبرا جاتی۔

''صبا......'' ان کا لہجہ گر نرم ہوتا تو وہ اپنی جگہ پر سن سی ہو جاتی۔

''الٰہی خیر کیا ہو گیا، آج آواز میں دبدبہ نہیں، اللہ خیر طبیعت ناساز تو نہیں۔'' وہ سوچتی ہوئی ان کی آواز پر دوڑتی آج بھی جب انہوں نے پکارا صبا...... تو وہ گھبرا گئی۔

''گیسٹ روم صاف ہے ناں......؟''

''جی......'' وہ ازلی نرمی سے بولی۔

''خیر پھر بھی اچھی طرح صاف کروا دینا، حیدر آ رہا ہے۔'' ان کا لہجہ نرم تھا۔

''لفنگا آ رہا ہے......'' وہ زیرِ لب بڑبڑائے۔

''لفنگا......؟'' صبا نے کبھی ان کے منہ سے ایسے الفاظ نہیں سنے تھے۔ اس لیے حیران سی رہ گئی۔

''ہاں، ہاں لفنگا...... میرا بچپن کا دوست، سارے جہان کی خاک چھانتا پھرتا ہے ابھی تک شادی نہیں کی، اب اس کا فون آیا ہے، ہمارے گھر آ رہا ہے، کل صبح آ جائے گا......'' رضا نے وضاحت دی۔

''شادی نہیں کی، شادی کیوں نہیں کی۔'' صبا منمنائی۔

''نامعقول کو کوئی لڑکی ہی پسند نہیں آئی، شادی کیا خاک کرتا۔'' رضا قہقہہ لگا کر ہنسے اور صبا کو تو جیسے ان کی ہنسی میں کھو گئی۔ شادی کے ان پندرہ سالوں میں اس نے انہیں شاذ و نادر ہی ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔

☆☆☆

صبح اتوار تھا اور پھر حیدر آ گیا، رضا خوش تھا لیکن صبا کو خاص تاکید کہ بلا ضرورت سامنے نہ آئے۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ حیدر صبا کو دیکھے کیونکہ صبا میں دیکھنے والی کوئی بات نہیں تھی۔

کیا واقعی صبا کی شخصیت میں کوئی قابلِ ذکر بات نہیں تھی...... آپ کا کیا خیال ہے؟

☆☆☆

صاف ستھرا سفید کرتے شلوار میں ملبوس، سفید گورے نرم پیروں میں پشاوری چپل، نفاست اور سلیقے سے سر پر جے بال، ہونٹوں پر نرم سی مسکراہٹ، ہاتھ پر بندھی قیمتی گھڑی، کہیں سے نہیں لگتا تھا کہ وہ امریکا جیسے ملک سے آیا ہے۔

جب وہ ٹیکسی سے اترا تو اس نے پردے کی اوٹ سے اس کا جائزہ لیا۔

''لفنگا تو کہیں سے نہیں لگتا۔'' اس کے دل نے پہلا سوال کیا۔ ''لیکن رضا صاحب کہہ رہے ہیں لفنگا تو بس لفنگا۔'' اس کے اندر کی فرمانبردار بیوی نے اسے ڈانٹا۔

رضا بہت خوش تھے...... بچپن کا دوست تھا، رات گئے تک دونوں گپ شپ لگاتے رہے، گوکہ گھر میں نوکر چاکر سب ہی تھے لیکن رضا کے سارے کام وہ خود کرتی، ان کے لیے کھانا پکانا، دوڑ، دوڑ کر اُن کی خاطریں کرنا.... اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ فجر میں اُٹھتی تھی لیکن رضا اگر جاگ رہے ہوں تو کیسے سو جاتی سو نیند سے بے حال تھوڑے، تھوڑے وقفے سے چائے کافی بنا، بنا کر بھجواتی رہتی۔

''چائے......'' اس نے دروازے کی اوٹ سے آواز لگائی۔

''کیا مصیبت ہے، اس عورت کو بھی چین نہیں۔'' رضا نے منہ بنایا تو حیدر نے چونک کر رضا کی طرف دیکھا۔ لیکن خاموش رہا۔

''واہ چائے مزے کی ہے۔'' حیدر نے چسکی

بھری، رضا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

رات کے جانے کون سے پہر وہ سوئی، اسے یاد نہیں لیکن صبح فجر کی نماز کے بعد ہی گھر میں چھل پہل محسوس ہوئی تو ایک لمحے کے لیے وہ حیران رہ گئی۔

گھر میں بچے تھے نہیں اور رضا میاں ذرا دن چڑھے اٹھتے تھے۔ اپنا کاروبار تھا سو تو پھر یہ کون ہے؟

''اوہ......لفنگا......'' وہ زیرلب بڑبڑائی۔

حیدر کو عجیب سی عادت تھی کہ دروازے زور، زور سے بند کرتا، کبھی بہ آواز بلند نعتیں پڑھنے لگتا اور کبھی گانے گنگنانے لگتا۔

رضا، حیدر کے ساتھ صبح اٹھ جاتے اور پھر ناشتے سے جو فرمائشیں شروع ہوتیں تو اس کا سارا دن چولھا چوکی پر گزر جاتا۔

گھر کچھ اس انداز سے بنا تھا کہ حیدر اپنے کمرے سے نکل کر باہر سے اخبار اٹھا لاتا کبھی لاؤنج میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھتا رہتا، وہ اپنے کاموں میں لگی رہتی لیکن ان دونوں کا سامنا نہیں ہوتا۔ کھانے کے وقت وہ میز پر کھانا لگا دیتی، نوکر جا کر اسے بلا لاتا، وہ ڈٹ کر کھانا کھاتا اور صبا دل ہی دل میں کھولتی رہتی، اسے دکھ ہوتا کہ رضا اتنی محنت کرتے ہیں اور یہ نکما... خوب موج اڑاتا ہے اور جو ایک دن دبے لفظوں میں رضا سے کہہ دیا تو وہ بے پناہ غصہ ہوئے کہ تم کون ہوتی ہو بولنے والی، وہ میرے بچپن کا دوست ہے۔ اس کے لیے میری جان حاضر ہے......اور پھر صبا خاموش ہوگئی۔ بس دل میں حیدر کی طرف سے بال نہیں دراڑ پڑ گئی اور دراڑ تو......

☆☆☆

پھر آہستہ، آہستہ حیدر جیسے گھر کا فرد بن گیا اس کا پردہ بھی برائے نام ہی رہ گیا، وہ اکثر سوچتی یہ آیا ہے تو جاتا کیوں نہیں ہے۔

رضا تو پہلے ہی اسے وقت نہیں دیتے تھے، حیدر کے آنے کے بعد تو جیسے وہ اس کو بھول ہی گئے، دونوں رات دیر تک شطرنج کی بازی جماتے تو کبھی تاش کے پتے پھینٹتے، کبھی اونچی آواز میں رفیع اور مکیش کے درد بھرے گانے سنتے۔ صبا کو یہ قلق تو تھا کہ رضا اسے بالکل ہی بھول گئے لیکن وہ میاں کو اس قدر چاہتی تھی کہ وہ اس بات میں ہی خوش تھی کسی بھی بہانے رضا خوش تو ہیں جو برسوں مسکراتے نہیں تھے، اب قہقہے لگاتے ہیں، وہ ان کی خوشی میں خوش تھی......لیکن کہاں وہ خوشی کا اصل مفہوم جانتی تھی؟

☆☆☆

''وہ حیدر کہہ رہا تھا کہ میں سارا دن گھر میں بور ہوتا رہتا ہوں۔ سودا سلف میں لے آیا کروں گا تم اس سے جو ضرورت ہو منگوا لیا کرو......وہ کوئی غیر تھوڑا ہی ہے۔''

آج جب اس نے بتایا کہ وہ لڑکا جو گھر کا سودا سلف لاتا تھا اپنے گاؤں چلا گیا ہے تو رضا نے آرام سے کہا اور وہ ہمیشہ کی طرح چپ ہوگئی۔

وہ غیر محسوس طریقے سے گھر کا فرد بنتا جا رہا تھا۔

''یہ لیجیے' یہ آج میں بالکل مشین کا روکھا قیمہ لایا ہوں، آج تو آپ نرگسی کوفتے بنوا دیں اور ساتھ میں تھوڑا دودھ بھی لایا ہوں۔ فیرنی نہیں بلکہ کھیر پکوایئے گا، زعفران ہے گھر میں یا لے کر آؤں؟'' کچن کاؤنٹر پر تھیلے رکھتے ہوئے، اس نے پشت کیے کیبنٹ میں برتن رکھتی صبا سے پوچھا۔

پھر کوئی جواب نہ پا کر خاموشی سے کچن سے باہر نکل گیا......

''اونہہ چٹخارے دیکھو کیسے ہیں، لگتا نہیں ہے یہ آدمی ساری زندگی امریکا جیسی جگہ پر رہا ہے، میں تو جیسے اس کی نوکرانی ہوں۔'' اور پھر سارا دن سل پر قیمہ پیستے، پیستے اس کے بازو گویا شل ہوگئے گو کہ گھر میں چوپر بھی تھا لیکن صبا کا خیال تھا اگر قیمہ سل پر نہ پیسا جائے تو کوفتوں میں لوچ نہیں آتا اور ویسے بھی رضا کو چوپر میں پسے قیمے کے کوفتے ناپسند تھے۔

☆☆☆

''واہ کیا نرگسی کوفتے ہیں، خدا کی قسم ساری زندگی میں نے اتنے لذیذ کوفتے نہیں کھائے۔'' حیدر

ایک، ایک نوالے پر تعریف کر رہا تھا۔ ''یار تیرا کک بہت ہی ایکسپرٹ ہے۔'' حیدر نے خاموشی سے کھانا کھاتے رضا سے کہا۔

''کوئی کک ووک نہیں ہے، میری بیوی پکاتی ہے کھانا۔'' رضا نے عام سے لہجے میں کہا۔

''واقعی......!'' حیدر کے منہ سے حیرت انگیز چیخ نکلی۔

''یار تو بہت خوش قسمت ہے کیا، سلیقہ مند عورت ملی ہے۔'' حیدر کے لہجے میں رشک تھا۔

اور دوسرے کمرے میں بیٹھی صبا مسکرا دی۔

''خوش قسمت......''

☆☆☆

''کیا مصیبت ہے، تنگ آ گیا ہوں میں تمہاری ان حرکتوں سے۔ یہ کھالیں وہ پی لیں۔ اب سو جائیں، اب اٹھ جائیں۔ تمہیں کوئی کام نہیں ہے، ہر وقت میرے پیچھے، پیچھے پھرتی رہتی ہو۔'' رضا دہاڑے۔

آج رضا کا پسندیدہ ترین کوٹ صبا سے استری کرتے ہوئے جل گیا۔ اور رضا جو بالکل تیار تھے، کوٹ کی درگت دیکھ کر جیسے آپے سے ہی باہر ہو گئے۔

''پاگل ہو، اندھی کہیں کی، نظر نہیں آتا تجھے، کہاں دماغ رہتا ہے، میرا اس قدر قیمتی کوٹ......ستیاناس مار دیا، بدبخت۔'' رضا غصے سے پاگل ہو رہے تھے۔

اور وہ بس جی، جی کیے جا رہی تھی۔

''جی غلطی ہو گئی، معاف کر دیں، یقین کریں بہت توجہ سے کر رہی تھی۔ پتا نہیں کیسے جل......'' کہتے، کہتے اس کی نظر دروازے میں کھڑے حیدر پر پڑی تو جیسے اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا، آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ وہ شرمندہ، شرمندہ سی مسکرا دی۔

یہ عورتیں، اللہ کی کیسی مخلوق ہیں، اللہ نے ان کو کس مٹی سے بنایا ہے، صبر، ایثار کی مٹی سے گندھی یہ عورتیں، کتنی ہی دکھی کیوں نہ ہوں، کتنی ہی پریشانی اور اذیت سے دوچار ہوں، ساری زندگی دوسروں کے لیے گزار دیتی ہیں...... ان کی زندگی دوسرے لوگ گزارتے ہیں اور یہ بیچاریاں ہر وقت، ہر ایک کو خوش کرتے، ہر رشتہ، ہر تعلق، ہر بندھن نبھاتی ہیں، سب کو خوش کرنے کی فکر میں اپنی خوشیاں بھول جاتی ہیں۔

ماں، باپ محبتوں سے پالی بیٹیاں، اتنے ناقدروں کے حوالے کیوں کر دیتے ہیں، بیٹیاں بوجھ تو نہیں ہوتیں......کم از کم ماں، باپ کو تو ان کی قدر و قیمت کا اندازہ ہونا چاہیے۔

موتیوں جیسی بیٹیوں کو پتھروں کے حوالے کر دیتے ہیں، ان کی نازک بیٹیاں مٹی میں رُل جاتی ہیں اور وہ سر اٹھا کر یہی کہتے رہتے ہیں۔'' ہماری بیٹی، ہماری تربیت کی لاج رکھ رہی ہے۔'' وہ لاج نہیں رکھ رہی ہوتی وہ تو قبر کا عذاب سہہ رہی ہوتی ہے۔ مٹی کے اوپر کی قبر کا......

کیسی نفیس ہوتی ہیں یہ عورتیں......ایسے بھرم اور شان سے رہتی ہیں کہ کوئی سوچ نہیں سکتا کہ کن اذیتوں سے ان کا دل و دماغ دکھتا ہے۔

کون کہتا ہے یہ صنفِ نازک ہیں۔ نہیں یہ صنفِ نازک نہیں، یہ فولاد ہیں، فولاد......

''کیا، جی، جی کرے جا رہی ہو، جاؤ دفع ہو جاؤ۔ کوئی کپڑے نکالو، مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' رضا کی آواز حیدر کو حقیقت کی دنیا میں لے آئی۔

''ارے یار......کس طرح بات کرتے ہو، کوئی تمیز، لحاظ ہے یا نہیں۔'' حیدر نے رضا کو ڈانٹا۔

''ارے یار...... یہ عورتیں بڑی دردِ سر ہوتی ہیں، تو نے شادی کی ہوتی تو پتا چلتا۔''

''کیا پتا چلتا، اس قدر نیک عورت ہے تیری بیوی، رات دن تیری جی حضوری میں لگی رہتی ہے اور تم، تم کون سے پچیس سال کے نوجوان ہو، جو تم کو کوٹ پینٹ پہننا بہت ضروری ہے۔ چل ایسے ہی چلتے ہیں، بڑے میاں بڑھاپے میں اتنا فیشن۔'' حیدر نے ماحول کی تلخی کو کم کرنا چاہا۔

تیز دھوپ کا اندازہ کسی سایہ دار درخت کی چھاؤں میں بیٹھ کر ہوتا ہے۔ صبا نے ہمیشہ رضا کے

ہاتھوں اتنی ذلت سہی تھی کہ کبھی پیار کی طلب ہی نہیں ہوئی تھی۔ کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ دو میٹھے بولوں پر اس کا بھی حق ہے۔ حیدر کے دو حمایتی جملوں نے ایک لمحے کو اسے سایہ دار درخت کے نیچے کھڑا کر دیا لیکن وہ خوش نہ ہوئی کہ ساری زندگی تو اسی تپتی دھوپ میں ننگے سر اور ننگے پیر جلتی زمین پر کھڑے رہنا تھا۔

بہت جلد ہی وہ اس ٹھنڈی کیفیت سے باہر آ گئی۔

یہ باہر والے لوگ......اسی طرح باتیں کر کے دوسروں کے گھروں میں آگ لگاتے ہیں۔

☆☆☆

''یار خیال رکھا کر......نیک عورت ہے کل بھی سمجھایا تھا کہ عورت کا دل پھول اور خواہشیں منہ بند کلیوں کی طرح ہوتی ہیں۔ ذرا سی تپش سے کملا جاتی ہیں، ان کے دل مرجھا جاتے ہیں۔''

''ارے یار دفع کرو...... یہ عورت اسی قابل ہے۔ شکل دیکھی ہے اس کی۔''

''کیا شکل، شکل لگا رکھی ہے، ناشکرے۔'' حیدر ہر وقت اس کی حمایت کرتا اور رضا جھنجلاتے رہتے۔

کہتے ہیں جھگڑے میاں، بیوی میں محبت کی دلیل ہیں، پر محبت......محبت کیا ہوتی ہے؟

یہاں جھگڑے ہوتے ہیں لیکن محبت......صبا...... جو کمرے میں بیٹھی ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی، اپنے دل میں بس سوچ کر رہ گئی۔

☆☆☆

اللہ نے عورت کو محبت کے لیے تخلیق کیا ہے، زندگی کے ہر دور میں، ہر رشتے سے وہ محبت کرتی ہے، بیٹی ہوتی ہے تو بھائی کا مان بن جاتی ہے، بیاہ کر سسرال آتی ہے تو میاں اور سسرال کی خوشنودی کے لیے ہر وقت کوشاں رہتی ہے، ماں، باپ اور بہن، بھائیوں کو بھی دوسرے نمبر پر کھڑا کر دیتی ہے اور جب ماں......ماں بنتی ہے تو راتوں کی نیند کے ساتھ، اپنی جوانی اور مستی بھی ان بچوں پر لٹا دیتی ہے......واقعی عورت اللہ کی ایک عظیم تخلیق ہے......لیکن زندگی کے ہر دور میں ہر رشتہ، صرف اسی سے قربانی کیوں طلب کرتا ہے آخر کوئی یہ کیوں نہیں پوچھتا۔

تم کیا چاہتی ہو؟ تمہاری خوشی کیا ہے؟ آج ہم وہ کریں گے جو تم چاہو گی۔ آج ہم تمہاری پسند کا کھانا کھائیں گے۔ اگر آپ کسی ایسی عورت سے جو ہر رشتے کو نبھاتی کئی دہائیاں طے کر کے، کسی مقام پر کھڑی ہو جو بولنا جانتی ہو......اور جو لوگوں کی نظر میں عام عورت نہ ہو سے یہ سوال کریں کہ ''تم کیا چاہتی ہو؟'' تو پتا ہے وہ عورت کیا کہے گی۔

وہ عورت کہے گی......اتنی بڑی زندگی میں صرف ایک دن اپنی مرضی سے گزارنا چاہتی ہوں۔ صرف ایک دن......

اور کیا آپ جانتے ہیں......وہ ایک دن اسے کبھی نصیب نہیں ہوتا۔

کبھی بھی نہیں......

☆☆☆

رضا دو دن سے گھر پر تھے۔ بخار تھا اور سر درد تو صبا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ساری دنیا ہی پلٹ دے......کبھی سر دباتی، تو کبھی تھرمامیٹر لگا کر بخار چیک کرتی......کبھی تلووں پر تیل کی مالش کرتی تو کبھی گرم پانی کی بوتل کمر کے نیچے لا کر رکھتی، رضا اس عمر میں بھی بہت صحت مند تھے اور کیوں نہ ہوتے جس مرد کو ایسی خدمت گزار بیوی ملی ہو جو سوتے وقت دودھ دینا بھی نہیں بھولی۔ ناشتے میں میوے اور فروٹ رکھنا نہ چھوڑے، گو کہ بڑھاپا رضا کی زندگی کے دروازے پر جھولتا تھا لیکن اس بڑھاپے کی ہمت نہیں ہوئی کہ ان پر سوار ہو سکے۔

اور وہ خود......وہ خود جو اُن سے کتنی چھوٹی تھی اس کے سر میں چاندی کے تار جھلملا رہے تھے۔ ہاتھوں کی رگیں ابھر رہی تھیں، کلائیوں کا گوشت نرم ہو رہا تھا۔ اس نے رضا کے پاؤں دباتے، دباتے سامنے لگے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا، جب عورت کے سر میں چاندی کے تار جھلملانے لگتے ہیں تو اتنے ہی

ارمان اس کے پورے ہو چکے ہوتے ہیں۔

پر اس بیچاری صبا کو تو یہ بھی نہیں پتا کہ شوہر کی محبت کیا ہوتی ہے۔ وہ تو ایک چھت کے سایے، دو جوڑے کپڑوں اور دو روٹیوں کو محبت سمجھتی رہی، وہ تو ضرورت کے چند لمحوں کو محبت میں شمار کرتی رہی۔ لیکن آج، آج اسے عمر رائگاں کا نہ جانے کیوں بہت احساس ہو رہا تھا۔

اس کا دل ایک کنواری لڑکی کی طرح آج بھی محبت کا طلب گار تھا۔ محبت اور ضرورت کا فرق اس کا دماغ بتا رہا تھا۔

رضا کو اس عمر میں ایک خدمتگار کی ضرورت تھی، وہ تو وہ تھی......اور محبوبہ......

اس کے اندر کی جمی برف جیسے پگھلنے لگی، اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے اور پہلی دفعہ اسے محبت کی طلب ہوئی۔

لیکن کڑی دھوپ میں چلتے، چلتے آخر سائے کا احساس کیسے ہوا......کیا یہ بتانا ضروری ہے۔

☆☆☆

''صبا......صبا کہاں ہو۔ پتا نہیں یہ عورت کہاں ہے یا تو نماز پڑھتی رہتی ہے یا باورچی خانے میں گھسی رہتی ہے، پتا نہیں کیا چیز ہے، ایک ڈھول ہے جو میرے گلے میں باندھ دیا گیا ہے۔''

رضا غصے میں جو منہ میں آیا کہہ رہے تھے، وہ اپنے موزے ڈھونڈ رہے تھے جو انہیں نہیں مل رہے تھے اور صبا اس وقت مصلے پر نیت باندھے حقیقی خدا کے آگے کھڑی تھی اور مجازی خدا گرج رہا تھا، برس رہا تھا۔ چاہ رہا تھا کہ وہ نیت توڑ دے اور شاید یہ وہ واحد بات تھی جو اس نے کبھی نہیں مانی۔ اور مانتی بھی کیسے مجازی خدا......اور حقیقی خدا کے فرق اور رتبے کو وہ اچھی طرح سمجھتی تھی۔

''ارے یار کیا ہو گیا، ابھی مغرب کی اذان ہوئی ہے نماز پڑھ رہی ہیں بھابی......تھوڑی دیر رک جا، ابھی موزے نہیں پہنے گا تو مر تھوڑی جائے گا۔'' حیدر نے اس کی چیخ و پکار پر جھنجلا کر کہا۔

''بس رہنے دے، سارا دن الٹے سیدھے کپڑے پہن کر گھومتا رہتا ہے، تجھے کیا پتا ڈریسنگ کیا ہوتی ہے۔'' رضا نے جھنجلا کر پاجامے اور ٹی شرٹ میں کھڑے حیدر سے کہا۔

''ص......ب......ا......'' رضا پھر چلائے۔

''یار بتایا تو ہے نماز پڑھ رہی ہیں، آرام سے بات کیا کر، آرام سے، اتنی اچھی بیوی ملی ہے قدر کیا کر......قدر......تجھے تو کوئی بھٹیارن ہی ملتی۔''

''تو ابھی کون سی حسینہ مہ جبیں ملی ہے۔ بھٹیارن ہی ملی ہے۔'' رضا نے سر جھٹکا۔

''ارے یار صورت ہی سب کچھ نہیں ہوتی......میں ہوتا تو پاؤں دھو، دھو کر پیتا۔''

وہ جو جلدی، جلدی جائے نماز تہ کر رہی تھی۔

''میں ہوتا......میں ہوتا......میں ہوتا......''

آواز پھوار بن کر اس کے وجود کو بھگونے لگی، صبا کا سارا وجود ٹھنڈے، ٹھنڈے قطروں سے بھیگ گیا......بستر، چادر، تکیہ......سرگوشی کر رہے تھے، چھیڑ رہے تھے، گدگدا رہے تھے......ہنس رہے تھے۔

''اگر میں ہوتا۔''

رات کیسے گزری صبا کو احساس ہی نہیں ہوا۔ شاید یہ زندگی کی سب سے پُرسکون صبح تھی۔ وہ ایک... بھرپور انگڑائی لے کر اٹھی۔ آج کی صبح اس کی زندگی کی ایک مہکتی صبح تھی۔

کوئی اس کے لیے بھی کہہ سکتا ہے ''اگر میں ہوتا......'' کسی کے منہ سے ایک حسرت بھرا جملہ اس کے لیے بھی نکل سکتا ہے۔ کیا کوئی اس کی بھی خواہش کر سکتا ہے......اس کا دل سولہ سال لڑکی کی طرح دھڑکا، مارے شرم کے اس کا سیاہ چہرہ مزید سیاہ ہو گیا اور وہ فیروزی کمخواب کی شلوار اور سفید نیٹ کا کرتا دوپٹا اٹھا کر واش روم میں چل دی۔

اس دن اس نے بہت دل سے چائے بنائی......بہت قیمتی ٹی سیٹ نکالا اور چلنے لگی، کمر پر اس کے سیاہ

سفید لمبے بال جھول رہے تھے جو شاید اس نے زندگی میں پہلی بار کھولے تھے، آج کی صبح اتنی نشیلی اور نرالی کیوں ہے، اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا لیکن آج کی صبح کوئی عام صبح نہیں تھی وہ جان سکتی تھی...... وہ کپکپاتے وجود اور لرزتے ہاتھوں کے ساتھ جب دروازے تک پہنچی تو اندر سے آتی آوازوں نے جیسے اس کے قدم جکڑ لیے۔

”عورت کو جب فلسفۂ محبت سمجھ میں آتا ہے تو عمرِ رفتہ کی کئی دہائیاں گزارنے کے بعد اس کے بالوں میں چاندی چمک رہی ہوتی ہے، وہ اقرار کی عمر گزار چکی ہوتی ہے۔ رشتوں، ناتوں کے طوق اس کے گلے میں جھول رہے ہوتے ہیں، خاندان کی عزت کا پھندا اس کے گلے میں پھنسا ہوتا ہے اور اس کا وجود تختۂ دار پر جھول رہا ہوتا ہے۔ آدھی زندگی گزارنے کے بعد، محبت کی تڑپ اور طلب کو سمجھنے کے باوجود اپنے دل پر پتھر رکھ کر، وہ محبت کا ماتم کرتی ہے، وہ محبت پر صبر کرتی ہے اور پھر وہ جھوٹ بولنے کا ہنر سیکھ لیتی ہے، جھوٹ کا یہ ہنر، اس کے اندر کی عورت کو ایک ماتمی چپ لگا دیتا ہے، حالانکہ وہ چیخ رہی ہوتی ہے۔“ حیدر کی آواز اس کے دل میں اتر گئی سامنے لگے آئینے میں، اس نے اپنے آپ کو دیکھا، سر پر چمکتے چاندی کے تاروں پر اس کی نظر پڑی تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

”سب بکواس ہے۔“ رضا نے ہمیشہ کی طرح اپنی منطق دُہرائی۔

”نہیں، یہ بکواس نہیں یہی حقیقت ہے، تم کیا جانو عورت کے دل کو، تم نے محبت کی ہوتی تو اس کے دل کو پڑھ پاتے ناں......“ حیدر نے تڑخ کر کہا۔

”چھن، چھنا چھن......“ صبا کے ہاتھ سے چائے کی ٹرے گری اور سارے برتن کرچیاں ہو کر اس کے دل کی طرح فرش پر بکھر گئے۔

رضا نے دروازہ کھول دیا

”ارے یہ کیا، کیا، اتنا قیمتی سیٹ توڑ دیا...... برباد کر دیا...... اندھی ہو گیا، دیکھ کر کام نہیں کرتیں۔“

لیکن آج صبا ڈری نہ سہمی، اس نے شکایتی نظروں سے حیدر کی طرف دیکھا۔

”آگہی عذاب ہوتی ہے، میں جی رہی تھی، مجھے جینے دیتے، میرے مردہ دل کی دھڑکنوں سے کیوں کھیلے تم، تم کو کیا حق تھا، مجھے محبت کی وادیوں میں گھسیٹنے کا۔“ اس کی آنسو بھری آنکھوں نے حیدر سے شکوہ کیا۔

حیدر جیسے گنگ ہو گیا۔

”ہاں، ہاں میں نے توڑ دیا...... آپ کو ایک ٹی سیٹ کی پروا ہے اور جو میری زندگی آپ نے برباد کر دی اس کا حساب کون دے گا۔“

رضا کی زبان گنگ تھی، صبا سر جھکائے رو رہی تھی اور رضا کی نظر اس کے سر میں چمکتے سفید بالوں پر جمی ہوئی تھی۔ پھر وہ چیخ، چیخ کر کہنے لگی۔

”مجھے بس آپ سے محبت ہے، مجھے اس لفنگے سے کوئی مطلب نہیں ہے بس اب...... اس گھر میں یہ رہے گا یا میں...... میں کہہ رہی ہوں، مجھے بس آپ سے محبت ہے...

بس آپ سے محبت ہے۔“

رضا گنگ تھے اور حیدر اس نے ایک تاسف بھری نظر اس عورت پر ڈالی جو ساری زندگی در، در کی خاک چھاننے کے بعد اسے پسند آئی تھی۔ وہ محبت کے قابل تھی۔ اور وہ خاموشی سے اپنا سامان اٹھا کر باہر نکل گیا کہ اس کا جانا ہی بہتر تھا۔

رضا نے ایک نظر خاموشی سے گھر سے باہر نکلتے حیدر کو دیکھا اور پھر چاندی کے تاروں سے بھرے سر والی اس عورت کو دیکھا جو جھوٹ بولنے کا فن جان گئی تھی۔

وہ نہیں جانتے تھے اس معاشرے میں نہ جانے کتنی ہی عورتیں، صرف جھوٹ کے سہارے، رشتے، ناتوں کے بندھن میں جکڑی، باپ کی پگڑی کو سنبھالے زندگی گزار دیتی ہیں...... وہ نہیں جانتے تھے لیکن آپ تو جانتی ہیں ناں......



ناولٹ

تیسرا حصہ

محبت لفظ ہے لیکن ......

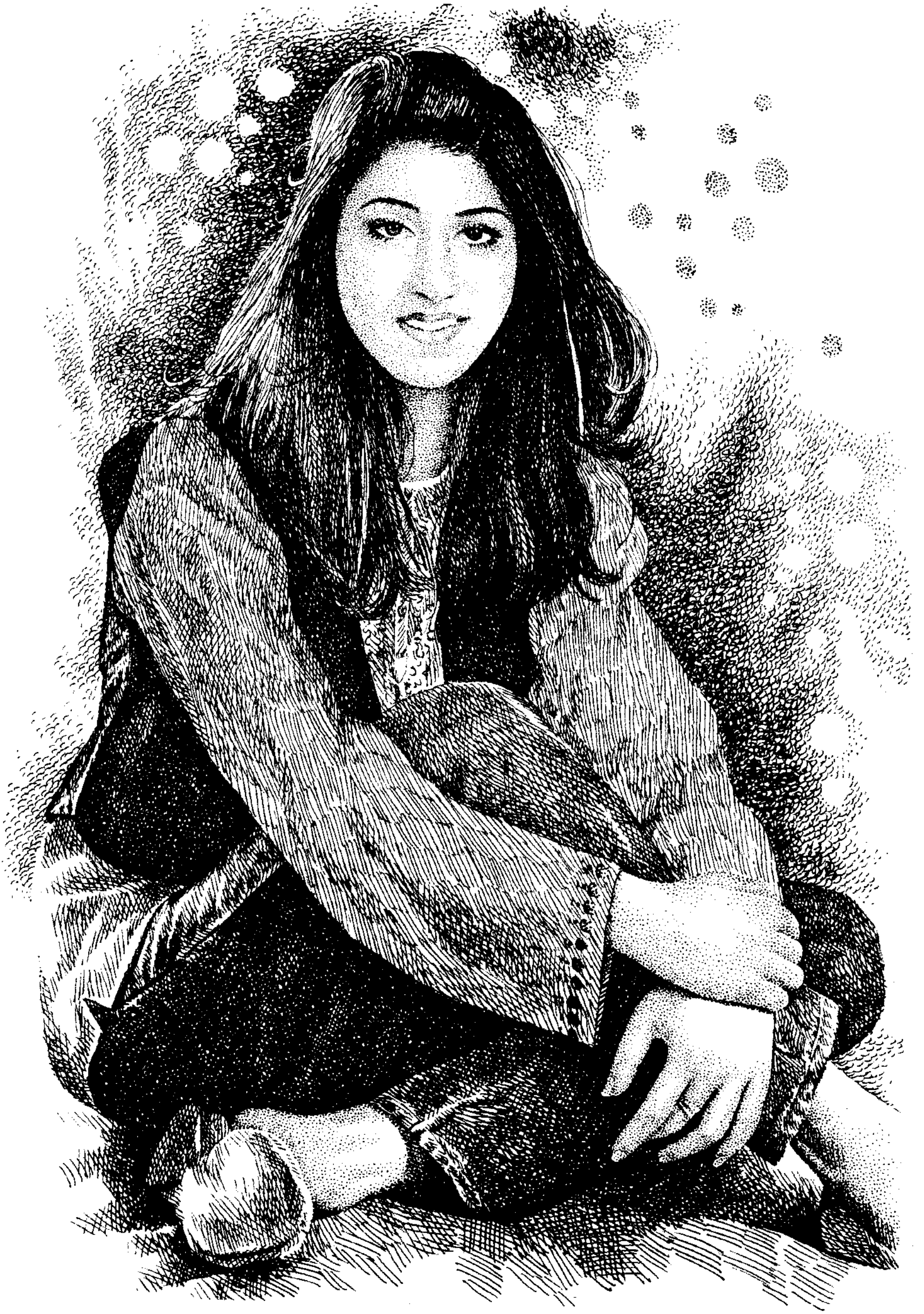
"ماں باپ کے سامنے بہت سوچ سمجھ کے بولا کرو کیونکہ کبھی کبھی ان کے سامنے بولا گیا کوئی بھی برا یا اچھا کلام ہماری پوری قسمت پہ حاوی ہو جاتا ہے۔"

خوب صورت جذبوں کی باریکیاں، بیان کرتی حیا بخاری کی ایک دل نشیں تحریر

اس نے دھیرے سے کھڑکی کا پردہ ذرا سا اٹھا کر نیچے باہر گلی میں جھانکا۔ اس کی توقع کے عین مطابق دوران خان جیپ سے ٹیک لگائے موبائل فون پر مصروف تھا... کچھ دیر بات کرنے کے بعد اس نے ڈرائیور کو اشارہ کرتے ہوئے خود بھی سیٹ سنبھالی اور جیپ روانہ ہوگئی۔

"یہ کون لوگ ہیں خان...... جو روز آپ کا پیچھا کرتے ہیں؟" زمزمہ نے لیمن جوس کا گلاس اسے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM



WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تھماتے ہوئے پوچھا۔

''میرے بابا کے آدمی.....'' وہ گلاس تھام کر کونے میں پڑے سنگل صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔

''مطلب آپ کے باپ.....؟'' وہ حیران تھی۔

اس نے جوس کا سپ لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''لیکن اس طرح آپ کے پیچھے..... کیوں؟''

وہ خاموشی سے جوس پیتا رہا۔

''کیا ان کو آپ پر اعتبار نہیں؟'' وہ مزید بولی۔

''نہیں..... ایسی بات نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ زمزمہ اس کے سامنے ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''بابا تو بس تسلی کرتے ہیں کہ واقعی میں ویسا بن رہا ہوں کہ نہیں جیسا وہ چاہتے ہیں۔'' اس نے گلاس میز پر رکھ دیا۔

''کیا مطلب.....؟ آپ کے بابا چاہتے ہیں کہ آپ ایسے بنیں؟'' اس کی کالی آنکھوں میں حیرت جاگی..... دونوں ہاتھوں سے اس جگہ کا اشارہ دیتے ہوئے بولی۔

''ہاں..... بالکل.....'' اس کی حیرانی پہ وہ مسکرایا تھا۔

''اتنے خوب صورت اور قابل بیٹے کو بھلا کون باپ اس طرح بگاڑنا چاہے گا۔'' وہ تاسف سے سر ہلا گئی۔

''جب اینوں سے دل ملتے ہیں ناں..... تو آدمی کچھ بھی کرنا چاہتا ہے..... کر سکتا ہے۔'' وہ دونوں ہاتھ گھٹنے پر رکھے ذرا سا جھکا۔

''پھر بھی..... ایسی بھی کیا وجہ کہ انسان اپنی اولاد کو خود ہی برباد کر دے۔'' وہ قطعی طور پر نفی کرتے ہوئے بولی۔

''میں برباد ہوا ہوں؟'' اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں.....'' وہ فوراً نفی میں سر ہلا گئی۔ ''لیکن ٹھوکر لگتے دیر نہیں لگتی خان.....'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ سیاہ آبشار سا اس کی کمر پر بکھر گیا تھا۔

''اب میں اپنے ساتھ آپ کے لیے بھی دعا کیا کروں گی کہ میرا رب آپ کو کسی بھی طرح کی ٹھوکر سے بچائے رکھے۔'' اس نے گویا دعا دی تھی۔

''تم دعا پہ یقین رکھتی ہو؟'' وہ اشتیاق سے پوچھنے لگا۔

''بہت زیادہ.....'' وہ مڑی۔

''حیرت ہے۔'' ہاتھ سر کے پیچھے رکھتے ہوئے اس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی۔

''حیرت تو مجھے ہے۔''

''وہ کس بات کی.....؟'' اس بار حیران ہونے کی باری ضیا کی تھی۔

''یہی کہ کوئی کسی سے اتنی محبت بھی کر سکتا ہے کہ صرف اس کے وجود کی ننھی سی تشبیہہ کے لیے بھی اتنا پیسہ، اتنا وقت ضائع کرتا ہے۔'' اس کا اشارہ اپنے لبوں پہ موجود تل کی طرف تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا۔

''تمہیں مزید بھی حیرت ہوگی جب یہ جانو گی کہ مجھے اس وجود سے کس قدر نفرت ہے۔'' دائیں ہاتھ کی مٹھی بھینچتے ہوئے وہ ضبط سے ہونٹ کاٹنے لگا تھا۔

''کتنے حساب ہیں میرے اس جان پر..... اسے تو شاید خبر ہی نہیں۔'' اس کی خوب صورت آنکھوں میں ایک دم ہی انتقام کی آگ شعلے دینے لگی تھی۔

''میری بے اختیاری، میری توجہ، میرا التفات یہ سب تو صرف دانے ہیں جو اسے پھنسانے کے لیے میں استعمال کرتا ہوں۔ ورنہ جو زخم انہوں نے میرے خاندان کو دیے ہیں..... وہ تو میری نفرت کے بھی لائق نہیں اور محبت.....''

''مجھے پھر بھی حیرت ہے خان.....'' وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس کے قدموں میں آ کے بیٹھ گئی۔ اس کی بات پر ضیا کی نظریں اس عنابی دہانے پر جم سی گئیں۔

''کیونکہ محبت کھیل نہیں ہے، بازی ہے۔ کھیل میں دوبارہ چانس مل جاتا ہے۔ بازی الٹ جائے تو کبھی نہیں پلٹتی۔ سوچ سمجھ کر کھیلنا اس میں تو بندہ جیت کے بھی ہار جاتا ہے اور آپ تو خود ہارنے کی

تیاریوں میں لگے ہو۔''

''مطلب......؟'' اس کی بات پر وہ الجھ گیا۔

''مطلب بے حد صاف ہے خان......'' وہ مسکرائی۔اور پھر دھیرے سے گنگنانے لگی تھی۔

''یہ لفظوں کی شرارت ہے......
سمجھ کر کچھ بھی لکھنا تم......
محبت لفظ ہے لیکن......
یہ اکثر ہو بھی جاتی ہے......''

اور ضیا علی خان نے دیکھا تھا...... ہر منظر سمٹ گیا تھا......لالہ مسکراتے ہوئے گنگنا رہی تھی بس......

☆☆☆

''لالہ......چائے بنا دوں۔''

سرِشام ہی وہ کتابیں لے کر بیٹھی تھی......لیکن ضیا علی خان اس کے حواسوں پہ چھایا رہا تھا۔وہ جو کوئی بھی تھا اس کا آتے ہی پہلے دن سے ہی لالہ کی طرف مائل ہونا اسے بری طرح کھٹک رہا تھا۔

دل لاکھ اس کی ساحر شخصیت کے حق میں دلائل دیتا، اس کی خوبیاں گنواتا، اس کی بے قراری، بے اختیاری پر مچل، مچل دھڑکتا......لیکن یہ حقیقت تھی کہ لالہ مرتضٰی ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی۔جو دل کی صدا پہ لبیک کہہ کر فیصلہ لے لیتی ہیں...... وہ ہمیشہ دماغ سے سوچتی تھی۔دماغ کی مانتی تھی......اور دماغ ضیا علی خان کو دیکھ کر ہی نہ جانے کیوں کچھ ایسے سگنل دے دیتا تھا کہ لالہ جیسی پُراعتماد لڑکی گھبرا جاتی......خوف سا بھر جاتا تھا اس کے دل میں......وہ لڑکا کون تھا...... کیوں اس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔وہ سوچ، سوچ کر پریشان رہنے لگی تھی۔ گھر میں بھی کسی سے ذکر کرنا اسے مناسب نہیں لگا تھا کچھ...... لیکن اب وہ خود تھکنے لگی تھی۔

آج بھی شام سے رات ہوگئی تھی۔لیکن وہ صرف ضیا کے متعلق ہی سوچتی رہی تھی۔کھلی کتابیں میز پر اس کی منتظر ہی پڑی رہیں۔نہ جانے کون سا پہر تھا جب سبین اس کے کمرے کی لائٹ جلتی دیکھ کر اندر چلی آئیں۔اسے کتابوں میں گم دیکھ کر انہوں نے چائے کا پوچھا تو وہ بری طرح چونک گئی۔پین بھی ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گرا۔

''کیا ہوا لالہ؟'' سبین اسے یوں گھبراتا دیکھ کر دہل سی گئیں۔

''کچھ نہیں امی......'' اس نے فوراً خود کو سنبھالا تھا۔

''کچھ تو ہے لالہ......تم مجھے کچھ پریشان لگ رہی ہو۔'' وہ اس کا سر سہلانے لگی۔نہ جانے کیوں لالہ کی آنکھیں جلنے لگیں۔اندر کوئی لاوا سا تھا جو پھر تپش سی دینے لگا تھا۔وہ آج تک اپنی ماں کو نہیں سمجھ سکی تھی۔نہ جانے کیوں وہ کبھی، کبھی اس طرح کی جعلی محبت نچھاور کرتی تھیں اس پر......جبکہ وہ جانتی تھی کہ انہوں نے ہمیشہ اس سے زیادہ شاویز کو اپنا مانا تھا۔اس کے قریب رہی تھیں......اور سب سے بڑھ کر اس کی زندگی کو یہ تلخ حوالہ انہوں نے ہی تو دیا تھا۔اس نے نامحسوس طریقے سے ان کا ہاتھ اپنے سر سے ہٹا دیا۔

''میں ٹھیک ہوں، آپ جائیں سو جائیں۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔'' وہ بددلی سے کہتی بیڈ پر آ گئی تھی۔سبین اس کا ایک دم سے پھر بدلتا روپ دیکھ کر ساکت رہ گئی تھیں۔

''امی لائٹ بھی آف کرتی جایئے گا۔'' کمبل میں چہرہ چھپاتے ہوئے اس نے آواز دی تھی۔انہوں نے خاموشی سے لائٹ آف کی اور دروازہ بند کر کے چلی گئیں۔

''اگر آپ نے یہ ایک غلط قدم نہ اٹھایا ہوتا۔نانا جان کی عزت رکھ لی ہوتی تو آج یوں قدم، قدم پر مجھے خوف نہ گھیرتا...... میں بھی دوسری لڑکیوں کی طرح ایک پُراعتماد زندگی جیتی...... قدم، قدم پہ ٹھوکر کا ڈر میرے دل سے یوں نہ چمٹ جاتا جیسے کوئی آسیب کسی پرانے برگد کے پیڑ سے آپ نے سب کچھ پا کے میرا سب کچھ کھو دیا......عزت، اعتماد اور اس دنیا کو فیس کرنے کا حوصلہ......کاش، کاش میں بھی دوسری لڑکیوں کی طرح آج اس خوف، اس بے عزتی کے احساس سے آزاد ہوتی...... میں تمہیں کبھی معاف نہیں

کروں گی سین زیدی......کبھی نہیں۔''
باقی ساری رات وہ یونہی روتی تکیہ بھگوتی رہی تھی۔

☆☆☆

کلاس ختم ہوتے ہی سب لڑکے، لڑکیاں باہر چلے گئے تھے۔ نمرہ بھی کتابیں اٹھا کر نکلنے لگی۔ لیکن پھر اسے اسی طرح بیٹھا کر دیکھ کر واپس پلٹی۔
''کیا ہوا......؟''
''میں یہیں رہوں گی کچھ دیر۔''
''تم ضیا علی خان سے چھپ رہی ہو لالہ؟'' نمرہ نے اسے گھورا۔
''مجھے نہیں پتا......'' وہ بے بسی سے لب کاٹنے لگی۔
''حیرت ہے اس طرح تو اسے اور شہ ملے گی۔''
نمرہ کو حقیقتاً اس کی کمزوری پر غصہ آرہا تھا۔ ''جب تمہارے دل میں کوئی بات نہیں ہے تو تم کیوں چھپو؟'' وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔
''میں نے ہمیشہ ماں کے حوالے سے بہت طعنے سنے ہیں نمرہ...... جانتی ہو؟'' وہ نمرہ کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ اس کی کالی سیاہ آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔
''میری ماں نے گھر سے بھاگ کر شادی کی۔ میرے نانا، میرے ماموں بہت بڑے رئیس تھے۔ پھر بھی امی نے میرے ابو کی محبت کی خاطر سب کی محبت داؤ پر لگادی۔'' اس کے گال بھیگنے لگے اور نمرہ......وہ تو بت سی بن گئی تھی۔
''یہ بھی نہ سوچا کہ عورت کی زندگی میں ایک شخص کی محبت کے علاوہ کتنے لوگوں کی عزت بھی تو اہم ہوتی ہے ناں......'' اس کے یاقوتی لب کپکپانے لگے تھے۔
بند کھڑکی کے شیشے کے اس پار کھڑے وجود نے کچھ نہیں سنا تھا لیکن نہ جانے کیوں اس گلابی دہانے کی لرزش اسے ساکت کر گئی تھی۔ اس نے یونہی باہر کی تلاش سے مایوس ہو کر کھڑکی کے شیشے سے ناک لگا کے اندر دیکھنے کی کوشش کی تھی کہ شاید وہ ابھی اندر ہو۔ اور وہ وہاں موجود بھی تھی مگر یوں تر چہرہ اور لرزتے ہونٹ......
''لالہ......'' نمرہ اسے تسلی کے دو لفظ بھی نہ بول سکی۔
''اور ان کو تو پروا بھی نہیں نمرہ......کسی کے زہر میں بجھے تیر اُن کی بیٹی کو کتنی اذیت دیتے ہیں......وہ ماں ہو کر بھی نہیں سمجھتیں، میں ان سے نفرت کرتی ہوں نمرہ......بے حد نفرت......'' وہ رونے لگی تھی۔ نمرہ نے بہت آہستگی سے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کیے تھے۔ اور بت بنے ضیا علی خان نے نہ جانے کیوں ایک پل کے ہزارویں حصے میں اسے آئندہ کبھی یوں روتے ہوئے نہ دیکھنے کی دعا کی تھی۔

☆☆☆

سہراب علی خان حویلی کے وسیع و عریض لان میں بیٹھے زمینوں کے حساب کتاب چیک کررہے تھے۔ جب حویلی کے خاص ملازم نے گاؤں کے دو تین معززین کے آنے کی اطلاع دی۔ انہوں نے اسے اجازت دے کر رجسٹر بند کردیے اور انتظار کرنے لگے۔ نظریں البتہ حویلی کے بڑے سے آہنی گیٹ پر جمی رہیں۔ کچھ دیر بعد ہی انہوں نے دو تین ادھیڑ عمر آدمیوں کو اندر آتے دیکھا تھا۔ وہ مونچھوں کو تاؤ دینے لگے۔ پیشانی پہ فوراً سلوٹیں نمودار ہوگئیں۔
''سلام خان جی......'' انہوں نے آتے ہی مؤدبانہ انداز میں کہا......سہراب علی خان مسکرا دیے۔
''وعلیکم السلام......وعلیکم السلام......'' انہوں نے بھی گرم جوشی سے جواب دیتے ہوئے ان کو بیٹھنے کے لیے کہا۔
''کیسے ہیں آپ سب؟ اور ماسٹر ہدایت آپ سنائیں۔'' سب کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے آخری جملہ ماسٹر ہدایت کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''اللہ کا کرم ہے خان......آپ جیسے مہربان ہیں ہمارے ساتھ......سب اچھا ہی ہوگا۔'' وہ شکر گزار ہوئے۔
''ہم تو ہمیشہ ہی آپ سب کے ساتھ رہے ہیں۔ مگر لگتا ہے اب آپ لوگوں کو ہمارا آپ کا خیال رکھنا اچھا نہیں لگ رہا۔'' دونوں ہاتھوں کی انگلیاں پھنساتے وہ ذرا آگے کو جھکے تھے۔
''نہیں نہیں سردار۔'' وہ تینوں فوراً ہاتھ جوڑنے لگے۔

''جس طرح آپ نے اس گاؤں کی خدمت کی ہے۔ بھلا اور کون کر سکتا تھا۔'' ماسٹر ہدایت نے ماتھے پر نمودار ہوتے پسینے کے قطرے صاف کیے۔

''اچھا......'' وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ تیز نظریں اب بھی ماسٹر ہدایت کو ہی دیکھ رہی تھیں۔

''سنا ہے، آج کل کسی اہم مشن پہ ہے ماسٹر ہدایت۔'' مونچھوں کو ایک بار پھر سختی سے مروڑتے ہوئے پوچھا گیا تھا۔ دونوں دیگر افراد ماسٹر ہدایت کو دیکھنے لگے تھے جن کے چہرے پر طاری ہوتی گھبراہٹ بہت واضح تھی۔

''وہ......خان......در......اصل......'' وہ بول نہ سکا۔

''خان......آپ تو جانتے ہیں کہ گاؤں کے بچوں کی تعلیم و تربیت میں ماسٹر ہدایت کا کتنا ہاتھ ہے۔ کتنے عرصے سے یہ ضلعی انتظامیہ سے رابطے میں تھے کہ کسی طرح گاؤں کی بچیوں کو ریگولر نہیں تو کم از کم پرائیویٹ طور پر بڑی کلاسز کے امتحانات میں بٹھانے کی اجازت اور انتظام کیا جائے۔ آپ تو جانتے ہیں نہ خان، گاؤں سے شہر جا کر پرچے دینا پھر رہائش اور سفری اخراجات......'' ماسٹر ہدایت کے بجائے ماسٹر علم دین تفصیل بتاتے ہوئے بولے۔

''بس اسی لیے ماسٹر ہدایت نے شہر جا کر یونیورسٹی کی انتظامیہ سے بھی ملاقات کی۔ انہوں نے یہ راستہ دکھایا کہ اگر ماسٹر ہدایت ایک درخواست پر تقریباً سو، ڈیڑھ سو افراد کے دستخط لے کر آ جائیں۔ جس میں وہ اس چیز کی خواہش ظاہر کریں کہ وہ واقعی بچوں کو آگے پڑھانے کے حق میں ہیں تو یونیورسٹی انہیں پرائیویٹ طور پر امتحان دینے کے لیے ہال، اساتذہ اور دیگر سہولیات کا انتظام کر دے گی۔ بس اسی لیے کئی دن سے ماسٹر ہدایت اسی چیز پر کام کر رہے تھے۔'' وہ تفصیل بتا کر خاموش ہوئے......سہراب علی خان کے لبوں پر مسکراہٹ آ ٹھہری۔

''تو یہی تو ہم کہہ رہے ہیں کہ ماسٹر صاحب...... اتنے بڑے کام کے لیے آپ سب نے مجھ سے مشورہ بھی کرنا مناسب نہیں سمجھا، واہ بھئی......'' مسکراہٹ میں تلخی سی گھلنے لگی۔

''نہیں خان......ہم تو بس......'' اس مرتبہ ان سے بھی بات نہیں بن پائی تھی۔

''خیر......میں خود بھی سوچ رہا تھا کہ بہت جلد ہی گاؤں میں اپنی بچیوں کے لیے بڑے اسکول اور کالج کے لیے آواز اٹھاؤں گا لیکن کیا کروں ایک تو یہ مسئلے مسائل، اوپر سے زمینوں کے بکھیڑے، سو کام ہوتے ہیں۔ پھر آنے والے الیکشن کے کام......اچھا کیا آپ لوگوں نے......اب مجھے کم از کم اس طرف کی پریشانی سے تو نجات مل جائے گی۔'' ملازم چائے کی ٹرے میز پر رکھ کر چلا گیا۔ انہوں نے اشارے سے سب کو چائے پینے کی دعوت دی۔

''نہیں، نہیں خان......ہم کیا، ہماری اوقات کیا......آپ سے زیادہ ہمارا بھلا کون سوچ سکتا ہے۔'' ماسٹر علم دین نے ماسٹر ہدایت کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔

''بالکل خان......'' ماسٹر ہدایت نے جیب سے ایک سفید کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔

''مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی خان جی......'' انہوں نے کاغذ کے پُرزے کرتے ہوئے شرمندہ لہجے میں کہا۔

''اب ہمارے بچے بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کریں گے۔'' ماسٹر علم دین خوشی سے چہکے۔

''مجھے بس کچھ وقت دیں۔ الیکشن کی مصروفیات ختم ہوتے ہی میں انشاء اللہ سب سے پہلے اسی بات کو آگے بڑھاؤں گا۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے ان کو یقین دلا دیا۔

''شکریہ خان......'' وہ مشکور تھے کچھ دیر انہوں نے یونہی خان سہراب سے کئی دیگر مسائل بھی ڈسکس کیے۔ ان کے جاتے ہی شاہ سواران کے پاس آیا تھا۔

''ان لوگوں کی جرأت بڑھنے لگی ہے خان......''

''چیونٹی کے پر نکل آئیں تو کچھ کر نہیں پاتی...

شاہ سوار... بس مرجاتی ہے۔ تم بھی بس تماشا دیکھو......''
گھنی مونچھوں تلے بھرے، بھرے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ مچلی تھی۔

''تو کیا آپ واقعی......'' وہ بولنے لگا تھا۔ جب خان نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''اگلے سال کا وعدہ کیا ہے ان سب سے اور اگلا سال کس نے دیکھا ہے۔'' مغرور لہجے میں کہتے وہ قہقہہ لگا گئے تھے۔ شاہ سوار سر ہلاتے ہوئے ہنس دیا تھا۔

''با... جی...'' دور اندرونی برآمدے سے گل مینہ نے انہیں پکارا تھا۔ شاہ سوار دیوار کی طرف رخ پھیر گیا تھا۔ حویلی کی عورتوں میں صرف گل مینہ ہی تھی جس میں ان کی جان بستی تھی۔ اور وہ بلا روک ٹوک کہیں بھی آتی جاتی تھی۔ اس وقت بھی اسے اس طرف دیکھ کر، جہاں عورتوں کا آنا بالکل منع تھا۔ انہیں غصہ آنے کے بجائے ان کے چہرے پر شفیق سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''جی...... با کی جان......'' انہوں نے فوراً بانہیں پھیلا دی تھیں۔ گل مینہ ان کے قدموں میں ہی بیٹھ گئی۔

''با جی مجھے بھی بھائی کے پاس شہر جانا ہے۔ کالج میں داخلہ لینا ہے۔'' وہ فرمائش کرنے لگی۔

''کہا ہے میں نے ضیا سے۔ شہر میں نیا گھر ملتے ہی تمہیں بھی بھجوادوں گا۔'' وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

''سچ با...!'' وہ چہکی۔

''بالکل سچ... با کی جان۔'' انہوں نے جھک کر بیٹی کے سر پر بوسہ دیا تھا۔ بچیوں کی آزادی اور تعلیم کے سخت خلاف سہراب علی خان کے اصول اگر کبھی کوئی توڑ سکتا تھا تو صرف گل مینہ تھی۔ سہراب علی خان اس بیٹی کے لیے ہر اصول، ہر ضد توڑ سکتے تھے۔ بھول سکتے تھے۔ اور وہ ہمیشہ ہی بھول جاتے تھے۔ انسان اپنے پیاروں کے ذریعے ہی آزمایا جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ابھی ان کی رسی کافی لمبی چھوڑی گئی تھی۔ جہاں کوئی بھی ذرا سا کھچاؤ نہیں تھا...... ان کے ہاتھ میں طاقت تھی...... اور سب ان کو اپنے اختیار میں لگنے لگا تھا۔

☆☆☆

زندگی میں واقعی کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ بالکل اجنبی لوگ آپ کو اپنے دل کے بے حد قریب محسوس ہوتے ہیں۔ کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود وہ بے حد اپنے، اپنے محسوس ہوتے ہیں۔ ان کی شخصیت، ان کی مسکراہٹ ذہن کے پردے سے جیسے چمٹ کے رہ جاتی ہے۔ لاکھ جھٹکو، اترتے ہی نہیں۔ بلاوجہ ہی یاد آتے ہیں اور آتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی دوریل کی دوری برداشت سے باہر ہوجاتی ہے۔ ساتھ ہو تو ساری کائنات کہیں بہت پیچھے رہ جاتی ہے اور ساتھ نہ ہو تو تب بھی ساری کائنات ویران لگنے لگتی ہے۔

وہ بھی بالکل نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

چند دن پہلے وہ جس شخص کے وجود سے بھی بالکل انجان تھی۔ نہ جانے کیوں ملتے ہی دل کی دھڑکنوں کا باسی ہوچلا تھا۔ یہ بھی نہیں تھا کہ وہ اس کی زندگی میں آنے والا پہلا مرد تھا۔ وہ ایک بزنس ٹائیکون کی بیٹی تھی...... ایک بڑے لینڈ لارڈ کی اکلوتی اولاد...... امیر زادے اس کی فرینڈ لسٹ میں رہتے۔ وہ چند دن ان کے ساتھ ہنستے، کھیلتے گزارتی اور جیسے ہی وہ اس کے اور اپنے رشتے کو لے کر سنجیدگی سے سوچنے لگتے وہ خاموشی سے راہ بدل دیتی۔ اسے لوگوں کو توڑنا، چھوڑنا ہمیشہ پسند رہا تھا۔

لیکن...... اس بار اسے لگا تھا...... پہلی بار اسے بھی کسی سے سچی محبت ہوئی تھی۔ کوئی تھا جو اس کی سانسوں میں بسنے لگا تھا۔ اور وہ وہی تھا۔ باریال ولی خان......

اس کے ہوتے ہوئے سارے منظر، پس منظر ہو جایا کرتے تھے۔ اور اس کے نہ ہوتے ہوئے سارے منظر خزاں رنگ......

اب بھی گاڑی کے بونٹ پر بیٹھی تھی وہ اور ورکرز سے بات کرتا وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ تیز دھوپ میں اس کا اجلا شفاف عکس امن کے بلیک گلاسز کی اسکرین پر لودے رہا

تھا۔ نہ جانے وہ کب سے کام میں بزی تھا۔ اور وہ صرف اسے دیکھنے میں اس کی آنکھوں کی چمک اس کی ذہانت کی گواہی دیتی تھی۔ آنکھوں میں چھلک دیتی ہلکی سی نمی اس کے ہمدرد ہونے کا پتا دیتی۔

اس کی چال ڈھال میں غضب کی تمکنت تھی۔ کسی دیو مالائی کردار کی طرح وجیہہ پُرسحر شخصیت تھی اس کی جو دیکھتے ہی اگلے کو اپنے حصار میں جکڑ لیتی تھی۔ اس پر ایک بار پڑنے والی بلا ارادہ نگاہ، ایک بار واپس ضرور پلٹتی تھی۔

وہ بات کرتے، کرتے ہمیشہ نہ جانے کیوں دونوں ہاتھ کی پوائنٹنگ فنگرز کو ملا کے لبوں پر رکھ دیتا۔ اور یہ ادا اس پر جچتی بھی خوب تھی۔

اور سب سے اہم خوبی اس کا مضبوط کردار تھا۔ امن نے دیکھا تھا۔ وہ اس کے ساتھ رہ کر، اس کی ہر طرح کی عنایات کو سمیٹتے ہوئے بھی ہمیشہ دونوں کے درمیان ایک فاصلہ رکھتا تھا۔ اس نے تعلقات کی ایک حد متعین کر رکھی تھی۔ اور نہ کبھی اس حد سے خود گزرتا نہ امن کو کراس کرنے دیتا تھا۔ امن کا ماتحت ہونے کے باوجود ان دونوں میں کافی دوستی ہو چکی تھی...... اس کے باوجود وہ بے حد کامیابی سے ایک مناسب فاصلہ رکھے ہوئے تھا اور امن چاہ کر بھی تا حال یہ فاصلہ مٹا نہیں پائی تھی۔ وہ اس کے قریب جانا چاہتی تھی۔ اسے اپنے اندر پلنے والے تمام احساسات بتانا چاہتی تھی۔ لیکن فی الحال باریال ولی خان اسے کوئی موقع نہیں دے رہا تھا۔

''کچھ بھی ہو باریال ولی خان......'' دور ورکرز کے درمیان کھڑا بلڈنگ میٹریل چیک کرتا باریال اس سے قطعی بے خبر کھڑا تھا۔ جب وہ خود سے کلام کرتے ہوئے بولی تھی۔

''تمہارا ہر راستہ میری طرف ہی نکلنے والا ہے۔ میں تمہیں کسی اور منزل کا راہی نہیں ہونے دوں گی...... کبھی نہیں۔'' وہ مسکرائی تھی...... دور کھڑے باریال نے نہ جانے کیوں اسی پل بالکل اچانک اس کی طرف دیکھا تھا اور فوراً نگاہیں پھیر لی تھیں۔

☆☆☆

آج صبح سے زرینہ آئی ہوئی تھیں۔ سین صبح سے کچن میں بزی تھیں۔ انہیں زرینہ کی خاطر داری کرنا ہمیشہ سے اچھا لگتا تھا۔ وہ ان کے شریکِ حیات کی بہت لاڈلی بہن تھیں۔ اور اسی لیے سین کو بھی ان کی خاطر داری کر کے اچھا لگتا تھا۔

اماں کا البتہ منہ بنا ہوا تھا۔ جس وقت سے زرینہ آئی تھیں وہ دل ہی دل میں لالہ کے آنے سے پہلے اس کے جانے کی دعا کرتی رہی تھیں۔ تسبیح کے دانے مسلسل گراتے دل ہی دل میں وہ جل تو جلال تو کا ورد جاری کیے ہوئے تھیں۔ لیکن زرینہ کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ آج بھی وہ کھانا کھائے بغیر نہیں جانے والی تھیں۔

''بھابی ذرا حمزہ کو فون کر کے کہہ دیں کہ اقرا کو کالج سے لے کر سیدھا اِدھر ہی آ جائے۔'' سین نے تازہ جوس کا گلاس ان کو تھمایا تو فوراً نیا حکم صادر ہوا۔ اماں کا منہ مزید برا ہوا۔

''ویسے اماں...... یہ لالہ کیسے آتی جاتی ہے۔ شاویز جاتا ہے کیا؟'' اچانک ہی انہیں خیال آیا تھا اور اماں نے دل ہی دل میں ان کے شیطانی دماغ کو سو گالیاں نوازی تھیں۔

''بس سے آتی جاتی ہے۔ شاویز بیچارہ تو خود سارا دن اِدھر اُدھر نوکری کی تلاش میں پھرتا رہتا ہے۔'' سین نے بتایا۔ اماں کا ماتھا ٹھنکا۔

''لو...... اب ہمارے خاندان کی لڑکیاں بسوں میں غیر مردوں کے کاندھوں کے ساتھ لٹک کر سفر کریں گی۔'' تیز طرار لہجے پر اماں کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

''خبردار......'' ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو ہی گیا۔ فوراً ٹوکا گیا۔

''اتنے برسوں بعد پہلی بار میں نے اپنی بچی کو دوبارہ خوش دیکھنا شروع کیا ہے۔ خبردار جو اس کے سامنے کوئی ایسی ویسی بات بھی کی ہو۔'' انہوں نے بیٹی کو آنکھیں دکھائیں۔

''ہاں، ہاں...... میں تو کچھ نہ بولوں گی۔ لیکن کل کو

اپنی ماں کی طرح کوئی گل کھلا کے آئے گی ناں......تو......"

"زرینہ......" اماں کی تیز آواز نے ان کو جملہ پورا کرنے سے روک دیا۔

"آگے کچھ بھی سوچ سمجھ کر بولنا۔ تیرا گھر نہیں ہے یہ۔" صاف جتلایا گیا۔

"میرے باپ بھائی کا تو ہے ناں اماں......" وہ بھی تیز لہجے میں بولیں۔

"ان دونوں کو مرے سال گزر گئے۔ اب یہ گھر میری سبین کا ہے۔ جتنی جلدی مان لے اچھا ہے۔" وہ اماں تھیں، ان کی سگی ماں......سبین نہیں کہ ان کے آگے دب جاتیں۔

"کردیا ناں پرایا اماں......" وہ فوراً منہ بسورنے لگیں۔ سبین پریشان سی ان کی طرف بڑھیں۔

"جتلا دیا ناں کہ اب یہ گھر میرا نہیں۔" آنکھوں سے ٹپ ٹپ موٹے آنسو نکلنے لگے۔

"آپ ناراض نہ ہوں، اماں تو بس ایسے ہی۔" سبین نے نظروں ہی نظروں میں اماں سے التجا کی اور زرینہ کو منانے لگی۔ زرینہ چادر سنبھالنے لگیں۔

"بس کردو، میں تمہارے ان چونچلوں میں آنے والی نہیں۔ اور ہاں......" سبین کو سناتی وہ اماں کی طرف مڑیں۔

"اب دیکھنا اماں......مرجاؤں گی مگر اس گھر میں قدم نہیں رکھوں گی۔" انہوں نے دھمکی دی۔

"جاؤ، جاؤ بی بی ......تیسرے دن نہ آجانا تو اماں نہ کہنا۔ بے شک ابا کہہ دینا۔" بے نیازی سے جیسے مکھی اڑائی گئی۔

"میں بھی واپس آجاؤں تو آپ بھی میرا نام بدل دینا۔" چادر لپیٹتی غصے سے تن فن کرتی وہ باہر نکل گئیں۔ سبین بیچاری روکتی رہ گئیں۔ اماں نے البتہ شکر کی تسبیح کے دانے گرانے شروع کردیے تھے۔

☆☆☆

نامانوس سی آواز نے اس کی گہری نیند کی لگامیں کھینچی تھیں۔ کچھ دیر یونہی آنکھیں موندے ہی اس آواز کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ پھر دھیرے، دھیرے آنکھیں کھول دیں۔ اگلے ہی پل وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا تھا۔ یہ اس کا اپنا کمرا نہیں تھا۔ اس نے اردگرد کا جائزہ لیا۔ وہ زمزمہ کے کمرے میں موجود تھا۔ تو کیا اسے نیند آگئی تھی۔

"اسے یاد تھا کہ وہ آج سارا دن ہلکے سردرد میں مبتلا رہا تھا۔ اس نے اپنے سب دوستوں کے ساتھ شکار پر جانے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ لیکن پھر اس سردرد کی وجہ سے وہ ان کو چھوڑ کر کچھ دیر کے لیے سکون تلاشنے نہ جانے کیوں زمزمہ کے پاس چلا آیا تھا۔ زمزمہ نے اسے کڑک دودھ پتی کے ساتھ سردرد کی دوا بھی دی تھی۔ وہ بس چند لمحوں کے لیے ستانے لیٹا تھا۔ اور شاید باقی وقت آرام سے سوتا رہا تھا۔

نامانوس سی آواز اب واضح تھی۔ وہ سسکیاں تھیں، کوئی روتے وقت اپنی آواز دبانے کی کوشش کررہا تھا۔ اس نے کمرے میں زمزمہ کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ وہ وہاں نہیں تھی۔ وہ بیڈ سے اتر کر سلیپر پہنتا اٹھ کھڑا ہوا۔ آواز کمرے کے سامنے بنے کھلے چبوترے سے آرہی تھی۔ وہ خاکی چادر میں خود کو لپیٹتا وہاں چلا آیا۔ کمرے اور چبوترے کے درمیان لگی چق کو ہٹاتے ہی جو منظر اس نے دیکھا اس کے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھا۔

☆☆☆

اس قدر شدید سردی میں، رات کے اس سرد ترین پہر میں، ٹوٹے پھوٹے اس بوسیدہ سے چبوترے کے یخ فرش پر سفید چادر میں سفید کپڑوں میں ملبوس دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے زمزمہ سسکیوں سے رو رہی تھی۔ اس نے چبوترے پر لگا بلب آف کررکھا تھا۔ لیکن آس پاس کے سبھی جھروکوں پر لگی ٹیوب لائٹس کی تیز روشنی میں اس کا وجود عجیب سا نور لیے ہوا تھا۔

اس سے عجیب تر منظر اس نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ ایک کوٹھے پر ایک حسن پری، کمائی کے عروج کے وقت جب سب جھروکوں میں روشنیاں مچل، مچل جاتی تھیں، روشنی بجھائے اندھیرے میں گم،

بھول گئی۔ دو درجن وہ بھی ڈالے گئے۔ گھر میں جو بھی آتا میرا پوچھتے فریدہ کدھر ہے؟ جواب ملتا حکیم بنی ہوئی ہے، سرمہ بنایا جارہا ہے۔ ہنستے بھی، مذاق بھی اڑایا جاتا مگر ہم نے بھی ہمت نہیں ہاری۔ دو مہینے، ہاں دو مہینے ہم ہی جانتے ہیں کہ دو عدد عرقِ گلاب کی بوتلیں ہضم کرنے میں سرمے نے کتنا وقت لیا۔ رات کو ململ کے کپڑے سے ڈھانپ دیا جاتا، اب جب گھر والوں بالخصوص بڑی بہن کو پتا چلا کہ امی کے سچے موتی کی لڑیاں چھ عدد، مرجان کی لڑیاں چھ عدد اور سیپ کے دو عدد ایش ٹرے سرمے کی نذر ہو چکے ہیں تو مجھے بُھلا کر امی کے پیچھے پڑ گئے کہ آخر آپ نے کیوں اس قدر قیمتی اشیا اس (بے وقوف) کے حوالے کر دیں۔ مذاق اڑایا گیا، طنز کے تیر بھی برسے۔ مگر در جواب آں...... خاموشی......

دو ماہ دس دن بعد سرمہ تیار تھا اب ململ میں سے تین بار چھانا گیا اور بازار سے نئی بوتلیں منگوا کر بوتلیں بھر لیں اور خاندان بھر میں تحفتاً تقسیم کی گئیں کہ ہماری امی اور میں چیزیں بانٹنے میں مشہور تھیں۔ ایک عدد بوتل اب بھی میرے پاس ہے، ایک مشورہ یہ بھی دیا جاتا کہ اسے حکیم فیملی میں بیاہ دیں۔ یوں ہماری محنت رنگ لائی۔ والد صاحب بھی چپکے سے جھانک کر لبوں پر ایک خوب صورت مسکراہٹ لیے چلے جاتے۔ اب میں والدین کی ان خوب صورت مسکراہٹوں کو یاد کرتی ہوں۔ ارے ہاں، جناب میٹرک بھی ہم نے فرسٹ ڈویژن میں پاس کر لیا تھا۔

تحریر : فریدہ افتخار، اسلام آباد

نہ جانے یخ فرش پر یوں دوزانو بیٹھ کر کیا کر رہی تھی۔
''کیا یہ بھی نماز......؟'' اس کے دل نے سوال کیا۔
''ہاں گناہوں کا بوجھ ہلکا کرنے کی ایک ناکام کوشش شاید......'' وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اسے دیکھنے لگا۔ اس کی دعا کافی طویل تھی۔ اور اس پورے عرصے میں اس کی بند پلکوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا۔

اس کے چہرے پر اس قدر معصومیت اور نور طاری تھا کہ وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھے چلا گیا تھا۔
وہ اب سجدے میں پڑی تھی۔

رونے کی آواز بلند ہونے لگی تھی......
وہ شاید ضبط چھوڑنے لگی تھی...... ہارنے لگی تھی۔
حوصلے کی طنابیں چھوٹنے کو تھیں...... اس کا نازک سراپا رات کی دھیمی روشنی میں دھیرے، دھیرے لرز رہا تھا۔

وہ منتظر تھا...... وہ اٹھے اور وہ سوال کرے......
کیونکہ سوال کرنا ہی فرض بنتا تھا...... اس پلید مقام پر اس قدر پاک کام کیوں...... وہ دل کو دو، دو کام کرنے پر آمادہ کیوں کر رکھے ہوئے تھی۔
وہ گناہ اور توبہ کو ساتھ، ساتھ لے کر کیسے چل رہی تھی۔
جس جھروکے میں بن سنور کر اس کی بوسیدہ لکڑی کے بنگلے سے لٹک، لٹک کر گاہک تلاشتی، اس کے خستہ فرش پر یوں سجدہ ریز وہ کیونکر ہو سکتی تھی...... ہو پا رہی تھی۔
سوال اُمڈتے چلے آ رہے تھے...... سجدہ طویل تر ہوتا جا رہا تھا۔
اور اسے حیرت تھی اس قدر سردی میں وہ بھی اس کے انتظار سے بیزار نہیں ہو رہا تھا۔

☆☆☆

یمین، زرینہ بیگم کی اس دن کی حرکت سے کافی پریشان تھیں۔ بار، باران کو فون بھی ملاتی رہیں لیکن انہوں نے فون اٹھایا نہ وہ آئیں۔

اور ہم نے سُرمہ بنایا

میٹرک کے امتحان دے کر فارغ تھے، لائبریری سے کتابیں منگوا، منگوا کر اور پڑھ، پڑھ کر نسیم حجازی پر احسان کیے۔ تاریخ اسلام کے لیڈروں سے شناسائی ہوئی، جب بور ہو گئے تو سوچا کچھ نیا کرنا چاہیے۔ بڑی بہن حور، زیب النسا پڑھتی تھیں، ہم بھی ان کی آنکھ بچا کر تانکا جھانکی کر لیتے، رسالے کے آخر میں کسی حکیم صاحب کا نسخہ پڑھا سرمہ بنانے کی ترکیب لکھی تھی۔ اور ہماری عقابی نظر امی جان (مرحومہ) ان کے توشے میں سنبھال کے رکھے سچے موتیوں اور مرجان کی لڑیوں پر تھی۔ گھر کے مہمان خانے میں سچے سیپ کے دو عدد ایش ٹرے بھی نظر کو بھائے تھے۔ سو کمر باندھ لی۔ کسی زمانے میں ایک عدد کھرل (جو اب نایاب بلکہ گم شدہ ہے) کا ہی کلر کی سنا تھا کہ افغانستان کے پہاڑوں کا تراشیدہ پتھر تھا۔

نسخے کی لسٹ تیار کی، ہماری بھولی سادہ سی امی میری کوئی بات رد نہیں کرتی تھیں۔ چھوٹے بھائی سے قصہ خوانی بازار کے مشہور پنسار سے سرمہ کی ڈلی، عرقِ گلاب کی دو عدد بوتل بھی آ گئی۔ اب کیا تھا کہ یہ اشیا مثلاً مروارید (موتی) سیپ اور مرجان سوختہ کر لیں، ایک حکیم صاحب سے مشورہ مانگا گیا۔ انہوں نے کہا کہ مٹی کی ہانڈی میں ڈال کر آگ میں دبا دیں جب اشیا جل کر خاک ہو جائیں تو نکال لیں۔ اب سوختہ اشیا تھیں کھرل تھی اور ہمارا کمرا...... گھنٹوں دروازہ بند کر کے سرمے کی ڈلی کے ساتھ پیسنا بلکہ رگڑنا شروع کر دیا...... دو عدد عرقِ گلاب کی بوتلیں آہستہ، آہستہ ڈال کر رگڑ دیا جاتا...... ساتھ میں سروں کی دنیا بھی آباد رہتی، ہاں چاندی کے ورق تو میں

''خواہ مخواہ ہی اس کی فکر میں گھل رہی ہو۔ آج نہیں تو کل ضرور آ جائے گی۔ دیکھ لینا۔'' اماں نے بہو کی پریشانی ہمیشہ کی طرح بھانپ لی تھی۔

''آپ کو بھی کیا ضرورت تھی اماں، زرینہ بی کو تو بولنے کی عادت ہے۔ جب میں برا نہیں مانتی تو آپ کیوں ان کو اس طرح ناراض کر دیتی ہیں۔'' انہوں نے اماں سے پیار بھرا شکوہ کیا۔

''تو بھلے نہ مان، لالہ تو مانتی ہے ناں۔'' اماں کو تاسف نے آ گھیرا۔

''کیا سمجھتی ہو تم...... ان لوگوں کی باتوں کی وجہ سے تمہارے اور لالہ کے درمیان جو فاصلے در آئے ہیں میں ان سے بے خبر ہوں۔'' انہوں نے جھریوں زدہ ہاتھوں میں سبین کا نرم ہاتھ تھاما تو نہ جانے کیوں سبین کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''اس زرینہ کی وجہ سے اور لوگوں نے بھی شہ پکڑی ہے۔ اور میں نہیں چاہتی کہ میرے مرتضٰی کی نشانیاں، روح پر زخم لیے کرلاتی رہیں۔ میں زرینہ کی خفگی برداشت کر سکتی ہوں۔ مگر تیرے اور لالہ کے آنسو نہیں۔'' انہوں نے سبین کو خود میں سمو لیا تھا۔ ضعیف آنکھوں نے دو آنسو ان کے کرب پر وار دیے تھے۔

اسی وقت باہر حمزہ کی بائیک چنگھاڑی تھی۔

''لو آ گئی تمہاری زرینہ۔'' اماں نے مسکراتے ہوئے ان کو خود سے الگ کیا۔

''حمزہ ہو گا۔'' وہ بے یقین تھیں۔

''وہی ہے۔ اماں نے شرارت سے بائیں آنکھ دبائی۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور حمزہ اور اقرا کی ہمراہی میں زرینہ بیگم اندر چلی آئیں۔ سبین نے سب کو مسکرا کر خوش آمدید کہا۔

''السلام علیکم اماں......'' زرینہ کمال اعتماد سے ماں کے گلے لگی۔

''وعلیکم السلام......'' اماں نے بھی بانہیں پھیلا دیں۔

''کیسی ہے ثمینہ؟'' ان کی اگلی بات پہ سب کے

سب حیرت سے انہیں دیکھنے لگے تھے۔

''کون ثمینہ اماں......؟'' انہوں نے حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اقرا اور حمزہ کی آنکھوں میں بھی حیرت کا تاثر تھا۔ البتہ سبین کے ہونٹ اماں کی شرارت سمجھ کے مسکرا دیے تھے۔

''لے......بھول گئی......تو نے ہی تو کہا تھا کہ آئندہ اس گھر میں قدم رکھوں تو نام بدل دینا......بس میں نے تیرا نام بدل دیا۔'' اقرا اور حمزہ کا قہقہہ بے ساختہ تھا جو ماں کی گھوری دیکھ کر اگلے ہی پل دم توڑ گیا تھا۔

☆☆☆

''ایسی بڑی جگہ پہ کوئی یوں سجدے میں گڑگڑا سکتا ہے......تم نے تو آج مجھے شاکڈ کر دیا ہے۔'' وہ شاید رات بھر یونہی روتی رہتی سجدے میں گر کر......اگر ضیا کی موجودگی کے احساس نے اسے چونکا نہ دیا ہوتا۔ ربط میں توجہ نہ رہی تو رابطہ بھی ٹوٹ گیا۔ وہ چہرہ صاف کر کے اندر آئی تو وہ بھی اس کے پیچھے چلا آیا۔

اس کے صوفے پر بیٹھتے ہی اس نے زمزمہ سے پوچھا تھا۔

''جگہ کوئی اچھی یا بری نہیں ہوتی خان......اچھا یا برا اسے ہمارا عمل بناتا ہے۔'' سفید چادر کو کھول کر اپنے اردگرد لپیٹتی وہ کوئی اپسرا لگ رہی تھی۔ ضیا کو نظروں کا رخ پھیرنا پڑا۔

''مطلب......؟'' وہ ناسمجھی سے دور پڑے گلاس باؤل کو دیکھنے لگا جس میں دو رنگ برنگی ننھی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔

''مطلب یہ کہ اگر کوئی اس جگہ اپنا گھر بناتا تو اس جگہ کا استعمال اچھا ہوتا۔ مسجد بناتا تو اور زیادہ اچھا ہوتا لیکن دنیا والوں نے یہاں پر مجرا خانہ آباد کر لیا، اس میں اس جگہ کا بھلا کیا قصور......؟''

''میں پھر بھی نہیں سمجھا؟'' وہ واقعی نہیں سمجھ پایا تھا۔

''بس پھر چھوڑو آپ......کچھ باتوں کو ناسمجھ ہی رہنے دو خان۔'' وہ تھکے، تھکے انداز میں بولی۔

''تم بیڈ پر چلی جاؤ۔'' وہ اس کے قریب آ ٹھہرا۔

تھکن اس قدر زیادہ تھی کہ وہ انکار نہ کر سکی اور گرم بستر میں آ گئی۔ ضیا وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔

''ایک بات پوچھوں؟'' ضیا نے اجازت چاہی۔

''جی......'' زمزمہ مسکرا دی۔

''پہلی دفعہ جب میں تمہارے کمرے میں آیا تھا تو تم نے مجھے تم کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ اور اس کے بعد ہر ملاقات میں آپ......اس کی وجہ جان سکتا ہوں؟'' ہاتھوں کی مٹھی بنائے ٹھوڑی اس کے اوپر رکھے اس نے سوال کیا۔

''کیونکہ......'' زمزمہ تکیے کا سہارا لے کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کمبل اپنے اوپر کھینچ لیا۔

''اس دن مجھے لگا تھا میری دعا رد ہو گئی۔ اور آپ میرے پہلے گاہک ہیں۔ لیکن اسی دن آپ کے چلے جانے کے بعد مجھے احساس ہوا تھا کہ دعا رد ہوئی تھی نہ قبول...... بلکہ آپ کی صورت مجھے ایک امید دکھا دی گئی تھی۔ اور شاید یہ روشنی بھی کہ دعا مانگنا نہ چھوڑوں۔''

''اب اس بات کا مطلب؟'' وہ اٹھ کر اس سے کافی فاصلے پر بیڈ کے سرے پر بیٹھ گیا۔

''میں جب سے یہاں آئی ہوں، کوئی بھی ایسا آدمی نہیں تھا جو میری طلب کرتا......لیکن پھر بھی مجھے ہمیشہ یہ خوف کھائے جاتا کہ کون ہوگا جو مجھے رد نہیں کر پائے گا۔ مجھے خریدے گا اور پھر میں بھی اس سیلن زدہ جگہ کی بدبودار کائی کی طرح گلنے سڑنے لگوں گی۔'' وہ کمبل ہٹا کر نیچے اتر آئی اور آہستہ، آہستہ چلتی اس چق کے قریب آ گئی۔ ضیا بھی اس کے پیچھے آ گیا تھا۔

''مطلب تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہاری کسی دعا کے طفیل یہاں بھیجا گیا ہوں اور میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔'' وہ اس کی بات پر طنزاً ہنسا۔

''ہاں خان......ایسا ہی ہے۔'' وہ پُر یقین لہجے میں بولی۔ اس کے لہجے میں اس قدر یقین تھا کہ ضیا گنگ رہ گیا تھا۔

''پتا ہے خان، رات کے اس پہر جب اس محلے کے ہر جھروکے پہ روشنیاں، بجلیاں اور نسوانی حسن

چمکتا ہے تو میرے جھروکے پر اندھیرا کیوں رہتا ہے۔''
وہ مڑ کر چلتے ہوئے اس کے قریب آرکی۔ ضیا نے ایک ٹرانس کی سی کیفیت میں نفی میں سر ہلایا تھا۔
''کیونکہ یہاں میں کسی انسان کو نہ یاد کرتی ہوں نہ کسی انسان سے مدد مانگتی ہوں۔ یہاں صرف میں اور میرا خدا ہوتے ہیں، میں روتی ہوں، اسے پکارتی ہوں، توبہ کرتی ہوں، معافی مانگتی ہوں۔ اور اگلی شام پھر ناچ، ناچ کے کسی امیر زادے کے سامنے لگی لائن میں کھڑی ہو جاتی ہوں۔ اور وہ آرام سے مجھے دھتکار کر مجھ سے شکل صورت میں کہیں کم لڑکی کو چن، سب کو حیران چھوڑ جاتا ہے۔ اب تو خانم بھی مجھ سے عاجز آنے لگی تھی... اور تب آپ نے مجھے چن لیا اور اس دن مجھے یقین ہو چلا تھا کہ میرے خدا نے میری دعائیں، میرے آنسو رد کر دیے ہیں...... لیکن پھر آپ کی ذات نے ہی مجھے باور کرایا کہ میرا کرلانا اس نے سن لیا، میں نے غلطی کی تھی، گناہ کی دلدل میں آ پھنسی تھی لیکن مجھے بہر حال گناہ سے نفرت تھی...... میں نے غلطی کی بھی توبہ کی اور گناہ سے پناہ مانگی...... اور جس نے پناہ دینے کا وعدہ کیا تھا...... اس نے مجھے پناہ دی...... میری دعا بظاہر قبول نہیں ہوئی۔ مجھے یہاں سے چھٹکارا نہ ملا لیکن میری دعا رد بھی تو نہیں ہوئی ناں...... میں گناہ میں رہ کر بھی پناہ میں رہی۔'' اس کی آواز، اس کا چہرہ بھیگنے لگا تھا۔
''میں نے اسی لیے، توبہ، معافی، گریہ کے اوقات بڑھا دیے...... اور پھر کیا ہے جو میرے رب کے لیے ناممکن ہے۔ صرف وہی ذاتِ پاک ہے جو سب کر سکتا ہے۔ آپ کے آنے کے بعد میرا یہ یقین اور پختہ ہو گیا ہے اور امید بڑھ گئی ہے۔ وہ ضرور مجھے معاف کر دے گا۔'' وہ ٹھنڈے فرش پر ڈھے سی گئی۔ اور دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ اور ضیا علی خان نے اس رات جان لیا تھا۔ کوئی عورت طوائف نہیں ہوتی، بس حالات کے ہاتھوں ہار جاتی ہے۔ اس نے شکر کیا تھا کہ زمزمہ نہیں ہاری تھی۔

☆☆☆

لڑکیاں نہ جانے کیوں اپنے دل کو شیشے کی طرح رکھتی ہیں یا شاید ان کے دل بنے ہی شیشے کی طرح ہوتے ہیں، کسی کا بھی عکس جھلملا جائے ایک بار اس آئینے میں بار، بار اسی کو تلاشتی ہیں۔ ایک بت تراش لیتی ہیں، خود ہی سوچ لیتی ہیں کہ وہ کردار، اخلاق اور زبان کا کس قدر بلند ہوگا۔
''میں کہتی ہوں...... عورت کو مات دینی ہو تو اس سے محبت کر لو...... چاروں شانے چت گرتی ہے محبت میں یہ۔''
رات بھیگتے، بھیگتے اپنے آخری سفر پر روانہ ہو چلی تھی۔ سردی کی رات کو خدا حافظ کہنے اور صبح کو خوش آمدید کرنے والی ٹھنڈی ہوا میں تیزی آئی تھی۔ جھروکے کے آغاز پہ لگی چق ہلنے لگی تھی۔ ہاتھوں کی بند مٹھی پر ٹھوڑی جمائے ضیا علی خان کی نظریں اس روتے، بولتے وجود پر آ پڑی تھیں۔
''میری شادی میرے کزن سے ہوئی تھی، چچا زاد تھا میرا......'' وہ مزید بتانے لگی۔ جب ضیا نے اچانک اس کی بات کاٹی۔
''اوہ تو مطلب تمہیں تمہارے شوہر نے بیچا۔''
اس کی آواز میں تاسف تھا۔
''کسی بھی بات کے متعلق عجلت میں اندازے نہیں لگایا کرتے خان...... ورنہ صرف خسارے ہاتھ آتے ہیں۔'' وہ تلخی سے مسکرائی تھی۔
''انہی اندازوں نے تو میری زندگی تباہ کر دی۔'' اس نے گیلے گال رگڑ کے صاف کیے۔ ضیا علی خان اب کی بار خاموش رہا تھا۔
''وہ مجھے بے حد چاہتا تھا...... حد سے زیادہ...... اور اس کی چاہ میرے سارے سسرال والوں کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی تھی۔ میرا نام لے کر وہ جیسے سانسیں لیتا تھا...... میں دکھائی نہ دیتی تو اس کی جان پر بن آتی...... میرے گھر والوں نے اس کو مجھ سے بدظن کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن وہ میرا تھا...... اسے

بس میری چاہ تھی...... وہ کسی کی بات پر کان نہ دھرتا...... حتیٰ کہ میرے سسرال والوں نے مجھ پر گھٹیا ترین الزام تک لگائے لیکن وہ ان سنی کر گیا۔ لیکن میں نہ کر سکی خان۔'' وہ سسکی۔

''اس کی ایک کزن ہمارے گھر رہنے آئی تھی۔ اس کی ماں، میری چاچی کے خاندان سے تھی۔ چاچی کے دور پرے کے رشتے داروں کی بیٹی...... نہ جانے کیوں پہلے دن ہی مجھے اس کا آنا کھٹکا تھا۔ پھر بھی میں نے کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ لیکن کچھ دن بعد ہی مجھے پتا چلا کہ میرے شوہر عبدل خان کی شادی پہلے اسی سے ہونے والی تھی۔ لیکن اس نے ضد کر کے مجھ سے شادی کی تھی۔ میری دیورانی، میری ساس بہانے، بہانے سے ان دونوں کو قریب کرتیں...... اور مجھے باتوں، باتوں میں بھی سنا دیتیں کہ پہلے تو ان کی ایک دوسرے میں دلچسپی تھی۔ پھر ایک دن مجھے دیورانی نے بتایا کہ اس نے رات عبدل اور مینا کو چھت پر دیکھا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ واقعی رات جب میری آنکھ کھلی تھی تو عبدل کمرے میں نہیں تھا۔ اور میں نے اس کی بات پہ بھروسا کر لیا۔''

زمزمہ کی آنکھیں برسنا شروع ہو گئی تھیں۔ وہ رونے لگی تھی۔ بہت دیر تک وہ یونہی ساکت بیٹھا اسے دیکھتا رہا...... پھر دھیرے سے اپنی چادر اور کوٹ سنبھالے اور کمرے سے باہر نکل گیا...... وہ روتی رہی تھی۔

☆☆☆

نمرہ کے اصرار پر وہ اس کے ساتھ بازار آ تو گئی تھی مگر اب بری طرح پچھتا رہی تھی۔ بازار میں کافی رش تھا۔ کندھے سے کندھا مس ہوئے جاتا تھا۔ اسے بے انتہا کوفت ہو رہی تھی۔

''پتا نہیں، لوگ کیسے روز، روز بازار کے چکر لگا لیتے ہیں، میرا تو دل گھبرا جاتا ہے۔''

آج بازار میں رش واقعی کچھ زیادہ ہی تھا کہ خود نمرہ کو گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی۔

''چل آئس کریم کھاتے ہیں۔'' سامنے ہی آئس کریم والے کو آتا دیکھ کر اس کا دل للچایا۔ لالہ کا ہاتھ کھینچے وہ زبردستی اسے وہاں لے آئی۔ لالہ نے بہ مشکل ہاتھ میں پکڑے شاپرز سنبھالتے ہوئے اپنی فیورٹ آئس کریم تھامی۔

''چل، واپس شو اسٹور پر چلتے ہیں۔ بس دو تین شوز اور......'' لالہ اسے گھور کے رہ گئی۔ اور پھر وہ سامنے سے رش سے بچتے بچاتے آتے موٹر سائیکل سوار سے خود کو ٹکرانے سے بچانے کے لیے تیزی سے پیچھے کی طرف مڑی تھی۔ اور پیچھے بالکل قریب کھڑے اس شخص کے چوڑے سینے سے بہت بری طرح ٹکرائی تھی۔ ہاتھ میں پکڑی آئس کریم اب مقابل کے خوب صورت بلیک کوٹ پہ لگی اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ اس نے نظریں اٹھا کر سوری کرنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ اپنے سامنے ضیا علی خان کو دیکھتے ہی سارا لحاظ ایک پل میں ہوا ہوا تھا۔

''دیکھ کر نہیں چل سکتے، اندھے ہو گیا؟'' بدتمیزی سے کالی سیاہ آنکھوں سے گھورتے ہوئے پوچھا گیا۔ رنگ بدلتی خوب صورت نگاہیں اس پر جم سی گئی تھیں۔

''او بی بی...... خان تو......'' گن مین فوراً آگے آیا تھا کہ ضیا نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

''دوران...... غلطی میری ہی ہے۔'' لالہ نے دیکھا تھا وہ جب مسکراتا تو اس کے دائیں گال پر پڑنے والی لکیر کافی گہری ہو جاتی اور رنگ بدلتی آنکھیں بھی مسکرا دیتیں۔ وہ نظریں ہٹا نہیں پائی تھی۔

''مجھے ان کے مڑنے کی خبر رکھنی چاہیے تھی ناں......''

اس کی سادگی پر نمرہ دل ہی دل میں سو جان سے فدا ہوئی۔

''جیسے کہ ہمیشہ رکھتا ہوں۔'' وہی دوستانہ قاتل مسکراہٹ، نمرہ نے بت بنی کھڑی لالہ کو کہنی ماری۔ لالہ چونکی پھر آئس کریم سے لتھڑے دونوں ہاتھ بھی اس کے کوٹ پر رگڑ ڈالے تھے۔

''لالہ......'' نمرہ چیخی۔

''آئندہ مجھ سے ٹکرانے کی کوشش کی ناں تو آج تو کپڑے خراب کیے ہیں، اگلی بار شکل خراب کر دوں گی۔'' اس نے شہادت کی انگلی دکھا کے وارن کیا۔

"آپ کے لیے کچھ بھی......" وہ کارنش بجالایا تھا سینے پر ہاتھ دھرے۔

وہ غصے سے پلٹی تھی اور نمرہ اسے صلواتیں سناتی ہوئی۔

☆☆☆

"پاگل ہو تم......" نمرہ کو اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہو رہا تھا۔

"اتنا ہینڈسم بندہ ٹکرا جائے تو بندہ آرام سے سوری کہہ دیتا ہے۔ کیا پتا بات ہی بن جائے۔" وہ شرارت سے کھلکھلائی...... لالہ نے اسے غصیلی نگاہوں سے دیکھا۔ وہ کندھے اچکا گئی۔

"غلطی تمہاری ہی تھی...... نہ مانو وہ اور بات ہے۔" لالہ خاموشی سے چلتی رہی۔

"واہ ایک تو چوری...... اوپر سے سینہ زوری۔" وہ مزید بڑبڑائی۔

"ایک تو اس بیچارے کا اتنا پیارا کوٹ خراب کیا۔ اوپر سے برس بھی شہزادی ہی رہی تھیں، سبحان اللہ۔" مزید سنایا گیا۔

"تم دومنٹ کے لیے چپ نہیں رہ سکتیں۔" وہ بھڑک اٹھی۔

"لالہ......" نمرہ کہاں اسے سن رہی تھی۔

"اُدھر دیکھو۔" لالہ نے ریسٹورنٹ کے اندر جانے سے پہلے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ سفید شرٹ کی آستینیں فولڈ کیے ان کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ خراب کوٹ اتار چکا تھا۔

"ہائے، یہ تو میری طرف دیکھ رہا ہے۔" نمرہ نے پوری باچھیں کھول کے ضیا کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔ ضیا نے بھی جیسے ہاتھ کے اشارے سے اسے جواب دیا تھا۔

"مروتم۔" اسے کمر پر دھپ رسید کرتی وہ گلاس ڈور دھکیلتے اندر چلی گئی۔

ضیا کی ڈمپل زدہ مسکراہٹ کے جواب میں مسکراہٹ اچھالتی نمرہ نے بھی تیزی سے لالہ کی تقلید کی تھی۔

☆☆☆

''سنا تم نے؟'' وہ لیپ ٹاپ پہ کام کر رہا تھا جب زرینہ بیگم غصے سے ہانپتی کانپتی اندر آئیں۔

''کیا ہو گیا امی......؟'' نظریں ہٹائے بغیر اس نے پوچھا۔

''ابھی رضیہ کا فون آیا تھا۔'' لالہ کی پڑوسن کا نام سنتے ہی حمزہ کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

''وہ لالہ بیگم اپنی یونیورسٹی کی کسی دوست کے ساتھ شاپنگ کرنے گئی ہے۔'' زرینہ بیگم نے ایک، ایک لفظ چبا کر ادا کیا۔

''یہ رضیہ خالہ کو کوئی اور کام نہیں کہ سارا دن اِدھر اُدھر لگائی بجھائی کرتی رہتی ہیں۔'' وہ تلخ ہوا۔

''کہیں کچھ نہیں کرتی۔ صرف مجھے بتاتی رہتی ہے، غمخوار ہے میری...... ورنہ سبین اور اماں کہاں کچھ ظاہر کرتی ہیں۔'' زرینہ انتہا کی بدظن تھیں، حمزہ کو افسوس ہوا۔

''اچھا مجھے کام ہے، مجھے کم از کم ان بکھیڑوں سے دور رکھیں۔'' وہ تنگ آ کر بات ہی ختم کر گیا۔

''تمہارے بھلے کے لیے ہی بتاتی ہوں۔ تمہاری نظروں میں مجھے اس کی تصویر نظر آتی ہے، اب تم تو بچے ہو...... میں ماں ہوں، میرا فرض ہے کہ تمہیں اس کی حقیقت سے آگاہ کروں۔'' وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے فکرمندی سے بولیں۔

''مجھے بس آپ معاف کر دیں امی......'' وہ تلملا کر کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''اقرا......اقرا......'' کمرے سے باہر آ کر وہ پکارا تھا۔

''ارے بہن کو کیوں آواز دے رہے ہو، اسے کیا پتا لالہ کے بارے میں۔'' زرینہ بدحواس ہوئیں۔

''توبہ ہے امی......!'' حمزہ مزید چڑ گیا۔

''مجھے بس اسے ایک کپ چائے کا کہنا تھا۔'' ضبط سے وہ لب کاٹنے لگا تھا۔

''اوہ تو ایسے کہو ناں......'' زرینہ کھسیانی ہنسی ہنس دیں۔

''میں بنا دیتی ہوں ناں چائے۔'' فوراً کچن کی طرف بڑھیں۔

''کیوں......اقرا کہاں ہے؟'' حمزہ نے ویسے ہی پوچھ لیا۔

''آج سہیلی کے گھر گروپ اسٹڈی کرنی تھی۔ بس وہیں ہو گی۔'' انہیں بتانا پڑا۔

''کس سہیلی کے گھر؟'' اسے غصہ آنے لگا۔

''یہ تو میں نے نہیں پوچھا؟''

''دوسروں کے بجائے اپنی بیٹی کی خبر رکھا کریں امی...... ہمارے لیے یہی اچھا ہو گا۔'' غصے سے کہتا وہ اندر چلا گیا۔ زرینہ زیرِلب پھر اسے کچھ سنانے لگی تھیں۔

☆☆☆

ریسٹورنٹ کے اندر چھوٹے، چھوٹے لکڑی کے کیبن بنائے گئے تھے، یہ کیبن خالصتاً فیملی کے استعمال کے لیے ہوتے تھے تاکہ بنا کسی مشکل کے ایک فیملی آرام دہ اور پُرسکون ماحول میں کھانا انجوائے کر سکے۔ ایک طرف کھلی جگہ پہ نوجوان لڑکوں کے لیے اور مردوں کے لیے علیحدہ انتظام تھا۔ لالہ اسے لیے آگے کی طرف آ گئی۔

''میری آئس کریم تو ضائع ہو گئی...... یہاں جوس پی لیں گے آرام سے۔'' اس نے قدرے کونے والے کیبن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ تبھی بالکل اچانک اس کے ہاتھ سے کلچ چھوٹا تھا اور سامنے والے کیبن کے پردے کے ذرا پیچھے اندر کی طرف گر پڑا۔ اس نے تیزی سے جھک کر کلچ اٹھایا اور سیدھی ہونے لگی کہ پردہ اس سے الجھ کر ایک طرف کھسک گیا۔ سامنے نظر آنے والا منظر لالہ کے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھا۔ سامنے بینچ پر ایک لڑکے کا ہاتھ تھامے بیٹھی بلاشبہ وہ اقرا ہی تھی......اسے دیکھتے ہی وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی۔ ساتھ بیٹھے نوجوان کے چہرے پر بھی گھبراہٹ طاری ہوئی تھی۔

''لالہ تم......تم یہاں؟'' اقرا کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔

باقی آئندہ ماہ

دل کے کھوٹے

صدف آصف

''ریم حیات کی بیسٹ فرینڈ ماروی کی شادی کا فنکشن کیا شروع ہوا اس نے پورا گھر ہی سر پہ اٹھا لیا...... عالیہ بھابی کی مخالفت کے باوجود نیا کام والا بھاری جوڑا سلوایا گیا، اس کے ساتھ کے دیگر لوازمات کے لیے بھی بھیا کی جیب خالی کرائی گئی۔ یہیں پر بس نہ ہوئی بلکہ ڈھولکی، مایوں اور مہندی پر اسے لانے لے جانے کے سلسلے میں اُن کی پر یڈ لگوائی گئی مگر برا ہو ان کے باس کا جو عین شادی والے روز ایک ضروری میٹنگ رکھ لی۔ ریم کی



یاددہانیوں کے باوجود وہ کام میں ایسا الجھے کہ ٹائم پر نکلنا مشکل ہوگیا اور اسے فون کر کے ہری جھنڈی دکھانی پڑی۔ اس کو تو جیسے صدمہ لگ گیا۔ سارا جوش و خروش صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور وہ چپ چاپ جا کر اپنے کمرے میں لیٹ گئی۔

ماروی نے دوبار کال کر کے اسے لتاڑا کہ اب تک پہنچی کیوں نہیں مگر وہ کہتی بھی تو کیا۔ ریم کو عالیہ بھابی سے تو کسی بھلائی کی امید نہ تھی۔ اداس چہرہ بنائے، ذہن کے گھوڑے دوڑانے لگی کہ جائے تو جائے کیسے، ان کے گھر کی لڑکیوں کو تنہا ٹیکسی، رکشا میں جانے کی اجازت نہ تھی۔ وہ ناامید ہو چلی تھی کہ اچانک اس کے کانوں میں سعد مرتضیٰ کی بھاری دلکش مردانہ آواز ٹکرائی۔

''اوہ...... بن گیا کام۔'' وہ بستر چھوڑ کر اٹھی اور لاؤنج کی جانب بڑھی۔

''تمہارے پاس تیاری کے لیے صرف اتنا ٹائم ہے جتنی دیر میں میری چائے ختم ہو جائے۔'' سعد نے اس کی سہیلی کے گھر چھوڑنے کی درخواست پر بڑے اسٹائل سے جواب دیا تو وہ زبان چڑاتی واپس اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ ہینگر پر استری شدہ سوٹ ٹنگا تھا، اسے لے کر واش روم میں گھس گئی۔ تیار ہونے میں زیادہ وقت صرف نہ ہوا۔ ویسے بھی ساری چیزیں صبح سے تیار رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے لباس تبدیل کیا، آنکھوں پر لائنر اور ہونٹوں پر گلابی لپ اسٹک لگائی۔ جلدی، جلدی ہاتھوں میں چوڑیاں پہنیں ایک ہاتھ میں پرس اٹھایا دوسرے سے ہیل والی سینڈل کے اسٹریپ بند کرنے کے بعد مین گیٹ کی طرف بڑھی جہاں سعد کی گاڑی کھڑی تھی۔

''بتاؤ...... یہ کوئی طریقہ ہے جوان جہان لڑکی جب دیکھو منہ اٹھائے بغیر اجازت لیے جہاں دل چاہے چل پڑتی ہے۔'' اس کے کانوں میں پیچھے سے عالیہ بھابی کی تپی ہوئی آواز پڑی تو رفتار میں تیزی آ گئی۔

☆☆☆

''کیا ہوا...... اس قدر سانس کیوں پھول رہی ہے۔'' وہ جو پچھلے آدھے گھنٹے سے گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر محوِ انتظار تھا اس کی حالت پر ٹھٹک کر پوچھ بیٹھا۔

''کچھ نہیں......'' اس نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کے بعد کانوں میں جھمکے پہنتے ہوئے خفگی سے نفی میں سر ہلایا۔

''سمجھ گیا...... بڑی بھابی نے کچھ کہہ دیا ہوگا؟'' وہ واقفِ حال تھا، ہونٹوں تلے ہنسی دبانے کے بعد پوچھا۔

''ان کی تو عادت ہے...... مجھے خوش دیکھ ہی نہیں سکتی ہیں۔'' اس نے شکوہ کرنا چاہا مگر سعد نے سنا ہی نہیں، پہلی بار اسے غور سے دیکھا اور پھر گاڑی بڑھانے کی جگہ اس کے انوکھے روپ کو اپنی نگاہوں میں جذب کرنے لگا۔

''پتا...... نہیں انہیں مجھ سے کیا پرابلم ہے۔'' وہ عالیہ بھابی کی ناراضی مول کر سعد کے ساتھ جا تو رہی تھی مگر دل گھر میں ہی اٹکا ہوا تھا۔

''جلدی چلو ناں دیر ہو رہی ہے۔'' ریم نے اس کے مسلسل دیکھنے پر گڑبڑا کر نگاہیں چراتے ہوئے ٹہوکا دیا۔

''اتنی بھی کیا جلدی ہے...... ابھی جی بھر کر تمہیں دیکھ تو لوں۔'' وہ اس کے گھبرانے پر مزید شرارتی ہوا۔

''سعد......'' اس نے وارننگ دینے کے لیے انگلی اٹھائی۔

''جی...... سعد کی جان۔'' اس نے نرم انگلی کی گلابی پور چھو کر جواب دیا۔ وہ شرما کر پیچھے ہوئی اور کھلے بالوں کو لپیٹنا چاہا۔

''یار پلیز بالوں کو کھلا چھوڑ دو ناں...... بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' اس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے فرمائش کی۔

''کیا ہو گیا ہے؟'' وہ اس کی تعریفوں پر زچ ہونے لگی۔

''ہوا یہ ہے کہ اب گزارہ مشکل ہو گیا ہے۔ مما کو جلدی شادی کی ڈیٹ فکس کرنے کے لیے بھیا کے پاس بھیجنا پڑے گا۔'' سعد کی نگاہوں کا جادو، ریم کا دل بے ترتیبی سے دھڑکا، گالوں کو چومتی لٹ کو کانوں کے پیچھے کرنا چاہا تو ہاتھوں میں پہنی چوڑیوں نے دلفریب سا جلترنگ بجایا۔

''ویسے...... یہ تم لڑکیاں...... زیورات کا اتنا بوجھ کیسے اٹھا لیتی ہو؟'' سعد نے اس کے شرمیلے پن کو

انجوائے کیا اور کانوں میں لٹکتے بھاری جھمکوں کو دیکھا۔

''لڑکیوں پر ریسرچ کرنے کے علاوہ بھی دنیا میں بہت سارے کام ہیں۔'' ریم کے طنز پر اس کے ہونٹوں پر مسکان بکھرتی چلی گئی۔

''کیا کروں...... میرا کام تو تمہارے ہاتھوں تمام ہو چکا ہے۔'' وہ معنی خیز لہجے میں بولتا ہوا اس کی جانب جھکا۔ اس نے دھکا دیا۔

''پلیز...... سعد۔'' اس کی شوخیاں پلکوں کو بوجھل کیے دے رہی تھیں۔ ریم کی چلتی زبان کو بریک لگ گیا۔

''یقین نہیں آرہا کہ تمہارے جیسی کٹنخی بلی...... یوں شرما بھی سکتی ہے۔'' وہ اس کے دلکش نقوش اور لرزتی پلکوں پر نگاہیں جما کر بولا۔

''اب مزید ایک لفظ بھی کہا تو گاڑی سے اتر جاؤں گی۔'' سعد کی باتوں سے زیادہ وہ اپنی دل کی بدلتی کیفیت سے ڈر گئی۔

''چلو...... ٹھیک ہے...... اتر جاؤ...... میں بھی پیچھے آتا ہوں۔'' اس نے بیچ سڑک پر گاڑی روک دی اور اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''پلیز...... مجھے میری منزلِ مقصود تک پہنچا دیں ...... آپ کا یہ احسان بندی تاعمر یاد رکھے گی۔'' اس نے گھبرا کر ہاتھ جوڑ لیے۔

''اب...... تو میں ہی تمہارا راستہ اور میں ہی تمہاری منزل ہوں......'' وہ نگاہوں سے دل میں اترتا چلا گیا۔

''سعد...... چلیں...... ناں!'' اس کی روٹھی صورت دیکھ کر ایک جاندار قہقہہ سعد کے لبوں پر مچلا مزید تنگ کرنے کا ارادہ موقوف کرنے کے بعد وہ تیزی سے گاڑی بھگاتا ہوا شادی ہال تک جا پہنچا۔ وہ اسے اتارنے کے بعد رکا نہیں تھا وہ سعد کی گاڑی کو جاتا ہوا دیکھتی رہی پھر ہال میں داخل ہوئی، سب نے اس کا پُرجوش استقبال کیا۔

پوری تقریب میں ریم کھوئی، کھوئی سی رہی، سہیلیوں نے اس کی غائب دماغی پر چوٹ بھی کی، جواب میں ایک پیاری سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔ گھر آنے کے بعد بھی شدید تکان کے باوجود نیند آنکھوں سے اڑی رہی، بس اس کا ہی خیال چہار سو چھایا ہوا تھا۔ وہ سعد کی باتوں کے سحر میں مبتلا اسے سوچتی رہی، نیند سے بھری گلابی آنکھیں موندیں تو سعد کا خوبرو سراپا چھن سے نگاہوں میں آسمایا۔

☆☆☆

''اچھا...... تو پھر تم نے کیا، کیا؟'' چھوٹی بھابی مونا نے موبائل فون دوسرے کان سے لگاتے ہوئے چٹخارا لیا۔

''میں کیا کرتی منہ پُھلا کر بیٹھ گئی، اس کے باوجود بڑی بھابی کو مجھ پر ترس نہ آیا۔'' ریم حیات نے معصوم سے انداز میں شکوہ کیا۔

''ہاں...... تو ایسا کون سا غضب ہو جاتا جو تم سعد کے ساتھ چلی جاتیں۔'' مونا نے دلاسا دینا چاہا۔

''میں نے تو یہ تک کہا کہ گڈو کو ساتھ لے جاتی ہوں مگر بھابی اڑ گئیں کہ نہیں یہ مناسب نہیں لگتا، دن میں جاتے تو اور بات ہے مگر اتنی رات گئے باہر جا کر آئس کریم کھانے کی کوئی تک ہے...... گھر میں ہی منگوالو۔'' ریم نے شکوہ کیا۔

''وہ، بڑے بھیا...... کچھ نہیں بولے؟'' مونا کو تجسس ہوا۔

''کمال تو یہ ہی ہے کہ ہمیشہ میری سائڈ لینے والے بھیا نے اس معاملے میں بھابی کا ساتھ دیا...... اور تو اور جب میں نے سعد کو اشارہ کیا تو وہ بھی عالیہ بھابی کی سائڈ لینے لگا۔'' اس کا انداز تپا، تپا سا تھا۔

''اچھا...... وہ کیا بولا؟'' مونا کو حیرت ہوئی۔

''جناب بولنے لگے کہ بھابی کہتی تو ٹھیک ہیں...... یوں اتنی رات گئے میری گاڑی میں تمہیں کسی خاندان والے نے دیکھ لیا تو بلاوجہ کی باتیں بنیں گی...... میں آئس کریم یہیں لے آتا ہوں سب کے ساتھ بیٹھ کر گھر میں ہی کھا لیں گے۔'' ریم نے تفصیل بتائی۔

''توبہ...... یہ سعد کب سے اتنا دقیانوسی ہو گیا؟'' مونا کو ہمیشہ کی طرح ساری روداد سننے میں بڑا مزہ آیا۔

''پتا نہیں، اس پر بھی بڑی بھابی کا اثر ہو گیا۔ وہ

ایک دن جو میں اس کے ساتھ اپنی فرینڈ کی شادی پر چلی گئی تھی تو اس پر بھی انہوں نے بعد میں کافی ہنگامہ مچایا کہ شادی سے پہلے ایسے ساتھ گھومنا پھرنا مناسب نہیں اور جب میں نے روتے ہوئے سعد کو ساری بات بتائی تو وہ الٹا مجھے چھیڑنے لگا کہ یار بھابی کہتی تو ٹھیک ہیں...... تنہائی میں تمہیں دیکھ کر میرا دل پاگل ہو اٹھتا ہے، جذبات مچل اٹھتے ہیں۔ اس لیے آئندہ رسک لینے کا نہیں۔'' وہ اپنی رو میں بولتی چلی گئی پھر خیال آیا تو زبان دانتوں تلے دبالی۔

''اچھا...... تو جناب کا ابھی سے حال برا ہے۔ ویسے رخصتی کا کب تک ارادہ ہے؟'' مونا کی بے ساختہ ہنسی نکل گئی۔

''پتا نہیں...... پھپھو نے بھیا سے بات تو کی ہے۔'' وہ شرمائی، شرمائی سی بولی۔

''اور وہ...... تمہاری آئس کریم پارٹی کا کیا ہوا؟'' مونا اسے دوبارہ پٹری پر لے آئی۔

''ایسی کی تیسی ہوگئی۔ سعد، گڈو کو ساتھ لے کر چلا گیا اور بہت سارے فلیور لے آیا مگر میں نے بھی ایک دو چمچہ کھا کر آئس کریم چھوڑ دی۔'' اس نے تنک کر جواب دیا۔

''ہا...... ہا...... ہا...... اس بیچارے پر اتنا ظلم کیوں؟'' مونا نے ہنس کر پوچھا۔

''تو کیا کرتی...... جس پر بس چلا، اسی پر غصہ نکال دیا...... بعد میں دو دن تک سعد سے بات بھی نہیں کی تو جناب کے ہوش ٹھکانے آئے۔'' ریم کے لہجے میں ناز و نخرہ جھلکا۔

''اب...... اتنی سی بات پر اس بیچارے کو کیوں سولی پر لٹکائے رکھا۔'' مونا نے دل میں خوش ہوتے ہوئے بظاہر سعد کی سائڈ لی۔

''بات تو چھوٹی سی تھی مگر مجھے غصہ اس بات پر آیا کہ کیا اب میں اتنی بے اعتبار ہوگئی ہوں...... ویسے بھی ہر ایک بڑی بھابی کو ہی عقلِ کل سمجھتا ہے...... ہم نے تو جیسے گھاس کھائی ہوئی ہے۔'' وہ بلبلائی۔

''میرا بھی ان سب سے یہ ہی اختلاف ہے کہ ایک کو اتنا چڑھایا ہوا ہے کہ اس کے آگے کسی کو پوچھتے ہی نہیں۔'' مونا کے منہ سے پھسلا۔

''کیا مطلب؟'' ریم نے چونک کر پوچھا۔

''کچھ نہیں...... چلو میں فون رکھتی ہوں...... تمہارے بھائی آنے والے ہیں...... کچھ کچن کی خبر لوں۔'' مونا نے گھبرا کر بات بدلی اور اجازت طلب کی۔

''اوکے بھابی...... کل بات کریں گے۔'' ریم نے خوش دلی سے جواب دیا۔

''ویسے...... عالیہ بھابی کہتی ٹھیک ہیں زمانہ خراب ہے...... جوان لڑکے، لڑکی کو یوں کھلی چھوٹ دینا مناسب نہیں۔'' فون کو دیکھتے ہوئے لمحے بھر کو اس کے دل نے جیٹھانی کی تائید کی۔

''خیر مجھے کیا...... میرے معاملے میں کب کسی نے انصاف سے کام لیا تھا۔'' اس کی خود غرضی لوٹ آئی تو کاندھے اچکا کر اندر کی جانب چل دی۔

☆☆☆

''چلو...... ریم آج کھانا تم پکاؤ۔'' عالیہ نے اسے ٹی وی کا ریموٹ اٹھاتے دیکھا تو کام بتایا۔

''میں...... اور کھانا؟'' وہ ایک دم بھونچکا رہ گئی۔

''کیوں...... تم کیا لڑکی نہیں ہو......؟'' وہ طنزیہ انداز میں بولیں۔

''پکانا...... کیا ہے؟'' اس نے ڈرتے، ڈرتے پوچھا۔

''لوکی کی سبزی۔'' بھابی کی زبان کے ساتھ ہاتھ بھی تیزی سے چل رہے تھے، وہ ساتھ، ساتھ لوکی کا چھلکا اتار رہی تھیں۔

''بھابی...... مجھے تو یہ والی سبزی پکانی آتی ہی نہیں۔'' ریم نے گھبرا کر بتایا۔

''نہیں آتی تو آجائے گی۔ اس میں کون سی بڑی بات ہے۔'' عالیہ نے اطمینان سے لوکی کاٹتے ہوئے جواب دیا۔

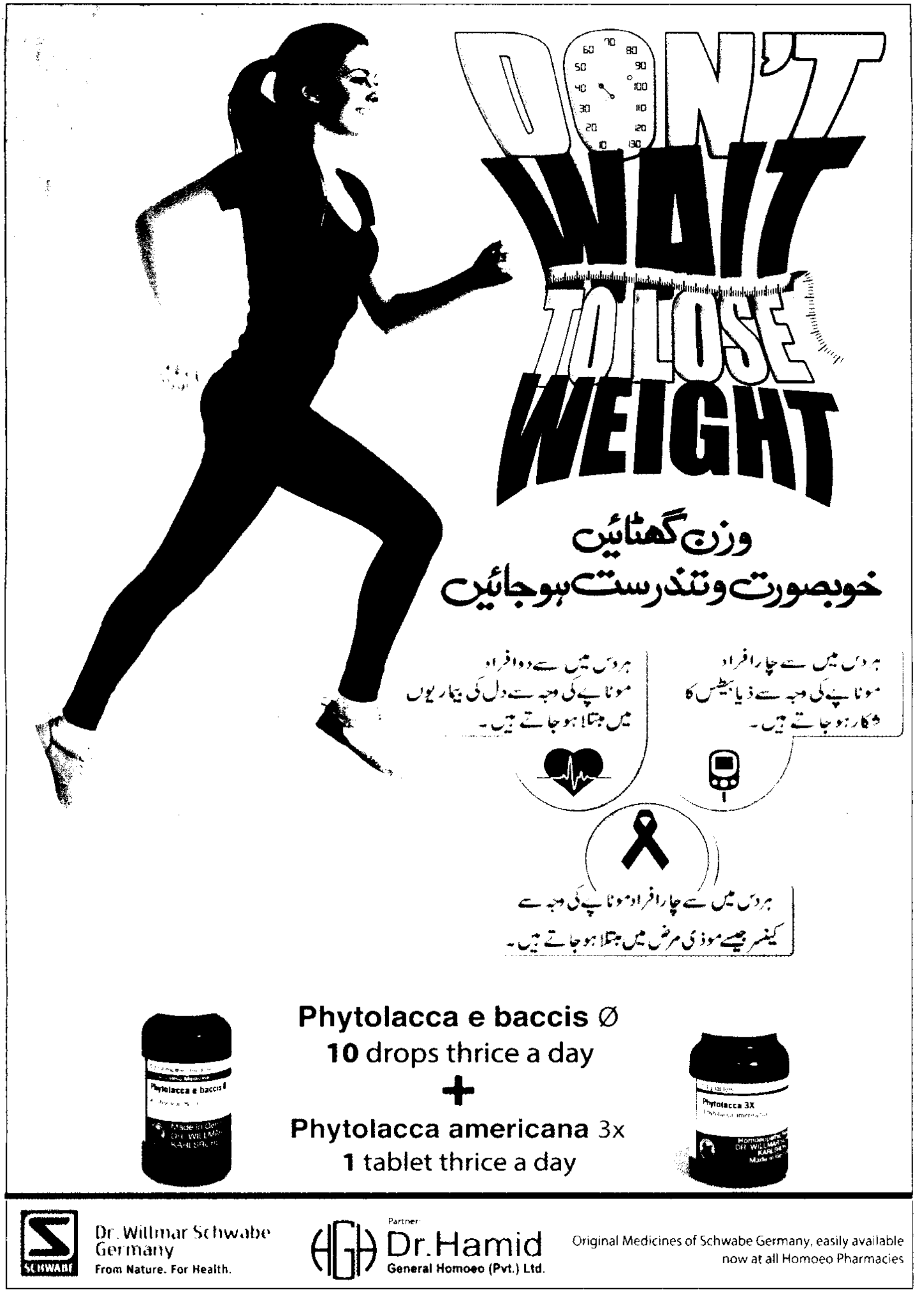
''بھابی...... ابھی میری پسند کا ڈراما آنے والا ہے۔'' اس نے کاہلی سے ٹالنا چاہا۔

''سسرال میں بھی سب کو کھانے کی جگہ ڈراموں


English®
تیرا روپ
بہت خوب
English
UBTAN TURMERIC CREAM
UBTAN TURMERIC CREAM
SnScares
@SnScare


Medora
Matte Lipsticks with matching Nail Enamel
"MATTE LOOK with LASTING COMFORT"
AVAILABLE IN 100 SHADES,
30 Selected Shades are shown here
201 210 216 219 228
247 285 551 556 203
206 217 222 283 568
205 208 211 223 249
224 226 237 284 212
529 213 227 287 236
Medora
NAIL ENAMEL
'Matte' never goes out of trend. Beautiful, Bold, Smooth, Vibrant and classy lip colours. The perfect long wearing matte Formula.
MEDORA OF LONDON for a more beautiful you


MEDICAM
Pro-Tech
Dental Cream
MEDICAM
Sensitivity
Bleeding Gums
DOUBLE ACTION
MEDICAM
Pro-Tech
MEDICAM
Pro-Tech
ہمارا
Personal Dentist!
مسوڑھوں سے خون اور Sensitivity سے مکمل نجات!


DON'T WAIT TO LOSE WEIGHT
وزن گھٹائیں
خوبصورت وتندرست ہو جائیں
ہر دس میں سے دو افراد
موٹاپے کی وجہ سے دل کی بیماریوں
میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔
ہر دس میں سے چار افراد
موٹاپے کی وجہ سے ذیابیطس کا
شکار ہو جاتے ہیں۔
ہر دس میں سے چار افراد موٹاپے کی وجہ سے
کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔
Phytolacca e baccis Ø
10 drops thrice a day
+
Phytolacca americana 3x
1 tablet thrice a day
Dr. Willmar Schwabe
Germany
From Nature. For Health.
Partner
Dr. Hamid
General Homoeo (Pvt.) Ltd.
Original Medicines of Schwabe Germany, easily available
now at all Homoeo Pharmacies

کے نام گنوادو گی کیا؟'' وہ ایک دم گرجیں۔
''بھابی......پلیز......'' اس نے بھی سر جھٹک کر ناگواری سے کہا۔
''اگر یہ ہی لچھن رہے تو ساس نے دوسرے دن ہی چوٹی سے پکڑ کر میکے پھنکوا دینا ہے۔'' وہ ایک دم تپ گئیں، تھالی میں چھری پٹخ کر جواب دیا۔
''توبہ ہے......اتنا خوفناک نقشہ کھینچتی ہیں کہ بندہ شادی سے ہی انکار کردے...... ویسے بھی پھپو ایسی نہیں۔'' اس نے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچا۔
''چلو......کچن میں چولھا جلا کر پین میں تھوڑا سا آئل ڈالو جب وہ گرم ہو جائے تو اس میں تھوڑا سا سفید زیرہ ڈال دینا اتنے میں لوکی کٹ جائے گی، میں لے کر آتی ہوں۔'' عالیہ نے اسے سر جھکائے دیکھا تو ہدایت دی۔
''جی......اچھا......'' ریم منمناتے ہوئے کچن کی جانب بڑھی۔
''ریم، چولھے کی آنچ دھیمی رکھنا ورنہ سب جل جائے گا۔'' عالیہ نے پیچھے سے صدا لگائی تو وہ پیر پٹختی ہوئی کچن میں داخل ہوگئی۔

☆☆☆

ریم گلابی نرم چادر میں منہ چھپائے مزے سے سو رہی تھی کتنے دنوں بعد اسے ایسی سکون بھری نیند میسر آئی تھی۔ اچانک گہری نیند میں مسلسل بجنے والی گھنٹی کی آواز سے خلل پیدا ہوا۔ پہلے تو وہ انجان بنی دُبکی رہی مگر جب بیل بجنا بند نہ ہوئی تو جبراً آنکھیں کھولنی پڑیں۔ وہ جمائی روکتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی۔
''اس گھر کے سارے کام بس ریم ہی پٹے پر لکھوا آئی ہے۔'' اس نے منہ بنا کر بستر سے نیچے پیر لٹکائے اور اندازے سے سلیپر ڈھونڈنے لگی۔
''کسی سے اتنا بھی نہیں ہو رہا کہ جا کر گیٹ ہی کھول دے۔'' سلیپر پیروں میں آئے تو جھنجلا کر کھڑی ہوگئی۔
''ایک مفت کی نوکرانی جو ہتھے چڑھ گئی ہے۔'' اس نے ہاتھ کی پشت سے جمائی روکی اور بڑبڑ کرتی ہوئی باہر نکل آئی۔ اچانک تیز ہوا نے بالوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کردی۔
''اب تم تو اٹکھیلیاں نہ کرو۔'' نرم ہاتھوں سے بالوں کو سمیٹ کر جوڑا باندھتے ہوئے ہوا کو جھاڑ پلائی۔
''ویسے ......یہ صبح ......صبح کس کو مصیبت آئی ہے۔'' وہ جلتی، بھنتی دروازے کی طرف بڑھی۔
''بی بی......اٹھ گئی ہو تو آنکھیں کھول کر گھڑی کی طرف بھی دیکھ لو، دس بج رہے ہیں۔'' اس کی بڑبڑاہٹ دال چنتی عالیہ بھابی کے کانوں میں پڑی بھویں اچکا کر نند کی طرف دیکھا۔
''جی اچھا بڑی بھابی''۔ عالیہ بھابی کو دیکھ کر اس نے سنبھلتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی۔
''اگر پیروں کی مہندی جھڑ گئی ہو تو جا کر جلدی دروازہ کھولو، ورنہ گھنٹی خراب ہو جائے گی۔'' عالیہ نے طنز کرتے ہوئے کہا۔ اس کے پیروں میں بجلی بھر گئی۔

☆☆☆

''ریم حیات......؟'' اس نے جیسے ہی دروازہ کھولا، کوریئر سروس کے نمائندے نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
''میرا ہی نام ہے۔'' اس نے پُرتجسس انداز میں دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔
''یہ پھول اور کارڈ......آپ کے لیے ہیں۔'' اس نے چونک کر دیکھا۔
''میرے لیے؟'' وہ سوچ میں پڑ گئی۔
''یہاں سائن کردیں۔'' اس نے فرض شناسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک پرچی اور پین بڑھایا۔
''سعد نے بھیجا ہوگا۔'' ریم دروازہ بند کر کے مڑی تو سوچتے ہوئے لفافہ پھاڑا۔
''چھوٹی بھابی......اُف آپ مجھ سے کتنا پیار کرتی ہیں۔'' کارڈ پر مونا کا نام پڑھ کر اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔
''مگر......بھابی نے مجھے پھول کیوں بھیجے ہیں۔'' اس نے حیرت سے سوچا مگر پھر اچانک ذہن میں کلک ہوا۔
''اوہ......آج تو میری سالگرہ ہے......'' اسے یاد آیا تو وہ ایک دم سے خوش ہوگئی۔
''یہاں......کسی کو پروا نہیں......اور تو اور سعد کو بھی

یاد نہیں رہا۔“ اسے ایک دم تپ چڑھی۔

”وہ جو دوسرے شہر میں بیٹھی ہیں...... میرا کتنا خیال کرتی ہیں...... جیو...... بھابی۔“ ریم نے خوشی اور دکھ کے ملے جلے جذبات کے ساتھ تازہ گلابوں کے گچھے میں اپنا منہ چھپالیا۔

☆☆☆

”ایک تو یہ...... نئے زمانے کے چونچلے میرا دماغ خراب کردیتے ہیں......“ ناشتا کرنے کے بعد ریم نے گھر سمیٹنا شروع کیا کہ عالیہ بھابی کو اپنے شوہر اور اس کے بڑے بھائی اظفر حیات سے بحث کرتے سنا۔

”جو کچھ بھی ہے...... پھپو نے خود سے فون کرکے آنے کو کہا ہے۔ اب کچھ انتظام تو کرنا ہوگا۔“ اظفر کا انداز بیوی کو منانے والا ہوا۔

”ہاں...... تو سعد آجاتا ریم کے لیے گفٹ لے کر مگر آپ کی پھپو جان کو تو دکھاوے کی عادت ہے۔ بیٹی داماد کا دم چھلا ساتھ لگا کر لائیں گی۔“ عالیہ بھابی نے مبالغہ آرائی کی حد کردی۔

”اچھا...... تم زیادہ نہ کرنا بس ایک سالن، چاول بنالینا۔ میں بازار سے چکن تکہ اور رم گاجر کا حلوا لے آؤں گا۔“ اظفر نے بیوی کی سہولت کے لیے مینو ترتیب دے ڈالا۔

”کیوں...... پیسے آپ کو کاٹ رہے ہیں......“ وہ ایک دم بھنا اٹھیں۔

”اچھا...... تو تمہیں جو پکانا ہو پکالینا۔“ وہ جھلائے۔ ریم کو اپنی بے بسی پر ترس آیا، ہر سال کی طرح اس سال بھی اس کا برتھ ڈے ڈنر مشکل بن گیا تھا۔

”ان کے داماد کا پتا ہے ناں...... بکرے کے گوشت سے کم پر راضی نہیں ہوتے۔ انہیں دو طرح کا میٹھا پسند ہے۔“ عالیہ کو ایک نئی بات یاد آئی۔

”میں جتنا نرمی دکھا رہا ہوں...... تم اتنا ہی سر پر چڑھے چلی جارہی ہو...... ہاں؟“ اظفر نے کرسی پر ٹھوکر ماری۔

”بھیا...... جی...... آگئے ہیں...... اب فارم میں۔“ ریم کا ننھا سا دل کپکپایا۔

”وہ...... میں تو بس۔“ عالیہ سمجھ گئیں کہ شوہر کا دماغ گھوم چکا ہے...... اب خاموش رہنے میں ہی عافیت ہے۔

”تم سے نہیں ہورہا تو کوئی بات نہیں...... میں پھپو کی فیملی کو کسی اچھے ہوٹل میں ڈنر کروا دیتا ہوں۔“ اظفر نے ہاتھ اٹھا کر فیصلہ سنایا اور دروازے کی جانب قدم بڑھائے۔ عالیہ منانے کو پیچھے دوڑیں۔

”چلو، میں تو ایک مزے دار ڈنر کے لیے تیار ہوجاؤں۔“ وہ من ہی من میں مسکائی۔

ہمیشہ کی طرح اس لڑائی کا انجام بھی ریم کی توقع کے عین مطابق ہوا۔ عالیہ بھابی سب کچھ برداشت کرسکتی تھیں مگر شوہر کی ناراضی سے ان کی جان جاتی تھی، اظفر حیات ٹھنڈے مزاج کے تھے لیکن غصہ آجاتا تو بس......

ریم اب مطمئن ہوکر شام کے لیے نیا سوٹ پریس کرنے لگی اسے پتا تھا باقی کا وقت سکون سے گزرے گا، سالگرہ میں کوئی نیا جھگڑا نہیں ہونے والا ہے۔ بھیا کی عادت تھی کہ وہ بھابی کو ایک حد تک ڈھیل دیتے مگر جب وہ ہاتھ سے نکلنے لگ جاتیں تو زور سے رسی کھینچ لیتے۔

☆☆☆

”اچھا...... تو پھر بڑی بھابی نے تمہارے سسرال والوں کی بڑی خاطر کیں؟“ مونا نے فون کی دوسری جانب سے چٹخارا ابھرا۔

”بس...... مونا بھابی مت پوچھیں...... دو طرح کے رائس بنائے، چکن تکہ، قیمہ، اچار گوشت دو طرح کے میٹھے اور کافی میں تو مسکراہٹ دبائے ان کی اتری صورت دیکھتی رہی۔“ ریم نے دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے سرگوشی میں بتایا۔

”بھیا...... کی کمائی کوئی کم تو نہیں...... مگر کیا کریں، خرچنے والا دل بھی کسی، کسی کا ہوتا ہے۔“ مونا نے ہنستے ہوئے مذاق اڑایا۔

”ہاں، سب آپ کی طرح تھوڑی ہوتے ہیں۔“ ریم کے منہ سے من پسند جملہ سن کر مونا کی روح شانت ہوگئی۔

”ارے کہاں...... میں تو چاہتے ہوئے بھی تمہارے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔“ مونا کے لہجے میں

اتراہٹ ابھری۔

''سچی...... یونی کی مجبوری نہ ہوتی تو میں ہمیشہ کے لیے اسلام آباد آجاتی۔'' محبت بھرے انداز پر ریم کا لہجہ رونکھا ہوا۔

''ہاں تو پڑھائی کی مجبوری ہے ......ورنہ میں یا مبشر تمہیں بھلا ایسے ماحول میں رہنے دیتے۔'' مونا نے دلجوئی کی۔

''تھینک یو ...... چھوٹی بھابی...... اماں، ابا کے جانے کے بعد ایک آپ ہی تو ہیں جو میرا حوصلہ بڑھاتی ہیں۔'' اس کا انداز تشکرانہ ہوا۔

''کیوں......صرف ہم ......کیوں بھئی؟'' مونا نے نند کو چھیڑا۔

''پھر......؟'' اس نے سوال کیا۔

''وہ سعد مرتضیٰ......وہ بھی تو ہماری گڑیا کا خیال رکھنے والا ہے کہ نہیں؟'' مونا کی بات پر اس کے ہونٹوں پر پیاری سی مسکان چھا گئی۔

''ویسے ...... سعد نے کیا گفٹ دیا؟'' مونا نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

''پھپھو نے تو گولڈ کی چین دی ہے اور سعد نے نازک سا بریسلیٹ۔'' ریم نے شرما کر بتایا۔

''واؤ......ویسے تم ہو لکی ...... جو اتنے بڑے گھر میں بیاہ کر جارہی ہو۔'' مونا کو لمحے بھر کو اس سے حسد محسوس ہوا۔

''بس......اللہ کا کرم ہے۔'' اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور شکر ادا کیا۔

''اچھا، اب میں فون رکھتی ہوں......بڑی بھابی کے اٹھنے کا ٹائم ہوگیا ہے......مجھے کمرے میں گھسا دیکھا تو اُن کی بڑبڑ شروع ہوجائے گی۔'' ریم نے اجازت چاہی۔

''ایک تو تم ڈرتی بہت ہو۔ کچھ بولیں تو منہ درمنہ جواب دیا کرو۔'' مونا نے اسے چڑھایا۔

''نہیں نہیں۔'' ریم نے گھبرا کر گردن ہلائی۔

''کیوں......بھئی؟'' چڑ کر پوچھا۔

''کچھ بھی ہو......وہ ہیں تو ہم سب سے بڑی......

مجھے ان سے سوال جواب کرنا اچھا نہیں لگتا۔'' ریم نے سہولت سے انکار کیا تو مونا ہونٹ چبا کر رہ گئی۔

''چلیں...... بھائی کو سلام اور رمشہ گڑیا کو پیار کیجیے گا۔'' ریم نے مونا کی خاموشی کو محسوس کرلیا مگر وہ بھی کیا کرتی، بڑی بھابی کی باتوں سے اسے لاکھ اختلاف سہی مگر ان کے سامنے زبان چلانے کی نہ تو اس میں ہمت تھی اور نہ ہی اس کی عادت یا شاید اس کی تربیت یا خون میں بڑوں سے بدزبانی شامل ہی نہیں تھی۔

☆☆☆

''پاگل لڑکی...... میں تمہیں کیسے سمجھاؤں...... تم چھوٹی، چھوٹی باتوں کو دل سے نہ لگایا کرو...... زندگی میں یہ سب چلتا رہتا ہے۔'' سعد نے بڑے پیار سے ریم کی طرف دیکھ کر سمجھانا چاہا۔

''نہیں...... مگر اس قدر کھلی ناانصافی پر میرا دل دکھتا ہے۔'' ریم نے نیر بہاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تو وہ نگاہیں چرا گیا۔

''یار تم ہر بات کو اتنے منفی انداز میں کیوں لیتی ہو...... عالیہ بھابی کا پتا ہے ناں پھر بھی تم اتنے سالوں میں عادی نہ ہوسکیں۔'' اس نے ایک بار پھر سمجھانا چاہا۔

''اچھا...... ایک بات بتاؤ۔ یہ کوئی انصاف کی بات ہے کہ بھابی ہمارے لیے عجیب و غریب قسم کی سبزیاں پکا کر رکھ دیتی ہیں؟'' اس نے بھنا کر پوچھا۔

''مجھے تو لگتا ہے کہ وہ ٹھیک کر رہی ہیں، پچھلے دو ماہ میں تم نے جس تیزی سے وزن بڑھایا ہے، مجھے تو ڈر لگنے لگا ہے کہ دلہن کی جگہ کوئی فٹ بال نہ رخصت کرا کر لے جانی پڑے۔'' وہ ایک دم ہنس دیا۔

''شٹ اپ...... سعد!'' ریم میں سب سے بڑی برائی یہ تھی کہ اس سے تنقید برداشت نہیں ہوتی تھی اس وقت بھی بڑی بری طرح سے برا منایا۔

''سو...... سوری......'' سعد نے شرارتی انداز میں کان پکڑ لیے۔

''اپنے بچوں کے ناک بھوں چڑھانے پر اٹھ کر کباب یا انڈے تلنے چل دیتی ہیں۔'' اس کی تان وہیں سے جڑ گئی جہاں سے ٹوٹی تھی۔

''اچھا یار تو پھر تم بھی کچھ اور بنا لیا کرو...... کوئی ضروری ہے کہ بیٹھی خون جلاتی رہو۔'' سعد نے پیار سے اس کے گالوں کو چومتی لٹ کو کانوں کے پیچھے اڑسا۔

''اگر میں ہفتے میں ایک سے دو بار کباب تل کر کھالوں تو ......وہ بہانے، بہانے سے سناتی ہیں کہ ......ابھی ہفتہ بھر پہلے تو اتنے ڈھیر سارے کباب بنائے تھے اتنی جلدی کیسے ختم ہوگئے۔'' اس نے منہ بنا کر کہا۔

''اُف...... یہ تم لوگوں کی نفسیات میری سمجھ سے بالاتر ہے...... چھوٹی، چھوٹی چیزوں کے لیے کتنا سوچتی ہو...... ہوسکتا ہے کہ وہ ویسے ہی بول رہی ہوں...... تم ہر بات کو اپنے اوپر کیوں لیتی ہو۔'' اس نے بیزار صورت بنائی۔

''تو کیا کریں...... اللہ نے دماغ دیا ہے تو سوچیں گے ناں۔'' وہ بھنائی۔

''یار اتنی مشکلوں سے ٹائم نکال کر تم سے ملنے، چند پیار بھری باتیں کرنے آتا ہوں اور مجال ہے کہ تم پر میرے جذبوں کا ذرا سا بھی اثر ہو...... بس کچن میں ہی اٹکی رہتی ہو۔'' اس نے جذبوں سے چور لہجے میں جتانا چاہا۔

''تم سے اچھی تو مونا بھابی ہیں...... وہ کم از کم ...... میری ہر بات سنتی تو ہیں...... مجھے حوصلہ بھی دیتی ہیں۔'' اس نے سعد کی طرف ملامتی نگاہوں سے دیکھا اور کھڑی ہوگئی۔ ہلکی، ہلکی بڑھی ہوئی شیو اس کی خوبروئی میں اضافے کا باعث بن رہی تھی، وہ بھی بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا کھڑا ہوگیا۔

''ایک بات کہوں ریم...... پتا نہیں مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ یہ مونا بھابی ہی ہیں جو تمہارے اور عالیہ بھابی کے بیچ کی دیوار بنی ہوئی ہیں۔'' اس نے پُرسوچ انداز میں کہتے ہوئے ہاتھ تھام کر اسے روکنا چاہا۔

''میں...... جارہی ہوں...... تم تو ہمیشہ مجھے ہی غلط ثابت کرنا۔'' وہ ایک دم روڈ ہوئی اور جانے کو قدم بڑھا دیے۔

''سنو تو...... میرا وہ مطلب نہیں تھا۔'' سعد نے اسے پیچھے سے پکارا مگر جانتا تھا کہ اب ریم نے رکنا نہیں۔

''یااللہ...... میں اس بے وقوف لڑکی کا کیا کروں؟''
اس نے ریم کے جانے کے بعد اپنا ماتھا پیٹ لیا۔
''ایسے ہی کانچ کی بنی رہی تو...... دنیا تو پتھر مارے گی۔'' اس کے لبوں پر تھکی تھکی سی مسکراہٹ چھا گئی۔

☆☆☆

نرم و نازک ریم حیات صحیح معنوں میں خوب صورت کہلاتی تھی۔ گلابی چہرے پر جادو جگاتی سبز آنکھیں، ہواؤں سے اٹھکیلیاں کرتے لمبے گھنے سیاہ بال، محبت کا سریلا گیت گنگناتے سرخ دبیز ہونٹ، تیکھی ناک اس کے وجود میں ایک خاص قسم کی کشش تھی مگر سب سے زیادہ حسین اس کا معصوم سا دل تھا جو ریا، مکرو فریب سے پاک تھا۔ اسی بات سے سعد کو ڈر لگتا تھا، وہ جس طرح سے ہر کسی کی باتوں میں آجاتی، اسے خوف آتا تھا کہ کہیں کسی دن اس کے نازک سے دل کو ایسی چوٹ نہ پہنچ جائے کہ مداوا ہونا بھی مشکل ہو جائے۔

وہ اس کے بہت پیار کرنے والے مرحوم ماموں حیات علی کی بیٹی تھی۔ دونوں بچپن سے ہی ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے مگر پھر وہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لیے ہاسٹل چلی گئی۔ سعد بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے باہر چلا گیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد جب اس کی واپسی ہوئی تو اتفاق سے ریم بھی چھٹیوں پر گھر آئی ہوئی تھی تو پھوپو نے بیٹے کے آنے کی خوشی میں خاندان بھر کی دعوت کر دی۔

ریم بھی گھر والوں کے ساتھ.... ان کے گھر آئی ہوئی تھی اور اس کی چھوٹی بہن اسما کی کسی بات پر ایک دم زور سے کھلکھلائی تو سعد کی نگاہیں اس کے ہونٹوں پر جم گئیں، یوں لگا جیسے کانچ کے موتی ایک ساتھ گرتے چلے گئے ہوں اس کے بائیں گال پر پڑنے والے بھنور نے سعد کو ایسا الجھایا کہ پھر ساری عمر نکلنے نہ دیا۔ وہ اجازت طلب کیے بغیر بڑے طمطراق سے سعد کے دل کی مکین بن بیٹھی۔ جانے کب، کیسے، اس کی معصوم اداؤں نے آہستہ، آہستہ سعد کے دل و دماغ کو جکڑا اور پیار کے سمندر کی طرف دھکیل دیا۔ ذہین مرتضیٰ نے بیٹے کی نگاہوں تعاقب کیا اور بھتیجی کے لیے ان سے امڈتا پیار دیکھ کر مسکرا دیں اور بن کہے بیٹے کی مرضی جان گئیں۔ من ہی من میں ریم کو بہو بنانے کا تہیہ کر ڈالا مگر ان کے شوہر مرتضیٰ احمد اکڑ گئے۔ وہ بیٹے کی شادی اپنے دوست کی بیٹی سے کرنا چاہتے تھے۔ مگر اس معاملے میں ان کی نہ چل سکی کیونکہ سعد کی بھی یہ ہی مرضی تھی۔ اس لیے چپ ہونا پڑا۔

ریم کیونکہ سب سے چھوٹی تھی تو اس کی اتنی جلدی شادی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے صرف بات پکی کی گئی اور اس کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ان کا ملن ہونا ممکن تھا۔ اس دوران سعد بھی اپنا بزنس آگے بڑھانے میں جت گیا۔

وقت گزرتا چلا گیا، دونوں بھائیوں کی شادی ہوگئی۔ آگے پیچھے والدین گزر گئے۔ اب ریم اپنے بڑے بھائی اظفر حیات کے ساتھ رہتی تھی جبکہ دوسرے نمبر والے بھائی مبشر حیات اسلام آباد شفٹ ہو چکے تھے مگر ان کی بیوی مونا روزانہ فون کر کے اپنی نند کی خبر گیری کرتی رہتیں۔ ذہین نے بھتیجوں کو چند مہینوں میں سعد اور ریم کی شادی کا عندیہ دیا تھا مگر عالیہ نے تیاری مکمل نہ ہونے کا بہانہ بنا کر فی الحال بات ٹال دی تھی، جس پر ریم ہتھے سے اکھڑ گئی۔

☆☆☆

''تم...... یہاں...... اکیلے بنا بتائے۔ خیریت تو ہے۔'' مونا نے دروازہ کھولا تو اچانک روتی ہوئی نند کو سامنے پا کر حیرت سے پوچھا۔
''مجھے اب وہاں نہیں رہنا، میں سب کچھ چھوڑ کر یہاں آگئی ہوں۔'' ریم روتی ہوئی چھوٹی بھابی سے لپٹ گئی۔
''ارے...... ہوا کیا... کچھ بولو تو سہی۔'' مونا نے اسے خود سے الگ کر کے پوچھا۔ مبشر بھی آوازیں سن کر لاؤنج میں داخل ہوئے۔
''بڑی بھابی نے اس بار تو حد کر دی ہے۔'' وہ بری طرح سے خفا دکھائی دے رہی تھی۔
''اچھا...... اچھا آؤ۔ یہاں، آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' مبشر نے بہن کو اپنے ساتھ لگا کر

ولا سا دیا اور صوفے پر بٹھایا۔

''مجھے بہت تکلیف پہنچائی ہے..... مجھے اب وہاں نہیں رہنا۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے ایک ہی بات رٹ رہی تھی۔

''تمہیں کوئی وہاں نہیں بھیجے گا..... پہلے مجھے اصل واقعہ تو بتاؤ۔'' مبشر جوش وخروش سے بہن کو تسلیاں دے رہا تھا مگر مونا کونے میں چپ چاپ کھڑی تھی۔

''وہ سعد سے میری منگنی توڑنا چاہتی ہیں بھائی۔'' اس نے روتے ہوئے بتایا۔

''کیا..... عالیہ بھابی کا دماغ تو ٹھیک ہے۔'' مبشر حیرت سے اچھل پڑے۔

''بھابی نے پھپو سے صاف کہہ دیا ہے کہ وہ ایک سال تک اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ میری شادی کرسکیں، اس لیے اگر وہ انتظار کرسکتی ہیں تو کرلیں ورنہ ان کی مرضی۔'' اس نے ہچکیاں لیتے ہوئے پوری بات بتائی۔

''اچھا..... مگر بھیا نے بھابی کو روکا کیوں نہیں؟'' مبشر کو ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا۔

''اگر بھیا گھر میں ہوتے تو یہ مشکل پیش نہ آتی، وہ تو اپنے بزنس کے سلسلے میں ایک ماہ کے لیے ٹوکیو گئے ہوئے ہیں۔'' ریم کے آنسو نہیں رک رہے تھے۔

''کمال ہے..... وہاں سارے فیصلے ہوگئے اور کسی نے ہم سے مشورہ لینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔'' مونا نے تڑخ کر کہا۔

''تم نے کون سا ان لوگوں سے ایسا تعلق قائم رکھا ہے۔'' مبشر نے الٹا بیوی کو لتاڑا۔

''بھابی..... اب میں یہیں رہوں گی.....'' ریم نے بڑے مان سے کہا مگر جواب میں مونا اثبات میں سر بھی نہ ہلا سکی۔

☆☆☆

''بھابی..... کھانا کیا بنایا ہے..... بہت زور سے بھوک لگ رہی ہے؟'' وہ واک کرکے واپس لوٹی تو مونا سے پوچھا۔

''میں تو ڈائٹنگ پر ہوں۔ چکن سوپ بنا کر پی لیا، مبشر اپنے دوست کے یہاں سے کھانا کھا کر آئیں گے..... تم ایسا کرو..... چائے کے ساتھ بریڈ لے لو۔'' مونا نے بڑی رکھائی سے جواب دیا۔

''اچھا..... ٹھیک ہے۔'' وہ ایک دم افسردہ ہوکر کیتلی میں چائے کا پانی بھرنے لگی۔ اسے یہاں آئے ایک ہفتہ گزر گیا تھا مگر مونا بھابی ایسی بدلیں کہ اس کے چھکے چھڑا دیے۔ وہ جن باتوں پر عالیہ بھابی کو برا بھلا کہتی تھیں خود اُن سے بھی دو ہاتھ آگے نکلیں۔ وہاں تو اظفر بھائی اس کا ساتھ دینے کھڑے ہوجاتے تھے مگر یہاں مبشر بھائی کی مجال نہ تھی کہ وہ بہن کے حق میں ایک لفظ بھی بول سکتے۔

بولتے بھی کیسے ان کا عیش وآرام اور مہنگے علاقے میں رہائش مونا بھابی کی سرکاری نوکری کے بل بوتے پر تھی۔ اسی لیے بیوی سے دب کر رہتے اور باتوں، باتوں میں ریم کو بھی احساس دلاتے کہ اس نے یہاں آکر زندگی کی سب سے بڑی بھول کی ہے..... اب بھی وقت ہے لوٹ جائے۔ ریم کی عقل حیران تھی کہ وہ مونا بھابی کی بھولی بھالی صورت، لگے لپٹے الفاظ سے کیسے دھوکا کھا گئی۔ وہ ان کے دل کا کھوٹا پن جان ہی نہ سکی۔ عالیہ بھابی جتنی بھی بری سہی مگر انہوں نے اس کے ساتھ ایسا سلوک روا نہیں رکھا تھا جیسا کہ ایک ہفتے میں یہاں کیا گیا۔

وہ چائے کا مگ تھام کر ٹیبل پر آگئی اور فریج سے بریڈ نکال کر بے دلی سے کھانے لگی اچانک رمشہ کھیلتی ہوئی اس طرف آنکلی۔

''رمشہ جان، آپ نے کچھ کھایا؟'' اس نے بھتیجی کو دیکھ کر پکارا۔

''آؤ پھپو کے ساتھ چائے، بریڈ کھالو۔'' ریم نے پیار سے بچی کو آفر دی۔

''نہیں..... پھپو..... مما نے پیزا آرڈر کیا۔ تھا اور کہنے لگی کہ آپ کے آنے سے پہلے ہم دونوں کھالیں..... ہم نے جلدی، جلدی سارا پیزا کھالیا۔''

اس نے معصومیت سے بتایا تو ریم کے ہاتھوں سے بریڈ چھوٹ گئی۔ مونا نے چور ہوتے ہوئے رمشہ کو ڈانٹنا شروع کر دیا۔

☆☆☆

''ریم......ایک منٹ باہر آؤ۔'' سعد نے کمرے کے دروازے پر دستک دینے کے بعد آہستہ سے پکارا۔

''تم......تم آ گئے؟'' ریم نے لپک کر دروازہ کھولا اور دکھی انداز میں اسے دیکھتی چلی گئی۔

''آؤ......لان میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' سعد نے اس کا ہاتھ نرمی سے تھاما، عالیہ بھابی کی بات اور تھی مگر وہ مونا بھابی کی فطرت کو اچھی طرح سے پہچانتا تھا، اس لیے اس کے کمرے میں قدم نہیں رکھا۔ باہر لان کی کرسی پر بیٹھ کر بات چیت شروع کی۔

''مجھے واپس لے چلو...پلیز۔'' وہ سہمے ہوئے بچے کی طرح سعد کا بازو تھام کر بولی۔

''پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم اتنی بے وقوف کیوں ہو۔'' اس کے چہرے پر لکھی تحریر ریم کو ڈرانے لگی۔

''بس......میں ایسی ہی ہوں۔'' اس نے شکست خوردہ انداز میں اعتراف کیا۔

''میں مزید کچھ بولوں؟'' اس کی ہونٹوں کی تراش میں مسکراہٹ ابھری۔

''کچھ اور بھی کہنا ہے؟'' ریم نے بھویں اچکائیں۔

''ہاں......مگر......پہلے تم وعدہ کرو کہ برا نہیں مانو گی۔'' وہ یقین حاصل کرنا چاہتا تھا۔

''اب تم ایسا کیا کہنے والے ہو؟'' وہ ہونٹ بھینچ کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''کہنا تو بہت کچھ تھا مگر ابھی صرف ایک بات کہوں گا۔'' اس کا لہجہ دکھی ہوا۔

''ہاں......بولو......؟'' ریم نے لرزتی پلکیں اٹھائیں۔

''تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں رہا ناں؟'' اس نے شکوہ کیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں، مجھے تم پر اپنی ذات سے بڑھ کر اعتبار ہے۔'' وہ مستحکم لہجے میں سعد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

''اتنا بڑا قدم اٹھاتے ہوئے تم نے مجھ سے ایک بار بھی پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔'' اس کا لہجہ قدرے ترش ہوا۔

''سوری......بس جوش میں آ گئی تھی اور ڈائیوو کا ٹکٹ خرید کر یہاں چلی آئی۔'' اس نے ہاتھ ملتے ہوئے اپنی بے وقوفی کا اعتراف کیا۔

''اچھا......پھر ایسا کیا ہوا......جو تمہیں ایک ہفتے ہی میں مجھے بلوانا پڑا؟'' سعد نے بغور دیکھ کر پوچھا۔

''میں یہاں بڑے مان سے آئی تھی مگر اب احساس ہوتا ہے کہ میں تو اس عورت کو جانتی ہی نہیں ہوں......وہ مونا بھابی تو کھو گئی ہیں جو روزانہ فون کر کے میری خیریت پتا کرتی تھیں، مجھ سے ہمدردی جتاتی تھیں، مجھے عالیہ بھابی کی جلی کٹی باتوں کے جواب میں جینے کا حوصلہ دیتی تھیں......یہ تو کوئی اجنبی خاتون ہیں۔'' وہ بولتے، بولتے پھوٹ، پھوٹ کر رو دی۔

''ریم......میری جان میں اسی دن سے ڈرتا تھا کہ کہیں تمہارا بھرم نہ ٹوٹ جائے۔ اسی لیے تمہیں سمجھاتا تھا مگر تم اپنی بے وقوفی میں اس عورت کے ٹرانس سے باہر نہ نکل سکیں۔'' سعد کو اس پر ترس آنے کے ساتھ بے ساختہ پیار آیا۔

''مجھے یقین ہی نہیں آتا کہ کوئی اس قدر بھی بدل سکتا ہے۔'' اس کے چہرے پر دکھ ابھرا۔

''ہونہہ......'' سعد نے سر ہلایا مگر بولا کچھ نہیں۔

''بھیا......تو میری اس حرکت پر بہت خفا ہوں گے۔'' ریم نے بے قراری سے پوچھا۔

''ہاں خفا تو ہوتے اگر انہیں سچائی پتا چل جاتی مگر عالیہ بھابی نے بات سنبھال لی اور ان کو یہ ہی بتایا ہے کہ شادی سے پہلے تم کچھ وقت مبشر بھائی کے ساتھ گزارنے اسلام آباد گئی ہوئی ہو۔'' سعد نے اس کا ہاتھ تھام کر تسلی دی۔

''شادی......کس کی شادی؟'' وہ چونک گئی۔

''ہماری......شادی اور کس کی۔'' وہ مطمئن انداز

میں اسے دیکھتا چلا گیا۔
''ہماری......شادی؟'' اسے اچنبھا ہوا۔
''ہاں......اگلے مہینے ہماری شادی ہو رہی ہے۔''
وہ پیار سے اس کی لٹ چھوتے ہوئے بولا تو اس کے اندر سکون چھا گیا۔
''اچھا......سنو......اب گھر لوٹنے کی تیاری کرو۔ میں تمہیں عالیہ بھابی کی اجازت سے لینے آیا ہوں۔'' اس نے سکون سے کہا۔
''ہاں......مگر وہ بڑی بھابی......'' وہ کچھ بولتے، بولتے رک گئی۔
''ایک منٹ ریم، میری ایک بات مانو گی۔'' اس نے بڑے مان سے اس کی جانب دیکھا۔
''ہاں......مانوں گی۔'' وہ اتنا تھک چکی تھی کہ بغیر بحث کے اثبات میں سر ہلا دیا۔
''اپنے گھر کی دہلیز پار کرنے سے قبل بھابی کے خلاف دل میں موجود عناد کو نکال پھینکنا۔'' سعد نے اسے جانے کیا سمجھانا چاہا۔
''میں ہی سب کچھ کرتی ہوں ناں......وہ تو جیسے......'' وہ تھوڑی چڑ گئی مگر سعد نے اسے ہاتھ اٹھا کر کچھ کہنے سے روکا۔
''ریم میری جان سمجھنے کی کوشش کرو۔ عالیہ بھابی زبان کی کڑوی سہی مگر دل کی بری نہیں ہیں۔ انہوں نے جو کچھ بھی کیا اس میں تمہاری بھلائی چھپی ہوئی تھی بس کچھ لوگوں میں بناوٹ نہیں ہوتی، عالیہ بھابی کچھ زیادہ ہی صاف گو واقع ہوئی ہیں مگر اُن کی کڑوی کسیلی باتوں کے پیچھے تمہاری بھلائی چھپی ہوئی ہے۔'' اس نے دھیرج سے سمجھایا۔
''میں......نہیں مانتی۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔
''تم جانتی ہو کہ میرے بابا......ہماری شادی کے کتنے مخالف رہے ہیں......مما کی وجہ سے مشکلوں سے یہ رشتہ طے پایا، اسی لیے بھابی ہم دونوں کے یوں رات گئے باہر گھومنے پھرنے کی مخالف تھیں کہ کہیں بابا نے دیکھ لیا تو انہیں رشتہ ختم کرنے کا موقع مل جائے گا۔'' وہ بولتا چلا گیا۔
''وہ جو......ہر وقت کی باتیں سنانا، کھانے پینے پر پابندی۔'' وہ دل میں کھٹکتی بات زبان پر لے آئی۔
''تم نے ابھی سسرال بھگتا نہیں ہے......بھابی تمہیں آنے والے کل کے لیے تیار کر رہی تھیں اور تمہارا وزن جس قدر تیزی سے بڑھنا شروع ہوا...... اسی لیے انہوں نے کھانے پینے پر پابندی لگائی تھی۔'' اس نے وہ ساری باتیں بتادیں جو اسے عالیہ بھابی سے پتا چلی تھیں۔
''میں......گھر چھوڑ آئی مگر انہیں کون سی پروا تھی۔'' ایک اور شکوہ لبوں پر مچلا۔
''تمہارے یوں گھر سے غائب ہو جانے پر اُن کی حالت خراب ہو گئی تھی، مجھے بلا کر خاموشی سے سب کچھ بتایا۔ اگر وہ مخلص نہ ہوتیں تو تمہیں بدنام کرنے کا اس سے اچھا موقع تو انہیں دوسرا نہ ملتا۔'' سعد نے لتاڑا۔
''ہاں......یہ تو ہے۔'' وہ قائل ہوئی پھر ایک دم سعد پر غصہ آیا۔
''اور، تم......تم نے بھی تو مجھے یاد نہ کیا۔'' اس کا تیز لہجہ نم ہوا۔
''میری جان میں نے تمہیں کئی بار کال کی مگر تمہارا نمبر بند آرہا تھا......میں تو خود پاگل ہو اٹھا تھا......تم سامنے ہوتیں تو اس طرح بنا بتائے گھر سے قدم نکالنے پر تمہیں جان سے مار دیتا......میں پوچھتا بھی تو کس سے؟ آخر بدنامی والی بات تھی جسے سب سے چھپانا ضروری تھا، وہ تو بھلا ہو مبشر بھائی کا جنہوں نے ہمیں کال کر کے تمہارے یہاں پہنچنے کی اطلاع دے دی تو سکون ملا۔'' اس نے لب بھینچتے ہوئے بتایا تو وہ جھینپ کر رہ گئی......غلطی پر جو تھی۔
''عالیہ بھابی تو تمہیں منا کر گھر لانے کے لیے اسی وقت نکل رہی تھیں مگر میں نے روک دیا تھا۔'' سعد سانس لینے کو رکا۔
''تم نے انہیں کیوں روکا؟'' اس نے پلکیں اٹھائیں اور سوال کیا۔

''تا کہ...... تمہیں احساس ہوجائے کہ بھولی صورت والے دل کے کیسے کھوٹے ہوتے ہیں۔'' سعد ہنس دیا۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' اس نے منہ بنا کر پوچھا۔

''یہ ہی کہ میری زندگی، میری جان تمہیں لوگوں کی پہچان نہیں ہے۔'' اس نے پیار سے ریم کے بالوں کو بگاڑا۔

''عالیہ بھابی زبان کی کڑوی ہیں مگر دل کی صاف ہیں...... وہ کبھی تمہارا برا نہیں چاہ سکتی تھیں...... شادی کے لیے بھی انہوں نے اس لیے منع کیا تھا کہ وہ تمہیں بڑی دھوم دھام سے وداع کرنا چاہتی تھیں جیسے ماموں جان کی خواہش تھی مگر تم اپنی منفی سوچوں کے تحت ان کی پوری بات سنے سمجھے بغیر وہاں سے نکل پڑیں۔ پتا ہے جب مما نے انہیں دھمکی دی کہ اگر جہیز کا نام بھی لیا تو وہ رخصتی کروانے نہیں آئیں گی تب جا کر کہیں وہ شادی پر راضی ہوئیں۔'' سعد نے تفصیل بتائی۔

''ہاں...... تو کیوں نہیں مانتیں...... مفت میں ان کی جان جو چھوٹ رہی تھی۔'' وہ بلبلائی۔

''افوہ...... پھر وہی بدگمانی......'' سعد نے سر پیٹ لیا۔

''عالیہ بھابی نے تمہارے نام پر اچھی خاصی رقم بینک میں ڈیپازٹ کروادی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس گھر پر ریم کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا باقی سب کا۔'' سعد نے اس کی غلط فہمی دور کرنا چاہی۔

''تم...... سچ کہہ رہے ہو...... اور میں بے وقوف ساری عمر مونا بھابی کو اچھا اور بڑی بھابی کو برا سمجھتی رہی۔'' اس نے اپنی کم عقلی کا تیسری بار اعتراف کیا۔

''اصل میں جب ماموں اور مامی نے ریٹائرمنٹ کے بعد بڑی بھابی کے ہاتھوں میں گھر کا انتظام سونپ دیا تھا تو مونا بھابی کو یہ بات بہت بری لگی۔ انہیں خدشہ ہوا کہ کہیں اظفر بھائی ہر چیز پر قابض نہ ہوجائیں۔ انہوں نے جائداد کے بٹوارے کا مطالبہ کردیا۔ اس بات پر سب کی عقل دنگ رہ گئی۔ تم اس وقت ہاسٹل میں تھیں، اس لیے گھر میں ہونے والے ہنگاموں کی خبر تمہیں نہ ہوسکی۔ پہلے تو ماموں نے جائداد کے حصے کرنے سے انکار کردیا مگر اس ضدی عورت نے کھانا پینا چھوڑ دیا...... ان کے اتنے ہنگامے پر بھی جب کوئی نہ مانا تو مبشر بھائی اس قدر بدگماں ہوگئے کہ وہ باپ اور بڑے بھائی کے مقابل آگئے۔ ماموں جان نے تنگ آکر مبشر بھائی کو ان کے حصے کی رقم تھما دی، وہ بیٹے کو جدا کرنا نہیں چاہتے تھے مگر گھر کا ماحول ٹھیک کرنے کے لیے مبشر بھائی کو اپنا انتظام کہیں اور کرنے کا کہہ دیا۔ اس واقعے کے بعد سے چھوٹی بہو کی وقعت ان کی نگاہوں میں بالکل نہ رہی۔ سب عالیہ بھابی کو ہی عزت دینے لگے۔ مونا بھابی وہاں سے نکل تو آئیں مگر جیٹھانی کے لیے ان کے دل میں کسک رہ گئی۔ جب خاندان بھر میں عالیہ بھابی کی تعریفیں سنتیں تو جل بھن جاتیں، بس پھر انہوں نے تمہیں اپنا مہرہ بنالیا۔'' سعد نے اس کا سر تھپکتے ہوئے تفصیل سے ساری بات بتائی۔

''اُف...... میں کتنی پاگل تھی جو مونا بھابی کی باتوں میں چھپی عیاری نہ سمجھ پائی۔'' اس نے سر تھام لیا۔

''مونا بھابی نے اس پورے ہفتے میں میرے ساتھ اتنا برا سلوک کیا، میرے ہر کام میں کیڑے نکالے...... مجھے اپنی تنقید کا نشانہ بنائے رکھا اور بھائی کے کان بھر کے انہیں بھی میرے خلاف کردیا۔'' وہ سرد آہ بھر کر بولی۔

''تو...... پھر کیا ارادہ ہے......؟ اپنی پیاری مونا بھابی کے ساتھ رہنا ہے یا واپس عالیہ بھابی کے ظلم و ستم سہنے کے لیے اسی گھر میں لوٹنا ہے؟'' سعد نے شرارت بھری نگاہوں سے دیکھا۔

''مجھے اپنے گھر جانا ہے......'' حقیقت جاننے کے بعد اس کا دل بڑی بھابی کی مہربان آغوش میں سمانے کو مچل اٹھا۔

''بس...... تو پھر...... چلو......'' اس نے مسکرا کر ہاتھ بڑھایا تو ریم نے بھاری مردانہ ہاتھ تھام کر طمانیت سے آنکھیں بند کرلیں۔

امرت

شیریں حیدر

قسط 14

تخلیقِ کائنات سے لے کر اب تک ... کئی ادوار بدلے مگر عورت کی کہانی ہر دور میں لگ بھگ وہی رہی ہے ۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں رشتوں کی ڈور میں باندھا تو اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم اپنی تخلیق کے مقصد کو اور بھی خوب صورت بنائیں مگر اس کے پیدا کردہ دل میں جذبے بھی اسی کے پیدا کردہ تھے۔ محبت ،نفرت، رشک، حسد، رنج، غصہ اور خوشی ... اب ہم پر منحصر ہوتا ہے کہ ہم کس جذبے کو خود پر حاوی کر لیتے ہیں ، یہ ہماری خصلت بن جاتا ہے اور ہماری کل شخصیت کا خلاصہ ... یہی ہمارے کردار کی تعمیر کرتا ہے اور ہم اسی کا تاثر دوسروں پر عمر بھر کے لیے چھوڑتے ہیں۔ ہماری عادات صرف ہم پر ہی نہیں بلکہ دوسروں کی زندگیوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔کسی کی زندگی کا سفر کس طرح سہل یا کٹھن ہوتا ہے اس کا انحصار ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اُن کی زندگی کے اہم کردار ہوتے ہیں اور جن کا ہونا یا نہ ہونا اہمیت رکھتا ہے۔ پیدائش سے لے کر اپنی موت تک رشتوں کی ڈور سے بندھے ہوئے کردار زندگی کو ہنس کر گزارتے ہیں یا رو کر، مشقت سے سانس لیتے ہیں یا خوشیوں کے ہنڈولوں میں جھولتے ہوئے اس کا سارا دارومدار ان سے وابستہ رشتوں پر ہوتا ہے۔ وقت بدل جاتے ہیں مگر کہانی وہی رہتی ہے اور اپنی باری سے اس میں مختلف کردار شامل ہوتے رہتے ہیں۔

زندگی کے انہی پیچ وخم اور نشیب وفراز سے نبرد آزما ہوتی ایک چشم کشا تحریر......



WWW.URDUSOFTBOOKS.COM



اپنی راہ جدا کر چکے ہیں ہم!

''مجھے کچھ رقم کی ضرورت تھی جانم......'' اس نے کتنے پیار سے کہا تھا، ہمیشہ کی طرح۔ جب بھی اسے رقم کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ اتنے ہی پیار سے بات کرتا تھا۔

''کیا کرنا ہے تم نے رقم کا؟'' میں نے سوال کیا۔ اس کی عادت بن گئی تھی، ہر دوسرے روز مجھ سے وہ سب رقم ہتھیا لیتا جو اسے علم ہوتا کہ کہیں سے آئی ہے۔

''دوستوں کے ساتھ اسنوکر کھیلنے جانا ہے!''

''اگر تمہارے پاس اسنوکر کے لیے بھی رقم نہیں ہے تو کیوں جاتے ہو، گھر پر بیٹھو، اپنی فیملی کے ساتھ وقت گزارو۔''

''کون سی فیملی؟'' مضحکہ خیز انداز میں کیا گیا اس کا سوال۔

''کیا مطلب، تمہیں نہیں معلوم کون سی فیملی ہے تمہاری؟'' میں نے چڑچڑاہٹ سے کہا۔ ''چاچو، ماما اور تمہارے بہن بھائی......اور میں!''

''تمہارا تو ہنی مون پیریڈ ہی ختم نہیں ہو رہا......رہے باقی سب تو مجھے تو ان کے ساتھ بیٹھ کر فیملی والی فیلنگ ہی نہیں آتی۔''

''مجھے تو ہنی مون پر بھی ہنی مون والی فیلنگ نہیں آئی تھی زین......تم اپنے دوستوں کے ساتھ ہی جانے کس، کس نشے میں دُھت رہے تھے، تین دن اور تین راتیں، شکر کیا تھا میں نے واپس آ کر۔'' میں نے ناراضی سے کہا۔ ''رہی بات بہن بھائیوں کی تو تم سب سے بڑے ہو ان میں، ان کے ساتھ بیٹھو گے تو فیلنگ آئے گی ناں......'' میں نے غصے کو دبایا۔ ''تم خود ہی ان سے کٹے، کٹے رہتے ہو، دور اور الگ تھلگ......اپنی دنیا ہے تمہاری اور اپنی ہی مصروفیات!''

''تم کافی ہو ناں......میری مصروفیات میں دخل دینے والی۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''مجھ پر پابندیاں لگانے والی، تم نے میری زندگی میں مداخلت کر لی ہے پہلے ہی، اب مجھے مزید پریشان نہ کرو!'' اس نے میرا بیگ اٹھایا اور اس میں سے والٹ نکالا، میں نے اپنے والٹ میں چند سو سے زائد رقم رکھنا ہی چھوڑ دی تھی۔ میں نے اپنی جمع پونجی کے لیے ایک خفیہ جگہ ڈھونڈ لی تھی، جہاں تک زین کی رسائی میرے خیال میں نہیں ہو سکتی تھی۔

''زین میرا والٹ چھوڑ دو تم!'' میرے اٹھنے سے پہلے ہی اس نے کھینچ کر سارے نوٹ نکال لیے اور انہیں گنا۔

''یہ کیا......فقط چار سو روپے ہیں تمہارے پاس؟'' اس نے نوٹ گن کر غصے سے میری طرف دیکھا۔

''ہاں جو تم نے چار لاکھ دیے تھے مجھے اس میں سے یہی بچے ہیں۔'' میں نے مذاق کے انداز میں کہا تھا مگر اس کے سر پر جا لگی۔

''بہت بک، بک کرنے لگی ہو تم......ابھی تو تمہیں آئے ہوئے جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے۔'' اس کا لہجہ، اس کے الفاظ......میں حیرت سے اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔ ''جو کچھ تمہیں ملتا ہے یا جو کچھ ہے وہ تمہارے کسی......یا باپ کے پاس سے نہیں آتا، میرے باپ کی کمائی ہے۔'' ایک مہذب گھرانے میں پیدا ہونے والا، پڑھا لکھا نوجوان، جس نے انگلستان کی ایک بڑی یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی ہو، چھ سات سال اس ملک میں گزارے ہوں، وہ اپنی چند ماہ کی بیاہتا بیوی سے ایسی گھٹیا بات یقیناً مذاق سے ہی کر سکتا ہے۔

''مگر میرا دل چاہتا ہے زین کہ میں تمہاری کمائی کھاؤں، اس پر ناز کروں۔'' میں نے بھی مذاق کے انداز میں کہا۔

''مجھے ایسے cheap ڈائیلاگ fascinate نہیں کرتے۔'' اس نے غصے سے بھرتے ہوئے کہا۔

''تمہیں شاید اس طرح کے بیہودہ اور بازاری ہتھکنڈے اچھے لگتے ہیں، مجھے نہیں۔'' اس نے میرے والٹ کی باقی

جیبوں کو کھنگالا اور اپنی انگلیوں میں دبا کر کچھ باہر نکالا......''یہ کیا ہے؟'' میرا رنگ فق ہو گیا۔

☆☆☆

''گل پھپو کی طرف سے بہت دباؤ ہے کامل بھائی پر کہ وہ شادی کے لیے مان جائیں...... کیونکہ وہ تحریم کی اور ان کی شادی اکٹھے کرنا چاہتی ہیں۔'' اس نے میرے بالوں میں انگلیاں سہلاتے ہوئے کہا۔ میں نے اس سے کہا بھی تھا کہ وہ مجھے تنہا چھوڑ دے مگر اس نے مجھے تنہا نہیں چھوڑا تھا، میرے بیڈ پر ہی آ گئی تھی اور ہم دونوں ساتھ، ساتھ لیٹے تھے...... جیسے ہم بچپن میں لیٹا کرتے تھے۔ ہم دونوں کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی اس لیے ہم مسلسل باتیں کیے جا رہے تھے۔

''تحریم کی شادی؟'' میں نے پوچھا۔ ''اس کی بات کہیں طے ہو گئی ہے؟''

''ہاں...... اس کی ایک رشتے کی پھپو ہیں۔'' تمنا نے بتایا۔ ''وہ ساری فیملی کینیڈا میں مقیم ہے...... وہ اپنے بیٹے کے لیے خواہش مند ہیں اور ہاشم پھوپا کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ تحریم بھی راضی ہے۔''

''تحریم کی رشتے کی پھپو؟'' میں نے کچھ سوچا۔ ''یہ کون سی رشتے کی پھپو ہیں اس کی جو کینیڈا میں مقیم ہیں اور ہمیں اُن کا علم ہی نہیں...... اسی گاؤں سے تو ہیں ہاشم پھوپا، ہمارے اپنے خاندان کے۔''

''تم سے ایک راز کی بات کہوں...... کسی سے کہنا نہیں۔'' اس نے ہولے سے کہا۔

''میرے اور تمہارے بیچ اعتماد ہے تمنا اور اس کے لیے تمہیں اس فقرے کے بولنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔''

''بات یہ ہے...... میں نے کسی سے سنا ہے کہ اعظم پھوپا اور ہاشم پھوپا......'' وہ رک گئی۔

''ہاں ہاں کہو!''

''عجیب سی بات ہے، کہتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے کہ کہیں بری بات کو پھیلانے کی مرتکب نہ بن جاؤں۔''

''چلو تم بتاؤ!'' میں نے اس کی مشکل آسان کی۔ جانتی تھی کہ اس سے خود ہی نہیں رہا جائے گا۔

''اصل میں یہ دونوں ایک باپ سے تو ہیں مگر ان کی مائیں مختلف ہیں۔'' اس نے انکشاف کیا اور میں نے حیرت زدہ نظر آنے کی کوشش کی۔ ''بلکہ ہاشم پھوپا اپنے والد کی ناجائز اولاد......''

''نہیں نہیں...... ہرگز نہیں تمنا!'' میں نے سے ٹوکا۔ ''کس نے کہا تم سے یہ سب؟''

''مجھے کسی نے گاؤں میں بتایا تھا۔'' اس نے کہا۔ ''انہیں ابو جان کی پھپو نے بتایا تھا جو اعظم پھوپا کی ماں بھی تھیں۔''

''سراسر جھوٹ ہے یہ، میں اس ساری داستان کی امین ہوں، مجھے دادی جان نے اپنے ماضی کی، اپنے خاندان کی ساری داستان خود سنائی ہے، بغیر کسی ملاوٹ، بناوٹ، جھوٹ اور تصنع کے۔ میں نے اس داستان کے کچھ نوٹس بھی بنائے تھے جو ایک دستاویز کی طرح میرے پاس محفوظ ہیں۔'' میں نے اسے بتایا۔ ''اور یہ میرا ایسا راز ہے جسے تم میری زندگی میں خود تک رکھو گی، میرے بعد بے شک اسے پڑھ لینا۔''

''اللہ تعالیٰ تمہیں لمبی عمر عطا کرے، خوشیوں کے ساتھ۔'' اس نے میرے منہ پر ہاتھ رکھا۔

''ہاشم پھوپا، اپنے باپ کی بالکل جائز اولاد ہیں، ان کی ماں انہیں جنم دیتے ہوئے چل بسی جس طرح ہاجرہ پھپو......'' مجھے اپنے منہ سے ان الفاظ کے پھسلتے ہی سکتہ ہو گیا۔

''کیا ہاجرہ پھپو؟'' تمنا نے سوال کیا۔

''تم تحریم کے رشتے کا بتا رہی تھیں اور بات کہاں سے کہاں نکل گئی......'' میں نے بات کو فوراً پلٹا۔

''تو جو ہاشم پھوپا کی ماں تھیں ناں...... ان کی طرف سے وہ تحریم کا کوئی دور، نزدیک کا کزن ہے۔'' تمنا نے ہولے سے کہا۔ ''تم بات بدل کیوں گئیں...... اس کا مطلب ہے کہ دادی جان نے تمہیں ہاجرہ پھپو...... میرا مطلب

ہے کہ میری امی کی کہانی بھی بتائی ہوگی؟'' اس نے سوال کیا۔''کیا دادی جان نے بتایا کہ امی کی شادی کس سے ہوئی تھی، کیا میری پیدائش سے پہلے ان کے بیچ علیٰحدگی ہوگئی تھی یا......؟''

''یقین کرو تمنا...... دادی جان کہانی کا یہ سرا ادھورا چھوڑ کر چل بسیں اور میرے بھی بہت سے سوال لاجواب رہ گئے۔'' میں نے چاہ کر بھی اسے نہ بتایا کہ ابو جان نے ہی ہاجرہ پھپھو سے نکاح کیا تھا اور یہ کہ وہ میری ایک طرح سے سگی بہن ہی تھی۔ ہم دونوں نے ایک ماں کا دودھ بھی ایک عمر میں اور ایک ساتھ پیا تھا، ہم جڑواں بہنوں کی طرح پلیں، شکلیں جدا مگر چند گھنٹوں کے فرق سے پیدا ہونے والی ایک ہی باپ کی دو اولادیں! چلو کسی وقت اس کو یہ خوب صورت حقیقت بھی بتا ہی دوں گی، میں نے دل میں سوچا۔

''کبھی یہ سوچوں ناں امرت تو اپنا وجود بے یقین سا لگتا ہے......''

''کیوں، ابو جان اور امو جان نے کبھی تمہارے اور میرے بیچ فرق کیا؟ کیا کبھی تمہیں لگا کہ تم امو جان کی سگی اولاد نہیں ہو؟'' میں نے اس کی مایوسی کو توڑنا چاہا۔

☆☆☆

''یہ کیا ہے......؟'' وہ اس پڑیا بنے کاغذ کو کھول رہا تھا۔

''پتا نہیں کیا ہے؟'' میں نے انجان بننے کی اداکاری کی، حسبِ معمول ناکام۔''کوئی بل ہوگا یا کوئی ریپر!'' میں نے اٹھ کر اس کے قریب کھڑے ہو کر اس کے ہاتھ سے اسے لینے کی کوشش کی۔

''میں بھی تو دیکھوں کہ کس چیز کا ریپر ہے۔'' اس نے اس سنہری ریپر کو پورا کھولا۔''یہ کس لیے تمہارے والٹ میں یوں تہ کیا رکھا ہے؟''

''وہ......وہ......'' میں ہکلائی۔''اس رات میرا خیال ہے کہ کسی نے اسے زمین پر پھینکا تھا تو میں نے حسبِ عادت اٹھا لیا تھا تمہیں علم ہے کہ مجھے سڑک پر بھی کچھ گرا ہوا نظر آئے تو میں اسے رک کر اٹھاتی ہوں۔''

''اور اٹھا کر یوں تہ کر کے اپنے والٹ میں اندرونی جیب میں رکھ لیتی ہو؟'' اس نے طنز سے پوچھا۔

''شاید مجھے پھینکنا یاد نہ رہا ہو......'' میرے بیان میں کتنا جھول تھا۔

اتنی بہادر بھی نہ تھی کہ اس کے سامنے تن کر کہتی کہ کس لیے میں نے وہ ریپر اس رات اپنے والٹ میں سنبھال کر رکھا تھا۔ اس کا نام اور تفصیل میں نے اپنے فون میں لکھ لیے تھے، بعد میں انٹرنیٹ پر اس کی ہوشربا تفصیل پڑھ کر میرا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔ میں نے وہ ریپر سنبھال لیا تھا کہ کسی وقت موقع ملا تو چاچو سے اس کے بارے میں بات کروں گی، ماما سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ چاچو کے لیے یہ جاننا بہت اہم تھا کہ ان کا بیٹا کن چکروں میں تھا۔ کیا، کیا برائیاں تھیں جو چند دنوں کے اندر ہی مجھ پر کھل گئی تھیں اور چاچو ان سے لاعلم تھے۔ وہ جانتے بھی کیسے، ماما اپنے بچوں کو بہت شہ دیتی تھیں اور جو کچھ وہ منوانا چاہتے تھے وہ چاچو تک ماما کے ذریعے ہی کہلایا جاتا تھا۔

''میری بات کان کھول کر سنو گل امرت......'' میری گردن کو عقب سے پکڑ کر، پہلی بار یوں دانت جما کر اس نے میرا نام لیا تھا جیسے مجھے کچا چبانے والا ہو۔''اگر تم نے میرے ساتھ کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی، میری کوئی شکایت پاپا سے کی تو مجھ سے برا سلوک کوئی اور تم سے نہ کر سکے گا۔'' اس نے جھٹکا دے کر مجھے چھوڑا تو میں گرتے، گرتے بچی۔ میری ٹانگیں لرز رہی تھیں، پورا وجود لرز رہا تھا، دل اتنے زور سے دھڑک رہا تھا جیسے سینے کی دیوار کو توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی زین تھا جس نے مجھ سے محبت کا دعویٰ کیا تھا...... آنے والا وقت جانے اس کی شخصیت کی اور کتنی پرتیں کھولنے والا تھا۔

☆☆☆

''یہ یوسف کچھ عجیب سا نہیں ہو گیا امرت؟'' تمنا نے موضوع بدلا تھا۔

''عجیب..... کیا مطلب، کیا عجیب لگا تمہیں اس میں؟'' میں نے اس کا سوال سمجھ لیا مگر میں وضاحت چاہتی تھی۔

''یہ داڑھی..... نمازیں، تسبیح، سنجیدہ سا!'' تمنا نے کہا۔

''اچھی تبدیلیاں نہیں ہیں یہ ساری کیا؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہاں ہیں تو اچھی مگر ایک بندہ پہلے کچھ اور طرح کی انتہا پر ہو اور پھر کسی اور انتہا پر چلا جائے۔''

''جتنے لوگوں کی زندگیوں میں بھی مذہب کی وجہ سے تبدیلی آتی ہے وہ اسی طرح ہوتی ہے تمنا، انسان باطن سے بدلتا ہے تو اس کا اثر ہمیں صرف ظاہر میں اسی طرح مختلف نظر آتا ہے۔ اس کی ایسی تبدیلی کو ہمیں منفی انداز سے نہیں دیکھنا چاہیے۔''

''ہرگز نہیں، میں بالکل منفی نہیں سوچ رہی۔'' اس نے فوراً تردید کی۔ ''مجھے اس کی تبدیلی اچھی لگی ہے مگر اس سارے میں کچھ عجیب ہے جو میں شاید تمہیں الفاظ میں سمجھا نہ پاؤں گی۔''

''اچھا چھوڑو..... تحریم کے ہونے والے منگیتر کا کیا نام ہے اور کیا کرتا ہے، کتنے بہن بھائی ہیں؟''

''ایک، ایک کر کے بابا.....'' وہ ہنسی۔ ''اتنے ڈھیر سارے سوال! اس کا نام طلال ہے اور اس کے چھوٹے بھائی کا نام طیب ہے، بس دو بھائی ہیں۔ طلال میڈیکل کے آخری سال میں پڑھ رہا ہے اور اس سے ایک سال چھوٹا طیب ایل ایل بی کے آخری سال میں ہے۔ بہت اسمارٹ ہیں دونوں بھائی!''

''اچھا ماشاء اللہ!''

''گل پھپو بتا رہی تھیں کہ ان کا ارادہ دونوں بیٹوں کی اکٹھی شادیاں کرنے کا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ پھپو اپنے خاندان میں طیب کے لیے بھی کوئی اچھا رشتہ دیکھیں..... سچ وہ ایک سال پہلے بتا دیتے تو میں ہی کچھ سوچ لیتی۔''

''شرم کرو..... چار سال سے میثاق سے چپکی ہوئی ہو اور ایک سال پہلے تمہیں بتاتے تو کیا ہوتا!''

''کسی سے چپکنا اور بات ہے اور شادی کرنا دوسری بات.....'' وہ ہنسی۔ ''خود کو ہی دیکھ لو'' منہ سے ایسی بات نکلتے ہی اس کی ہنسی تھم گئی۔ ''سوری امرت..... مذاق سے کہہ دیا پیاری!''

''کوئی بات نہیں..... جو حقیقت ہے وہ تو ہے، میرے ماضی کا وہ باب جسے میں بھولنا چاہتی ہوں مگر بھلا نہیں پاتی، کسی نہ کسی طرح سے سامنے آ ہی جاتا ہے۔''

''سو سوری امرت.....'' اس نے میرے سامنے ہاتھ جوڑے۔ ''میرا مقصد ہرگز تمہاری دل آزاری نہ تھا مگر مجھے یہ سب بھولتا ہی نہیں کیونکہ تم اپنی زندگی میں خوش نہیں ہو۔ ان ناقدرے لوگوں نے میری پیاری سی بہن کی شخصیت کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے، اسے عدم اعتمادی میں مبتلا کر دیا ہے..... تم سہم گئی ہو امرت، مجھے دیکھ، دیکھ کر دکھ ہوتا ہے..... کاش تم نے اپنی مرضی سے امو کی بات مان کر!''

''اچھا تو پھپو سے کہو ناں کہ ثانیہ یا حسنہ میں سے کسی کا رشتہ وہاں کروا دیں۔'' میں نے اسے اس موضوع سے ہٹایا۔

''گاؤں کی لڑکی تو پسند نہیں کریں گے وہ!''

''وہ پڑھی لکھی لڑکیاں ہیں اور اس طرح گاؤں کی سادہ لوح لڑکیوں کی طرح بھی نہیں ہیں۔'' میں نے توجیح پیش کی۔

''رہی بات حسنہ کی تو اس کے ماں باپ نے تو اس کے لیے کچھ سوچ لیا ہے میرا خیال ہے۔''

''اچھا..... میرے سامنے تو کوئی ایسا ذکر نہیں ہوا بلکہ کسی بھی معاملے کا ذکر میرے سامنے نہیں ہوتا۔'' میں نے اسے سچ بتایا۔

''پہلے تو چاچو کی نظرِ انتخاب کامل بھائی پر تھی...... انہوں نے انکار کر دیا تو اب چاچو چاہتے ہیں کہ اموجان......''

''اوہ......'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''میں بھی ان بے موسم کی نوازشات کی بارش پر حیران تھی تو گویا انہیں میرے بھائی کو وردی میں دیکھ کر اپنی بیٹی کا تابناک مستقبل بنانے کا خیال آیا۔ انہی کو پہلے یہ پینڈو اور جانے کیا، کیا سمجھتی تھی، اس کی وردی میں ایک جھلک نے اسے اور ماما کو یہ نیا اور اچھوتا خیال دیا۔'' کہیں اموجان نے ہامی تو نہیں بھرلی؟'' میں نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

''نہیں...... اموجان تو تمہارا رشتہ کر کے پچھتا رہی ہیں، اب وٹا سٹا کرنے کے حق میں تو وہ بالکل بھی نہیں ہیں۔'' تمنا نے مجھے یقین دلایا۔ ''مگر ڈر ہے کہ چاچو، امو کو مجبور نہ کریں۔''

''نہیں کریں گے...... ابھی تو کچھ جانتے نہیں۔ جب جان لیں گے تو نہیں کریں گے۔''

''کیا ہے جو وہ نہیں جانتے اور جان لیں گے تو تمہارے خیال میں مجبور نہیں کریں گے؟''

''سو جاؤ تمنا...... تم نے سوال کر، کر کے میرا دماغ خالی کر دیا ہے......'' میں نے کروٹ بدلی۔ ''ڈاکٹر نے مجھے کہا تھا کہ معدہ خالی ہونا چاہیے اور تم نے تو سر بھی خالی کر دیا ہے۔''

''وہاں تو پہلے ہی کچھ بھی نہیں تھا!'' وہ ہنس کر مجھ سے لپٹ گئی۔ ''چلو اب سو جاؤ تھوڑی دیر کے لیے، نماز کے وقت میں صرف تین گھنٹے رہ گئے ہیں۔'' وہ اٹھ کر صوفہ کم بیڈ پر چلی گئی۔

☆☆☆

''مجھے چھوڑ دو، میرا گلا چھوڑو، میں مر جاؤں گی۔'' میں نے اس کے ہاتھ اپنی گردن کے گرد سے چھڑانے کے لیے زور لگایا۔

''میری شکایتیں لگاتی ہو تم مما اور پاپا سے!'' وہ دہاڑا تھا، میری گردن پر اس کی گرفت ذرا سی ڈھیلی ہوئی تھی۔

''میں نے کوئی شکایت نہیں کی اُن سے......'' میں نے اس کی گرفت سے خود کو چھڑوانے کی سعی جاری رکھی۔

''جھوٹ بولتی ہو تم......'' اس نے مجھے چھوڑ کر بیڈ پر پٹخا تھا۔

''میں نے جو کچھ بھی ماما کو بتایا تھا، اس میں تمہارا فائدہ تھا، انہوں نے کئی دن گزر جانے پر بھی کوئی نوٹس نہیں لیا تو مجھے چاچو کو بتانا پڑا تھا زین!''

''میرے باپ کے ہاتھوں بے عزتی ہونے میں میرا کیا فائدہ نظر آتا ہے تمہیں؟'' وہ دہاڑا۔

''تم تباہی کے راستے پر چل رہے ہو زین...... اپنی دنیا اور آخرت دونوں خراب کر رہے ہو، کسی نہ کسی کو تو تمہیں روکنا چاہیے ناں۔''

''جب تم نے مما کو بتایا تھا اور انہوں نے تم سے کہا تھا کہ تم میرے معاملات میں دخل نہ دو تو اس کے بعد بھی......'' وہ چیخا۔ ''بلکہ میں نے مما نے شادی سے پہلے کہا تھا کہ میری بیوی کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں اس کا شوہر ہونے کے علاوہ بھی کچھ ہوں اور اسے میرے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنے سے گریز کرنا ہوگا، کیا ایسا ہی نہیں ہے کہ مما نے یہ سب کچھ تمہیں شادی کے پہلے دن بتا دیا تھا؟''

''ہاں بتایا تھا زین!'' میں نے بھی چیخ کر کہا، میری برداشت کو وہ اس قدر آزما رہا تھا کہ میں رک نہ سکی۔ ''مگر ہم میاں بیوی ہیں، ایک گاڑی کے دو پہیے، ایک دوسرے کا لباس!'' میں رکی، گہری سانس لی، اپنے غصے پر قابو پایا۔ ''ہمیں ایک دوسرے کی اچھائی اور برائی سے کیونکر غرض نہیں ہوگی۔''

''مجھے نہ ایک لباس کو بار، بار پہننا اچھا لگتا ہے اور نہ ہی کوئی لباس زیادہ عرصے تک میرے پاس رہتا ہے۔'' میں اس کا منہ دیکھ رہی تھی، اس کے منہ سے کف نکل رہا تھا، جبڑے آپس میں رگڑ کھا رہے تھے، وہ کوئی انسان لگ

ہی نہیں رہا تھا۔

''اگر میں کچھ غلط کروں تو کیا تم اس کو نظر انداز کر دو گے؟''

''کان کھول کر سنو...... آخری بار بتا رہا ہوں، اس کے بعد اگر تم نے ایسا کچھ کیا تو سمجھ لینا کہ میرے اور تمہارے بیچ سب کچھ ختم ہو جائے گا، جس دن تمہیں اس کی پروا ختم ہو گئی تو سمجھ لینا کہ وہ ہمارے رشتے کا آخری دن ہو گا۔''

☆☆☆

''چاچو...... کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کے بچے کیا کرتے پھرتے ہیں؟'' میں نے چاچو کو پیغام بھیجا تھا۔ میں نے ان سے پوچھ لیا تھا کہ اس وقت وہ دفتر میں تنہا تھے۔

''میں سمجھا نہیں بیٹا؟'' ان کا پیغام آیا۔

''گھر پر تو وقت نہیں ملتا...... اس لیے سوچا کہ دفتر میں آپ سے بات کروں۔''

''میں تمہیں کال کرتا ہوں۔''

''ماما گھر پر ہیں، میں شاید بات نہ کر سکوں۔''

''تم اپنے کمرے میں جا کر مجھے کال کرو......'' چاچو نے کہا۔ ''زیبا کو آج کلب جانا تھا، وہ نکلے تو تم کال کر لینا۔''

''ہاں وہ تیار ہو رہی ہیں......'' میں نے تھوڑی دیر پہلے ہی انہیں دیکھا تھا، بالوں میں رولر لگائے ہوئے وہ باہر نکل کر ملازمین کو کچھ ہدایات دے رہی تھیں، اس سے مجھے لگا کہ انہیں کہیں جانا تھا۔ ''وہ جائیں گی تو میں آپ کو پیغام بھیجوں گی، کال کے لیے میرے پاس بیلنس نہیں ہے۔''

''گھر کے نمبر سے کال کر لینا بیٹا!''

''ملازمین ارد گرد کام کر رہے ہوتے ہیں اور میں یہاں لاؤنج میں بیٹھ کر کھل کر بات نہیں کر سکتی۔''

''ہر بات میں کوئی نہ کوئی مسئلہ ہے......'' انہوں نے پیغام بھیجا۔ ''میں تمہارے نمبر پر کچھ بیلنس لوڈ کروا دیتا ہوں۔''

''ماما چلی گئی ہیں چاچو!'' میں نے ماما کے روانہ ہونے کے بعد اپنے کمرے میں آ کر انہیں پیغام بھیجا، اپنے کمرے کا دروازہ میں نے اس طرح کھلا رکھا تھا جیسے کہ میں اوپر والے لاؤنج میں رکھا ہوا ٹیلی وژن دیکھ رہی ہوں، ٹیلی وژن آن کر دیا تھا تاکہ میرے کمرے سے آواز باہر نہ جائے۔ دروازہ اس لیے کھلا رکھا تھا کہ اگر کوئی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئے تو وہ مجھے نظر آ جائے۔

''جی کہیں بیٹا...... کیا بات کرنی ہے؟'' چاچو نے کال کر کے سلام دعا کے بعد پوچھا۔ ''کون سے بچوں کی بات کر رہی ہیں آپ؟''

''چاچو...... وہ زین کے بارے میں۔'' میں نے جھجک کر کہا۔

''کیا حرکتیں ہیں بیٹا جن کے بارے میں میں نہیں جانتا؟'' انہوں نے سوال کیا۔

''چاچو میں نے آپ کو ایک تصویر بھیجی تھی چند لمحے پہلے...... وہ آپ نے دیکھی ہے؟''

''ہاں دیکھی ہے مگر میں سمجھا نہیں...... میرا خیال ہے کہ وہ کسی نشہ آور ڈرگ کے لیبل کی تصویر ہے۔''

''جی، آپ بالکل ٹھیک سمجھے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اور زین اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر اس کا نشہ کرتا ہے۔''

میری بات کے جواب میں ایک طویل خاموشی کا وقفہ آیا۔ ''آپ لائن پر ہیں چاچو؟''

''ہوں......'' ایک گہری سانس لے کر انہوں نے سوال کیا۔ ''تمہیں کس نے بتایا ہے بیٹا؟ ہو سکتا ہے کہ بتانے والے نے غلط بیانی کی ہو؟''

''مجھے کسی نے نہیں بتایا......'' میں نے جواب دیا۔ ''میں نے خود ان سب کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔''

''کہاں پر دیکھا ہے تم نے ان سب کو، تم اس کے اور اس کے دوستوں کے ساتھ کہاں تھیں؟''

''جب ہم ہنی مون پر بھوربن گئے تھے چاچو!'' میں نے جھجک کر کہا۔

''تم دونوں کے ہنی مون پر اس کے ساتھ کے باقی لڑکے کیا کر رہے تھے؟'' ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

''لڑکے اور لڑکیاں دونوں تھے چاچو!'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''وہ وہاں کیوں تھے؟''

''ان سب کا یہی منصوبہ تھا چاچو، سب کچھ پہلے سے طے شدہ تھا، ان کے کمرے بھی ہمارے کمرے کے ساتھ بکڈ تھے۔''

''اور وہ سب یہ نشہ آور دوا تمہارے سامنے استعمال کر رہے تھے؟''

''جی چاچو...... سگریٹ میں بھر، بھر کر اور اس کے علاوہ...... کچھ عجیب سی مشروب کی بوتلیں بھی تھیں، میں نے آج تک حقیقت میں ایسی بوتلیں نہیں دیکھیں صرف فلموں اور ڈراموں میں ہی دیکھی ہیں۔'' میں کوشش کے باوجود انہیں نہ بتا سکی کہ وہ شراب بھی پی رہے تھے...... باقی حرکتوں کے بارے میں کیا بتاتی، وہ تو ماما کو صاف بتا دیا تھا تو انہوں نے الٹا مجھے ہی تنگ نظر اور گاؤں کی حسد کرنے والی لڑکی کہہ دیا تھا۔

''ان لڑکیوں میں زارا نام کی کوئی لڑکی بھی تھی؟''

''جی چاچو......''

''تم نے زیبا سے بات کی اس بارے میں؟'' انہوں نے پوچھا۔ ''اسے بتایا یہ سب کچھ؟''

''جی!''

''وہ کیا کہتی ہے......'' انہوں نے فوراً سوال کیا۔

''وہ کہتی ہیں کہ میں اس کے ذاتی معاملات میں دخل نہ دیا کروں۔'' میں نے بے سوچے سمجھے کہہ دیا، سوچ کر بھی اور کیا کہہ لیتی، چاچو سے اسی پریشانی کی وجہ سے بات کر رہی تھی کہ مما اس معاملے کو فقط زین کا بچپنا کہہ کہ بری ہونا چاہ رہی تھیں۔ ''جب ان سے بات کی تھی تو الٹا انہوں نے مجھے لتاڑ دیا تھا کہ اپنے شوہر کی ان سے شکایت کر کے میں اسے اس کی ماں کی نظروں سے گرانا چاہ رہی تھی۔''

''وہ کم عقل عورت اس کے سوا کہہ بھی کیا سکتی ہے۔'' چاچو نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔ وہ اس معاملے میں خود کو بے بس پاتے تھے۔

''کبھی کبھار سوچتا ہوں کہ جو اولاد اپنے ماں باپ کے فیصلوں کو قبول نہیں کرتی، وہ ہمیشہ نقصان میں رہتی ہے......''

''چاچو آپ ماما سے نہ کہیے گا کہ میں نے آپ کو یہ سب کچھ بتایا ہے......'' میں نے ان سے درخواست کی۔

''زین سے بھی فوراً بات نہ کریں، جب بھی اس کا موڈ اچھا ہو تو۔''

''جانتا ہوں بیٹا، زیبا سے بات کرنا تو مصیبت کو خود دعوت دینے کے مترادف ہے...... رہی بات زین کی تو اس سے کبھی بات نہ ہو سکے شاید کیونکہ زین کا موڈ میرے ساتھ کبھی اچھا نہیں ہوتا۔''

☆☆☆

بھیگی، بھیگی رات بیت رہی تھی، باہر کا تو مجھے کچھ علم نہ تھا، اندر کا موسم بھیگا، بھیگا سا تھا۔ اس رات کو اسی طرح کٹنا تھا، میں کروٹ بدل کر لیٹے ہوئے بھی جانتی تھی کہ تمنا بھی نہیں سو رہی تھی مگر میں اسے پکار کر نہیں پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ جاگ رہی ہے کہ نہیں۔ اپنے غموں پر مجھے تنہا رونے کا موقع ہی نہیں مل پایا تھا۔ صدموں کے کوہ گراں تھے جو

میں ابھی تک اپنے وجود میں چھپا کر بیٹھی تھی، مجھے باقی عمر اس بوجھ کے ساتھ گزارنا تھی۔ ابھی یہ بھی سوچنا تھا کہ کون میرے اس غم میں شریک ہوسکتا ہے اور کون نہیں۔

میری شادی شدہ زندگی کا یہ عرصہ...... میرے لیے ایسا ثابت ہوا تھا کہ اس سے صرف میری زندگی میں دکھوں اور پچھتاوؤں میں اضافہ ہوا تھا۔ جتنا میں کوشش کرتی کہ ہمارے درمیان حالات بہتر نہ سہی مگر بظاہر ہی نارمل نظر آتے رہیں اتنا ہی زین کو میری پروا تھی نہ کسی اور کا ڈر اور خوف۔ اس کا یوں لیے دیئے رہنے کا سا انداز مجھے بہت کھٹکتا کیونکہ میں نے اپنے بھائیوں اور خاندان کے باقی بڑے بیٹوں کا اپنے ماں باپ اور چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ مختلف سلوک دیکھا تھا۔ کبھی زین کو اس میں بے قصور پاتی کہ ظاہر ہے جس بچے کو گھر سے اٹھارہ سال کی عمر میں نکال کر دنیا کے سمندر میں ''دریافتوں'' کے لیے بھیج دیا جائے وہ تو ہر چیز کو دریافت کرے گا ناں۔

''مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر میں اتنا ہی برا لگتا ہوں تمہیں تو تم نے مجھ سے شادی کے لیے ہاں کیوں کی تھی؟'' وہ چبا، چبا کر سوال پوچھ رہا تھا۔

''میں نے کب کہا ہے زین کہ تم مجھے برے لگتے ہو؟'' میں حیران تھی کہ اسے ہوا کیا تھا، چند لمحے پہلے وہ میرے ساتھ بالکل نارمل بلکہ خوش تھا، میں محبت کے ان پلوں پر نازاں تھی کہ میں اسے ایک نہ ایک دن قائل کرلوں گی۔

''تم نے پاپا سے میری شکایت تو نہیں کی کوئی؟'' اس نے سوال کیا۔

''میں...... مم...... میں نے؟'' میں گڑبڑا گئی، چاچو کو منع بھی کیا تھا کہ اتنی جلدی زین سے بات نہ کریں۔ 'ہو سکتا ہے کہ کوئی اور بات ہو!' میں نے سوچ کر خود کو تسلی دی۔

''پاپا پوچھ رہے تھے شام کو دفتر سے واپس آتے ہوئے کہ تم میرے ساتھ خوش ہو کہ نہیں؟'' اس نے دھویں کا ایک مرغولہ میرے چہرے پر چھوڑا، میں نے اچانک چہرہ دوسری طرف پھیرلیا، اس نے اپنے ہاتھ سے سختی سے میری ٹھوڑی کے نیچے سے تھام کر میرا چہرہ واپس اپنی طرف موڑا۔ ''میرے باپ ہیں ناں وہ، تمہارے تو نہیں؟''

''چاچو میرے لیے باپ جیسے ہی ہیں۔'' میں نے غصے پر قابو پایا، چند لمحے پہلے میں اس کے التفات پر اور اب اس کے اس انداز پر، حیران تھی کہ اس کے موسم کیسے پل، پل بدلتے ہیں۔

''باپ تو نہیں ہیں ناں!'' میں خاموش رہی۔ ''تمہارا اپنا باپ تو رہا نہیں...... لیکن مجھے یقین ہے کہ ہوتا تو تم سے پوچھتا کہ تم زین کے ساتھ خوش تو ہو ناں بیٹا...... کبھی یہ نہ سوال کرتا کہ زین تم سے خوش ہے کہ نہیں۔''

''اس میں اتنا ناراض ہونے والی کیا بات ہے؟'' میں نے کوشش کر کے اپنا چہرہ اس کے ہاتھ کی درشت گرفت سے چھڑوایا۔

''ناراض ہونے ہی کی تو بات ہے ناں، میرا باپ مجھ سے یہ پوچھنے کے بجائے کہ میں تم سے اپنی مرضی کے خلاف اور ان کی دھمکی سے متاثر ہو کر شادی کر کے خوش ہوں کہ نہیں، الٹا پوچھ رہا ہے کہ میں خود پر مسلط کی ہوئی ان کی بھتیجی کو خوش رکھ رہا ہوں کہ نہیں۔''

''اس لیے زین کہ میرے ابو جان تو رہے نہیں، اب چاچو ہی تم سے پوچھیں گے ناں کہ ان کی بیٹی کو تم خوش رکھ رہے ہو کہ نہیں۔'' میں نے اپنا لہجہ نرم اور آواز آہستہ رکھی مگر میرے اندر ابال اٹھ رہے تھے۔ دنیا کی کوئی عورت اپنے شوہر سے یہ سن کر خوش نہیں ہوتی کہ اسے اپنے شوہر پر زبردستی مسلط کیا گیا ہے۔

''تم جانتی ہو امرت کہ میرے ساتھ کتنا ظلم ہوا ہے......'' اس کا لہجہ ایسا ہو گیا کہ مجھے اس پر ترس آ گیا۔

''کوئی مرد اتنا لاچار نہیں ہوتا کہ خود پر ایسے جبر ہونے دے...... مجھے تو لگا کہ میں آپ کو پسند آ گئی تھی۔'' میں نے ایک ادائے دلبرانہ سے کہا کہ۔ جب محبوب کو منانے کے لیے کچھ بھی کرنے کو عار نہیں سمجھا جاتا، وہ میرا

محبوب نہ سہی، شوہر تو تھا، اس کے ساتھ مجھے ساری عمر تو گزارنا تھی سو میں نے اپنے لہجے کو اس طرح کا کرلیا۔

''ہر پسند آ جانے والی چیز کو زین جمال بیاہ کر گھر لانے لگتا تو اس وقت میرے حرم میں جانے کتنی عورتیں ہوتیں......دل کی بات مانتا تو صرف زارا کا یہ حق تھا کہ وہ اس بستر پر میرے ساتھ ہوتی۔''

''بیوی زندگی کی ساتھی ہوتی ہے......تم زارا کو صرف بستر کی زینت بنانا چاہتے ہو تو اب بھی بنالو۔'' غصے میں میرے منہ سے پھسل گیا تھا اور اگلے ہی لمحے مجھے احساس ہوا کہ کچھ غلط ہو گیا تھا۔

''مجھے زارا کے بارے میں ایک لفظ بکواس سننے کی عادت نہیں ہے......اپنے باپ کے منہ سے بھی نہیں۔'' اس کے منہ سے کف نکل رہا تھا۔''ان کے خیالات بھی اس کے بارے میں بہت گھٹیا ہیں اور تم نے بھی وہی کہا ہے جو وہ کہتے ہیں۔''

''سوری زین......'' میں نے ہکلا کر کہا، مجھے واقعی احساس ہوا کہ مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔

''جسٹ شٹ اپ!'' وہ چیخا اور میں یوں شٹ اپ ہوئی کہ ایک لفظ نہ بول سکی۔

☆☆☆

اب تک کی بیتی ہوئی کسی رات کو ایسا نہیں ہوا کہ وہ رات دیر تک جاگ کر، ہیڈ فون لگا کر سرگوشیوں میں اپنے فون یا لیپ ٹاپ سے بات چیت نہ کرتا ہو۔ اس کے ساتھ محوِ گفتگو رہنے والی وہ اکیلی زارا تو نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ میں فون پر بھی اسے کئی نمبر ڈائل کرتے دیکھتی اور ہر نئی کال پر اس کے چہرے کے تاثرات بھی مختلف ہوتے۔ پھر میں نے اس کی وڈیو چیٹ بھی دیکھی تھی جو کہ صنم نامی کسی لڑکی کے ساتھ تھی۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے دوستوں سے گپ شپ کرتا ہو، میں خود کو تسلی دیتی مگر میرا وجود ان سوچوں کے باعث جلتا رہتا اور میں سوتی بنی رہتی۔ اس کی یہ مصروفیات مجھے ڈسٹرب کر دیتیں اور میں ٹھیک سے سو نہ پاتی تھی۔ ملازمت شروع کی تو اور بھی بے آرام ہوتی...... اس کی نظرِ التفات کو ہفتوں ترستی رہتی۔

وہ جو وقت بھی مجھے دیتا تھا وہ خیرات کی طرح ہوتا...... مارے باندھے بہت سی سوچیں تھیں جو مجھے حیران کرتی تھیں، وہ اب بھی زارا کو چاہتا ہے......وہ مرد مار قسم کی لڑکی، ایمان سے میں لڑکا ہوتی تو مجھے وہ لڑکی کبھی متاثر نہ کرتی۔ جانے زین کس قسم کا مرد ہے، میں اکثر سوچتی۔ پھر یہ بھی سوچتی کہ وہ اب بھی زین کو چاہتی اور اس سے شادی کرنا چاہتی ہے، یہ جان کر بھی کہ وہ اب کسی کا شوہر ہے، اس کے اس سے منسلک فرائض ہیں، جو شخص اپنی بیاہی ہوئی بیوی کو پیار، عزت اور احترام نہیں دے سکتا اور اسے کسی اور لڑکی کی خاطر چھوڑنے کا عہد کیے ہوئے ہے، وہ اس سے کیونکر وفا کرے گا۔

زین اگر یہ سمجھتا تھا کہ چاچو کبھی اسے اجازت دیں گے تو وہ اس کی غلط فہمی تھی، میں اس سے پوچھے بغیر نہ رہ سکی اور ایک دن پوچھ ہی لیا۔''زین تمہیں لگتا ہے کہ چاچو تمہیں .... زارا سے شادی کی اجازت کبھی دیں گے؟''

''نہیں۔'' اس نے ایک لمحے کا بھی توقف نہ کیا تھا۔

''تو پھر تم نے کیوں زارا کو لٹکا رکھا ہے......تمہاری شادی ہو گئی ہے، اسے بھی کہو کہ کوئی اچھا لڑکا دیکھ کر شادی کرلے۔''

''ہوں......'' اس نے کش لگایا۔''کہوں گا اسے!'' وہ رکا، میری طرف دیکھا، میرے چہرے پر یک دم اتر آنے والا اطمینان سا دیکھ کر وہ مسکرایا، میں اتنا سن کر ہی خوش ہو گئی تھی کہ وہ زارا کو کسی اور سے شادی کرنے کا کہے گا۔''اسے کہوں گا کہ اگر کوئی مجھ سے اچھا یا مجھ جیسا بھی مل جائے......وہ جو اسے مجھ سے بڑھ کر چاہے اور وہ جسے دیکھ کر اس کا دل اسی طرح کا پیار محسوس کرے جیسا وہ میرے لیے کرتی ہے، وہ جو اسے وہ سب کچھ دے سکے جو میں دے سکتا ہوں تو بے شک وہ شادی کرلے۔''

''ہونہہ!'' میں نے طنز سے کہا۔ ''اگر تم یہ سوچتے ہو کہ کوئی اسے تمہاری طرح نہیں چاہ سکتا یا وہ کسی اور کو نہیں چاہ سکتی......نہ ہی اسے تمہاری طرح کا (کاٹھ کا الو، میں نے دل میں سوچا) مل سکتا ہے، وہ کیوں کسی اور کے ساتھ شادی کرے گی۔''

''تم مجھ پر طنز کر رہی ہو یا میری تعریف کر رہی ہو؟'' وہ ہنسا۔

''تمہارے ساتھ رہ کر طنز کرنا ہی سیکھ سکی ہوں میں۔'' میں نے ہنکارا بھرا۔

''چلو......کسی بات کا کریڈٹ تو تم نے مجھے دیا۔'' اس نے کہا۔ ''ویسے تم اسے میری تعریف کہہ دیتیں تو بھی میں یقین کر لیتا، آخر تم مجھ پر مرمٹی تھیں اور میرے پاپا کی طرف سے رشتہ بھجواتے ہی تم لوگوں نے شکر کیا...... بلکہ اندر کی بات میں نے کچھ اور سنی ہے۔'' وہ ذرا سا جھکا۔ ''میں نے تو ماما سے یہاں تک سنا ہے کہ رشتہ ہمارے گھر سے بھجوایا ہی نہیں گیا، تایا جی نے خود ہی زبردستی یہ رشتہ میرے سر منڈھ دیا ہے۔''

''ہوں!'' میرے تو تلوؤں سے لگی اور سر تک پہنچی۔ ''ہوسکتا ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو۔'' میں نے غصے کے ابال کو دبا کر کہا۔ ''ابو جان بے چارے کو ایسا کرنا ہی پڑا ہوگا، آخر ان کی بیٹی میں اتنی کمی کجی تھی، وہ بدشکل تھی اور اس کا کوئی رشتہ بھی نہیں آ رہا تھا اور عمر گزری جا رہی تھے۔ وہ ان پڑھ تھی، اس میں کوئی اور خوبی یا کمال بھی نہیں تھا۔'' میں نے کہا۔

''بہت خوب......'' وہ منہ پھاڑ کر ہنسا۔ ''ایسا تو میں نے کبھی نہیں کہا۔''

''یہ سب کہنے سے اس کے علاوہ تمہارا کوئی مطلب نکلتا ہے تو بتاؤ۔'' میں نے خفگی سے کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تمہارے لیے اور بھی بہت آپشن اور رشتے تھے؟'' میری پوری بات میں سے اسے صرف ایک بات کلک کی تھی۔

''میں تم سے اس فضول موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔''

''موضوع تو اچھا تھا......'' پھر اس نے اپنی سائڈ کے بیڈ لیمپ کو بند کیا۔

☆☆☆

وہ میری شادی کے بعد پہلی ایسی رات تھی جس دن میں نے خواہش کی تھی کہ کاش میں نے ابو جان کی بات ماننے کے بجائے امو جان اور اپنے دل کی بات مان لی ہوتی، میری زندگی یوں ہوگئی تھی کہ زین کی صورت میں ہر وقت میرے سر پر ایسی تلوار لٹک رہی تھی جس کی رسی جانے کس وقت کٹ جائے۔ وہ ایک کردار تھا اور اس پر مستزاد ماما تھیں جن کی سمجھ مجھے نہ آتی تھی۔

وہ پہلی رات تھی جب میں نے کامل کو سوچا تھا...... جانے وہ اس وقت کہاں ہوگا اور کیا کر رہا ہوگا، اس کا ساتھ ہوتا تو زندگی کا کیا انداز ہوتا۔ وہ بھی کسی اور سے شادی کر لے گا تو جانے خوش رہے گا کہ نہیں۔ جو زین اچھا ہوتا، میرے ساتھ دیانت دار اور مخلص ہوتا تو مجھ سے بھی اس کے پہلو میں لیٹ کر کسی اور کو سوچنے کا گناہ سرزد نہ ہوتا۔ ایسی منافقت والی زندگی گزارنا میرا مقدر نہ ہوتا۔

''زین!'' ایک خیال آنے پر میں نے اسے پکارا۔ کوئی جواب نہ آیا۔ ''زین! تم سو چکے ہو یا......؟'' میں نے پھر سوال کیا، کروٹ بدلی، اس کا چہرہ میری طرف ہی تھا اور وہ سو رہا تھا، میں سمجھی تھی کہ پرلی طرف منہ کیے اپنے فون پر مصروف ہوگا اور جان بوجھ کر جواب نہ دے رہا ہوگا۔

اس کے ماتھے پر ایک گھنگرالی لٹ چپکی ہوئی تھی، آنکھوں کے پپوٹوں میں کپکپاہٹ تھی، جانے وہ کیا خواب دیکھ رہا تھا جو اس کے ہونٹ مسکراہٹ کے انداز میں نظر آ رہے تھے......سوتے میں وہ کتنا پیارا لگ رہا تھا۔ معصوم بھی لگ رہا تھا، شاید وہ لڑکی ہی اتنی چلتر اور مکار تھی کہ زین اس کے جال سے نکل نہ پا رہا تھا۔ مجھے زین سے جو

سوال کرنا تھا وہ بہت اہم تھا، اس سے مجھے اندازہ ہو جاتا کہ اسے مجھ سے ذرا سی بھی محبت تھی کہ نہیں......

''زین!'' میں نے ایک بار پھر پکارا۔ وہ کسمسایا تک نہیں، گہری نیند میں تھا، میں کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ صبح شاور لے کر غسل خانے سے نکلی تو وہ صوفے پر بیٹھا اپنے جوتوں کے تسمے باندھ رہا تھا، میں نے حسبِ عادت سلام کیا، اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''کیسی ہو؟'' اس نے خوش دلی سے پوچھا۔

''کیسی ہوسکتی ہوں......'' میں نے جانے کیوں مبہم سے لہجے میں جواب دیا۔

''رات تمہیں مجھ سے کوئی بات کرنا تھی؟'' اس نے سوال کیا۔

''کب؟'' میں بھول گئی تھی۔

''جب میں سو رہا تھا اور تم غور سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔'' اس کے انداز میں شرارت تھی، کچھ میرا دل بھی کسی سوچ کے تحت اس وقت تک نرم ہو چکا تھا۔

''کتنے بڑے ایکٹر ہو تم زین!'' میں لجا گئی۔ ''تمہیں غور سے دیکھنے کے لیے مجھے آدھی رات تک جاگنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''کیونکہ دن کے اجالوں میں تم میری طرف دیکھتی نہیں ہو غور سے...... لجا جاتی ہو۔'' اس کے کہنے پر میں واقعی لجا گئی۔ کیونکہ وہ مجھے کندھوں سے تھامے، میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہا تھا۔

☆☆☆

''اس رات مجھے تم سے پوچھنا تھا کہ اگر تم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے تھے اور مجبوری سے کرنا پڑ گئی تو مجھے چھونا اور میرے ساتھ محبت کا ناٹک کرنا تمہاری مجبوری تو نہیں تھی ناں؟'' میں نے اس کے پاس صوفے پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

''ہوں......'' اس نے لیپ ٹاپ فوراً بند کیا، ٹیلی وژن آن تھا کیونکہ ٹیلی وژن آن رکھنا زین کی عادت تھی، اس کی آواز بند تھی کیونکہ اسے بے آواز ٹیلی وژن ناپسند تھا۔ لیپ ٹاپ پر وہ جو کچھ کر رہا تھا، وہ ظاہر ہے کہ ایسا تھا کہ اسے بند کرنا پڑا۔

''تم اپنا کام کرتے رہو......'' میں نے دعوے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''اوہوں...... کچھ بھی ایسا اہم نہیں ہے جو میں کرتا رہوں......'' اس نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

''میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے۔'' میں نے کہا۔ اس کی گود میں رکھے فون پر زارا کا چہرہ ابھرا، وہ اسے کال کر رہی تھی، فون سائیلنٹ پر تھا، اس نے فون کو الٹا دیا۔ یقیناً وہ اس سے لیپ ٹاپ پر چیٹ کر رہا تھا اور جب اس نے لیپ ٹاپ اچانک بند کیا تھا تو وہ فون پر اس کی وضاحت چاہ رہی ہو گی۔

''تو تم کہنا چاہتی ہو کہ مجھے تم کو چھونا نہیں چاہیے تھا؟'' اس نے سوال کیا۔

''ایسا میں نے نہیں کہا...... ہم دونوں میاں بیوی ہیں، تمہیں اور مجھے ایک دوسرے پر چھونے کا پورا حق اور اختیار ہے...... مگر!''

''مگر کیا؟''

''کیا تمہاری دوست زارا جانتی ہے کہ ہم دونوں کے بیچ صرف کاغذی رشتہ نہیں ہے؟'' میں نے سوال کو گھمایا، اس سے زیادہ واضح انداز میں، میں اس سے نہیں پوچھ سکتی تھی۔

''زیادہ کلیئر نہیں...... لیکن اسے علم ہے کہ تمہارے ساتھ جو تعلق ہے وہ میری مجبوری ہے۔''

''میں تمہاری بیوی ہوں زین، کوئی مجبوری کا طوق نہیں۔'' میں سسکی۔
''تم جانتی ہو امرت کہ ہماری شادی کم از کم میرے لیے مجبوری کا ایک ایسا گھونٹ ہے جو مجھے اپنے باپ کی دھمکی پر اور ماں کے ترلے منتوں پر پینا پڑا تھا...... آج، کل یا پرسوں...... اس تعلق کو ختم ہو جانا ہے۔'' اس نے کہا۔
'اللہ نہ کرے!' میں نے دل میں سوچا۔
''مگر تمہاری مجبوری میں، میں کہاں ہوں؟'' مجھے پوری امید تھی کہ میں اس سے وفا کر کے اسے جیت لوں گی، وہ بھٹکا ہوا ہے تو میں اسے سیدھے راستے پر لے آؤں گی۔
''آئی ایم سوری امرت......'' اس کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔ ''تم بہت اچھی ہو، پیاری ہو، ذہین ہو مگر میں مجبور ہوں۔ کسی وعدے کا پابند ہوں اور دل کے ہاتھوں بے بس ہوں جو اس کے سوا کسی کی طلب ہی نہیں کرتا۔''
''تو پھر میں...... میرے ساتھ...... تم جو مجھے، تم جو مجھے پیار کرتے ہو؟'' میں سسکی۔
''وہ بھی مجبوری ہے امرت!'' اس کے لہجے میں بے بسی تھی...... ''زارا نے کہہ رکھا ہے کہ جب تک تم میرے ساتھ ہو وہ مجھ سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرے گی۔'' ٹیڑھے منہ بات کرنے کے لیے اس کا فون مسلسل آ رہا تھا، فون کی وائبریشن سے اندازہ ہو رہا تھا۔ ''میں تمہیں چھوتا ہی کب ہوں۔'' میرے اور تمہارے بیچ کے تعلق کی حقیقت یہی ہے کہ جہاں تم ہوتی ہو وہاں تم صرف ظاہری طور پر ہوتی ہو...... میں اصل میں تمہارے ساتھ ہوتا ہی نہیں، تم نہیں کوئی اور ہے جس کے ساتھ میں خود کو ہر پل محسوس کرتا ہوں۔'' وہ جذب سے کہہ رہا تھا۔ ''تم سمجھ رہی ہوناں؟'' اس نے سوال کیا۔
'کاش تم جان سکتے زین کہ جہاں پر تمہارے تصور میں کوئی اور ہوتی ہے وہاں اصل میں، میں ہی ہوتی ہوں اور اب اس کا ثمر بھی میرے ہی پاس ہے۔' میں نے سوچا، یہ وہ وقت تھا جب مجھے یہ شک ہونا شروع ہوا تھا کہ میں اس کی امانت کی امین بن چکی تھی۔

☆☆☆

اس رات جب میں نے اس کے غسل خانے میں ہوتے ہوئے دیکھا کہ وہ وڈیو چیٹ کرتے ہوئے لیپ ٹاپ کھلا چھوڑ کر چلا گیا تھا شاید یہ سوچ کر کہ میں کون سا اتنی ہمت کروں گی کہ اس کا کھلا لیپ ٹاپ دیکھ لوں گی۔ چور وہ تھا اور ڈر میں گئی تھی مگر میں نے سوچ لیا تھا کہ میں اسے یوں نہیں چھوڑ سکتی کہ وہ بدکرداری کی حدوں کو چھو لے۔ میں نے اسے سمجھانے کا سوچا تھا تاکہ وہ بھی گناہ سے بچ جائے اور میں بھی ایک زانی شخص کی بیوی ہونے سے بری ہو جاؤں۔ میں نے اس کے غسل خانے سے نکلنے کے بعد اشارتاً اس سے پوچھا بھی تھا کہ کہیں وہ مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہا تھا۔
لیپ ٹاپ پر جس لڑکی کو میں نے دیکھا تھا وہ زارا نہیں تھی، اس کا نام بھی صنم تھا اور وہ شکل سے بھی مختلف تھی، شاید کوئی کال گرل ٹائپ تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ مجھے کہتا کہ وہ کچھ چھپا نہیں رہا، اس نے کہا کہ اسے مجھ پر شک ہے کہ میں کچھ چھپا رہی ہوں اس سے۔ اس کے یوں کہنے سے مجھے ایک دم ٹھنڈے پسینے آ گئے کہ کہیں میری چوری تو نہیں پکڑی گئی تھی۔
''میں کیا چھپاؤں گی تم سے زین؟'' میں نے ہولے سے کہا تھا، نظر چرا کر کہ میں اس کی طرف دیکھتی تو وہ میرے دل کا چور پکڑ لیتا۔ مجھے چالاکی مکاری اور اداکاری جو نہیں کرنا آتی تھی۔
''اور میں کیا چھپاؤں گا؟'' اس نے پیار سے مجھے اپنی بانہوں میں سمیٹا تھا، وہ سمجھا کہ میں اس کی اتنی سی بات سے بہل گئی تھی۔

''تم لیپ ٹاپ پر کام کرتے ہوئے بہت خوش تھے...... مسکرا رہے تھے۔'' میں نے نظر چرا کر اس پر تیر چلایا تھا، نظر اٹھا کر نہ دیکھا کہ وہ گڑبڑایا تھا، خوفزدہ ہوا تھا یا حیران؟

اس نے کہا کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ مری کے پچھلے ٹرپ کی تصاویر دیکھ رہا تھا۔ صاف جھوٹ بولا تھا اس نے مگر میں نے یوں تاثر دیا جیسے مجھے اس کی بات پر یقین آ گیا تھا۔ ''کسی وقت دکھاؤں گا تمہیں وہ تصویریں!''

''اچھا!'' میں نے کہا تھا۔ ''میں سمجھی کسی سے چیٹ کر رہے تھے تم...... وڈیو چیٹ!''

''تمہیں کچھ بات کرنا تھی مجھ سے!'' اس نے میری بات کے جواب میں سوال کیا تھا۔

''جو بات میں تمہیں بتانے والی ہوں زین...... اسے تم انجوائے نہ کر سکو گے، اس لیے اسے کسی اور وقت پر اٹھا رکھتے ہیں۔'' میں نے گہری سانس لے کر کہا تھا۔

''نہیں، مجھے ابھی بتاؤ ورنہ میں تجسس سے رات بھر سو نہ پاؤں گا۔'' اس نے بے قراری سے سوال کیا تھا۔

''جان لو گے تو بھی سو نہ پاؤ گے زین!'' میں نے جی کڑا کے کہا تھا۔

''پھر تو میں ضرور جاننا چاہوں گا۔'' اس نے میرے سامنے بیٹھ کر سوال کیا تھا، اس کے چہرے پر تجسس اور نظروں میں اشتیاق تھا۔ میں سوچ میں پڑ گئی کہ اپنی بات مکمل کروں یا اسے ٹال دوں، یہ کہہ کر کہ میں مذاق کر رہی تھی۔

''اس انکشاف کا بوجھ اٹھا نہ پاؤ گے تم، زین!'' میں نے تڑپ کر کہا تھا۔ ''مگر پھر بھی مجھے بتانا تو ہے تمہیں۔ تو سنو!'' میری آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔

''سب ٹھیک تو ہے ناں امرت؟'' اس نے کہا تھا۔ ''تم مجھے ڈرا رہی ہو۔'' اس کے چہرے پر جو خوف مجھے نظر آیا تھا وہ بھی میں نہ سمجھ سکی کہ کیوں تھا...... آخر ایسی کیا بات ہو سکتی تھی جو کہ اسے اتنا خوفزدہ کر سکتی تھی۔

''تم کیوں ڈر گئے ہو؟'' میں نے آنسوؤں کے باوجود مسکرا کر سوال کیا تھا۔

''مجھے لگا کہ تم نے پاپا سے میری کسی بات کی شکایت کر دی ہے۔'' ہاہ! اس کے نزدیک سب سے زیادہ خوفزدہ کر دینے والی بات یہی ہو سکتی تھی۔

''میں مذاق کر رہی تھی زین، یہی دیکھنا چاہ رہی تھی کہ جس انداز سے تم مجھ سے بات کرتے ہو، اسی انداز سے میں بات کروں تو تمہیں کیا لگے گا۔''

''میں صرف چند ماہ سے تمہارے ساتھ ہوں مگر میں تمہاری رگ، رگ کو جانتا ہوں......'' اس نے دانت کچکچا کر کہا تھا۔ ''تم ہرگز مذاق نہیں کر رہی ہو، اتنا تو میں بھی جانتا ہوں، اس لیے تم اپنی بات کو مکمل کرو تو بہتر ہوگا۔''

''تم جانتے ہو ناں زین کہ میں تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔'' میں نے سوچ کر بات کا آغاز کیا۔

''ہوں......'' اس نے فوراً کہا اور مجھے سوالیہ نظروں سے گھورنے لگا۔

''یہ بچہ اس لیے پیدا ہونے والا ہے زین کہ میں سوچتی تھی کہ اس بچے کی وجہ سے ہم دونوں کے بیچ محبت کا اصل رشتہ استوار ہو جائے گا۔ میں اس بچے کو اپنے وجود میں بہت محبت سے سینچ رہی ہوں، میں اس سے باتیں کرتی ہوں، یہ جانتی تک نہیں کہ یہ بیٹا ہوگا یا بیٹی مگر میں اسے تمہارا بچہ ہونے کے حوالے سے پیار کرتی ہوں، اسے محسوس کرتی ہوں، یہ ہم دونوں کی محبت کی نشانی ہے اس لیے مجھے بہت عزیز ہے۔'' میں نے جذب سے کہا۔

''well...... محبت کی نشانی!'' اس نے جیسے حقارت سے میرے بیان کو جھٹلایا۔ ''کیسی محبت، یہ سب ایک حادثہ ہے اور یہ بچہ ایک unwanted بچہ ہے۔'' وہ رکا۔ ''اسے اس دنیا میں نہیں آنا تھا۔'' وہ رکا۔ ''تمہارے وجود سے نہیں آنا تھا۔'' میری طرف انگلی سے اشارہ کر کے اس نے کہا تھا۔

''یہ حادثہ نہیں تھا زین!'' میں نے تحمل سے کہا۔ ''اور تمہارا ڈر بالکل درست تھا، میں نے تمہیں یہی بتانا تھا کہ

یہ بچہ نہ تو کسی حادثے کی وجہ سے دنیا میں آ رہا ہے اور نہ ہی یہ unwanted ہے۔ میں نے اپنے پورے ہوش و حواس اور کوشش سے اس بچے کو پایا ہے، تمہارے اور ماما کے نہ چاہنے کے باوجود، امید ہے کہ تم سمجھ رہے ہو گے۔‘‘

میں نے رک کر گہری سانس لی۔ ’’میں نے شادی کے پہلے دن سے ماما کی طرف سے دی جانے والی گولیوں میں سے ایک گولی بھی نہیں کھائی، باقاعدگی سے ہر روز ایک گولی منہ میں رکھ لیتی تھی تمہارے سامنے اور چند لمحوں میں ہی اسے غسل خانے میں جا کر پھینک دیتی تھی۔

’’کیا؟‘‘ وہ چیخا تھا۔

’’چیخو مت زین!‘‘ میں نے ہولے سے کہا۔ ’’میں اس کے بعد تمہاری کسی زیادتی کو برداشت کروں گی نہ ماما کی اور چاچو کو صاف، صاف بتادوں گی کہ آپ دونوں میرے ساتھ کیا کر رہے ہیں اور یہ کہ جناب کے کیا منصوبے اور ارادے ہیں!‘‘

’’تم ایسا کیونکر کرسکتی ہو...... میں تمہیں سیدھے سبھاؤ طلاق دے سکتا ہوں۔‘‘ اس نے دھمکی دی۔

’’مجھے یقین ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے کیونکہ تم ایسا افورڈ ہی نہیں کر سکتے۔‘‘ میں نے پورے یقین سے کہا تھا۔

☆☆☆

’’جاگ گئی ہو تم؟‘‘ تمنا نے جاگ کر مجھے سلام کر کے سوال کیا۔

’’ہاں!‘‘ میں نے مختصراً کہا، غسل خانے سے ہو کر نکلی تھی، وضو کر کے میں نے نماز کے لیے دوپٹا لپیٹا ہوا تھا، اسے نہیں بتایا کہ میں رات کا ایک لمحہ بھی نہیں سوئی تھی۔

’’نماز کس طرح پڑھو گی؟‘‘ اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ’’میں مصلیٰ نکال کر دیتی ہوں تمہیں!‘‘

’’تم خود وضو کر لو...... میں نے مصلیٰ نکال لیا ہے، صوفے پر بیٹھ کر نماز پڑھوں گی۔‘‘ وہ غسل خانے چلی گئی اور میں نے نماز کی نیت کر لی، نماز مکمل کی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ جانے کیا سوچ آئی کہ حلق میں پھندا سا پڑنے لگا۔

’’میرے پاک پروردگار! کیا مانگوں تجھ سے؟ جانے یہ میری زندگی کی آخری نماز ہو، اس کے بعد میرے پاس سانسیں ہی نہ بچی ہوں کہ میں دوبارہ تیرے حضور حاضری دے سکوں۔ جانے میں خود بچ جاؤں اور میرا بچہ نہ بچ سکے...... مجھے ایمان پر ثابت قدم رکھنا، میرے منہ سے کوئی کلمۂ کفر نہ نکلے، مجھے استقامت دینا، صبر دینا، اتنا بڑا صدمہ برداشت کرنے کی ہمت دینا۔ یہ بھی نہیں کہتی کہ میری جان لے لینا اور میرا بچہ بچ جائے، وہ بچہ صرف میری چاہت تھا، اسے اس کا باپ بھی own نہیں کرے گا، اس لیے میرے بچے کی زندگی اسی صورت ہو اگر اسے پالنے کے لیے اس کی ماں بھی ہو۔ ندامت سے چور ہوں مولا، یہ بھی مانگتے ہوئے شرم محسوس ہو رہی ہے کہ مجھے ہر لحاظ سے مکمل بچہ دینا اگر اس کی زندگی ہے تو! مجھ میں ایسا بچہ پالنے کی ہمت نہیں جس میں کوئی کمی بجی ہو، جو کسی بھی طرح سے معذور یا مفلوج ہو...... تو تو جانتا ہے، اصل میں تو ہی تو جانتا ہے...... تیرے سوا اور کون جانتا ہے میرے مولا کہ میں کس قدر مجبور ہو گئی ہوں۔

جو زین اور اس کی ماں نے چاہا تھا، وہ شاید تیری رضا تھی اور میں نے اپنے اختیار کی حد سے تجاوز کیا، زین نے مجھے ظاہری طور پر ہی سہی، بیوی سمجھ لیا، اپنا حق جتا لیا تو میں سمجھی کہ اس کے بچے کی ماں بننا میرا بھی حق ہے...... میں نے اس گھر کو، اس رشتے کو پورے دل کی گہرائی سے قبول کیا تھا میرے مولا، کبھی بھولے بھٹکے سے بھی ماضی یاد آتا تو تجھ سے گڑگڑا کر معافی مانگتی تھی، اسے بھی بد دیانتی سمجھتی تھی۔ تیرے حکم کے مطابق، اپنا حق ہوتے ہوئے بھی اسے استعمال نہیں کیا اور باپ کی رضامندی اور خوشی کی خاطر اپنی خوشی قربان کر دی،

اپنے حقِ انتخاب سے دست بردار ہوگئی، جس کے بغیر زندگی کا تصور بھی محال لگتا تھا اسے بھلانے کی پوری کوشش کی۔زین شرابی بھی ہے اور زانی بھی، جانتی ہوں اور سوچتی ہوں کہ جب جوڑے تو ہی بنانے والا ہے تو تو نے میرے لیے ایسا ہی جوڑ رکھا تھا، شاید میری ماضی کی غلطیوں کا اسی طرح ازالہ ہوگا، میں برداشت کرتی رہی سب کچھ یہ سوچ کر کہ میرا صبر کام آئے گا۔

جس بیماری کا نام سن کر لوگ کانپنے لگتے ہیں، میرے پیارے، مجھ سے وابستہ لوگ سن کر ڈر گئے ہیں اور انجانے واہموں میں مبتلا ہو گئے ہیں، میں یہ سب سن کر سکون میں ہوں، مجھے اس بات کا ڈر نہیں رہا کہ میں مر جاؤں گی، اگر اتنی ہی میری زندگی تھی اور یہی میری زندگی کا انجام ہے تو میں بالکل تیار ہوں...... لبیک میرے رب! میں تیار ہوں تیرے پاس آنے کے لیے، میرے نامۂ اعمال میں جانے کتنے گناہوں کا بوجھ ہے، تو ہی معاف کرنے والا ہے میرے مولا، مجھے معاف کر دے، جنہوں نے مجھ پر ظلم کیے، زیادتیاں کیں تو انہیں بھی معاف کر دے۔شاید ان کی زیادتیوں کے باعث میرے گناہوں کا بوجھ ہی کم ہوا ہوگا، ان کی طرف سے ہر طرح کا غلط سلط برداشت کیا، پلٹ کر جواب تک نہیں دیا تو اس لیے نہیں کہ میں کسی لحاظ سے کمزور تھی بلکہ اس لیے کہ تیرے ہاں صبر اور برداشت کا بڑا انعام ہے۔اگر یہ میری زندگی کا آخری دن ہے تو، تو انہیں صبر دینا جو میرے بعد مجھے یاد کر کے روئیں گے، میرے لیے تڑپیں گے، جن کے لیے میں کسی نہ کسی لحاظ سے اہم ہوں! معاف کر دینا میرے اللہ، مجھے معاف کر دینا، یا الرحم الراحمین، یا غفور الرحیم!'' میرا وجود جھٹکے لے رہا تھا، کانپ رہا تھا، آنسوؤں سے میرا گریبان بھی تر ہو چکا تھا۔

''مجھے معاف کر دینا میرے مولا...!'' میں نے چیخ کر کہا، تمنا کافی دیر سے نماز پڑھ کر بیٹھی ہوئی تھی، مجھے خاموشی سے دعا مانگتے ہوئے اور اب چیخ کر معافی مانگتے ہوئے دیکھ کر رہ نہ سکی اور مجھ سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

''تم بھی مجھے معاف کر دینا تمنا!'' میں نے روتے ہوئے کہا۔''امو جان، کبیر بھائی، شامیر، فاطمہ سب سے کہنا میں چلی گئی تو مجھے معاف کر دیں، مجھے بھول جائیں، میرے لیے روئیں نہیں، دعا کریں۔'' میں سسکی۔

''خدا کے لیے امرت...... ہوش کرو، یوں نہ روؤ اور نہ دوسروں کو رلاؤ، حوصلہ کرو!''

''کامل سے بھی کہنا کہ......''

''ہاں بھئی، مریضہ تیار ہیں؟'' دو نرسیں اپنی ٹرے اور بلڈ پریشر چیک کرنے کا آلہ لے کر اندر آئی تھیں۔ میری بات بیچ میں ہی رہ گئی تھی، ایک نرس نے بشاشت سے کہا تھا، پاس آ کر اس نے میرے چہرے کو تھپکا۔''کیا بات ہے، پریشان لگ رہی ہیں آپ تو!''

''نہیں، میں ٹھیک ہوں۔'' ہاتھ کی پشت سے میں نے اپنی آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔

''آپ رات بھر سوئی نہیں؟'' نرس نے سوال کیا۔''اگر نیند نہیں آ رہی تھی تو آپ گھنٹی بجاتیں میں آپ کو نیند کے لیے کوئی دوا دے دیتی۔'' اس نے بلڈ پریشر چیک کرنے کا آلہ لگایا، دوسری نے میرے منہ میں تھرمامیٹر رکھا۔

''مریض کے لیے آپریشن سے پہلے پُرسکون ہونا بہت اہم ہے۔'' اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔''آپ کا... بلڈ پریشر معمول سے زیادہ ہو رہا ہے۔'' اس نے اپنا بلڈ پریشر ناپنے کا آلہ میرے بازو سے کھولا۔''صبح پانی پیا تھا؟''

''جی، نماز سے پہلے میں نے ایک گلاس پانی پیا تھا۔'' میں نے ہولے سے کہا۔

''آپ پُرسکون رہنے کی کوشش کریں اور اللہ سے بہتری کی امید رکھیں۔'' تھرمامیٹر ہوا میں اپنی نظر کے سامنے بلند کر کے دوسری نرس نے کہا۔''اگر شاور لینا چاہتی ہیں تو لے لیں، پانی اچھا گرم ہوگا، اس کے بعد آپ کو

اپنا لباس تبدیل کرنا ہوگا۔'' اس نے اپنی ٹرالی سے ایک لفافہ نکال کر بیڈ پر رکھا، اس کے اندر سے ہلکے گلابی رنگ کا کچھ نظر آ رہا تھا، غالباً گاؤن ہوگا۔ ''ابھی تک تو آپ کا آپریشن سب سے پہلے شیڈول کیا گیا ہے، اگر کوئی ایمرجنسی نہ آ گئی تو!''

''اچھا!'' میں نے گہری سانس لی۔

''ایک گھنٹے میں ڈاکٹر یاسمین پہنچ جائیں گی......'' اس نے وضاحت کی۔ ''اپنے گھر پر بھی اطلاع کر دیں، اگر کسی کو آپ سے ملنے کے لیے آنا ہو تو۔''

''اوکے!'' میں نے بہ مشکل کہا، مجھے لگا کہ اس نے کہا ہو کہ اگر کسی کو آخری ملاقات کرنا ہو تو! میرے حلق میں کچھ پھنسا۔

''آپ نے ناشتا وغیرہ کرنا ہو تو کیفے ٹیریا سے جا کر ناشتا کر لیں، اتنی دیر میں یہ شاور لے لیں۔'' نرس نے تمنا سے کہا۔

''یہ چائے بھی نہیں پی سکتی اب؟'' تمنا نے سوال کیا۔

''نہیں، یہ اب کچھ نہیں کھا سکتیں۔'' کہہ کر دونوں نے اجازت لی، میں نے بیڈ پر پڑا پیکٹ اٹھایا اور تمنا سے کہا کہ وہ جا کر ناشتا کر آئے۔

☆☆☆

ٹوائلٹ کا سیٹ کور نیچے کر کے میں اس پر بیٹھ گئی، باتھ روم میں پلاسٹک کی چیئر تھی۔ اتنی نقاہت محسوس ہو رہی تھی، سوچوں نے ہی مجھے جسمانی اور ذہنی طور پر کمزور کر دیا تھا۔ میں زلزلے سے ڈھ جانے والی عمارت جیسی ہو گئی تھی، مضبوطی اور ثابت قدمی کے سارے دعوے اسی وقت تک ہوتے ہیں جب تک انسان مایوسی کے اس درجے تک نہیں پہنچتا۔ میں جس مقام پر تھی وہ پل صراط جیسا ہی تو تھا، اِک ذرا سی دائیں اور بائیں کی لغزش اور یہ خاکی وجود اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جاتا۔ ہم کہتے تو ہیں کہ ہمیں موت سے ڈر نہیں لگتا مگر اس وقت شاید میں موت کے اس قدر قریب تھی کہ مجھے اس کی سانسیں اپنی شہ رگ پر محسوس ہو رہی تھیں، میں اپنی ہی موت کو یاد کر کے رو رہی تھی، یہ سوچ کر رو رہی تھی کہ میرے بعد کون مجھے کس انداز سے یاد کرے گا، کون میرے لیے تڑپے گا، کون میری موت کے صدمے کو روگ بنا کر دل سے لگا لے گا!

امو جان! ذہن میں صرف انہی کا نام آیا تھا، ابو جان کے بعد وہ کتنی بدل گئی تھیں، اب ان پر میری جدائی کیسی شاق گزرے گی۔ شامیر کی طرف سے وہ ہر وقت ایک خوف میں مبتلا رہتی تھیں اور اب۔ شاور کھول کر میں اس کے نیچے کھڑی ہو گئی تھی۔ آنسو اور پانی گھل مل گئے...... پانی جو سب کچھ دھو ڈالتا ہے، سر پر پانی پڑا تو وجود میں سکون اترنے لگا۔ جب جانا ہی ہے تو سج دھج سے مقتل میں جانا چاہیے، بہادری سے! میں نے خود کو بہادری کے لیے تھپکی دی۔ نہا کر نکلی تو تمنا ناشتا کر کے واپس آ چکی تھی۔

''تم ٹھیک ہو اب؟'' اس نے سوال کیا، آنکھیں پھر باغی ہونے کو تھیں، میں نے دل ہی دل میں درود شریف کا ورد کیا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں تمنا...... تم پلیز امو کو نہ بتانا کہ میں روئی تھی۔''

''تمہاری آنکھوں کی لالی خود ہی انہیں بتا دے گی!''

''وہ تو میں رات بھر سو نہیں سکی تھی اس لیے...!''

''مجھے بھی میثاق کے بغیر کہاں ٹھیک سے نیند آتی ہے۔'' اس نے شرارت سے کہا۔

''مجھے نہیں علم تھا کہ کچھ لوگ جاگتے میں بھی خراٹے لیتے ہیں۔'' میں نے ہنس کر کہا۔
''سچ میں؟'' اس نے سوال کیا۔ ''ایمان سے جب میثاق کہتا ہے کہ میں خراٹے لیتی ہوں تو میں سمجھتی ہوں کہ وہ مذاق کرتا ہے......'' اس نے تشویش سے کہا۔ ''امرت میں شادی سے پہلے تو خراٹے نہیں لیتی تھی ناں؟''

''تب تم اتنی بےفکری سے سوتی جو نہیں تھیں، اب تو میثاق کی وجہ سے تم بےفکری سے سوتی ہوگی......'' اس پر ہم دونوں کی ہنسی نکل گئی اور یہی وہ لمحہ تھا جب ماما اور امو جان کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ سلام دعا کے بعد انہوں نے بتایا کہ زائنہ کی طبیعت خراب ہوگئی تھی اچانک تو حسنہ وہاں چلی گئی ہے، زین اسے چھوڑ کر واپس آنے والا ہوگا۔

''تمہارے چاچو تم سے ملنے کے لیے آئے ہیں۔'' ماما نے شفقت سے کہا تھا۔ 'آخری ملاقات!' میں نے سوچا۔
''میں؟'' میں گڑبڑائی، سارا گاؤن پیچھے سے کھلا ہوا ہے!'' میں نے عذر تراشا، اصل میں ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی کہ ان کے سامنے جاتی۔

''اوپر سے اپنی شال اوڑھ لو۔'' امو جان نے حل بتایا، میں نے پھیلا کر سیاہ شال کو اوڑھا، دل کو مضبوط کیا، تمنا نے چاچو کو اندر بلایا۔ چاچو نے میرے سر پر ہاتھ رکھا، شفقت سے بھرپور بوسہ میرے بالوں پر دیا۔
''اللہ تمہیں صحت، سلامتی اور خوشیاں دے میری بیٹی!'' انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا۔ کمرے میں موجود ہر آنکھ اشک بار ہوگئی۔

''آپ کی دعاؤں سے سب ٹھیک ہو جائے گا چاچو ان شاء اللہ!'' میں نے جی کڑا کے کہا۔
''تمنا تم نے کچھ ناشتا واشتا کیا بیٹا کہ نہیں؟'' ماما نے پوچھا۔
''جی چچی جان، کر لیا تھا ناشتا کیفے ٹیریا جا کر۔''
''اوہ اچھا...... میں تو بھول ہی گئی تھی، گھر سے تمہارے لیے ناشتا بنوا کر ساتھ لائی ہوں۔'' ماما نے کہا۔
''کوئی بات نہیں...... وہ دوپہر کو کھا لوں گی۔'' تمنا نے کہا۔
''یہاں فون کے سگنلز نہیں آ رہے ہیں بیٹا؟'' چاچو نے تمنا سے سوال کیا۔
''نہیں چاچو، اسپتال کی اندرونی حدود میں فون کے استعمال کی اجازت نہیں ہے، باہر نکل کر فون کرنا پڑتا ہے یا کیفے ٹیریا کی بالکونی اور اس کے ہال میں سروس ہے۔''
''میں زائنہ کے بارے میں چیک کرنا چاہ رہا تھا۔'' چاچو نے کہا۔
''ہاں کال کریں...... کہاں رہ گیا زین!'' ماما نے کہا۔ ''ابھی تک تو اسے آ جانا چاہیے تھا حسنہ کو وہاں چھوڑ کر!'' چاچو تمنا کے ساتھ باہر نکلے اور کمرے میں ہم تینوں رہ گئے تھے۔ ''اللہ خیر کی خبر سنائے!'' ماما نے کہا۔ ''ابھی تو اس کا غالباً ساتواں مہینہ چل رہا ہے، مجھے نہیں لگتا کہ یوں درد شروع ہو سکتا ہے؟''
''ساتویں مہینے میں بھی ڈلیوری متوقع ہوتی ہے، کم کیسوں میں سہی مگر ایسا ہونا غیر معمولی نہیں ہے...... یہی دیکھ لیں، امرت کا بھی تو ساتواں مہینہ، مجھے تو لگتا ہے کہ پورا بھی نہیں ہوا ابھی!'' امو جان نے کہا۔
''امرت کا تو کیس ہی مختلف ہے ناں بھابی!'' ماما نے کہا۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ وہ میری طرف دیکھیں اور میں انہیں اشارہ کر کے سمجھاؤں کہ امو جان کو معاملے کی سنگینی کا احساس نہیں ہے کیونکہ وہ اصل حقیقت سے لاعلم ہیں، مگر ماما اپنی رو میں بولے جا رہی تھیں۔
''مجھے تو چھوٹی سی رسولی ہے ناں امو جان......'' میں نے ماما کی بات کو بیچ میں سے کاٹا۔ ''اس لیے ڈاکٹر نے

کہا ہے کہ کہیں رسولی کا سائز نہ بڑھ جائے تو بچے کی ڈلیوری کر لیتے ہیں۔'' میں بات ختم کر کے کھانسی۔ ''آپ کو تو علم ہی ہے ناں ماما!''

''ہاں، ہاں!'' ماما سمجھ گئیں کہ میرا اس بات سے کیا مقصد تھا۔

''اللہ خیر کرے......'' اموجان نے کہا۔ ''اللہ ماں بیٹا دونوں کو جان کی سلامتی دے۔''

''آمین!'' ماما نے کہا، میں زیرِلب بڑبڑائی مگر کہہ نہ سکی۔

دروازے پر دستک ہوئی تھی، یس کہنے پر ایک نرس نے اندر جھانکا۔ ''برائے مہربانی مریضہ کے علاوہ باقی سب لوگ کمرے سے باہر چلے جائیں، آپ لوگ انتظار گاہ میں چلے جائیں یا پھر کیفے ٹیریا میں، ڈاکٹر صاحبہ پہنچ گئی ہیں اور راؤنڈ شروع ہونے والا ہے۔''

''ابھی تو اس کے شوہر کو بھی ملنے کے لیے آنا ہے۔'' ماما نے کہا۔

''وہ اب لیٹ ہو چکے ہیں، آپریشن کے بعد ہی مل سکیں گے۔''

''مگر......''

''دیکھیے پلیز!'' نرس نے کہا۔ ''ہمیں اپنی ڈیوٹی اپنے طریقے سے ادا کرنے دیں۔''

''چلو زیبا چلتے ہیں۔'' اموجان نے کہا۔ دونوں نے باری باری مجھے گلے لگا کر گالوں پر بوسہ دیا اور کمرے سے چلی گئیں۔ شاید میں ان صورتوں کو پھر کبھی دیکھنے والی نہ تھی۔

☆☆☆

اسٹریچر پر ڈال کر مجھے آپریشن تھیٹر کی طرف لے جایا جا رہا تھا، اس سے پہلے ڈاکٹر یاسمین نے کمرے میں ہی میرا اور بچے کا معائنہ کیا تھا، اینستھیٹسٹ نے مجھ سے چند ضروری سوالات کیے تھے اور میرے کہنے کے باوجود کہ مجھے چلا کر لے جائیں انہوں نے سٹریچر پر ہی ڈالا اور کھلے، کھلے سے کاریڈورز میں سے گزر کر ایک بڑے سے ہال میں جا کر اسٹریچر کو کھڑا کر دیا گیا۔

Ward Pre Operation کا بورڈ میں نے دیکھا، کچھ بھی نہ ہوا تھا مگر مجھے سب کچھ دھندلا سا نظر آ رہا تھا۔ میں نے اس دھند میں اس کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا، ہڈیوں میں ٹھنڈی سرایت کر رہی تھی۔

''پلیز میرے اوپر کوئی کمبل ڈال دیں۔'' میں نے کوشش کر کے بلند آواز نکالی کیونکہ مجھے کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔

''یہاں کمبل نہیں مل سکتا، اس طرح کی چیزوں کی اجازت نہیں ہے۔'' کہیں سے بوتل کے جن کی طرح ظاہر ہو جانے والے اس آدمی نے کہا تھا۔

''مگر میں سردی سے کانپ رہی ہوں۔'' میں نے التجا کی۔

''تھوڑی دیر کی بات ہے...... برداشت کر لیں۔ پھر آپ کو سردی نہیں لگے گی۔'' اس نے کہا۔ شاید وہ سمجھ رہا تھا کہ مجھے مر جانا تھا اور مر کر تو انسان یوں بھی ہر احساس سے عاری ہو جاتا ہے۔

''پلیز!'' میں نے کہہ کر دائیں بائیں دیکھا۔ بیرونی دروازے کے سامنے سے جو کوئی گزرا تھا اس پر مجھے ارسل کا گمان ہوا تھا، ہو سکتا ہے کہ وہی ہوں، میں نے سوچا۔ 'ہائے، بیچارے، مجھے ملنے کے لیے آئے ہوں گے اور لیٹ ہو گئے ہیں۔' میں نے سوچ کر ان پر ترس کھایا۔

''جی کیا بات ہے بی بی؟'' ایک آیا آ گئی تھی۔

''مجھے کوئی کمبل اوڑھا دو آپا۔'' میں نے اسے احترام سے کہا۔

''جی کمبل تو نہیں دے سکتے اِدھر!'' اس نے کہا۔ ''آپ کے آپریشن کا وقت تھا مگر کوئی ایمرجنسی آ گئی ہے اس

یے آپ کو تھوڑا سا انتظار کرنا پڑے گا۔'' اس نے وضاحت کی۔

''مجھے یہاں سردی لگ رہی ہے..... اگر دیر ہے تو پھر مجھے باہر بھیج دیں۔'' میں گھگیائی۔

''یہاں تک آنے والے مریض کو واپس نہیں بھیجا جاتا، آپ کو علم ہے کہ آپ کے پورے جسم کو دوائیں لگا کر sterlize کیا گیا ہے، اب آپ کا رابطہ باہر کے بیکٹیریا سے نہیں ہو سکتا۔'' اس نے رسان سے کہا اور شفقت سے میرے بالوں پر ہاتھ رکھا۔ ''تھوڑی دیر کی بات ہے..... ایمرجنسی کا تو کوئی علم نہیں ہوتا کہ کب آ جائے، سب سے بری ایمرجنسی ہوتی ہی گائنی وارڈ کی ہے..... دنیا میں بچے کے آنے کا وقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہوتا۔'' وہ میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ اس کے منہ پر ماسک تھا، مومی گاؤن پہن رکھا تھا، پیروں پر بھی مومی کور تھے اور ہاتھوں پر بھی مومی دستانے۔ ''ایمرجنسی میں آنے والی کا خون بہت ضائع ہو چکا ہے..... بتا رہے تھے کہ غسل خانے میں پھسل کر گر گئی تھی اور.....'' وہ کہہ رہی تھی، اس کے ہاتھوں کے مساج سے مجھے سکون مل رہا تھا۔ ''ہر عورت ہی مر، مر کر دنیا میں بچے کو لاتی ہے مگر اس کے تو وارثوں نے بڑی انت مچائی ہوئی ہے..... کسی اور اسپتال میں دکھا رہے تھے، وہاں لے کر گئے تو انہوں نے اس ایمرجنسی کو ڈیل کرنے سے انکار کر دیا۔''

''اللہ خیر کرے اور ماں اور بچے کے لیے بہتر کرے۔'' میں نے دل سے دعا دی۔

''توبہ جی..... لڑکی کی ماں نے تو اپنے داماد کو دوہتڑوں پر لے لیا، اسے سب کے سامنے مارنے لگی، کہنے لگی کہ وہی اس کی بیٹی یا اس کے بچے کا قاتل ہوگا۔''

''وہ کیوں؟'' میں نے بھی مصروف رہنے کے لیے یونہی سوال کیا۔

''کہہ رہی تھی کہ اسی نے دھکا دیا ہوگا میری بیٹی کو۔''

''شاباش ہے ایسی ساس پر تو!'' میں نے تاسف سے کہا۔ ''وہ کیوں دھکا دے گا اس کو بھلا، کیا ان کے درمیان کوئی ناچاقی تھی؟'' میں نے یوں سوال کیا جیسے وہ آپا اسی کے گھر سے آئی ہوگی۔

''اصل میں یہ دیر تک غسل خانے میں پڑی رہی، شوہر کو پتا ہی نہیں چلا کیونکہ وہ سو رہا تھا، فجر کے لیے جاگا تو اسے دیکھا اور تب تک خون کا کافی نقصان ہو چکا تھا..... دیکھیں کیا بنتا ہے، ڈاکٹر یاسمین نے کیس لے تو لیا ہے کیونکہ وہ اپنے در پر آئے ہوئے کسی مریض کو ٹھکراتی نہیں ہیں، اسی لیے اللہ نے ان کے ہاتھ میں شفا رکھی ہے..... مگر آگے جو اللہ کی رضا!''

''اللہ جو بھی کرتا ہے بہتر ہی کرتا ہے آپا!'' میں نے کہا۔

''کوشش کرو کہ آپ کو تھوڑی دیر کے لیے نیند آ جائے۔'' اس نے مجھے کہا۔ ''میں ذرا ہو کر آتی ہوں، پتا کروں کہ کیا بنا اور کتنی دیر باقی ہے۔''

میں سکڑ کر اپنے وجود کو کمان بنا کر لیٹی تھی، نیند کہاں سے آتی، سردی ہڈیوں میں اتر رہی تھی اے سی چل رہا تھا اور اس سے درجۂ حرارت شدید کم تھا۔ آپا نے بتایا تھا کہ وہاں کا درجۂ حرارت دانستہ کم رکھا جاتا ہے تاکہ جراثیم اور بیکٹیریا پرورش نہ پا سکیں۔ میں زیر لب تسبیح کرنے لگی، یونہی سوچ میں آ گیا کہ قبر تو اس سے بھی ٹھنڈی، اس سے کہیں تنگ اور وہاں تنہائی اس سے بھی سوا ہوگی۔ اس سوچ کے آتے ہی ہڈیوں میں گودا ایک دم جم گیا، دماغ کی قلفی بن گئی۔ وہ کہہ کر گئی تھی میں سونے کی کوشش کروں، یہاں جاگا تک نہیں جا رہا تھا۔ کروٹ بدلی کہ جسم کے دوسرے حصے کو تھوڑی دیر کے لیے ٹھنڈ سے بچا لوں، اب مجھے وہی بیرونی دروازہ اور بھی دور سے نظر آ رہا تھا، باہر کچھ لوگ کھڑے تھے۔ یقیناً وہ کاریڈور آپریشن تھیٹر کے باہر کی طرف کا دروازہ ہوگا اور وہاں وہ لوگ کھڑے ہوں گے جن

کی بیٹی، بیوی یا بہن کا اندر اس وقت ایمرجنسی میں آپریشن ہو رہا ہوگا۔

''چلیں جی!'' اسی آیا کی آواز آئی، یہ احساس بھی ختم ہو گیا تھا کہ کتنی دیر کے بعد اس کی آواز آئی تھی۔ اب آ گیا ہے آپ کا نمبر!'' وہ میرے سامنے آ گئی۔ ''اللہ کا نام لے کر چلیں!''

''میں اٹھوں؟'' میں نے سوال کیا۔

''ارے نہیں!'' اس نے فوراً کہا۔ ''اسی اسٹریچر پر آپ کو اندر لے جایا جائے گا۔''

''کیا ہوا اس ایمرجنسی والی مریضہ کا؟'' میں نے سوال کیا۔

''ٹھیک ہے وہ!'' اس نے نظر چرا کر کہا۔

''بچہ بھی ٹھیک ہے اس کا؟'' میں نے سوال کیا۔

''سب ٹھیک ہے...... آپ فکر نہ کریں ان کی!''

''مگر بچے کے رونے کی آواز تو نہیں آئی مجھے۔'' میں نے حیرت سے کہا۔ شنید یہی تھا کہ بچہ پیدا ہوتا ہے تو گلا پھاڑ کر روتا ہے۔

''آپریشن تھیٹر اور لیبر روم ساؤنڈ پروف ہوتے ہیں بی بی!'' اس نے وضاحت کی۔

''اچھا......''

''چلو آؤ بچو!'' آیا نے میرا گاؤن وغیرہ ٹھیک کیا، سر پر بندھا ہوا ململ کا اسکارف دوبارہ ٹھیک کر کے باندھا۔ ساتھ کے کمرے سے دو آدمی نکلے، انہوں نے میرے اسٹریچر کو دھکا لگا کر دیوار کی طرف کیا اور موڑ کر تھیٹر کی طرف چلانے لگے۔

''میں ایک بار اپنی امو جان کو مل سکتی ہوں؟'' میں نے التجائیہ لہجے میں کہا۔ جانے کیوں میرا ایک بار...... آخری بار امو جان کو ملنے کو جی چاہا تھا۔

''اب آپ سب کو آپریشن کے بعد ہی ملنا بی بی ان شاء اللہ!'' کمرے کا دروازہ وا ہوا اور اسٹریچر اندر داخل ہوا، یہ کمرا پہلے والے کمرے سے بھی ٹھنڈا تھا۔

☆☆☆

جانے یوسف کب تبلیغ کے لیے جائے گا؟

زائنہ کی طبیعت کو جانے اچانک کیا ہو گیا ہوگا؟

ارسل بھائی مجھے ملنے کے لیے آئے تھے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ٹھیک ہو گی اب؟

زین کو افسوس تو ہوا ہوگا کہ وہ آخری بار مجھے مل نہیں سکا؟

تمنا بھی کمرے میں نہیں تھی جب مجھے کمرے سے لایا گیا ہے...... اچھا ہے اس سے مل کر میں کمزور پڑ جاتی ہوں!

سب لوگ میرے لیے دعائیں کر رہے ہوں گے ناں؟

کیا کامل بھی؟

شامیر جانے اتنا مصروف ہوگا کہ اسے یاد بھی ہوگا کہ نہیں کہ آج میرا آپریشن ہے؟

امو جان آنسوؤں کے ساتھ، ساتھ اپنی صندل کی لکڑی والی تسبیح سمر رہی ہوں گی؟

ابو جان! کیا کر رہے ہوں گے، میرے لیے دعا یا میرے استقبال کی تیاری؟

زین اس امید پر ہوگا کہ میں اس کی زندگی سے ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے جانے والی تھی؟

آنکھیں موندے میں لیٹی ہوئی تھی، سوچیں دھڑ دھڑا کر دماغ کے دروازوں کو توڑتے ہوئے ایک کے بعد

ایک آ ئے جا رہی تھیں ۔ ایک بار تو جی چاہا کہ اٹھ کر بھاگ جاؤں مگر اس وقت تک میرے دونوں بازوؤں پر کوئی نہ کوئی آلہ لگ چکا تھا، بلڈ پریشر کے لیے اپریٹس اور ڈرپ کے لیے کینولا۔ تھیٹر کی آوازیں آپس میں مدغم ہو رہی تھیں، میں نے آنکھیں بند ہی رکھیں۔

''کیا نام ہے آپ کا بیٹا؟'' ایک نرم اور شفیق سی مردانہ آواز دائیں طرف سے آئی، اس ہاتھ پر کینولا لگا ہوا تھا، اس میں کچھ ٹھنڈا سا سرایت کیا تھا، میرے ہاتھ پر ایک گرم ہاتھ کا لمس تھا۔ میں نے پٹ سے آنکھیں کھولیں، تیز ترین روشنیاں عین میری نظر کے سامنے، میری آنکھیں چندھیا گئیں۔ کیا یہ دونوں منکر نکیر تھے، میں نے اپنے اوپر جھکے ہوئے دو لوگوں کو دیکھا۔ اوہوں! بائیں طرف تو وہ تھیں جو ڈاکٹر یاسمین کے ساتھ میرے کمرے میں صبح آئی تھیں اور دائیں طرف وہ نرم آواز والے سفید بالوں والے ڈاکٹر۔ وہ دونوں غالباً اینستھیٹسٹ تھے۔

''گل امرت!'' میں نے کہا۔

''بہت پیارا نام ہے!''

''تم ڈر تو نہیں رہیں؟'' سوال کیا گیا۔

''ہوں......شاید!'' میرا سر ہلکا ہو رہا تھا یا بھاری مگر کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔

''میں نے تمہاری ڈرپ اتاری ہے بیٹا اور اس میں بے ہوش کرنے کی دوا ڈالی ہے...... جب تم مکمل بے ہوش ہو جاؤ گی تو اس کے چند منٹ کے بعد تمہارا آپریشن شروع ہو جائے گا۔'' وہی نرم آواز۔ ''بے ہوشی کی دوا... فی الحال ہم نے تمہیں دو گھنٹے تک بے ہوش کرنے کے لیے دی ہے، اگر دو گھنٹے میں آپریشن مکمل نہ ہوا تو ہم اس میں ساتھ ساتھ مزید اضافہ کرتے رہیں گے۔ اگر تمہیں درد کا احساس ہوا تو اس کا مطلب ہے کہ بے ہوشی کی دوا کا اثر ختم ہو گیا ہے، ایسی صورت میں تمہارے چہرے کے تاثرات سے ہی ہمیں اندازہ ہو جائے گا۔ بے ہوشی کی دوا عموماً تو نہیں مگر کسی نہ کسی کیس میں چند فیصد تک، انسانی جسم میں اس طرح بھی اثر کر جاتی ہے کہ مریض کبھی ہوش میں نہیں آتا، ایسی صورتِ حال میں بے ہوش کرنے والا ڈاکٹر ذمّے دار نہیں ہوتا۔ اس کے لیے ہم نے آپ کے شوہر سے دستخط لے لیے ہیں کہ ایسے کسی ناگہانی حادثے کی صورت میں وہ ہمیں sue نہیں کر سکتے۔ جبھی ہم پہلے ہی مریض کی فل کیس ہسٹری لے لیتے ہیں اس سے پتا چل جاتا ہے کہ وہ بے ہوشی کس حد تک برداشت کر سکتا ہے۔ اینستھیٹسٹ کے ریکمنڈ کیے بغیر آپریشن نہیں کیا جاتا یا ایمرجنسی کے لیے انتظامات رکھے جاتے ہیں۔'' میں نے سوتے جاگتے میں وہ تمام گفتگو سنی۔

''تم ٹھیک ہو نا امرت؟'' بائیں جانب والی ڈاکٹر نے پوچھا۔

''ہوں......'' میں نے بولنے کی کوشش کی۔

''تمہارے شوہر کا نام کیا ہے؟'' دائیں والے ڈاکٹر نے سوال کیا۔

''میرا شوہر؟'' میں بڑبڑائی۔ ''مم مم......مم......'' میں منمنائی، سوچا اور اس کے بعد کچھ بول نہ سکی۔

''میں زین جمال......ولد جمال احمد......تمہیں یعنی امرت گل ولد کمال احمد کو...... بقائمی ہوش و حواس طلاق دیتا ہوں! میں جمال احمد ولد جمال احمد......امرت گل ولد کمال احمد کو طلاق دیتا ہوں...... میں زین جمال ولد جمال احمد......امرت گل، ولد کمال احمد کو بقائمی ہوش و حواس طلاق دیتا ہوں۔''

دھڑام دھڑام......دھڑام......ساری دیواریں میرے اوپر گر گئی تھیں اور میں اس کے بعد ہوش میں نہیں رہی تھی۔

(جاری ہے)

جڑواں

ہما بیگ

''بیگم، پیاری بیگم، کہاں ہو؟ جلدی سے اپنا مکھڑا تو دکھاؤ اور نہ تڑپاؤ۔'' شکیل نے گھر میں داخل ہوتے ہی بہ آواز بلند بیگم کو پکارا۔

ساتھ اس کے بچپن کا دوست حارث بھی تھا۔

''میاں صاحب خیریت تو ہے، آج تو اٹھارہ سال پہلے والے دولھا لگ رہے ہو۔ اور یہ کیا اٹھا



لائے۔'' قندیل نے حیرت بھرے لہجے میں شوہر سے سوال کیا۔

''بیگم آپ نے آج خبر ہی ایسی سنائی، دل چاہ رہا تھا کہ پوری دنیا کو خوش خبری سناؤں پھر سوچا آپ ناراض نہ ہو جائیں اس لیے صرف حارث کو بتایا، گاجر کا حلوا لایا ہے یہ آپ کے لیے۔''

''شکیل آپ بھی حد کرتے ہیں کوئی پہلی دفعہ تو نہیں ہے، دو بچے پہلے بھی تو ہیں ہمارے ایسی خوشی تو آپ نے پہلے نہیں منائی۔'' قندیل نے شرماتے ہوئے کہا۔

''بھابی ہمارا دوست بھی عجیب ہے، کب کیا کر بیٹھے پھر اس دفعہ تو جڑواں ہیں۔ اسی لیے خوشی سے پاگل ہو رہا ہے۔'' حارث نے پیار سے شکیل کے کندھے پر دھپ مارتے ہوئے کہا۔

''حد ہے آپ کو کہاں سے اطلاع مل گئی کہ جڑواں ہیں؟ کیا مستقبل کا حال بتانے والے کے پاس گئے تھے آپ دونوں؟''

''بس بھابی آپ دیکھ لیجیے...... اسی لیے تو شکیل اتنا خوش ہو رہا ہے اور کل سارے آفس کا منہ میٹھا کرائے گا؟'' حارث نے شکیل کو آنکھ ماری۔

''حد کرتے ہیں آپ دونوں بھی، لوگ مذاق اڑائیں گے، آپ بیٹھیں میں بچوں کو سلا کر آپ کے لیے اسپیشل کھانا بناتی ہوں۔'' قندیل نے ڈرائی فروٹ کی ٹرے ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''پیاری اور فی الحال اکلوتی بیگم آپ کچھ نہیں بنائیں گی، آج کھانا باہر سے آئے گا، ہم نے آرڈر دے دیا ہے، آپ آرام کیجیے۔ کھانا آتے ہی ہم آپ کو بلوالیں گے اوپر سے، گڈ گرل جاؤ بچوں کے پاس جاؤ۔'' شکیل بیگم کو اوپر بیڈ روم تک پہنچا کر واپس آ گیا تھا۔

☆☆☆

''امی، امی آپ نے کل اسکول کے لیے لنچ میں کیا بنایا ہے؟'' فہد نے ماں سے پوچھا جو ڈرامے میں کامیڈی سین دیکھتے ہوئے بے ساختہ ہنس رہی تھی۔

''اوہ اچھا ہوا یاد دلا دیا، آپ کے ابو نے بھی آج سب کچھ بھلا دیا تھا۔ میں ابھی نیچے جا کر چپکے سے لنچ باکس تیار کرتی ہوں، آپ دونوں اچھے بچوں کی طرح سو جائیں۔''

آج قندیل ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ اتنی محبت، اتنا پیار، شوہر سے کافی عرصے بعد ملا تھا۔ دبے قدموں سیڑھیاں اتر کر کچن میں آ گئی۔ کچن سے ملحق ڈرائنگ روم سے دونوں دوستوں کی باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اور ساتھ، ساتھ قہقہے بھی بلند ہو رہے تھے۔

''حد کرتے ہو حارث تم بھی، جو منہ میں آتا ہے بولتے چلے جاتے ہو، پتا بھی ہے عورتیں کتنی شکی ہوتی ہیں، جڑواں بچے کہنے کی کیا ضرورت تھی بھلا؟'' حارث نے جواب میں قہقہہ لگایا۔

''یار تم نے حرکت ہی ایسی کی ہے، کمال ہی کر دیا، کیا پرفیکٹ ٹائمنگ ہیں، بھابی بیچاری سیدھی سادی خاتون ہیں، خوش ہو گئیں۔ انہیں کیا پتا یہ تمہارے دوسرے نکاح کی دعوت کا گاجر کا حلوا ہے اور اب تو دونوں کی پریگنینسی رپورٹ بھی ایک ساتھ ہی پوزیٹو آئی اور یوں آپ کو زرمین سے نکاح کرتے ہی بنی...... نہیں کرتے تو اس نے بھابی کو خبر کر دینی تھی۔ اب تو تمہاری پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑھائی میں ہے ہاہاہا......'' بات کے اختتام پر ان کے مکروہ قہقہے اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہے تھے۔ اور قندیل اپنی جگہ ساکت کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ شاید ایک سیکنڈ یا اس سے بھی کم وقت لگا تھا اسے آسمان سے زمین پر آنے میں۔



حلال تربیت

ماہ وش طالب

یہ ایک پرائیویٹ کالج کا سیمنار ہال تھا۔ کچھ دیر قبل یہاں پن ڈراپ سائلنس تھا۔ مگر اسپیکرز کے چلے جانے کے بعد ایک ہلچل سی مچی تھی اور لڑکیاں... ریفرشمنٹ ہال کی جانب بڑھنے لگیں۔

''اسے دیکھو......'' ماہم دہی بلے اپنی پلیٹ میں ڈال رہی تھی۔

''اسے ہی دیکھنا ہے اب تو، سر عبید سے بھی کیسے اٹھ، اٹھ کر سوال کر رہی تھی۔'' سموسے پلیٹ میں نکالتی سدرہ نے بھی اس کا اشارہ سمجھ کر بھرپور تائید کی۔

''تیور تو پہلے دن سے ہی نرالے تھے محترمہ کے۔'' وہ دونوں، سرخی سے رنگے لب، چست لباس پہنے آنکھیں پٹپٹا کر تیز طرار انداز میں بولتی سارہ کی جانب دیکھ، دیکھ کر سرگوشیاں کر رہی تھیں۔

سارہ ان کی کلاس فیلو تھی اور سلام دعا کی حد تک

دوست بھی مگر اپنی لچھے دار باتوں سے پوری کلاس کو اس نے اپنا گرویدہ بنایا ہوا تھا۔

☆☆☆

نسا بیوٹی پارلر اس علاقے میں سب سے مشہور پارلر تھا۔صرف محلے کی نہیں بلکہ آس پاس کے گاؤں کی خواتین بھی شادی بیاہ کے لیے خصوصاً یہاں کا رخ کرتیں......سات مرلے کے گھر کا تین چوتھائی حصہ پارلر کے لیے مختص تھا۔اس لیے نبیحہ کو گھر کی الگ سے فکر نہیں رہتی تھی۔

''آپ پہلی بار آئی ہو، اس لیے آٹھ سو روپے میں آپ کو ہزار والا ہربل فیشل کروں گی۔'' وہ اپنے کسٹمر کو ریگولر کلائنٹ بنانے کے لیے رعایت دے رہی تھی۔''تمہاری اسکن میں گلو(چمک) ہے۔باقاعدگی سے کرواتی رہا کرو ورنہ ساری کشش ماند پڑ جائے گی۔'' آخر میں پے منٹ وصولتے ہوئے اس نے مشورہ دیا۔ڈائی کیے بال، شاکنگ لپ اسٹک لگائے اور کانوں میں سونے کے چھوٹے، چھوٹے بندے پہنے وہ پینتیس، چھتیس برس کی بظاہر نفیس خاتون لگتی تھی۔ اپنے ہنر کی مہارت اور پارلر کی تیار شدہ کریموں نے اس کے چہرے کو بھی رونق بخشی ہوئی تھی۔کچھ ہفتوں بعد وہ نوجوان لڑکی پھر اس کے پارلر میں موجود تھی۔

''باجی میں نے سنا ہے کہ آپ کے پارلر سے بڑی اچھی کریم ملتی ہے، ایک مہینے میں نکھار آتا ہے۔'' پلکنگ اور اپرلپس کروانے کے بعد وہ نبیحہ سے بولی۔

''ہاں......ہاں، تم بھی استعمال کر کے دیکھنا، کتنا واضح فرق نظر آتا ہے نگار تم ان کا فیشل کرو۔'' نبیحہ نے اپنی ماتحت کو دوسری کسٹمر کے لیے ہدایت جاری کی۔

''بس میں ناں ایک دو، دنوں میں چکر لگاؤں گی بھابی کے ساتھ۔آپ کریم تیار رکھیے گا۔'' وہ کہہ کر چلی گئی۔اور پھر آنے والے دنوں میں نبیحہ اس لڑکی کی فیملی بیوٹیشن بن گئی۔کوئی خاص کام نہ بھی ہوتا تو وہ محض مشورہ کرنے کے لیے آجاتی۔

''ریشم تمہاری بات وات پکی ہوئی کہیں؟''

''ارے باجی کیا پوچھ لیا......بات تو بچپن سے طے ہے، اب آپ سے کیا چھپاؤں۔'' وہ تو جیسے مقابل کے پوچھنے کی منتظر تھی۔نبیحہ کے لیے ریشم کا غم حیران کن نہیں تھا۔اس کے پارلر میں اکثر ایسی لڑکیاں آتی تھیں۔ ماں، باپ کی زور زبردستی پر شادیاں کی ہوئیں۔ادھوری تعلیم لیے یا اپنی نصیب کی ماری ہوئی۔اس کے دوستانہ مزاج کی وجہ سے جلد ہی آنے والیاں اس کی سہیلیوں اور ریگولر کلائنٹ کی لسٹ میں شامل ہو جاتیں۔یوں بھی یہ اس پیشے کا خاصہ بھی تھا اور تقاضا بھی؟

''تم منع کر دو، اپنے تایازادے سے بات کر کے دیکھو۔''

''نہ جی، منہ سے کچھ بولنے کی میری کہاں جرأت، اس لکڑہارے کو خواہ مخواہ سر پر چڑھاؤں، میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔'' ڈرے، ڈرے لہجے سے بھی بغاوت کی بُو اٹھنے لگی۔

''کیا کرو گی پھر تم؟'' نبیحہ کو اچنبھا ہوا۔

☆☆☆

آج ٹیچر شاید معمول سے کچھ زیادہ ہی لیٹ ہو گئے تھے تبھی لڑکیاں اپنی خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔

''یار میں اکثر حیران ہوتی ہوں، یہ لڑکی صبح کتنے بجے اٹھتی ہوگی، ہمیں تو جلدی میں ناشتا کرنے کا بھی وقت نہیں ملتا اور یہ محترمہ کیسے الگ سے تیار ہو کر آتی ہے۔'' سدرہ کو ہر روز جدید ہیئر اسٹائل بنانے والی سارہ سے چڑ تھی۔

''مجھے لگتا ہے اس کے گھر میں کوئی بیوٹیشن ہے، تبھی اتنی مہارت سے میک اپ کیا ہوا ہوتا ہے۔بال بنے ہوئے ہوتے ہیں۔'' ساتھ بیٹھی فائقہ نے بھی قیاس کے گھوڑے دوڑائے۔

''ہائے اللہ، میری مما تو مجھے کبھی یوں تیار نہ ہونے دیں، اسکن بھی خراب ہو جاتی ہے اور انہیں ویسے ہی نہیں پسند اتنی سی عمر میں لڑکیوں کا یوں بڑوں کی طرح سرخی پاؤڈر لگانا۔'' ماہم نے تحیر بھرے لہجے میں کہا تو سب قہقہہ لگا کر ہنس دیں۔

''اچھا بھئی میں نے سنا ہے کہ اس کا وین انکل

سے افیئر ہے۔'' لائبہ کو اچانک بریکنگ نیوز دینا یاد آئی تو وہ سرگوشی کے سے انداز میں بولی۔

''ہووو......'' ماہم نے منہ پر ہاتھ رکھا۔

''سارہ کا؟'' سدرہ کو یقین نہیں آیا۔

''تم کو کس نے بتایا۔'' فائقہ بھی تصدیق چاہتی تھی۔

''ارے بھئی میری وین میں جاتی ہے، کافی دنوں سے دوسری لڑکیاں بھی نوٹ کررہی تھیں، پہلے اپنی دوستوں کے ساتھ پیچھے ہی بیٹھتی تھی لیکن اب تو آتے جاتے فرنٹ سیٹ پر ہی چپک کر بیٹھی ہوتی ہے اور اپنی مرضی سے ہی گانے لگواتی ہے۔'' لائبہ کے پاس authentic خبر تھی۔

''تمہارے وین انکل کیسے ہیں دیکھنے میں؟''

''ہم م م......پینتیس، چالیس کے شاید گندے، میلے سے پان کھانے والے۔'' ماہم کے استفسار پر لائبہ نے برا سا منہ بنا کر بتایا۔

''ہائے دیکھو بندہ ڈرائیور کو تو چھوڑ دے، کیسا دور آ گیا ہے۔'' فائقہ نے اپنی ہائی پونی ٹیل مزید کسی۔

''صحیح کہہ رہی ہو یار، میری باجی کے کالج میں ہر تیسری لڑکی کا ڈرائیور (وین، بس یا اپنے گھر کے) کے ساتھ چکر ہوتا ہے اور کچھ تو انہی کے ساتھ بھاگ بھی چکی ہیں۔'' یہ سدرہ تھی۔

''اللہ معاف کرے، اس لڑکی نے پہلے کلاس کو اور اب پورے کالج کو پیچھے لگا کر رکھا ہوا ہے۔ ہے کیا یہ بوٹے سے قد کی چھپنی لڑکی......'' ماہم نے نخوت سے ایک نظر اسے دیکھا اور تبصرہ کرنے لگی۔ سر منیر کی کلاس میں ایک نیا موضوع چہ مگوئیوں کے لیے مل گیا تھا سب لڑکیوں کو۔ بیل بجی، بریک ہو گئی تھی۔ اب کلاس روم خالی ہونے لگا تھا۔

☆☆☆

سارہ نوٹس کاپی کرا کے بک شاپ سے باہر آنے لگی تو اندر داخل ہوتی ماہم سے ٹکرائی جس سے اس کے نوٹس زمین پر بکھر گئے، وہ سوری کہتے ہوئے نیچے جھک کر انہیں سمیٹنے لگی، اس کام سے فارغ ہوئی تو ماہم جوں کی توں کھڑی تھی۔

''تمہیں بھی اب مجھے سوری کہنا چاہیے۔'' اس کے یوں خاموش کھڑے رہنے پر سارہ نے دوستانہ انداز میں کہا۔

''کیوں......؟ میں گلی، گلی آوارہ پھرنے والی لڑکی سے سوری نہیں کہہ سکتی۔'' اس کے لہجے میں کاٹ تھی، جس کا زہر سارہ کی آنکھوں میں انڈیل کر وہ کاؤنٹر کی جانب بڑھ گئی۔ سارہ ناسمجھی اور بے عزتی کے احساس سے لال ہوتی، سست قدم بڑھانے لگی۔

☆☆☆

''تم نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے؟ اتنی بڑی غلطی کررہی ہو......'' ریشم اس کے پارلر کا فاصلہ طے کرکے ڈرائنگ روم تک پہنچ گئی تھی۔

''باجی سارے حالات تو آپ کو بتا دیے میں نے، اماں میری تو ابھی سے پھولے نہیں سما رہیں کہ ان کے سر سے بوجھ اترے گا۔ جمال نے کہا ہے مجھ سے کہ ہر طرح سے وہ میرا ساتھ دے گا، مجھ سے محبت جو اتنی کرتا ہے وہ، اس سے پہلے کہ میری شادی کے کارڈ بٹ جائیں، میں خود اس جہنم سے نجات چاہتی ہوں۔'' اٹھارہ برس کی لڑکی کی آنکھوں میں اندھی محبت کا نشہ ڈول رہا تھا۔

''اچھا تو پھر کیسے کرو گی تم یہ سب؟'' خلافِ معمول آج پارلر میں رش کافی کم تھا۔ اس لیے تیبجہ فرصت سے بیٹھی تھی۔

''باجی آپ میری مدد کریں گی۔'' وہ سرگوشی میں بولی۔

''کیا مطلب؟ کیا کہہ رہی ہو، تمہیں پتا ہے میرے پارلر کی شہرت کتنی اچھی ہے، اپنے ساتھ، ساتھ مجھے بھی بدنام کراؤ گی۔'' تیبجہ ناگواری سے بولی۔

''چھوڑیں باجی، پارلروں کی شہرت، یہ کاروبار کبھی ٹھپ نہیں ہوسکتا۔ آج کل کوئی بھی دودھ کا دھلا نہیں ہے۔ گندی، مندی، سندی......ہر طرح کی عورت اس پارلر میں آ آتی ہے، کیا فرق پڑ گیا؟'' ریشم کی صاف گوئی پر

وہ نظریں چرا گئی پھر کچھ لمحوں بعد وہ سنبھل کر بولی۔
''تم جو بھی کہو...... میرا پارلر دوسروں سے مختلف ہے، میں اس غلط کام میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی، مجھے فائدہ بھی کیا۔'' ریشم مایوس ہوگئی۔
''دیکھ لیں ناں باجی بس جمال دروازے کے باہر ہی کھڑا ہوگا۔ بس میں اپنا ضروری سامان......'' وہ کہتے، کہتے رکی۔
''ویسے فائدہ تو آپ کو بھی بہت ہوسکتا ہے، آپ ہامی تو بھریں۔''
''کیا کہنا چاہ رہی ہو تم؟'' نبیحہ ناسمجھی سے بولی مگر آنکھیں چمک اٹھیں، آخر برسوں سے پارلر چلا رہی تھی۔ جہاندیدہ عورت تھی۔
''جس شام میں آپ کے پارلر آؤں گی' اپنے زیورات میں سے ایک کنگن آپ کو دے کر جاؤں گی۔ اب بولیں۔'' ریشم جواب بلکہ داد کی منتظر تھی اور نبیحہ کی اب آنکھیں ہی نہیں چہرہ بھی چمک رہا تھا۔ ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆☆☆

سینڈاپس کی تیاری میں سارہ کے حوالے سے گوسپ کو سب بھول چکے تھے، ویسے بھی موضوع پرانا ہو چکا تھا۔ وہ سب آخر کب تک اس کی مٹی پلید کرتیں۔ ماہم آج سدرہ کو کافی بے چین سی لگی۔ تبھی بریک کے بعد کلاس میں جاتے ہوئے اس نے ماہم سے وجہ جاننا چاہی۔
''کچھ خاص نہیں' میرے سر میں درد ہے، تم جاؤ میں کلاس نہیں لے پاؤں گی۔'' اس نے کنپٹیاں دباتے ہوئے کہا۔
''زیادہ طبیعت خراب ہے تو آؤ ڈسپنسری چلتے ہیں۔''
''ارے نہیں، تم کیوں میری وجہ سے لیکچر مس کروگی، میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں، تم جاؤ۔''
''اچھا ٹھیک ہے...... مگر زیادہ درد ہو تو ٹیبلیٹ لے لینا۔'' سدرہ ہدایت کرتی کلاس روم میں داخل ہوگئی۔ مگر جب ماہم آخری پیریڈ تک کلاس میں نہ آئی تو سدرہ سمیت سب دوستوں نے اسے ڈھونڈنا چاہا مگر وہ غائب تھی۔
''ہوسکتا ہے ہاف لیو لے کر چلی گئی ہو، میں گھر جا کر فون کروں گی کہ خیریت تو ہے ناں......'' لائبہ نے تسلی دی۔
''سوری یار بس مجھے بخار بھی ہو رہا تو سوچا پرنسپل سے سائن کروا کر گھر چلی جاؤں۔ موبائل بھی چیک نہیں کیا، ورنہ میسج کر کے بتا دیتی۔'' اگلے دن وہ اس کو گھیرے بیٹھی تھیں۔ اس کے یوں وضاحت کرنے پر سب کی تسلی ہوگئی۔ آنے والے دنوں میں اس کا سر درد بڑھنے لگا۔ اس کی سہیلیوں کے لیے ماہم کی یہ غیر ذمے داری حیران کن تھی۔
''یہاں ہو تم، میں اور لائبہ کب سے ڈھونڈ رہے ہیں، اب تمہاری فکر لگی رہتی ہے، کہیں کچھ ہو نہ گیا ہو تمہیں۔'' سدرہ بیگ کو دائیں کندھے سے بائیں پر منتقل کر رہی تھی۔
''نہیں یار سر نوید سے انسٹالمنٹ کی بات کرنی تھی، یہ والی فیس بہت زیادہ ہے تو سوچا ڈبل انسٹالمنٹ کروالوں۔'' وہ انہیں چالان فارم دکھا رہی تھی۔
''ہاں، فیس تو واقعی بہت زیادہ ہے اور یہ اکاؤنٹنٹ سر تو ہیں بھی کھڑوس۔ تمہاری بات سن لی کیا؟''
''کہہ رہے ہیں کہ پرنسپل سے سائن کرواؤں، تم دونوں جاؤ' میں میڈم سے بات کر کے آتی ہوں۔''
''چلو ٹھیک ہے، ہم نے ٹیسٹ بھی ریوائز کرنا ہے۔'' وہ دونوں کلاس روم کی جانب بڑھیں تو وہ پھر اکاؤنٹ آفس میں چلی گئی، پندرہ منٹ بعد نکلی تو چہرے کے تاثرات ہی الگ تھے مگر سامنے لائبریری سے نکلتی سارہ کو دیکھ کر اس نے تنفر سے آنکھیں پھیر لیں۔ وہ پرنسپل آفس کی جانب بڑھنے لگی۔
''ماہم۔'' اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی رک گئی۔
''تم ٹیسٹ نہیں دوگی؟'' سارہ نے مہینوں پہلے کی اس کی تلخ کلامی کے باوجود نرمی سے پوچھا۔
''ہاہ...... مجھ سے پوچھ کون رہا ہے؟'' ماہم نے حقارت سے الٹا سوال کیا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"میرے بارے میں تو سب کو پتا ہے‘ اس لیے کوئی نوٹس نہیں لیتا مگر تمہاری ان غیر موجودگیوں کی سب کو وضاحت چاہیے۔"

"کیا مطلب......؟" ماہم بولی۔

"میں تمہاری طرح دوغلی پالیسی پر یقین نہیں رکھتی ماہم۔" سارہ پہلے کی طرح پُرسکون تھی۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے ساتھ الٹی سیدھی بکواس کرنے کی؟ اوقات دیکھی ہے اپنی۔" کلاس ٹائم ہونے کی وجہ سے کاریڈور ویران تھا۔ ماہم جی بھر کے اس سے نفرت کا اظہار کر رہی تھی۔

"اوہ...... جگہ، جگہ کوڑا جمع کرنے والی لڑکی ماہم شعیب اب مجھے میری اوقات بتائے گی۔" سارہ ایک قدم آگے بڑھی تھی اور اس کے کان میں سرگوشی کے سے انداز میں یہ فقرہ انڈیل کر چلی گئی۔ ماہم جواباً کوئی سخت فقرہ کہنے ہی والی تھی کہ لفظ کوڑا نے اس کے لب سی دیے۔ اس کی رنگت زرد ہوئی اور پھر خاموشی سے اسے کلاس کی جانب بڑھتا دیکھنے لگی۔

☆☆☆

بڑھتی تاریکی اور سیاہی اپنا آپ دکھا رہی تھی۔ پارلر میں اس وقت کوئی کسٹمر نہیں تھا۔ وہ پینتالیس منٹ سے اس کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی اور پھر یکایک کیچڑ کو پچھاڑتی بائیک کی آواز سنائی دی۔ جو قریب آتے، آتے دروازے کے پاس آ کر ختم ہوگئی۔ اس نے دھڑکتے دل سے اس کی جانب دیکھا۔

"ایک بار پھر سوچ لے ریشم......"

"اب سوچنے سمجھنے کا وقت گزر گیا۔ میں جا رہی ہوں، میرے گھر والوں میں سے کوئی آئے تو کسی کو کچھ مت بتانا، اپنا خیال رکھنا اور یہ آپ کا تحفہ جی۔" آخر میں اس نے کپڑے کے بیگ میں سے ایک پوٹلی نکال کر کھولی اور ایک بھاری کنگن نبیحہ کے حوالے کیا۔

"بڑا قیمتی ہے یہ پرانے وقتوں کا، میرے پاس کوئی چارہ نہیں تھا، سوائے اس طرح بھاگنے کے، میری اماں نے تو میرے باہر نکلنے پر بھی پابندی لگائی ہوئی ہے پندرہ دن سے وہ تو شوق میں مہندی اور ابٹن خریدنے کے بہانے اجازت لی بڑی مشکل سے، اچھا میں چلتی ہوں، پچھلا دروازہ کھلا ہے ناں؟"

"ہاں، ہاں، جلدی جاؤ۔" نبیحہ نے وہ کنگن لاکر میں رکھا اور اسے رخصت کرنے لگی۔ "اللہ حافظ!"

دروازے کی جھری سے اس نے سیاہ کڑھائی والی چادر میں لپٹی نگاہ چراتی ریشم کو اٹھائیس، تیس برس کے لڑکے کے پیچھے بائیک پر بیٹھتے دیکھا۔ اس کے بھاگنے کے اگلے دن ریشم کی بھابی آئی، تھوڑی سی پوچھ گچھ کے بعد وہ مایوس ہو کر لوٹ گئی۔ نبیحہ نے بہت بڑا رسک لیا تھا مگر خوش قسمتی سے اسے ان حالات کا سامنا نہیں کرنا پڑا جن کا سامنا کرنے سے وہ ڈر رہی تھی۔ سرخ موتیوں والا کنگن اس نے انتہائی احتیاط سے اپنے کمرے کی الماری والے لاکر میں منتقل کر دیا۔ اب وہ

غزل

یہ قلم جو ہُوا ہے آئینہ
بچوں جیسا کھرا ہے آئینہ
عکس در عکس مجھ پہ روشن ہے
اس کا چہرہ بھی کیا ہے آئینہ
میرے دل کی طرح ہے وہ بھی حسین
چاند جیسا سجا ہے آئینہ
دے گواہی ہر ایک بات کی
دل کا شیشہ ہوا ہے آئینہ
اس کی صورت دکھاتا ہے ہر پل
اس کا شیدا بنا ہے آئینہ
آئینہ میں نے دیکھا تو جانا
کچھ بھی ہو، آئینہ تو ہے آئینہ
مجھ کو دکھلائے راہِ حقیقت
خانم ایسا مرا ہے آئینہ

کلام: فریدہ خانم، لاہور

بہت پُرسکون تھی۔

☆☆☆

اس دن کے بعد سے سارہ اور ماہم میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ ماہم نے اسے اپنے حوالے سے کوئی وضاحت نہیں دی تھی اور نہ سارہ نے اس کے منہ لگنے کی ضرورت محسوس کی۔ ماہم کے سر کا درد بھی ختم ہوگیا تھا۔ تبھی وہ کلاسز بھی باقاعدگی سے اٹینڈ کرنے لگی تھی۔ وقت آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور ان کے سیکنڈ ائیر کے سالانہ امتحان آن پہنچے۔

''ماہم اس وقت کیوں جاگ رہی ہو؟'' اسے ٹیرس پر کتاب ہاتھ میں پکڑے سوچوں میں گم دیکھ کر ماما نے پوچھا۔

''ماما تھوڑا سا پڑھ لوں، آپ لائٹ بند کر کے سو جائیں، میں کچھ دیر بعد اپنے کمرے میں چلی جاؤں گی۔'' اس نے کتاب چہرے کے آگے کرلی۔

''ٹھیک ہے، تمہارے پاپا تو ویسے بھی کل صبح ہی گاؤں سے لوٹیں گے۔'' وہ اندر چلی گئیں اور لائٹ بجھا کر اپنا تکیہ درست کرنے لگی۔

اگلی صبح بارہ بجے کے قریب پارلر جانے سے پہلے جانے کیا سوجھی کہ الماری کا لاکر کھول کر تسلی کرنی چاہی...... اور پھر انہیں اپنی بصارت پر یقین نہیں آیا۔ دل دھک سے رہ گیا۔ یہ دیکھ کر کہ وہ کنگن...... کنگن اپنی جگہ پر موجود تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی رکھا نیبھہ کا اپنا سونے کا قیمتی سیٹ اور بھاری مالا غائب تھے، لمحوں میں اس کا چہرہ پسینے سے بھیگ چکا تھا۔ اس نے پوری الماری کھنگال ڈالی، وہ بچوں کے کمرے میں بھی گئی۔ ماہم کی ساری الماری خالی تھی۔ اپنی چھوٹی بیٹی فضا کا کیبنٹ چیک کرتے ہوئے وہ بری طرح ٹھٹکی تھی۔ ساری درازیں ان لاکڈ تھیں غیر معمولی طور پر سن ہوتے دماغ اور لہجے میں بے یقینی لیے اس کے لبوں سے کانپتی ہوئی سرگوشی برآمد ہوئی۔

''ماہم......''

☆☆☆

مشرق سے سیاہ بادل جوق در جوق کسی ناگ کی طرح آگے بڑھ رہے تھے۔ کیچڑ سے وہ لت پت ہو رہی تھی مگر اسے پروا نہیں تھی۔ اسے ان گندے راستوں سے گزر کر جلد از جلد منزل تک پہنچنا تھا۔ خواہ منزل اس سے بھی زیادہ خطرناک اور آلودہ ہتھیاروں سے لیس ہو۔ سر نوید...... ہی تو اس کی منزل تھے، نیلی چادر اوڑھے ایک ہاتھ میں کالے رنگ کا بیگ تھامے وہ کانپتی ٹانگوں کو مضبوط کرتی چوبرجی اسٹاپ تک پہنچی، جہاں بائیک پر سر نوید اس کا انتظار کر رہے تھے۔

''شکر ہے تم آگئیں، میں تو امید چھوڑ بیٹھا تھا جب سے میڈم نے مجھے نوکری سے نکالا ہے، میں تو کنگال ہوگیا ہوں، سوچا تم بھی مجھے دھوکا دو گی۔'' آج فضا میں حبس بھی کچھ زیادہ تھا۔

''نوید ایسا کیسے سوچ لیا آپ نے میرے بارے میں، میں نے تو آپ کے بارے میں جانتے ہوئے بھی آپ کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔'' ماہم کو اپنی ذات پر ان کی عدم اعتمادی اچھی نہ لگی۔

''ہاں بھئی نوازش آپ کی...... تم لائی ہو ناں سامان...... شروع، شروع میں تو مانگ تانگ کر بندوبست کرنا ہے مجھے، میرا مطلب ہے ہم دونوں کو۔'' انہوں نے ذرا کی ذرا جھجکتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں، بیگ میں ہے، آپ فکر نہیں کریں، وہ، وہ......'' ماہم ہچکچائی۔ ''نکاح خواں......؟''

''صبر، صبر میری جان صبر...... میں بس فون کرتا ہوں، تھوڑی دیر تک آجائے گا۔ تم یہاں آرام سے بیٹھو، یہ جوس پیو...... میں بیگ سنبھالتا ہوں اور نکاح خواں کو بھی دیکھتا ہوں، کہاں رہ گیا۔'' وہ میز کی سائڈ سے گزر کر ایک طرف بنے کمرے میں چلے گئے۔ ماہم کے پسینے چھوٹ رہے تھے، اس نے گلاس میں بھرے مشروب کا ایک گھونٹ نہ لیا۔ اسے لگا وہ کچھ دیر اور اسی طرح رہی تو بے ہوش ہو جائے گی۔ چار و ناچار جوس پی کر اس نے اٹھنے کی ہمت کی اور پانی کی تلاش میں اس کچے مکان کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئی۔ قبل اس

کے کہ وہ نوید کو پکارتی ان کی سرگوشی مگر کسی حد تک واضح ہوتی آواز نے ماہم کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ لی۔

''لے یار! تیرا مال بھی آ گیا ہے اور میرا بھی...... آ جا اب جلدی سے، میرے پاس ہی ہیں دونوں، تو پہنچ جلدی۔'' دوسری جانب سے نہ جانے کیا پوچھا گیا تھا۔ وہ گھبرائی، ساکت ہوئی اور پھر جیسے بجلی کی سی تیزی سے اندر آئی۔ وہ بنا آواز پیدا کیے بیرونی دروازے تک پہنچی ایک نظر پیچھے مڑ کر دیکھا اور دروازہ پار کر گئی۔ یہ جانے بغیر کہ اب اس کی منزل کیا ہوگی۔

☆☆☆

نسا بیوٹی پارلر آج سے غیر معینہ مدت کے لیے بند تھا۔ انتظار کرتے، کرتے جب امید کے سارے دیے بجھ گئے تو منہ سر لپیٹ کر وہ لیٹ گئی۔ آنسو آنکھوں کی باڑ پھلانگنے کو بے تاب تھے پر وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ باہر کھٹکا ہوا تھا اچانک، وہ بے تابی سے اٹھی مگر بدقسمتی سے اسے رکنا پڑا۔

''باجی...... نی باجی۔'' اسے بے اختیار ناگوار... سی بُو محسوس ہوئی۔

''باجی جی کوئی ہے۔'' وہ جو بھی تھی مسلسل دروازہ بجائے جا رہی تھی۔ تنگ آ کر اسے جواب دینا پڑا۔

''معاف کرو بی بی۔'' اسے اپنی آواز میں بھاری پن محسوس ہوا۔

''نی بار آ کے اِک واری گل تے سن لا (ایک بار بات تو سن لو آ کر)'' ردِ عمل دیکھ کر وہ بھکارن مزید پھیل گئی۔ نبیحہ جانتی تھی اب وہ جلدی ٹلے گی نہیں۔

''نی باجی میرا بندہ پچھلے سال دا مریا اے، اگلے ہفتے میں اپنی دھی دا ویاہ کرنا اے، کج اماں دا بھلا کر۔ اللہ تینوں بوہتا دے گا۔'' شکل پر انتہائی مسکینیت طاری کر کے وہ عورت اپنی غرض پیش کر رہی تھی۔

''نہیں ہے کچھ بی بی۔ معاف کرو، اب دوبارہ نہ آنا۔'' نبیحہ نے قطعی لہجے سے کہا تو وہ بھکارن مایوسی سے پلٹنے لگی۔ وہ دروازہ بند کر کے ڈھیلی چال چلتی، ابھی لاؤنج میں پہنچی ہی تھی جب ایک خیال نے اچانک اس کے قدم روکے، وہ مڑی، جلدی سے دروازہ کھول کر گلی کے دائیں جانب دیکھا۔ وہ ویران تھی۔ دوسری جانب دیکھا تو بیوہ بھکارن ٹیڑھی چال چل رہی تھی۔

''اے سنو......'' وہ اسے روک کر واپس آنے کا کہہ رہی تھی اور خود جلدی سے کمرے میں چلی گئی۔ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں سرخ موتیوں والا کنگن تھا، لرزتے ہاتھوں سے اس نے وہ بھکارن کے حوالے کیا اور اس کی حیرت کی پروا کیے بغیر دروازہ بند کر دیا۔

بچے اسکول سے آنے والے تھے اور ان کا دھیان کسی بھی غیر معمولی بات کی جانب کروائے بغیر انہیں ٹیوشن بھیجنا تھا۔ شعیب صاحب آتے تو نہ جانے کیا ہوتا۔ وہ بکھری، بکھری اپنے آپ کو سمیٹنے کی کوشش کرنے لگی.... فی الحال اس نے وضو کیا اور جائے نماز بچھا کر کھڑی ہوگئی۔ اور کچھ دیر بعد ہی سجدے کی جگہ دھندلا گئی، آنسو کسی چشمے کے مانند جاری ہونے لگے۔ وہ کانپ رہی تھی۔ سجدہ کرتے، رکوع کرتے...... تشہد پڑھتے اور سلام پھیرتے...... دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہوئے، آنسو ہی اس کی...... دعا بن گئے، باتیں دل میں رہ گئی تھیں۔

دوپہر کے سائے ڈھلنے لگے تھے، اپنے اعمال سے قطع نظر وہ اس وقت صرف اس کی رب کی رحمت کے سہارے ماہم کے لوٹ آنے کی امید لگائے بیٹھی تھی۔

☆☆☆

وہ جونہی اس علاقے سے باہر نکلی، اس میں تھوڑی سی ہمت آ گئی۔ وہ فیصلہ کر سکتی تھی کہ اسے کہاں جانا ہے۔ ''جگہ، جگہ کوڑا جمع کرنے والی۔'' گرم سیال... بے رحمی سے آنکھوں سے رواں ہونے لگا، وہ گردن سے پاؤں تک خود کو کیچڑ میں لتھڑا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ یہ کیچڑ کیسے دھل سکتی تھی...... کیسے؟ ماما؟ ہاں، ماں کے سینے سے لگ کر، ان کے پیروں میں گر کر...... معافی مانگنے سے...... ہاں تبھی...... تب ہی اس کی گندگی سے نجات ممکن تھی تاکہ وہ اللہ کے غیظ و غضب سے بچ سکے۔ اسے شام سے پہلے، پہلے گھر پہنچنا تھا۔



ع عورت بنجر

ایک عام تاثر یہی ہے کہ عورت ایک کمزور اور کم تر ہستی ہے . . . مگر یہی کمزور اور کم تر ہستی صنف مخالف پر کس، کس طرح اثر انداز ہوتی اور وقت پڑنے پر چٹان جیسی مضبوطی بھی دکھاتی ہے۔ حروف تہجی کے اعتبار سے شروع ہونے والے اس نئے سلسلے عورت کہانی میں ہماری معروف قلم کار **فرحین اظفر** نے یہی بتانے کی کوشش کی ہے۔

جداگانہ موضوعات لیے کہانیوں کا نیا سلسلہ آپ جیسے باذوق قارئین کی نذر

''بنجر عورت کی مثال اس زمین جیسی ہوتی ہے جسے تھور لگ جاتا ہے۔ بات تو کڑوی ہے بہن پر وہ عورت کسی کو کچھ دے نہیں سکتی......''

باتیں، الفاظ، تبصرے، تجزیے، مشاہدے اور تجربے......

ایک زندگی گزر گئی تھی اسے اس طرح کی... باتیں سنتے ہوئے۔ عورتیں آتیں اسے دیکھتیں اس کی حالت پہ ترس کھاتیں پر اس کے اپنے منہ سے افسوس اور پچھتاوے کا ایک بھی لفظ سننے میں ناکام رہتیں۔

اسے تو لوگوں نے ہر آن، ہر لحظہ شکر ادا کرنے والوں میں پایا تھا۔ اس کے خیال میں چوہدری رحمت انسان نہیں فرشتہ تھا، جس نے اپنی زمین سے رشتہ بنائے رکھا تھا۔



رحمت اس کا حوالہ تھا اور بلاشبہ اس کے لیے رحمت ہی تھا۔ نہ کبھی طعنے نہ تشنے، نہ کوئی دھمکی......

نور کے تڑکے اٹھ کے زمینوں پہ نکل جاتا، پر جانے سے پہلے سکینہ کے ہاتھوں کے بلوئے ہوئے مکھن کے پیڑے اور اصلی گھی سے تر بتر پراٹھا کھانا نہ بھولتا۔ اس کا تنومند جثہ اور بڑھی ہوئی توند اس کی خوش خورا کی کا ثبوت تھی۔ اور اس کا وسیع حلقۂ احباب اس کی خوش اخلاقی کی سند تھے۔ یار دوستوں میں وہ کھلے دل کا مالک اور یاروں کا یار تھا تو کمی کمینوں میں بھی اپنے نام کے مانند رحمت تھا۔

گاؤں میں اس کے پائے کے بلکہ اس سے بھی زیادہ زمینوں کے مالک زمیندار تھے مگر اس کے پاس ہمیشہ یا تو خیر خواہوں اور دوستوں کا جمگھٹا رہتا یا سوالیوں کی لمبی قطار ہاتھ باندھے منتظر رہتی...... سچ تو یہ تھا کہ اگر قدرت نے اسے دل کھول کے نوازا تھا تو اس نے بھی خدا کی مخلوق پہ خرچ کرنے میں کنجوسی نہیں دکھائی تھی۔

یہی حال سکینہ کا تھا۔ خدا ترس اتنی کہ منہ کا نوالہ اٹھا کے سائل کو دے، دے۔ ہر سال لوگوں میں کپڑے، کھانا، جوتے، چپلیں، بیگ اور اسکول جانے والوں کے لیے کتابیں بانٹی جاتیں۔ اناج کی بوریاں اس کے علاوہ تھیں۔ اگر اس نے کبھی مخلوق کی طرف سے ہاتھ تنگ نہ کیا تھا تو اللہ نے اسی حساب سے اسے نوازا بھی تھا۔

سچ تو یہ تھا کہ اگر نظر ڈالی جاتی تو سوائے ایک اولاد کے ان دونوں کی زندگی میں کہیں کوئی کمی نہ تھی۔ وہ رب کے بھی پیارے تھے اور اس کے بندوں کے بھی......

تب بھی اس سب کے باوجود عورتیں اس کی سونی گود کو نشانہ بنائے رکھتیں۔ اڑتے پڑتے اور کبھی دبے لفظوں میں سکینہ کے کانوں میں اپنی محرومی کا رونا پڑ ہی

جاتا تھا۔ وہ شکر گزار رہتی تھی پر کبھی، کبھی ضبط کا بندھن ہاتھوں سے جانے بھی لگتا۔ ایسے میں چوہدری رحمت کے دلاسے اس کے لیے تسلیوں کا کام کرتے، امید اور زندگی جینے کی نئی امنگ پیدا کر دیتے تھے۔

''اری جھلی... سب مل گیا تو زندگی کا مقصد کیا رہ جائے گا۔''

زندگی اور اس کے شب و روز کے درمیان ایک خواب لے کر جینے کے متعلق اس کا نظریہ بھی عجیب ہی تھا۔

''بھلیے لوکے!'' وہ اکثر سکینہ کو یونہی مخاطب کرتا تھا۔

''زندہ رہنے کو ایک آس باقی ہے اسی کو خیر سمجھ۔'' سکینہ اس سے متفق تو نہ ہوتی پر زیادہ بحث میں بھی نہیں پڑتی تھی۔ چوہدری کو اس کی یہی بات پسند تھی... پھر آس، امید اور رب کی مرضی میں ہی کہیں وہ واقعہ ہو گیا جس نے اس کی ہستی کو ہلا کے رکھ دیا۔

☆☆☆

وہ جھٹپٹے کا وقت تھا۔ پرندے اپنے گھروں کو لوٹنے کے بعد سکھ چین کی مالا جپ رہے تھے۔ گھنے درختوں کے درمیان میٹھا، میٹھا شور تھا۔

بھٹے کے کھیتوں کی ہریالی دور تک بکھری پڑی تھی۔ چوہدری اس وقت درمیانی منڈیر پہ قدم رکھتا جلدی مگر احتیاط سے گھر کو لوٹ رہا تھا۔ وہ کسی کام سے ساتھ والے گاؤں گیا اور واپسی میں دیر ہو گئی۔ بھوک نے بھی اپنی شدت کا احساس دلانا شروع کر دیا تھا۔

کھیتوں کی درمیانی منڈیر کہیں کہیں نمی کی وجہ سے چکنی سی ہو رہی تھی، دفعتاً اس کا پیر پھسلا اور دائنی طرف جا پڑا وہ، ذرا سا لڑکھڑایا اور سیدھا ہونا چاہتا تھا کہ یوں لگا جیسے کسی نے جلتا انگارہ پنڈلی میں اتار دیا۔

درد کی ایک تیز نوکیلی لہر نے اس کے بدن میں یوں بل کھایا کہ آن کی آن میں اس کا تگڑا جسم بے جان ہونے لگا۔ گاؤں کا باسی سمجھ تو گیا کہ سانپ کے ڈنک نے اپنا کام دکھا دیا ہے مگر اس وقت تو سب ہی گاؤں واسی اپنے، اپنے گھروں کو لوٹ چکے ہوتے تھے۔

اذیت سے پتھر ہوتے جسم نے آگے بڑھنے سے انکار کیا اور وہ زمین بوس ہونے تک یہ بھی سوچ چکا تھا کہ نور کے تڑکے سے پہلے اس کی میت کا شاید کسی کو پتا نہ چلے۔ سکینہ اکیلی ہو گی تو جب تک اس کا پتا نہ لگ جائے وہ یہی سوچتی رہے گی کہ شاید میں برابر والے پنڈ میں ہی رک گیا ہوں۔ پنڈ قریب تھا اس لیے گاڑی ڈرائیور کے جھنجٹ کے بغیر پیدل ہی چل پڑا تھا۔

زہر چڑھنے لگا۔ اس کی سرخ انگارہ آنکھیں باہر کو ابلنے لگیں۔ ایک، ایک رگ میں اذیت کا شور ابھرنے لگا، تب اس نے سرہانے کسی کو کھڑا پایا، چلاتے ہوئے سنا۔

وہ کوئی زنانہ آواز تھی۔ جو اس کی حالت بھانپ کر کسی کو آواز دے رہی تھی۔

آنکھیں بند ہونے سے پہلے جو آخری بات ذہن میں آئی وہ اس زہر سے زیادہ زہریلی تھی۔

''کاش میری اولاد ہوتی تو سکینہ .....!''

☆☆☆

جانے کتنے پہر گزرے تھے جب، اس کی آنکھ کھلی تو تکلیف کی شدت کے سوا اور کوئی احساس غالب نہ تھا۔ بھاری پپوٹوں نے اس شدت کا بوجھ سہارنے سے صاف انکار کر دیا۔ قریب تھا کہ اس کی آنکھیں ایک بار پھر بند ہو جاتیں مگر ایک نرم آواز نے خلل ڈال دیا۔

''شکر رب سوہنے دا ہوش آ گیا... اب کیسی طبیعت ہے پتر!''

اس نے بہ مشکل نظریں پھیر کر بات کرنے والے کی سمت دیکھا مگر زیادہ دیر دیکھ نہ سکا کیونکہ نگاہ اس بوڑھے مرد کے پیچھے کھڑی زہرہ جبیں پر گئی تو وہیں اٹک کر رہ گئی۔

''یہ... یہ میری لڑکی ہے چاندنی... اسی نے تمہیں دیکھا تھا جب سانپ نے ڈسا۔''

''سانپ؟''

''ہاں بیٹا تمہیں سانپ نے کاٹا تھا، بڑا زور کا حملہ تھا، مولا نے خیر کی کہ چاندنی پہنچ گئی وہاں۔''

اس روز چوہدری رحمت کو لگا چاندنی صرف وہاں نہیں اس کے دل اور دل سے دماغ تک آ گئی تھی۔

سکینہ کو خبر مل گئی تھی، روتے دھوتے وہ بھی آ گئی۔

اپنی حویلی تک پہنچتے بڑے پھاٹک پر گاؤں واسیوں کے ٹھٹھ لگ گئے... چوہدری کو بھلا کون نہیں جانتا تھا۔ بچے بچے کی زبان پر اس کے لیے دعائیں اور خیر کے کلمے تھے۔ اور چوہدری کو لگتا تھا اسے کسی سانپ نے نہیں ناگن نے ڈس لیا تھا، جس کا زہر رگ، رگ میں اتر کر اسے بے بس کیے دے رہا تھا۔

نذر نیاز چڑھاووں اور منتوں کے شور شرابے میں اس کے کانوں میں ایک ہراساں آواز گونجتی رہتی اور وہ اس آواز کے جادو میں دھت پڑا رہتا۔ گم صم اور خاموش، چوہدری کو دیکھتے ہوئے سکینہ حیران ہوتی رہتی کیونکہ ایک سانپ کے ڈس لینے کا واقعہ اتنا زور آور نہ تھا کہ چوہدری جیسے زندہ دل آدمی کو یوں چپ لگ جاتی۔ اصل بات کچھ اور تھی مگر کیا تھی اور جب سکینہ کو پتا چلا تو چوہدری کی خاموشی چوہدری کو چھوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔

☆☆☆

دن کا اجالا دھیرے، دھیرے رات کی تاریکی کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ چوہدری کے بستر کی چرچراہٹ، اس کی پوری رات کی بے چینی کی گواہ تھی۔ ایسا اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ، اسے کسی بات کی پریشانی نے پوری رات جگایا ہو۔ سکینہ کو جب سے اس کے ارادوں کا علم ہوا تھا اس، کے رویے میں واضح فرق آ گیا تھا۔ گو کہ اس نے اپنے فرائض کی بجا آوری میں کوئی کوتاہی روا نہ رکھی تھی۔ لیکن اب اس میں محبت کی وہ چاشنی نہیں تھی جس کے ذائقے نے چوہدری کو اپنا دیوانہ بنا رکھا تھا۔

وہ بھی کیا کرتا اگر اس کا دل کسی کی مدھ بھری آواز کے آگے بے بس ہو گیا...... لیکن شاباش تھی سکینہ کو بھی... اس نے اس وقت تک اپنے لب نہیں کھولے جب تک خود چوہدری نے اس سے اس بارے میں بات نہیں کی۔ اور وہ جو سمجھ رہا تھا کہ سکینہ جاہل عورتوں کی طرح بین کرے گی تماشا لگائے گی، اپنی عمر بھر کی خدمتوں کا صلہ مانگے گی اور بدلے میں طعنہ زنی کرے گی اور پتا نہیں ... کیا، کیا تو اس وقت حیرانی سے بت بنا رہ گیا جب سکینہ نے اپنے لب کھولے ضرور پر فقط ایک بات کہنے کے لیے......

”آپ کی جو مرضی چوہدری جی...... مجھے کیا کہنا ہے۔“

اندر، اندر اس کا دل چاہے اس جواب پہ تڑپ اٹھا ہو مگر اس نے لبوں سے آہ نہیں کی بلکہ بے اولادی کی طرح اس کو بھی خدا کا لکھا سمجھ کے قبول کر لیا۔

☆☆☆

اپنی من مرضی کا حصول اس کے لیے اس قدر آسان ہوگا یہ تو اس نے سوچا ہی نہ تھا۔

چاندنی کے گھر والوں نے تو سوچنے تک کا وقت نہ لیا۔ چوہدری کی ایک اہمیت تھی، ایک نام تھا، ایک بات تھی۔ ایک ٹیکا تھا۔ اس لیے جس نے بھی سنا دانتوں تلے انگلیاں داب کر بیٹھ گیا۔ چوہدری رحمت اور چاندنی کی عمروں کا تفاوت اگر کہیں موضوع بنا بھی تو چاندنی کے گھر والوں اور خود چوہدری کی نیک نامی اور دبدبے کی وجہ سے خود ہی ختم ہو گیا۔ گاؤں کی چند ایک عورتوں نے اگر سکینہ سے رحم اور ہمدردی کی آڑ میں کوئی کرید کرنا بھی چاہی تو سکینہ کے پُرسکون لب و لہجے نے اس کی زبان بند کر دی۔ اولاد کی خاطر دوسری شادی کرنا کوئی بے وفائی نہیں تھی۔ اور اگر دوسری شادی کے لیے اسے من پسند لڑکی مل رہی تھی تو اس کی قسمت اچھی تھی۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اور سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر حقیقت میں کبھی، کبھی تنہائی کے بے حد خاموش لمحے اسے اس کی اوقات یاد دلا جاتے تھے۔

چوہدری نے اولاد کی خاطر شادی نہیں کی تھی بلکہ چاندنی پہ اس کا دل آ گیا تھا جسے اس نے اولاد کے بہانے کی چادر سے ڈھانپ لیا تھا۔ سکینہ وفا شعار عورت تھی۔ ایک عمر جس کا نمک کھایا تھا اس کا راز کھول کر.... بے وفائی کی مرتکب کیسے ہو سکتی تھی بھلا...... اس لیے اندر ہی اندر دل کو کاٹتے ہوئے اس تکلیف دہ احساس کو دبائے زندگی کے اس موڑ سے شروع ہونے والے اس نئے راستے پہ قدم رکھ دیے۔ اس کے پاس اور دوسرا راستہ تھا بھی کون سا......؟

☆☆☆

چاندنی بظاہر دکھنے میں اپنے نام کے مانند چاندی کا

سا روپ سروپ لیے اس کی زندگی میں آئی تھی لیکن درحقیقت اس نے اپنے رویّے کی بدصورتی سے اس کی زندگی کو اماوس بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ پہلی رات ہی اس نے چوہدری پر اپنی ناپسندیدگی اور اس کی محبت کے پردے میں چھپی ہوس کو اس پہ پوری طرح واضح کر دیا۔

مرد کی انا اور مردانگی پہ لگائی جانے والی چوٹ عورت ہی کو ضرب لگاتی ہے چاہے چوٹ کسی دوسری عورت نے ہی کیوں نہ پہنچائی ہو۔ یہ تو پھر اس کی اپنی عورت تھی اور چوہدری اس کے عشق میں ایسا بھی دیوانہ نہیں ہوا تھا کہ بالکل ہی ہوش گنوا دیتا۔

پہلی رات ہی ان دونوں کے درمیان ہونے والی تلخ کلامی نے ان کے بیچ تلخی کی ایک ان دیکھی دیوار کھڑی کر دی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ اس کے لاڈ نہیں کرتا تھا۔ لیکن بار، بار اس کے منہ سے اپنی زیادہ عمر اور معمولی شکل کے تذکرے سن، سن کے اوبنے لگا۔ دوسری طرف سکینہ تھی جو آج بھی اول روز کی طرح اس کی محبت کا نہ صرف دم بھرتی تھی بلکہ اس کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھتی تھی۔

چوہدری کا گھر میں رہنے والا بیشتر وقت اسی کے پاس گزرنے لگا۔ وہ محبت اور یگانگت جو کچھ عرصے سے ناپید ہو چلی تھی، اب پہلے سے بڑھ کے عود کر آئی تھی۔

تھوڑے دن تو چاندنی نے صبر کیا لیکن کب تک...... اس کے لاڈ نخرے منہ چڑھانا اور چوہدری سے کھنچ کے رہنا خود چوہدری کی ذات کا مرہونِ منت تھا۔ اب جب اس کا جھکاؤ سکینہ کی طرف بڑھنے لگا تو اس سے یہ بھی برداشت کرنا ناممکن ہو گیا۔

وہ بل کھاتی رہ جاتی جب وہ سکینہ کے پاس جا کے کمرا بند کر لیتا۔ چاندنی کی راتیں بے کیف اور سونی پڑ گئیں۔ اسے چوہدری کو چڑانے میں جو مزہ آتا تھا وہ کھیل بھی خیال وخواب ہوا۔

اب اس کا صرف ایک ہی حل تھا کہ چوہدری کو دوبارہ خود کی جانب ملتفت کر لیا جائے۔ حالانکہ اس کی قربت آج بھی اس کے اندر کوئی خوشگوار تاثر نہیں چھوڑتی تھی لیکن کیا کیجیے کہ اس نے بہت جلد اندازہ لگا لیا تھا کہ ہنس کر یا رو کر اسے گزارہ کرنا ہے تو پھر وہ رونے والوں کے بجائے رُلانے والوں میں کیوں نہ شامل ہوتی......

زہر آلود سوچیں دن رات اسے تڑپاتیں اور بالآخر ایسی ہی ایک رات وہ چوہدری اور سکینہ کے کمرے تک جا پہنچی۔

☆☆☆

اس رات وہ چوہدری کی دہلیز تک اسے نہیں بلکہ اپنی قسمت کو سکینہ سے چھیننے کے لیے گئی تھی۔ حالانکہ اگر اتنی دیر نہ کرتی تو چوہدری تو خود اس کا نصیب بنا اس کے قدموں میں بیٹھا تھا۔ مگر وہی ناں کہ حسن اور ذہانت ایک ساتھ مشکل سے ہی کہیں اکٹھا ہوتے ہیں بس......

وہ رات شاید چوہدری کی زندگی کی حسین ترین راتوں میں سے ایک رات ہوگی لیکن چاندنی کے لیے تو وہ رات الجھنوں اور سلجھنوں کی رات تھی۔ ایک ادھیڑ بن اس کے اندر لگی رہی اور اس رات کی صبح جب وہ کمرے سے باہر نکلی تو جیسے ایک نئی ہی عورت تھی بلکہ عورت کے روپ میں غاصب......

آنے والی زندگی میں نصیب نے جہاں اس کے ہاتھوں کی لکیروں میں دنیا بھر کا سکھ چین لکھا، جس میں سب سے بڑا سکھ چوہدری کے وارث بلکہ وارثوں کا تھا وہیں سکینہ کے ماتھے پر آزمائشوں کی ان گنت سلوٹیں ڈال گیا جن میں سب سے بڑی آزمائش چوہدری کا بٹوارا تھا۔

☆☆☆

”رحمت جی....!“ ناز و انداز اور ادائیں اس کی شخصیت کا حصہ بن چکی تھیں، جن سے کئی سال گزرنے کے بعد بھی وہ پہلے دن کی طرح چوہدری کو لبھا رہی تھی۔

”جی چانن جی۔“

یوں عمر رسیدگی کے اس دور میں بھی چوہدری، چاندنی کے ہی انداز میں چونچلے کرتا کس قدر بھونڈا لگتا تھا، اس کا اندازہ اسے کبھی نہ ہو سکا۔ چاندنی منہ پھیر کے ہنسی چھپاتی اور سکینہ کا جی سڑ جاتا۔ اسے اپنے رفیقِ حیات سے اس درجے چھچھورپن کی امید نہیں تھی۔

اس کی عزت جان کر اس نے ایک روز چوہدری کو احساس بھی دلانا چاہا لیکن غلطی ہی کی...... چاندی نے

اس کی بات پہ وہ سیاپا ڈالا اور سکینہ کے وہ لتے لیے کہ اسے اپنی عزت بچانے کی پڑ گئی۔

یوں خاموش چھپر چھاؤں سی سکینہ لے دے کے صرف چوہدری کی اولاد کی ہو گئی...... جو اسے چوہدری کی وجہ سے اس قدر عزیز ہو چلی تھی کہ اپنی سوکن اور ہرجائی شوہر کو ایک دوسرے کے حال پر چھوڑ کر وہ خود اس کے دو بیٹوں اور ایک ننھی بیٹی کی چھپر چھایا بن بیٹھی۔

☆☆☆

چوہدری کی محبت اور دریا دلی بھی یونہی رہی اور سکینہ کی مہربانیاں بھی...... بس اب ان کا رخ بدل کے اپنی اولاد کی طرف ہو گیا تھا جسے سوتیلی سمجھنا تو دور بھی سوچا بھی نہ تھا۔

وقت بچپن کی دہلیز پھلانگ کر جوانی کے آنگن میں پہنچا تو وہاں کے پرانے مکینوں کو بڑھاپے کی اوڑھنی تھما دی۔ چوہدری اور سکینہ میں وہ پہلے والا دم خم نہ رہا تھا مگر چاندنی کے داؤ پیچ پہلے سے زیادہ خم دار تھے۔

آج کل حویلی میں وراثت، وصیت اور جائداد کی تقسیم کی باتیں زور شور سے جاری تھیں۔

چاندنی کا اصرار تھا کہ حویلی اس کے نام کرے بھلے باقی زمین جائداد جس کو دل چاہے دے... مگر چوہدری اس کے لیے راضی نہیں تھا۔ اسے پتا تھا چاندنی کے دل کی یہ خواہش صرف سکینہ کو گھر سے بے گھر کرنے کے لیے ہے اور وہ لاکھ دل سے چاندنی کا سہی، پر ابھی اتنا بھی بے حس نہیں ہوا تھا کہ سکینہ کو اس عمر میں اپنی کم فہمی کی وجہ سے گھر سے نکلوا دیتا۔

بدلتے موسم میں چوہدری کو بالکل اچانک ملیریا نے آ گھیرا اور ایسا گھیرا کہ اس کے سرہانے بیٹھی چاندنی کو پنکھے لگ گئے... بچے الگ ڈاکٹر کے آگے پیچھے تھے۔ کوئی دوا دارو اثر نہیں کر رہی تھی، ایسی ہی ایک رات جب بخار میں بے دم چوہدری کی سانس اکھڑنے لگی، باہر رات کی گہری خاموشی تھی۔ گھر والے دن بھر چوہدری کی خدمت سیوا کر کے اب آرام سے تھے البتہ سکینہ دن بھر مصلے پہ رہی اور اب بھی یقیناً کوئی دعا مانگ رہی تھی۔

اچھی باتیں

☆غلام ہوں اپنے گھر کی تہذیب کی، ورنہ میں بھی لوگوں کو ان کی اوقات دکھانے کا ہنر رکھتی ہوں۔

☆اپنی زندگی میں آنے والے اس انسان کی قدر کرو جو بنا مطلب کے تمہاری عزت اور تمہارے مشکل وقت میں مدد کرتے ہیں۔ کیونکہ دنیا میں خیال رکھنے والے کم اور تکلیف دینے والے زیادہ ہوتے ہیں۔

از: مہرین ضیا بخش، کراچی

چاندنی دبے پاؤں اٹھی، اس کا رخ اس کی خاص الماری کی طرف تھا۔

☆☆☆

باہر زرد دھوپ کی اداسی پورے صحن میں بکھری پڑی تھی۔

پورے گھر میں ماتمی اور سوگ والی فضا کا راج تھا......

اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی چاندنی کے دل سے رہ، رہ کر ایک آہ سی نکل جاتی تھی۔ ایک عام سے دن کی عام سی رات ڈھلتے ڈھلتے ان دونوں کو سفید چادر اوڑھا گئی تھی۔

کس کو پتا تھا کہ چوہدری اس رات ایسا سوئے گا کہ پھر اٹھ ہی نہ سکے گا۔ چاندنی بے اماں سی ہو کر.... پھپھکتی رہی۔ سکینہ کی سسکیوں نے فرش سے عرش تک کا سفر دعاؤں کے ہمراہ طے کیا تھا۔ بچے الگ غمزدہ تھے۔ ہنستے بستے گھر کو کسی کی بددعا ہی لگی تھی شاید......

''چھوٹی بیگم......'' ملازمہ کی آواز نے اس کے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

''کیا ہے۔'' اب وہ بات، بات پہ کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی۔ خوش اخلاق تو خیر پہلے بھی نہیں تھی۔

''بڑی بیگم کہہ رہی ہیں آ کے کھانا کھا لیں۔''

''میرے سر کا سائیں چل بسا اور اسے کھانے کی سوجھتی ہے۔''

اس کی آنکھیں بے بسی سے ڈبڈبا گئیں۔

پہلے وہ ہمیشہ اکیلی چوہدری کے ساتھ کھانا کھاتی تھی اور بچے سکینہ کے ساتھ۔ چوہدری کا جس دن دل کرتا تھا۔ سب گھر والوں کے ساتھ کھا لیتا تھا۔

کھانے کی میز پر سربراہی کرسی پہ ہمیشہ کی طرح سکینہ بیٹھی تھی۔ جس دن چوہدری سب کے ساتھ کھاتا، سکینہ اسے آتا دیکھ کر خود بہ خود جگہ چھوڑ دیتی تھی۔ آج چاندنی اکیلی تھی، اسے اپنی جگہ جسے دیکھ کر غم و غصے کی شدید لہر اس کے اندر اٹھی، جسے اس نے بڑی مشکل سے دبایا۔

کھانا کھانے کو بھی کس کا دل کرتا تھا سب بس یونہی ایک دوسرے کا ساتھ دینے کو چند لقمے زہر مار کر کے اٹھ گئے مگر وہ وہیں بیٹھی رہی۔

آج سکینہ کو اس جگہ دیکھ کر اندیشوں کے نئے ناگ اسے ڈسنے کو تیار کھڑے تھے اور اسے رہ رہ کے وہ رات یاد آ رہی تھی، جب چوہدری کی بگڑتی حالت کے پیشِ نظر اس نے حویلی کا کاغذ اس کے سامنے رکھا تھا۔

☆☆☆

وہ پھٹی ہوئی آنکھوں سے زمین پہ پڑے حویلی کے کاغذات کو دیکھ رہی تھی۔

''تجھے ذرا سی بھی حیا نہیں آئی...... بے حیا......''

چوہدری کے الفاظ نے اسے ڈس لیا۔

''او میں مر تو نہیں گیا زندہ ہوں ابھی اور تو...... ابھی سے بٹوارے کا سوچنے لگی۔''

اتنی سی بات کر کے اس کی سانس چڑھ گئی۔

''میں تو بس...... کل...... کلاں کو جھگڑے نہ پڑ جائیں۔'' اس سے بات بنانی مشکل ہو گئی۔

''اوئے کون کرے گا جھگڑا...... سکینہ؟...... یا بچے؟'' اس نے بہ مشکل فضا میں ہاتھ چلایا۔

''وہ میری بیوی میرے بچے ہیں، میں انہیں چنگا جانتا ہوں۔''

چوہدری کے لب و لہجے میں اس کی سوکن کے لیے جو بھروسا اور اعتماد تھا، اس نے چاندنی کو جھلسا کے رکھ دیا۔

''ٹھیک کہا تھا تو نے چوہدری...... تو انہیں جانتا تھا پر مجھے نہیں......''

''میرے جیتے جی اس حویلی کا بٹوارا نہیں ہوگا۔''

اس کے کانوں میں ایک آواز آئی اور وہ اتنے دن کے بعد مسکرائی۔

''پر اب تو، تو نہیں رہا ناں تو، مر چکا ہے چوہدری۔''

جھیل سی گہری غلافی آنکھیں ناپاک جذبوں سے دہک رہی تھیں۔

☆☆☆

اگلے ہی دن سے چھوٹی حویلی کی خصوصی صفائیاں شروع ہو گئیں۔

نوکر، بچے اور سکینہ سب حیران تھے کہ ابھی چوہدری کے قل بھی نہیں پڑھے گئے کہ یہ انتظام ہونے لگا۔ بڑی حویلی میں تو بنا کسی کے کہے ہی سکینہ نے چوہدری کی جگہ لے لی تھی۔ اسی بات کا ڈر تھا اور وہی سب ہو رہا تھا۔ چاندنی بل کھاتی موقع کی تلاش میں تھی اور موقع اسے مل ہی گیا۔

☆☆☆

''نی اڑیو! نہ تمہیں اپنے گھروں میں کام کاج نہیں جو سویرے سے اِدھر آ کے بیٹھ جاتی ہو۔''

معمول کے مطابق عورتیں اپنا دکھ سکھ لے کے سکینہ کے بڑے سارے ویہڑے میں جمع تھیں۔

نیم کے پیڑوں تلے جمع عورتوں میں چپ پھیل گئی۔

''چلو چھیتی چھتی نسو اِدھر سے کوئی ویلا بیٹھا ہے اِدھر تمہیں بوتھی دینے کو۔'' (چلو جلدی، جلدی بھاگو یہاں سے کون خالی بیٹھا ہے تم سے ملنے کو)

اس کا انداز ہتک آمیز تھا۔ سکینہ ابھی اس طرف آئی نہیں تھی اور چاندنی کو لگا اس سے بہتر موقع اور کوئی نہیں۔

سکینہ کا سالوں سے معمول تھا کہ گاؤں کی عورتوں سے ان کے دکھ سکھ سن کر جی ہلکا کر دیا کرتی تھی۔

سکینہ آئی تو سب جا چکی تھیں۔

''میں نے چلتا کیا ہے سب کو... دیکھ سکینہ......''

اس کا لہجہ کسی بھی احترام سے خالی تھا۔

”مجھے یہ ٹھٹھ میلے پسند نہیں، تجھے رہنا ہے تو ایسے ہی رہ اِدھر...... میری مرضی سے اور شرافت نال...... نہیں تو چھوٹی حویلی خالی پڑی ہے اُدھر جا کے اپنے شوق پورے کرنا۔“ اس نے بم پھوڑ کے سکینہ کے پرخچے اڑتے دیکھے پھر اطمینان سے بولی۔

”تیرا ہی فائدہ ہے۔ اُدھر یہ محفلیں بھی سجانا اور قل چڑھاوے قرآن ختم... جو مرضی آئے کرتی رہنا۔ ویسے بھی تجھے تو سہاگن ہوتے ہوئے بھی بیواؤں والے شوق رہے ہیں سدا سے۔“

اس کا کلیجا چھلنی کر کے وہ رکی نہیں، یہ دیکھنے کے لیے بھی کہ اس کی آواز سن کر بچے باہر نکل آئے تھے۔

☆☆☆

اگلی صبح بڑی حویلی میں سب سے تاریک سورج طلوع ہوا تھا، اسے ملازمہ سے خبر مل چکی تھی کہ سکینہ کل ہی چھوٹی حویلی چلی جائے گی۔

وہ اپنی جیت پہ نازاں ہوگئی۔ سکینہ کی صلح جو طبیعت اور کر بھی کیا سکتی تھی۔

ناشتے کی میز خالی تھی۔ صرف اس کا اپنا ناشتا رکھا تھا۔

”بچے کہاں ہیں؟“ اس نے اپنی دُھن میں پوچھا تھا۔

”ہم جا رہے ہیں۔“

اندر کمرے سے نکل کر باہر آتے بڑے بیٹے نے جواب دیا۔

چاندنی کے ہاتھ سے نوالہ چھوٹ گیا۔ وہ بچوں کے پیچھے پیچھے مختصر سامان کے ساتھ سکینہ کو بھی دیکھ چکی تھی۔

”کیا مطلب ہے تیرا...... نہ تم لوگ کدھر چل دیے۔ میں نے تو سکینہ سے کہا تھا۔“

”وہ اکیلی نہیں جائیں گی۔ ہم بھی ساتھ جائیں گے ان کے۔“

اب کی بار بولنے والی اس کی بیٹی تھی۔

چاندنی منہ کھولے ایک بانجھ عورت اور اس کی سوتیلی اولاد کو ایک دوجے کے لیے سہارا بن کے کھڑی دیکھتی رہی۔

سکینہ کا سر جھکا ہوا تھا مگر اس جھکے سر کے ان کہے حکم کے پیچھے کیسے اس کی اپنی اولاد اس کے سامنے آ گئی تھی۔

”واہ...... واہ میرے بچوں واہ...... اس دن کے لیے میں نے تم لوگوں کو پالا پوسا...... تمہیں......“

”آپ نے ہمیں نہیں پالا اماں......“ بیٹے نے اس کی بات کاٹ دی۔

”ہمیں بڑی اماں نے پالا ہے۔ آپ نے صرف ہمیں پیدا کیا اور اس کے بعد ہمیں دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھول گئیں۔ ہم تو رب سوہنے کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے جس نے ہمیں بڑی اماں جیسی مہربان ماں دے دی ورنہ......“

اس کی آواز کی گونج حویلی کے در و دیوار سے ٹکرا کر سر پٹخنے لگی۔

”میں تو حیران ہوں کہ آج آپ کو ہمیں روکنے کا خیال بھی کیسے آ گیا۔ میں تو سمجھا تھا کہ ہمیں گھر سے نکال کر آج آپ حویلی میں اپنی حکمرانی کا جشن دل کھول کر منائیں گی۔“

”مت ماری گئی ہے تم لوگوں کی میں...... میں نے تم لوگوں سے کب کہا کہ......“

وہ بے قراری سے اٹھ کر ان کی طرف آئی۔ بیٹے کا ہاتھ تھامنا چاہا۔ جسے اس نے فوراً ہی جھٹک دیا۔

”جس گھر میں ہماری ماں کے لیے جگہ نہیں، ہم بھی وہاں نہیں رہیں گے۔“

”لل...... لیکن تمہاری ماں تو میں ہوں۔“ اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی اور وہ پتھر کا بت بنی انہیں جاتا ہوا دیکھتی رہی۔

اس نے تو فقط بیج بوئے تھے۔ جس نے آبیاری کی تھی موسم کی سختی سہی تھی، جس نے اپنی کھیتی کے لیے راتوں کو جاگ، جاگ کر دعائیں کی تھیں۔ اب پھل کھانے کی باری بھی اسی کی تھی۔

اور وہ...... وہ خود ماں بن کر بھی بچے جن کر بھی بنجر ہی رہ گئی تھی۔



ناولٹ

چاک چاک قبائے دل

ناہید سلطانہ اختر

”حاضر ہوسکتا ہوں میڈم؟“ مجھے دروازے کی سمت سے آنے والی آواز نے ایک ضروری فائل میں اپنے استغراق سے ہٹ کر دروازے کی طرف دیکھنے پر مجبور کردیا۔

دفتر کے دروازے پر چھ فٹ سے بھی اونچی قامت کا ایک خوش پوش شخص کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا۔

”جی تشریف لائیے۔“

وہ متانت سے چلتا میری میز کی دوسری جانب پڑی کرسیوں کے نزدیک آٹھہا اور مجھے یوں دیکھنے لگا جیسے بیٹھنے کی اجازت ملنے کا منتظر ہو۔

”تشریف رکھیے۔“

اس نے ایک کرسی کھینچی اور اس پر میرے روبرو بیٹھ گیا۔ میں ہمہ تن اس کی جانب متوجہ تھی۔

”میرا نام ... ادریس ہے، ادریس احسان...... میرے تین بچے یہاں پڑھتے ہیں، ایک آپ کے ہاں ہائی اسکول میں اور دو جونیر اسکول میں...... میں بیٹی



WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کے سلسلے میں آپ سے ملنے آیا ہوں۔"
"بیٹی کس کلاس میں ہے؟"
"سکستھ......اسی سال جونیر سیکشن سے ففتھ پاس کر کے آپ کے پاس آئی ہے۔ میں اس کی پروگریس معلوم کرنے کے لیے کلاس ٹیچر سے ملنا چاہتا ہوں۔"
"سیکشن بتایئے۔"
"سیکشن تو مجھے معلوم نہیں۔"
"میں دیکھ لیتی ہوں......آپ بچی کا نام بتایئے۔" میں نے قلمدان کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے پوچھا۔
"یاسمین ادریس۔" میں نے اپنے سامنے رکھے نوٹ پیڈ پر اس کا بتایا ہوا نام لکھا اور گھنٹی بجا کر چپڑاسی کو بلایا اور اسے نوٹ پیڈ سے علیحدہ کی گئی چٹ تھماتے ہوئے کہا۔
"سکستھ کے جس سیکشن میں یہ بچی ہے اس کی کلاس ٹیچر کو میرے آفس میں بھیجو۔"
"اوکے میڈم۔" چپڑاسی نے چٹ لی اور چلا گیا۔
"آپ کو فرسٹ ٹرم کا رزلٹ تو ملا ہوگا؟" میں نے اپنے روبرو بیٹھے شخص سے پوچھا۔
"ایکچوئیلی۔" اس نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔" میں سعودی عرب میں ہوتا ہوں۔ بچے یہاں پاکستان میں اپنی ماں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ وہی ان کی پڑھائی وغیرہ کے معاملات دیکھتی ہے۔ بس دیکھتی کیا ہے جی گزارہ ہو رہا ہے، میں چھٹی پر گھر آتا ہوں تو بچوں کی پراگریس معلوم کرنے کے لیے اسکول چکر لگاتا ہوں......میری بیوی تو اپنے ہی چکروں سے نہیں نکلتی۔" مجھے اس کی بات تعجب خیز لگی۔ ایک طرف تو وہ کہہ رہا تھا کہ بچوں کی پڑھائی کے معاملات ان کی ماں دیکھتی ہے اور دوسری جانب اس کی یہ تضاد بیانی کہ میری بیوی تو اپنے ہی چکروں سے نہیں نکلتی۔
"میڈم صاحبہ! آپ بچی کو بھی بلوا لیتیں تو بہت اچھا ہوتا......اسے اور اس کی ماں کو یہ پتا ہونا چاہیے کہ میں اسکول آیا تھا۔"

"کلاس ٹیچر آجائیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ بچی کس سیکشن میں ہے۔"
"اوکے......"
کچھ ہی دیر بعد سکستھ بی کی کلاس ٹیچر مس ندرت میرے آفس میں تھیں۔ میں نے ندرت کو اپنے دفتر میں پڑے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ دیا اور پوچھا۔
"یاسمین ادریس آپ کے سیکشن میں ہے؟"
"یس میم......"
"یاسمین کے فادر......" میں نے اپنے روبرو بیٹھے شخص کی جانب اشارہ کیا۔
"یہ بچی کی پراگریس جاننا چاہتے ہیں۔"
"اچھی ہے میم......؟" مس ندرت نے جواب دیا۔
"کتنی اچھی......؟" بچی کے باپ نے مس ندرت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"میڈیوکر ہے۔" مس ندرت بولیں۔
"میڈیوکر نہیں چاہیے مجھے......" وہ شخص قدرے درشتی سے بولا۔ مس ندرت جنہیں غالباً اس جملے کی امید نہیں تھی کچھ شرمندہ سی دکھائی دینے لگیں۔ مجھے خود بھی اس شخص سے اس درشتی کی امید نہیں تھی۔
"پلیز بچی کو بلوا لیجیے۔" اس نے مجھ سے کہا۔
میں نے گھنٹی بجا کر دوبارہ چپڑاسی کو بلایا اور کہا۔" سکستھ بی سے یاسمین ادریس کو بلاؤ۔"
"صرف ان بچوں کی وجہ سے میں پردیس میں پڑا ہوا ہوں میڈم۔" چپڑاسی کے جانے کے بعد وہ شخص مجھ سے بولا۔ مجھے لگا وہ بہت اپ سیٹ بہت جھلایا ہوا تھا۔
بچی میرے دفتر کے دروازے پر وارد ہوئی تو میں پہچان گئی کہ یہ وہ طالبہ تھی جس کی والدہ تعلیمی سال کے آغاز سے اب تک بارہا مجھ سے مل چکی تھی۔ وہ ان والدین میں سے تھی جو اپنے بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں انتہائی متفکر رہا کرتے ہیں اور ان کی بہتر تعلیمی کارکردگی کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھنا چاہتے۔ اس نے اپنے بچوں کے لیے اچھے ٹیوٹر کی خدمات حاصل کرنے کی خاطر مجھ سے مشورہ اور مدد لی تھی۔ میں نے

اپنے ہی ادارے کی ایک ٹیچر مس مریم کی خدمات حاصل کرنے کی صلاح دی تھی جو نہ صرف ایک اچھی ٹیچر تھیں بلکہ سوئے اتفاق اس خاتون ہی کے محلے کی رہائشی بھی تھیں۔

ایک تعلیمی ادارے کی نگراں ہونے کی حیثیت میں میرا بچوں کے والدین سے اکثر رابطہ رہتا تھا۔ والدین مجھ سے ملنے کے لیے آتے تو بہ ضرورت بچوں کو اکثر دفتر میں بلانا پڑتا۔ ماں، باپ یا بڑے بھائی' بہن کو دیکھتے ہی طلب کیے جانے والے بچوں کے چہرے کھل اٹھتے۔

یاسمین ادریس نامی وہ بچی جو اپنی والدہ کی موجودگی میں بھی کئی مرتبہ میرے دفتر میں آچکی تھی۔ دبلی پتلی، کامنی سی وہ بچی ماں کی موجودگی میں جب بھی میرے دفتر میں بلوائی گئی تھی، ماں کو دیکھتے ہی وہ کھل اٹھی تھی لیکن اس روز جب وہ میرے کمرے کے دروازے پر وارد ہوئی اور اس کی نظر میرے دفتر میں بیٹھے اپنے والد پر پڑی تو وہ سہم کر سمٹ سی گئی۔

''آؤ بیٹا۔'' میں نے اسے بلایا۔

وہ سہمی، سہمی سی آگے بڑھ آئی۔

باپ نے اسے ٹیڑھی نگاہوں سے دیکھا اور غرّا کر بولا۔ ''شرم کر ٹیوشن پر جاتی ہے پھر بھی تیری ٹیچر کہتی ہیں درمیانہ درجہ کی اسٹوڈنٹ ہے۔''

بچی اور سہم گئی اور روہانسی دکھائی دینے لگی۔

''سر...... اچھی ہے۔ انشاء اللہ اور بہتر ہو جائے گی۔'' مس ندرت نے بچی کو خوفزدہ ہوتے دیکھا تو اس کی حمایت میں بولیں۔

''مس جی میں اسے کلاس میں پہلے نمبر پر دیکھنا چاہتا ہوں...... اسکول کی فیس دیتا ہوں۔ ٹیوٹر کی فیس دیتا ہوں۔ مجھے نتیجہ چاہیے۔'' مس ندرت بے بسی سے مجھے دیکھنے لگیں۔

''ایسا ہے محترم کہ بچیاں جب پرائمری سیکشن سے ہمارے ہاں سیکنڈری سیکشن میں آتی ہیں تو انہیں ابتدائی چند ماہ نئے ماحول میں خود کو سیٹ کرنے میں لگ جاتے ہیں پھر وہ ٹریک پر آجاتی ہیں اور چل پڑتی ہیں۔ ویسے بھی مجھے آپ کی بچی عمر کے اعتبار سے چھوٹی لگتی ہے۔ چھٹی جماعت میں ہمارے ہاں اچھی بڑی، بڑی لڑکیاں بھی ہیں۔ آپ کی بیٹی جیسی چھوٹی بچیوں کو بڑی ساتھیوں کے درمیان اپنی جگہ بنانے اور پھر ان کے مقابلے پر آنے میں کچھ وقت تو لگتا ہی ہے۔ آپ کی مسز کئی مرتبہ میرے پاس آچکی ہیں، اپنے بچوں کی تعلیم میں انہیں غیر معمولی دلچسپی ہے۔ جو والدین اپنے بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں فکرمند رہتے ہیں ان کے بچے رزلٹ دیتے ہیں۔''

''چھوڑیں جی...... اس عورت کی تو آپ بات ہی نہیں کریں۔'' یاسمین کے باپ نے برا منہ بنایا۔

باپ کو ماں کے لیے ایسی تحقیر سے بات کرتے دیکھ کر بچی نے اپنے کندھے اچکا کر گردن کندھوں کے درمیان دبکالی اور شرمندہ سی دکھائی دینے لگی۔

''جائیں بیٹا، آپ اپنی کلاس میں جائیں۔'' میں نے بچی کو اس کی کلاس میں واپس بھیجنے کے لیے باپ کی اجازت لینا ضروری نہیں سمجھی۔ بچی نہایت سہم رہی تھی۔

''میم میں بھی جاؤں؟'' مس ندرت بولیں۔

''آپ...... کوئی اور بات کرنا چاہتے ہیں کلاس ٹیچر سے؟'' میں نے یاسمین کے والد سے پوچھا۔

''مس صاحبہ......'' یاسمین کے باپ نے روئے سخن مس ندرت کی جانب کیا۔

''میں تو جی جاب کے سلسلے میں باہر رہتا ہوں...... ان بچوں کے مستقبل کی وجہ سے پردیس کاٹ رہا ہوں۔ ماں ان کی ان پڑھ، غیر ذمے دار اور دیہاتی عورت ہے۔ اسے کسی بات کی سمجھ نہیں...... میں کما کر بھیجتا ہوں' وہ دونوں ہاتھوں سے لٹاتی ہے...... خصوصی خیال رکھیں اس بچی کا۔''

''ہم تمام بچوں کا خاص خیال رکھتے ہیں سر۔'' مس ندرت نے کہا۔

''جی ہاں...... ہمارے لیے ہر بچہ اہم

ہے...... بہر حال آپ اطمینان رکھیے، ہم آپ کی بچی کا ممکنہ حد تک زیادہ خیال رکھیں گے۔'' میں نے اسے اطمینان دلایا۔

''تھینک یو......'' وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنا دایاں ہاتھ پیشانی تک لے گیا اور بولا۔ ''آپ کا وقت لیا، مہربانی۔'' وہ مڑا اور لمبے، لمبے ڈگ بھرتا دروازے تک پہنچا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

مس ندرت نے مجھے اور میں نے مس ندرت کو دیکھا۔

''میم! اس بچی کی والدہ تو بڑی ذمے دار سی عورت لگتی ہیں، کتنی مرتبہ تو وہ آپ سے مل چکی ہیں۔''

''ہاں......''

''اور بڑی شائستہ اور متحمل مزاج سی ہیں...... اور یہ صاحب انہیں نہ جانے کیا کچھ کہہ رہے تھے...... ویسے میڈم زمین آسمان کا فرق ہے دونوں میں۔''

''ہاں مس ندرت بہت فرق ہے...... پرسنالٹی میچ ذرا بھی نہیں۔'' میں نے تائید کی۔

یاسمین کی ماں سیدھی سادی، معمولی شکل صورت کی برقع پوش عورت تھی جو مجھ سے ملنے کے لیے جب بھی آتی اپنے نصف زیریں چہرے پر دُہری کر کے لپیٹی گئی نقاب میرے دفتر میں آنے کے بعد نیچے گراتی۔ اس کے پیروں میں عموماً پلاسٹک کی سستی سی چپلیں ہوتیں اور برقع کے نیچے سے جھانکتے اس کی شلوار کے پائنچے اس کا لباس معمولی ہونے کی گواہی دیتے۔

یاسمین کا باپ اپنی بیوی کے برعکس نہایت ہینڈسم اور خوش لباس انسان تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ شکل صورت اور حلیے کے اعتبار سے دونوں میاں، بیوی ایک دوسرے کے برعکس تھے۔ انہیں ''اوڈ کپل'' کہنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

☆☆☆

ہفتہ ہی گزرا ہوگا کہ وہ شخص پھر آ گیا۔ اس بار بیوی بھی اس کے ہمراہ تھی۔ وہ اجازت لے کر میرے دفتر میں داخل ہوا اور میری میز کے نزدیک پہنچ کر اس نے مجھ سے کہا۔ ''میڈم......! اس عورت کو تو آپ پہچانتی ہوں گی؟''

''بہت اچھی طرح۔'' میں نے کہا اور اپنا ہاتھ برقع پوش خاتون کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''یاسمین کی والدہ۔''

خاتون کا ہاتھ یخ ہو رہا تھا۔

''تشریف رکھیے۔'' میں نے انہیں بیٹھنے کی دعوت دی۔

دونوں میرے روبرو بیٹھ گئے۔

میاں، بیوی دونوں پہلو بہ پہلو بیٹھے ''اوڈ کپل'' سے بھی اوپر کی چیز لگ رہے تھے۔ خاتون سیاہ برقع میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس کی صورت معمولی اور کسی بھی لیپا پوتی سے مبرا تھی۔ اس کی آنکھوں میں اداسی، بے بسی اور خوف کی ملی جلی کیفیت تھی۔ مرد خوبرو، خوش لباس اور خوشبو میں بسا ہوا تھا۔

''میڈم......'' یاسمین کے باپ نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت سے ساتھ بیٹھی عورت کی طرف اشارہ کیا۔ ''بدقسمتی سے یہ عورت میری بیوی ہے۔ اور میرے تین بچوں کی ماں...... اس عورت نے میری زندگی جہنم بنا رکھی ہے۔ جاہل، گنوار، اجڈ...... مجھے اس کو اپنی بیوی بتاتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔''

میں دم بخود اپنے سامنے بیٹھی عورت کو دیکھ رہی تھی۔ وہ میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ میرے ادارے کی ایک طالبہ کی والدہ کی حیثیت سے اس سے میری پہلے بھی کئی بار ملاقات ہو چکی تھی مگر ان ملاقاتوں اور حالیہ ملاقات میں بہت فرق تھا۔ سابقہ ملاقاتوں میں وہ مجھے ایک ذمے دار اور فرض شناس ماں کے روپ میں دکھائی دی تھی مگر اس ملاقات میں وہ کسی مجرم کی طرح سر جھکائے میرے سامنے بیٹھی تھی۔ شوہر اس کی تذلیل کر رہا تھا اور وہ خوفزدہ، ڈری، سہمی سی بیٹھی تھی اسی طرح جیسے اس کی بیٹی یاسمین میرے دفتر میں بلائے جانے پر باپ کو دیکھ کر سہم سی گئی تھی۔

میں یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ وہ شخص اپنی بیوی کو میرے سامنے ذلیل کیوں کر رہا تھا۔

''آپ اس جاہل عورت کی صورت دیکھیں میڈم...... یہ کہیں سے میری بیوی لگتی ہے، میں پردیس میں اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے پڑا ہوں، وہاں سے کما، کما کر ریال بھیجتا ہوں۔ یہ جنگلی عورت بے دردی سے لٹاتی ہے، اپنے گھر والوں کو دیتی ہے۔ ایرے غیروں کو دیتی ہے۔ میرا اپنا بزنس بھی ہے یہاں، میں نے نوکر رکھے ہوئے ہیں، نوکر آکر اسے پٹی پڑھاتے ہیں کہ نقصان ہو گیا، یہ انہیں نقصان پورا کرنے کے لیے پیسے پکڑا دیتی ہے۔ میرے بچوں کی حالت دیکھیں آپ...... سوکھ کر کانٹا ہو رہے ہیں اس عورت کو پروا ہی نہیں۔ نہ انہیں ڈھنگ سے کھانا پکا کر دیتی ہے، نہ ان کا خیال رکھتی ہے۔ جنگلی، جاہل، گنوار......''

اپنی تذلیل پر میرے سامنے بیٹھی عورت کے دل پر خدا جانے کیا گزر رہی ہوگی، مجھ سے اس کی تذلیل برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

''آئی ایم سوری ادریس صاحب میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آپ اپنے قطعاً نجی اور گھریلو معاملات میرے سامنے کیوں بیان کر رہے ہیں۔'' میں نے قدرے تلخی سے کہا۔

''اس لیے کہ...... آپ اسے ایک ذمے دار ماں سمجھتی ہیں۔ یہ ایک غیر ذمے دار عورت ہے میڈم...... اسے سمجھائیں کہ یہ جہالت چھوڑے، عقل پکڑے، خود کو بدلے ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔''

''معاف کیجیے گا...... میں اس ادارے کی نگران ہوں اور یہاں میرے فرائض اور ذمے داریوں کی نوعیت کچھ اور ہے...... میں یہاں آپ والدین کی فیملی پرابلمز سننے اور انہیں حل کرنے کے لیے نہیں ہوں۔''

''مجھے کچھ ضروری کام ہے میری واپسی تک یہ آپ کے پاس ہی بیٹھی رہے۔ میں واپسی پر اسے لے لوں گا۔'' وہ اچانک اٹھ کھڑا ہوا۔

میں نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ وہ سمجھ کیا رہا تھا مجھے...... کیا میں وہاں اس جیسوں کے جسے اپنی بیوی اور بچوں کی ماں کے لیے تہذیب سے بات کرنے کی توفیق بھی نہ تھی گھریلو مسائل سننے کے لیے وہاں بیٹھی تھی۔

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتی وہ مڑا اور مجھے گومگو کیفیت میں چھوڑ کر میرے کمرے کے دروازے سے نکل گیا۔ اس کے ساتھ آنے والی خاتون نادم و شرمسار سی میرے سامنے بیٹھی تھی۔

''کس قسم کے آدمی ہیں آپ کے شوہر......؟'' میں نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

اس نے سر جھکا لیا۔

''آپ کو یہاں بیٹھا چھوڑ کر کہاں گئے ہیں یہ؟''

''پتا نہیں۔'' وہ مردہ سی آواز میں بولی۔

''شاید جونیئر سیکشن......'' میں نے قیاساً کہا۔

''وہاں بھی تو آپ کے بچے پڑھتے ہیں ناں......؟''

''جی......'' خاتون نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''مگر وہاں سے تو وہ مجھے ذلیل کر کے آپ کے پاس لا چکے ہیں۔''

''وہاں بھی......'' میں نے چونک کر خاتون کو دیکھا۔

''جی......''

''کیوں......؟''

''ان کی مرضی......'' اس کے لبوں پر بڑی گھائل سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''یہ کیا بات ہوئی۔''

''یہی تو بات ہے...... وہ مرد ہیں جی...... شوہر ہیں میرے...... وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔''

''عجیب بات ہے...... وہ اتنی دیر آپ کو برا بھلا کہتے رہے اور آپ کچھ نہیں بولیں۔''

''بولی تھی جی ایک دفعہ...... بہت پہلے......''

''پھر......؟''

''انہوں نے میرے بال کاٹ دیے۔''

''ہیں؟'' میں نے اسے حیرت سے دیکھا۔

''ہاں جی...... بس بال ہی تو لمبے تھے میرے...... انہوں نے میری چوٹی کاٹ دی۔''

''اور آپ کچھ نہیں بولیں؟''

''کیا بولتی...... عورت ہوں ناں جی...... بیوی ہوں، ان کے بچوں کی ماں ہوں...... کمزور ہوں۔''

’’بچوں کی ماں کو تو بہت مضبوط ہونا چاہیے۔‘‘
’’پاؤں کی جوتی ہوں جی ان کی...... وہ کہتے ہیں تجھے اُتار کر پھینکوں گا، دوسری جوتی پہن لوں گا۔‘‘
’’لاحول ولاقوۃ...... ایک بات بتائیں...... آپ کے ہسبینڈ جو کچھ کہہ رہے تھے کیا واقعی ایسا ہے؟‘‘
’’کیا جی......؟‘‘
’’یہی کہ آپ ان کی کمائی کو بے دریغ لٹاتی ہیں، گھر کا اور بچوں کا خیال نہیں رکھتیں۔‘‘
’’وہ جو کہیں ٹھیک ہے۔‘‘
’’لیکن میں نے تو آپ کو اپنے بچوں کے بارے میں خاصا ذمے دار پایا ہے۔‘‘ میں نے کہا۔
’’بندے بھی دیکھتے ہیں جی...... اللہ پاک بھی دیکھ رہا ہے۔‘‘
’’پھر وہ کیوں موردِ الزام ٹھہرا رہے ہیں آپ کو؟‘‘
’’باپ گھر آتا ہے تو بچے خوش ہوتے ہیں...... میرے بچے باپ کے آنے پر سہم جاتے ہیں جی...... وہ جتنے دن یہاں رہتے ہیں میری اور بچوں کی جان پر بنی رہتی ہے، کبھی وہ مجھے رشتے داروں میں لے جا کر ذلیل کرتے ہیں کبھی اپنے دوستوں میں...... کبھی اپنے نوکروں کے سامنے کبھی ہمسایوں کے سامنے...... یہ جو آپ سے کہہ رہے تھے ناں کہ ’’نوکروں نے کہا نقصان ہوگیا اور اس نے انہیں نقصان پورا کرنے کو پیسے دے دیے‘‘ انہوں نے سعودیہ سے خود فون کر کے کہا تھا مجھے شاپ سے لڑکے آئیں گے انہیں پیسے دے دینا...... اور میرے گھر والے وہ تو ان کا ایک پیسہ تک لینے کے روادار نہیں۔ انہیں بھلا کیا دوں گی میں۔‘‘
’’حیرت ہے۔ ویسے ایک بات کہوں آپ برا مت منایئے گا۔ کوئی بھی مرد بلا سبب اپنی بیوی کو اس طرح دوسروں کے سامنے ذلیل نہیں کرتا...... میں آپ کے شوہر کے لیے قطعاً اجنبی عورت ہوں، آج ان سے میری دوسری ملاقات تھی۔ پہلی ملاقات میں وہ بیٹی کی پراگریس معلوم کرنے آئے تھے آج وہ آپ کو ساتھ لائے اور میرے سامنے وہ باتیں کہہ گئے ہیں جو میرے خیال میں کوئی مرد اپنی بیوی کے بارے میں انتہائی صورت میں ہی کسی اجنبی کے سامنے کہے گا۔‘‘
’’آپ ٹھیک کہتی ہیں۔‘‘
’’میں ٹھیک کہتی ہوں تو آپ کو ان کی شکایات دور کرنی چاہئیں۔‘‘
’’میں تو ہر کوشش کر کے دیکھ چکی...... اپنی شکل تو نہیں بدل سکتی ناں جی۔‘‘
’’کیا مطلب......؟‘‘
’’انہیں میری شکل اچھی نہیں لگتی۔ میں کیا کروں اس چہرے پر دوسرا چہرہ جو اُن کی پسند کا ہو کہاں سے لگاؤں۔‘‘
مسئلے کی ڈور کا سرا میرے ہاتھ لگ گیا تھا۔
’’برا مت مانیے گا...... چہرے پر دوسرا چہرہ نہیں لگا سکتیں مگر اپنا حلیہ تو بہتر بنا سکتی ہیں آپ۔‘‘
’’کیا کروں...... برقع جو میں بارہ سال کی عمر سے اوڑھتی ہوں اتار کر پھینک دوں، بال جو وہ پہلے ہی ایک بار کاٹ چکے ہیں اور بڑی مشکل سے بڑھے ہیں کٹوا دوں، ہر روز بیوٹی پارلر میں بیٹھی رہوں۔ گھر کا خرچا تو وہ مجھے رُلا رُلا کر دیتے ہیں، بیوٹی پارلر کا خرچ کیسے دیں گے اور...... میڈم جی بیوٹی پارلر جانے سے میرے نین نقش تو تبدیل نہیں ہو سکتے ناں جی...... انہوں نے تو ویسا ہی رہنا ہے جیسا اللہ نے انہیں بنایا ہے۔‘‘ اس کی دل گرفتگی بڑھ گئی۔
’’اللہ نے آپ کو بہت اچھا بنایا ہے، آپ کے نین نقش بہت اچھے ہیں، بس ذرا سی توجہ چاہیے انہیں اور اچھا لگنے کے لیے۔‘‘ میں نے اس کی دلجوئی کی۔
’’رہنے دیں جی...... مجھے پتا ہے کتنے اچھے ہیں...... جسے پیا چاہے وہی سہاگن...... میرے شوہر نے تو مجھے کبھی منہ ہی نہیں لگایا۔ وہ کہتا ہے یہ زبردستی کا رشتہ ہے، میں تو تجھ سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔‘‘
’’تو پھر کیوں کر لی اس نے؟‘‘
اس نے مجھے دیکھا...... اس کی آنکھوں میں نمی کے ساتھ اِک کرب بھی جھلک رہا تھا۔
’’اس کی بہن کا رشتہ میرے بھائی سے جو طے

تھا۔'' اس نے میرے سوال کے جواب میں کہا۔
''اچھا تو وٹے سٹے کی شادی تھی آپ کی اس سے۔''
''ہاں جی......''
''اس کی بہن کی شادی ہوگئی آپ کے بھائی سے؟''
''ہاں جی......تین بچے ہیں ماشاء اللہ ان کے بھی۔''
''میاں، بیوی خوش ہیں؟''
''بہت......''
''اس کی بہن سے تو آپ کا ڈبل رشتہ ہوا۔''
''ڈبل نہیں جی ٹرپل۔''
''کیا مطلب؟''
''ہم کزنز بھی ہیں...... میرے سسر میرے ماموں بھی ہیں۔''
''آئی سی......یعنی آپ کے ہسبینڈ آپ کے ماموں کے بیٹے ہیں۔''
''جی ہاں جی......''
''پھر تو اس شخص کو آپ سے اپنے اس رشتے کی بھی لاج ہونی چاہیے۔آپ کے ماموں حیات ہیں؟''
''ہاں جی ماشاء اللہ ماموں، مامی دونوں حیات ہیں۔''
''وہ نہیں سمجھاتے اپنے بیٹے کو۔''
''جب آدمی خود نہ سمجھنا چاہے تو اسے کوئی بھی نہیں سمجھا سکتا۔''
''اس کی بہن آپ کے بھائی کے گھر میں ہے۔ بھائی سے کہیں اس کی خبر لے۔''
''اپنے گھر کی آگ میں دوسرے گھر میں کیوں پھینکوں جی۔''
اس کے جواب نے مجھے شرمندہ کر دیا۔
''پتا تو ہوگا آپ کے بھائی بھابی کو۔''
''میں ایک تھوڑی ہوں جی...... پتا نہیں کتنی ایسی عورتیں ہیں جن کے ماں، باپ، بہن، بھائی سب کو پتا ہوتا ہے کہ شوہر اُن کے گھر کی بیٹی کے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہے پھر بھی وہ بیچارے چپ رہتے ہیں، گھر جو بسانا ہوا جی۔''
''چائے پلواؤں آپ کو؟'' مجھے اس سے ہمدردی محسوس ہونے لگی۔
''نہیں جی......شکریہ......اتنی ذلت کے بعد تو بندہ زہر پینے جوگا بھی نہیں رہتا۔''
''آپ پڑھی لکھی ہیں؟''
''اب تو پڑھا لکھا سب بھول گئی جی...... ویسے بی اے کیا تھا میں نے۔''
''اور آپ کے شوہر؟''
''میٹرک فیل......''
''سعودی عرب میں کیا کرتے ہیں؟''
''کسی عربی کی دکان پر ملازم ہیں۔''
''حلیے سے تو ٹھیک ٹھاک لگتے ہیں۔''
''باہر جا کر بندے کے پر ہی نکل آتے ہیں میڈم جی۔''
''آپ کبھی گئیں باہر؟''
''حسرت ہے کہ کبھی حرم پاک دیکھوں، مسجد نبویؐ میں سجدے کروں۔'' اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔
''کہیں اپنے شوہر سے کہ بلائے وہ آپ کو؟''
''اس کے بلانے سے کچھ نہیں ہوتا، بلاوا تو اوپر سے آتا ہے جی۔''
''آپ اتنی سمجھدار ہیں، اتنی اچھی باتیں کرتی ہیں، مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ شوہر کی آپ سے انڈر اسٹینڈنگ کیوں نہیں۔''
''وہ مجھے انڈر اسٹیمیٹ کرتا ہے......حقیر سمجھتا ہے، مجھے اپنے لائق نہیں سمجھتا۔''
''تھوڑا سا چینج کر لیں آپ خود کو۔''
''کیا......کیا چینج کر لوں جی؟''
''برقع کی جگہ عبایا یا چادر......آج کل تو بڑے فیشنی عبایا آگئے ہیں بازار میں۔''
''عبایا میری صورت تو نہیں بدل سکتا۔''
''میک اپ سے صورت بھی بدل جاتی ہے، آپ جب بھی میرے پاس آئی ہیں بغیر میک اپ کے۔''
''پہلے میں کرتی تھی، فاؤنڈیشن، مسکارا، لپ اسٹک سب استعمال کرتی تھی۔ بیوٹیشن کا کورس بھی کیا ہوا ہے میں نے مگر وہ پھر بھی مجھے طعنے دیتا رہتا، مذاق اڑاتا،

کہتا تو کچھ بھی کرلے تیری اصل صورت تو وہی رہنی ہے، تنگ آ کر میں نے اپنی ساری کاسمیٹکس بانٹ دیں۔ اب میں کچھ نہیں لگاتی..... جیسی ہوں ویسی ہی رہتی ہوں۔''

''میں آپ کو اپنی ایک ٹیچر سے ملواؤں گی..... لباس اور میک اپ میں، میں نے ان سے بہتر خاتون اپنے اسٹاف بلکہ تمام حلقۂ احباب میں نہیں دیکھی۔ وہ آپ کو میک کے ایسے گر بتائیں گی کہ بندہ میک اپ میں ہوتے ہوئے بھی بالکل نیچرل دکھتا ہے۔''

اس کے لبوں پر بڑی دل گرفتہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''میڈم جی مقدر کسی بھی میک اپ سے نہیں بدلتا۔ خیر آپ کہتی ہیں تو میں مل لوں گی ان سے۔''

''ابھی ملوادوں؟''

''آپ کی مرضی.....''

اگرچہ میرے بہت سے دفتری امور میری توجہ کے منتظر تھے لیکن نہ جانے کیوں میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں اگر اس خاتون کی کچھ مدد کرسکتی ہوں تو ضرور کروں کسی کے کام آنا، کسی کو مشکل سے نکالنا بھی تو خدمت ہے۔

میں نے مسز تمکین حیدر کو بلوایا۔ وہی ٹیچر جنہیں پرسنالٹی گرومنگ میں میرے حلقۂ احباب میں خاص امتیاز تھا، دونوں خواتین کو باہم متعارف کرانے کے بعد میں نے اپنی ساتھی سے کہا۔

''مسز حیدر.....! آپ کو ان خاتون کی پرسنل گرومنگ میں مدد کرنی ہے..... یہ گاہے، گاہے آپ کی اور اپنی سہولت کے مطابق آپ سے رابطے میں رہیں گی۔''

''ٹھیک ہے میڈم.....'' تمکین حیدر نے کہا۔

''تھینک یو..... بس آج آپ کو ان سے ملوانا مقصود تھا۔''

دونوں نے ایک دوسرے کو اپنا نمبر دیا۔ مجھے احساس ہوا کہ خاتون تمکین حیدر سے ملنے اور نمبر لینے میں کچھ زیادہ گرمجوش نہ تھی۔

تمکین حیدر کے جانے کے بعد وہ بولی۔

''میں بہت شرمندگی محسوس کررہی ہوں کہ میری وجہ سے آپ کا قیمتی وقت ضائع ہورہا ہے لیکن میری مشکل یہ ہے کہ میرے ہسبنڈ مجھے آپ کے پاس بیٹھا چھوڑ گئے ہیں اور اب ان کی واپسی کا مجھے یہیں بیٹھ کر انتظار کرنا ہے، ورنہ.....'' اس نے بات ادھوری چھوڑی۔

''ورنہ.....؟''

''جواباً میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتی۔'' یہ بات کہتے ہوئے اس کے چہرے سے سخت سراسیمگی ٹپک رہی تھی۔

''اتنا ظلم کیوں سہتی ہیں آپ.....؟'' مجھے خاتون سے اور ہمدردی ہوئی۔

''بچوں کی خاطر.....'' اس کے لبوں پر محزون سی مسکراہٹ ہویدا ہوئی۔ پھر اس نے کہا۔'' میڈم جی میں تو یہ سوچ کر ہی اُن کی ہر زیادتی کو چپ چاپ برداشت کرلیتی ہوں کہ میں اپنے بچوں کی نوکرانی بن کر ان کے گھر میں پڑی رہوں۔''

میرا دل ایک ایسی عورت کے غم میں گھلنے لگا جس سے میری واجبی سی شناسائی تھی۔

شوہر کی واپسی تک وہ میرے دفتر ہی میں بیٹھی رہی، وہ واپس آیا تو اسے دیکھتے ہی وہ سہم کر سمٹ سی گئی۔ شوہر اور بیوی کے درمیان محبت اور انسیت کے بجائے ڈر اور خوف کا یہ تعلق میرے لیے ایک غیر معمولی منظر تھا۔

''امید ہے آپ نے اس کی اچھی طرح کلاس لی ہوگی۔'' شوہر نے کہا۔

''خدا رحم کرے۔'' میرا دل پورا کا پورا خاتون کی حمایت وطرفداری میں تھا۔

''چلتے ہیں میڈم.....'' وہ اکھڑ لہجے میں بولا۔

''او کے.....''

خاتون نے میری طرف دیکھا..... خوف، وحشت، دہشت، بے بسی، بے یقینی میں نے اس سے پہلے نہ اس کے بعد کبھی کسی عورت کی آنکھوں میں وہ کیفیت نہیں دیکھی۔

وہ آگے تھا اور برقع میں لپٹی عورت اپنے دونوں بازوؤں کو سمیٹے اس کے پیچھے، پیچھے۔

میں بہت مضمحل سی اپنی کرسی پر واپس بیٹھی اور اگلے ہی لمحے کمرے سے باہر جانے کو یوں اٹھ کھڑی ہوئی جیسے تازہ ہوا میں جا کر گہری سانسیں نہ لیں تو میرا دم گھٹ جائے گا۔

مجھے اس خاتون سے دلی ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔

☆☆☆

دو تین ہفتے گزرے کہ ایک روز یاسمین کی والدہ مجھ سے ملنے آ گئی۔ اس بار تنہا اور نہایت مطمئن اور بشاش......

''کیسی ہیں آپ......؟'' میں نے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں میڈم جی...... اللہ کی مہربانی ہے۔'' وہ مسکرائی۔

''تمکین حیدر سے رابطہ کیا آپ نے؟''

''جی نہیں......''

''کیوں؟''

''بس جی جب تک وہ رہے کسی اور بات کا ہوش ہی نہیں رہا۔''

''یعنی اتنا بے ہوش رکھا انہوں نے۔'' میں نے خوش مذاقی کا مظاہرہ کیا۔

''آپ کی سوچ سے بڑھ کر میڈم۔''

''پھر بھی آپ خوش ہیں۔''

''کیا کروں...... میرے سرتاج اور بچوں کے باپ جو ہیں۔''

''عجب اطاعت گزاری ہے۔''

''مجبوری ہے ناں جی......''

''ایک بات پوچھوں؟''

''پوچھیں۔''

''کبھی محبت بھی رہی آپ کو اس شخص سے؟''

''کبھی......'' اس نے پل بھر کو توقف کیا پھر پورے یقین سے بولی۔ ''وہ جی ایک پرانا ہندوستانی گانا ہے ناں تو پیار کرے یا ٹھکرائے...... ہم تو ہیں تیرے دیوانوں میں...... وہ فٹ بیٹھتا ہے مجھ پر۔'' پھر دھیرے سے ہنس دی۔

''عجیب بات ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ شہر کی رہنے والی ہیں ناں جی اس لیے آپ کو عجیب لگتا ہے...... ہم گاؤں کی عورتوں کی گھٹی میں پڑی ہوتی ہے اطاعت گزاری...... کتنی پڑھ لکھ جائیں انہیں مائیں یہی سمجھاتی ہیں کہ مرد کے پیچھے سر جھکا کر چلنا ہے، گاؤں سے شہر آ کر بھی ہم اپنے مردوں کے پیچھے گائے کی طرح سر جھکا کر چلتی ہیں۔''

''بہر حال پچھلی ملاقات کے مقابلے میں آپ بہت مختلف دکھائی دے رہی ہیں۔ ریلیکسڈ اور خوش......''

''خوش تو خیر میں اُن کے ہونے سے ہوتی ہوں۔ اب یہ اور بات ہے کہ میں انہیں خوش دکھتی اچھی نہیں لگتی۔''

''حیرت ہے کہ آپ ایسے آدمی کے ہونے سے خوش ہوتی ہیں۔''

''محبت اسی کو کہتے ہیں جی۔''

''محبت!'' میں دھیرے سے ہنسی۔ ''جو شخص اتنی ذلت کرے اس سے تو نفرت بھی نہ کرے بندہ......''

وہ مسکرا دی۔

''زیادہ پڑھے لکھے بندوں کا فلسفہ ہم جیسی معمولی پڑھی لکھی عورتوں کی سمجھ میں کب آتا ہے جی..... ہم تو بس محبت کرتے ہیں۔''

''اب کب آئیں گے محترم؟''

''انشاء اللہ اگلے سال.....''

''اور آپ..... اگلے سال تک ان کے نام کا ورد کرتی رہیں گی؟''

''ظاہر ہے..... آپ کو ایک بات بتاؤں..... اس بار انہوں نے اخبار میں ضرورتِ رشتہ کا اشتہار بھی دیا۔''

''کس کے رشتے کا۔''

''اپنے رشتے کا۔''

''واقعی.....؟''

''ہاں جی.....''

''آپ نے اعتراض نہیں کیا۔'' میں نے اسے حیرانی سے دیکھا۔

''اعتراض.....'' وہ مسکرائی۔ ''اعتراض کیوں؟ جب وہ مجھے اپنے لائق سمجھتے ہی نہیں تو میں اعتراض کیوں کرتی..... میں نے آپ سے کہا تھا ناں میں تو اُن کے بچوں کی نوکرانی بن کر ان کے گھر میں پڑی رہنے میں بھی خوش ہوں۔''

''کوئی رشتہ ملا.....؟''

''نہیں جی..... جو انہیں پسند آئے تھے وہ ان کی کم تعلیم یا کسی اور بات پر اعتراض کر دیتے تھے اور جنہیں یہ پسند آتے تھے وہ انہیں اچھے نہیں لگتے تھے۔ کئی گھروں میں، میں بھی ان کے ساتھ گئی۔''

''اپنے شوہر کے لیے رشتہ دیکھنے۔'' میں نے اسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔

''ہاں جی..... وہ مجھے اپنی بھابی ظاہر کرتے تھے..... پہلی شادی اور بچوں کا تھوڑی بتاتے تھے۔''

''مائی گاڈ.....'' میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''اتنا حیران پریشان ہونے کی ضرورت نہیں میڈم جی..... یہ دنیا ہے یہاں بہت کچھ ہوتا ہے..... خیر جی چھوڑیں، آپ یاسمین کا بتائیں کیسی جا رہی ہے۔''

''یہ تو اس کی ٹیچر زہی بتائیں گی..... میں اس کی کلاس ٹیچر کو بلوائے لیتی ہوں۔''

''تھینک یو..... ہو سکے تو یاسمین کو بھی بلوا لیں جی..... کہہ رہی تھی کہ امی آپ میڈم کے پاس آؤ تو مجھے ضرور ملنا۔''

میں نے یاسمین اور اس کی کلاس ٹیچر دونوں کو بلوایا۔ یاسمین میرے دفتر کے دروازے پر وارد ہوئی تو ماں کو دیکھتے ہی کھل اٹھی۔ مجھے یاد آیا باپ کو میرے دفتر میں بیٹھے دیکھ کر وہ کتنی سہم سی گئی تھی۔

☆☆☆

تعلیمی سال ختم ہونے تک یاسمین کی والدہ بارہا میرے پاس آئی تھی۔ کبھی بیٹی کی تعلیمی کیفیت کا احوال معلوم کرنے، کبھی اسے کسی ضرورت کے تحت جلد چھٹی دلوانے کے لیے، ایک دو مرتبہ اس کی بیماری کے باعث اسکول سے رخصت کی درخواست دینے۔ کبھی اس کے میقاتی امتحان کا نتیجہ لینے کبھی اسکول کی کسی تقریب میں شرکت کرنے۔ ماں کی موجودگی میں یاسمین مجھ سے ملتی تو اس کے چہرے پر بکھری بشاشت مجھے اپنی مرحومہ ماں کی یاد دلاتی۔ عمر رسیدگی کے باوجود اپنی ماں کو دیکھ میں خود بھی تو بشاشت میں ڈوب جایا کرتی تھی۔ پچاس برس کی عمر تجاوز کرنے کے باوجود ماں کے سامنے خود کو بچہ سمجھنے لگتی تھی۔ خدا میری ماں کو غریقِ رحمت کرے۔

سالانہ امتحانات کے نتائج میں یاسمین اور جونیئر سیکشن میں زیرِ تعلیم اس کے بہن، بھائی کوئی امتیازی حیثیت تو نہ لے سکے تاہم اچھے نمبروں سے پاس ہوگئے۔ یاسمین اپنی جماعت میں نویں نمبر پر رہی، عمر کے اعتبار سے اس کا شمار اپنی جماعت کی کم عمر طالبات میں ہوتا تھا۔ باسٹھ طالبات میں اس کا نویں نمبر پر ہونا تسلی بخش نتیجہ تھا مگر اس کی والدہ نہایت پریشان تھی۔

''میڈم جی اس کے پاپا آئیں گے تو میری بہت بری خبر لیں گے۔ وہ تو کہتے ہیں میرے بچوں کو کلاس

میں ٹاپ پر ہونا چاہیے۔'' اس نے پریشانی کے عالم میں مجھ سے کہا۔

''ان سے کہیے گا کہ آپ کے بچوں سے زیادہ اچھے اور لائق بچے بھی ہیں ان کی کلاسوں میں۔''

''میڈم جی میں یہ کب کہہ سکتی ہوں ان سے۔''

''میرے پاس بھیجیے گا، میں بات کروں گی ان سے۔''

یاسمین کی والدہ روہانسی ہو رہی تھی۔

''آپ جتنا اپنے شوہر کے خوف کو اپنے اوپر طاری رکھیں گی وہ اتنا ہی شیر ہوتے جائیں گے...... ان سے کہیں زندگی کی حقیقتوں کو قبول کرنا سیکھیں۔'' میں نے اسے سمجھایا۔

''میں جس دن ان سے اتنا کہہ سکوں اس روز خوشی سے مر ہی نہ جاؤں۔''

''مجھے آپ سے ہمدردی بھی محسوس ہوتی ہے غصہ بھی آتا ہے آپ پر...... جس شخص نے تین بچے پیدا کروا لیے آپ سے...... جس کی عدم موجودگی میں آپ اس کا گھر اور بچے سنبھالے بیٹھی ہیں اس سے اتنا کیوں ڈرتی ہیں۔''

''تاکہ میرا گھر بسا رہے، بچے میرے سائے کے نیچے بیٹھے رہیں...... میرے بچے میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی اور امید ہیں جی۔'' اس نے بیچارگی سے مجھے دیکھا پھر بولی۔

''گھر اور بچوں کے لیے عورت خود کو اتنا کمزور تو نہ کرے۔''

''کیا کروں جی...... مجبور ہوں۔''

''کیا مجبوری......؟''

''آپ کی طرح مضبوط عورت نہیں ہوں ناں جی......''

''مضبوط بنیں۔''

''نہیں بن سکتی۔''

''کیوں نہیں بن سکتیں؟''

''وہ غصے میں اول فول منہ سے نکال دے تو میں اس کے گھر سے نکل کر کہاں جاؤں گی۔''

''خدا کی زمین بہت بڑی ہے۔''

''مگر میرے پر تو کٹے ہوئے ہیں ناں جی۔''

''تو پھر ساری زندگی اس سے ڈری بیٹھی رہیں۔''

''خیر ہے جی...... ایسے بھی گزر جائے تو خوش ہوں میں۔''

عجیب عورت تھی...... ذلت سہہ کر، دباؤ میں رہ کر بھی خوش......

☆☆☆

نیا تعلیمی سال شروع ہو گیا۔ اس سے پھر ملاقات ہوئی۔ ساتویں جماعت کی معاشرتی علوم کی درسی کتاب بازار میں دستیاب نہ تھی اور یاسمین نے ماں سے کتاب کی کسی بھی صورت فراہمی کا تقاضا کر رکھا تھا۔

''میڈم جی......! پتا نہیں کتنی دکانیں چھان ماریں میں نے...... اردو بازار بھی گئی۔ یاسمین کی معاشرتی علوم کی بک نہیں ملی اور اس کا روز کا رونا یہی ہوتا ہے کہ مجھے بک لا کر دو ورنہ میں سوالوں کے جواب کیسے یاد کروں گی۔ فرسٹ ٹرم میں نتیجہ اچھا نہیں آیا تو پاپا ناراض ہوں گے۔ پلیز آپ کچھ بندوبست کر دیں۔''

''میں دیکھتی ہوں، اگر مل گئی تو یاسمین کو دے دوں گی۔''

''یاسمین کے پاپا بھی آنے والے ہیں۔''

''کب......؟''

''انشاءاللہ اگلے ماہ۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

میں نے دل میں سوچا اگر میں اس کی جگہ ہوتی تو ''انشاءاللہ'' کے بجائے لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہتی۔

ٹیچرز سے کہہ سن کر یاسمین کے لیے معاشرتی علوم کی کتاب مل گئی۔ یاسمین کی والدہ نے مجھے فون کیا۔

''شکریہ میڈم جی...... اللہ آپ کو خوش رکھے۔''

''شکریہ کی کوئی بات نہیں۔''

''کوئی آنکھ کا تنکا بھی نکال دے تو بندہ اس کا شکریہ ادا کرتا ہے، آپ نے تو میرے دل کی پھانس نکالی ہے۔ بک نہ ملتی تو یاسمین کے پاپا نے آ کر میرا حشر کر دینا تھا۔ کہتے تو کہیں سے بھی بک پیدا کرتی......

گالیاں دے، دے کر انہوں نے میرا دماغ خراب کر دیتا تھا۔''

''گالیاں بھی......''

''ایسی، ایسی میڈم جی کہ بندہ ناک پر رومال رکھ لے۔''

''مائی گاڈ......!''

☆☆☆

سال کے تقریباً وہی دن تھے جن دنوں گزشتہ برس یاسمین کا باپ دو مرتبہ اسکول آیا تھا۔

اس روز میں راؤنڈ لے کر اپنے آفس تک پہنچی ہی تھی کہ میرے دفتر کے عین مقابل واقع انتظامیہ دفتر سے یاسمین کا باپ باہر آتا دکھائی دیا۔

''السلام علیکم میڈم......'' اس نے مجھے دیکھتے ہی نہایت گرمجوشی سے سلام داغا۔

''وعلیکم السلام......'' میں ٹھٹک گئی۔ دل میں اس کے خلاف کدورت عود کر آئی۔

''میڈم بچی کا اسکول لیونگ سرٹیفکیٹ لینا چاہتا ہوں، دفتر سے فارم لے کر پُر بھی کرالیا ہے۔'' اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔

''کہاں لے جا رہے ہیں اسے؟'' میں نے پوچھا۔

میرا خیال تھا وہ کسی اسکول کا نام لے گا لیکن اس نے کہا۔

''سعودیہ۔''

میں چونکی۔ ''سب کو......؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں جی......فیملی کو لے جا رہا ہوں۔''

''گڈ......''

مجھے لگا یاسمین کی ماں کی دعا قبول ہوگئی تھی۔ اس نے کہا تھا ناں......''حسرت ہے کبھی حرم پاک بھی دیکھوں...... مسجد نبویؐ میں سجدے کروں۔''

یاسمین کا باپ غیر معمولی خوش دکھائی دیتا تھا۔

''بہت اچھا کر رہے ہیں آپ...... ممکن ہو تو فیملی کو اپنے ساتھ ہی رکھنا چاہیے۔'' میں نے اس سے کہا۔

''بس جی بڑے عرصے سے خواہش تھی۔ اللہ پاک نے پوری کر دی۔'' باتیں کرتا ہوا وہ میرے ساتھ ہی دفتر میں آ گیا۔ میں نے فارم پر دستخط کیے، اور اس کے حوالے کر دیا۔

''میڈم کب تک مل جائے گا سرٹیفکیٹ؟''

''ہم صرف ایک دن لیتے ہیں۔ چونکہ آپ بچوں کو لے کر باہر جا رہے ہیں اس لیے سرٹیفکیٹ ڈائریکٹریٹ سے کاؤنٹر سائن کروانا ضروری ہے آپ پرسوں سرٹیفکیٹ لے سکتے ہیں۔ واجبات آپ آج ہی کلیئر کر دیں۔''

''جی بہتر......میں فیس وغیرہ ادا کر دیتا ہوں سٹوفکیٹ بچی کو دے دیجیے گا۔'' اس کے جانے کے بعد میں نے آفس کلرک کو بلا کر ہدایت کی کہ بچی کا اسکول لیونگ سٹوفکیٹ جاری کرنے میں تاخیر نہ کی جائے۔ مجھے خوشی تھی کہ یاسمین کی ماں حرم پاک کی زیارت اور مسجد نبویؐ میں سجدوں کی سعادت حاصل کرنے جا رہی تھی۔

تیسرے دن یاسمین کا اسکول لیونگ سرٹیفکیٹ ڈائریکٹریٹ سے کاؤنٹر سائن ہو کر واپس آیا تو میں نے یاسمین کو اپنے دفتر میں بلوایا اور سرٹیفکیٹ ایک لفافے میں بند کر کے اسے دیتے ہوئے کہا۔'' یاسمین سعودی عرب جا رہی ہو والد کے ساتھ؟''

''یس میڈم......'' بچی غیر معمولی خوش دکھائی دیتی تھی۔

''اچھا، اچھا پڑھنا وہاں جا کر۔''

''اوکے میڈم......''

''اور ہاں ماما کو میرا اسلام دینا اور کہنا پرنسپل آپ کے لیے بہت دعا کر رہی تھیں۔''

''اوکے......''

یاسمین سرٹیفکیٹ لے کر چلی گئی۔

''شاید اس سرزمین کی برکت سے اس بچی کی ماں کا مقدر بدل جائے۔'' میں نے نہایت خشیت سے سوچا۔

☆☆☆

کافی دن گزر گئے۔ گرمائی تعطیلات کے ابتدائی دن تھے، اسکول میں سناٹا تھا۔ تعطیلات ہو جاتیں تو

ادارے کے بام و در گہری خاموشی میں ڈوب جاتے۔ نہ تتلیوں کی طرح متحرک طالبات اِدھر سے اُدھر جاتی نظر آتیں نہ راہداریوں میں میری رفقائے کار کی اونچی ایڑیوں والے جوتوں کی نغمگی سنائی دیتی۔ میں روزمرہ دفتری امور نمٹاتی اور میرے دفتر کے سامنے والے کمرے میں غیر تدریسی دفتری عملہ اپنے کاموں میں مصروف رہتا۔ کبھی کبھار کوئی ملاقاتی آجاتا اور بس...... دس، گیارہ بجے فضا میں چائے کی خوشبو اٹھلانے لگتی۔

اس روز بھی میں اپنے معمول کے دفتری امور میں مصروف تھی کہ دفتر کے داخلی دروازے پر ایک مہین سی آواز نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کرالی۔

''آسکتی ہوں میڈم؟''

دروازے پر یاسمین کی والدہ کھڑی تھیں۔ اسی طرح برقع پوش اور چہرے کے نصف زیریں حصہ پر نقاب دُہری کر کے لپیٹے ہوئے۔ مجھے اچنبھا ہوا، یاسمین کا اسکول چھوڑنے کا سرٹیفکیٹ جاری ہوئے تو کافی دن ہوگئے تھے۔ میرے ذہن میں ایک ساتھ کئی سوال آئے۔

کیا کسی وجہ سے ان لوگوں کو جانے میں دیر ہوگئی تھی۔ اور اب یاسمین کی ماں جانے سے پہلے مجھ سے الوداعی ملاقات کرنے آئی تھی؟

''خدانخواستہ پروگرام تو نہیں بدل گیا تھا اس شخص کا؟''

''آئیں، آئیں مسز ادریس......'' میں نے گرمجوشی سے کہا۔

وہ نپے تلے قدم اٹھاتی میری میز تک آپہنچی۔

''بیٹھیں۔'' میں نے اپنے سامنے پڑی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''بیٹھوں گی نہیں میڈم...... باہر گیٹ پر ٹیکسی کھڑی ہے...... میں جارہی ہوں آپ سے آخری ملاقات کرنے آئی ہوں۔''

''مجھے معلوم تھا...... آپ مجھ سے ملنے ضرور آئیں گی...... لیکن جب اتنے دن گزر گئے تو میں نے سوچا آپ کو وقت نہیں ملا ہوگا مجھ سے ملنے کا۔''

''ایسا ہوسکتا تھا جی کہ میں آپ سے مل کر نہ جاتی۔ آج جارہی ہوں تو آپ سے ملنے کے لیے آگئی ہوں۔''

''خدا آپ کو خوش رکھے...... بچوں کو بھی ساتھ لے آئیں...... میں ان سے بھی مل لیتی۔ یاسمین بہت پیاری بچی ہے۔''

''ہاں جی بچے تو میرے تینوں ہی بہت پیارے ہیں۔ اللہ انہیں سدا خوش رکھے۔''

''آپ کے ساتھ ہیں تو بلوالیں انہیں بھی۔''

''نہیں جی...... انہیں تو ان کے پاپا اپنے ساتھ سعودیہ لے گئے۔''

''اور آپ......'' میں بے ساختہ چونکی۔

''میں...... میں جی یہیں ہوں۔''

''تو وہاں بچوں کے ساتھ؟''

''ان کے پاپا اور نئی ماما......'' اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

''کیا مطلب......؟''

''چترال سے لڑکی خرید لائے تھے جی اپنے لیے...... نوجوان...... حسین...... اس سے نکاح کرلیا...... اسے اور بچوں کو لے گئے اپنے ساتھ۔''

میں شاکڈ رہ گئی۔

''آپ نے بچوں کو کیوں جانے دیا؟''

''کیا کرتی؟''

''نہ جانے دیتیں انہیں۔''

''زور نہیں تھا جی میرا...... کہنے لگے اگر تو نے بچوں کو نہ جانے دیا تو خرچا نہیں بھیجوں گا...... میرے گھر والوں نے کہا لے جانے دے تو کہاں سے پالے گی انہیں...... کہاں سے انہیں پڑھائے گی...... کیسے ان کا خرچ پورا کرے گی۔''

''پھر......؟'' میں ناقابلِ بیان حیرانی اور صدمے میں تھی۔

''پھر جی وہ لے گئے بچوں کو...... میں اکیلی رہ گئی...... سوچا تھا کہ اسی گھر میں بیٹھ کر اپنے بچوں کی واپسی کا انتظار کروں گی مگر......'' اس کی آواز بھرّا گئی

اور وہ نقاب مٹھی میں دبوچ کر اپنی آنکھیں پونچھنے لگی۔

"مگر......کیا ہوا؟" میں اس کی بات پوری سننا چاہتی تھی۔

"بچے اپنے بستے یہیں چھوڑ گئے تھے، میں روز انہیں جھاڑتی، سونگھ کر اپنے بچوں کی خوشبو ان کے بستوں میں ڈھونڈتی، ان کی کاپیاں نکال کر ان کی لکھائی سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتی...... عجیب بات ہے میڈم یا شاید اتفاق کہ یاسمین کی معاشرتی علوم کی اسی کتاب سے جو آپ نے اسے جانے کہاں سے تلاش کروا کے دی تھی۔ ایک لفافہ گرا اور اس لفافے میں بند کاغذ نے میرے پیروں تلے سے اس گھر کی زمین بھی کھینچ لی جہاں بیٹھ کر میں اپنے بچوں کی واپسی کا انتظار کرنا چاہتی تھی۔ اس لفافے میں وہ میرا طلاق نامہ چھوڑ گئے تھے۔"

میرا دل جیسے منوں بوجھ تلے دب گیا۔

اپنی کرسی سے اٹھ کر میں اس کی طرف بڑھی اور اسے گلے لگا لیا۔

"میں اب اپنے ماں، باپ کے گھر جا رہی ہوں۔ گاؤں میں......اس امید پر زندہ بیٹھی رہوں گی کہ میرے بچے کبھی تو میرے پاس آئیں گے۔ آپ کو میں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔"

"میں بھی......" میں فقط اتنا ہی کہہ سکی۔

"خدا حافظ......" وہ جانے کو مڑی۔

"ٹھہریے، میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں گیٹ تک۔"

وہ میری طرف مڑی اور اس نے مجھے بھیگی آنکھوں سے دیکھا دھیرے سے مسکرائی......وہ مسکراہٹ مجھے اپنے دل کے آر پار ہوتی محسوس ہوئی۔

"ہاں، کہتے ہیں......میت کے ساتھ چالیس قدم اٹھانے کا بہت ثواب ہوتا ہے......" اس نے کہا۔

میں حیران تھی کہ وہ مسکرانے کا حوصلہ کہاں سے لائی تھی۔

گیٹ کے باہر کھڑی ٹیکسی میں ایک عورت ایک بچہ گود میں لیے بیٹھی تھی۔

"یہ میری بھابی ہے میڈم......یاسمین کے پاپا کی بہن......گاؤں سے مجھے لینے کے لیے آئی ہے، بھائی بھی ساتھ ہیں......سامنے قبرستان میں فاتحہ پڑھنے گئے ہیں، بس آنے والے ہوں گے۔"

ٹیکسی میں بیٹھی عورت نے اپنا ہاتھ کھڑکی سے باہر نکالا۔ مجھے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے نہ جانے کیوں یہ احساس ہوا کہ میں اپنے کسی محسن کے دشمن سے ہاتھ ملا رہی تھی......حالانکہ بھائی کے کیے میں اس بیچاری کا کیا دوش تھا۔

"مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا میڈم......" یاسمین کی والدہ نے کہا۔

"انشاء اللہ......" میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تھپتھپایا۔

بھائی کے آنے تک وہ ٹیکسی سے باہر ہی میرے ساتھ کھڑی رہی......بھائی آتا دکھائی دیا تو اس نے کہا۔

"اچھا میڈم جی...... چلتی ہوں...... خدا حافظ......" وہ ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔

بھائی نے نزدیک آ کر مجھے سلام کیا پھر اگلی نشست پر ڈرائیور کے برابر میں بیٹھ گیا۔

ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ میں کھڑی رہی۔ اس وقت تک جب تک ٹیکسی اور ٹیکسی کی کھڑکی سے باہر دھیرے، دھیرے لہراتا اس کا ہاتھ میری نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گیا۔

کتنی عجیب بات تھی مجھے اس کا نام معلوم نہ تھا۔ نہ کبھی اس نے بتایا نہ میں نے معلوم کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ مگر برسوں گزر جانے کے بعد بھی میری بیاضِ دل کا ایک ورق اسی کے بے نام چہرے کا امین بنا ہوا ہے۔ خدا جانے اس کے بچے واپس لوٹے ہوں گے کہ نہیں......! خدا جانے اس کی حرم پاک کی زیارت اور مسجد نبویؐ میں سجدوں کی آرزو پوری ہوئی ہوگی کہ نہیں......خدا جانے وہ کہاں ہوگی؟ کس حال میں ہوگی؟ اور ہوگی بھی کہ نہیں!

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM



نیا دوست

سعدیہ رئیس

تھے تو وہ میاں، بیوی مگر ان کی زندگی خطِ متوازی کی طرح گزر رہی تھی۔ بظاہر ایک مگر کنارے جدا سمتوں میں......

ان کی شادی کو پچیس برس کا عرصہ گزر چکا تھا......

تین بچے تھے۔ شہروز، فرمان اور نازک سی مرینہ۔

زندگی بظاہر مکمل، خوب صورت مگر درحقیقت ادھوری اور بے رنگ تھی۔ بظاہر پُرسکون مگر اندر ایک تلاطم...... وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے سمجھوتا کر

رہے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ سے ایسے ہی تھے جب عائزہ اور تجمل کی شادی ہوئی تھی تو ان کے درمیان بڑی بے مثال محبت تھی۔ ایک دوجے کے بنا وقت کاٹنا مشکل تھا۔ تجمل تو جیسے کسی جانثار پروانے کی طرح اس پر جان چھڑکتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی سنگت میں... سرشار، دنیا کو بھلا بیٹھے تھے انہی خوشیوں بھرے لمحات میں شہروز کی آمد نے ان کی زندگی کو مکمل کر دیا۔

اس کے بعد دونوں کی زندگی نے ایک نیا موڑ لیا۔ مصروفیات اور ذمے داریوں کے اضافے نے بھی زندگی کے حسن کو کم نہ کیا تھا۔ مگر پھر رفتہ، رفتہ مزاج اور عادات کے فرق نے دلوں میں فرق ڈالنا شروع کر دیا۔ ایک بے نام سی خلیج ان دونوں کے درمیان حائل ہوتی گئی جسے شروع میں سمجھتے ہوئے بھی دونوں نے نظر انداز کیا۔

''مجھے کیا، میں کیوں کہوں جب خود احساس ہوگا تب سب درست ہو جائے گا۔'' دونوں اپنی، اپنی جگہ سوچتے رہے۔

اندر ہی اندر انا کی دیوار اٹھتی رہی۔ وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ وہ دیوار اتنی مضبوط ہوگئی کہ محبت کا وہ ننھا سا پودا انا کی دیوار تلے دفن ہوگیا۔

فرمان اور مرینہ کی آمد نے بلاشبہ ان کے رشتے میں بے حد مضبوطی دی مگر آپس کا ربط بے جان اور مصنوعی سا رہ گیا تھا۔ جیسے بہت زبردستی اس مقدس رشتے کو گھسیٹا جا رہا ہو۔

ایسا کب تک چلتا...... پہلے پہل تو صبر و تحمل کی دیوی بن کر عائزہ برداشت کرتی رہی مگر پھر رفتہ، رفتہ تجمل کی بے حسی اور لاتعلقی نے اسے اندر سے توڑنا شروع کر دیا...... بھلا اس نے کب ایسی زندگی کی چاہ کی تھی۔

وہ تو اب بھی اس کی پیار بھری رفاقت اور توجہ کی منتظر تھی مگر تجمل کو اب اس کے جذبات کی کوئی پروا نہیں رہی تھی...... نہ ہی اس کے احساسات سے کوئی سروکار تھا۔

خیالات کے تضاد اور عادتوں کے اختلاف کے نتیجے میں ہونے والی ضد، بحث اور تلخ کلامی تو جانے کب کی فنا ہو چکی تھی اب دونوں ہی ایک خاموش معاہدے کے تحت ایک دوسرے کو نبھا رہے تھے۔

معاشرے میں اپنے تعلق کی پاسداری کو قائم رکھتے ہوئے ایک دوسرے سے بوقتِ ضرورت ہم کلام بھی ہوتے تھے، بچوں کی چھوٹی بڑی خوشیوں میں ایک دوسرے کے قریب نظر آتے مگر ان کے درمیان اصل قربت برائے نام ہی رہ گئی تھی۔ بچے ان دونوں کے درمیان پل کا کام دے رہے تھے۔ ضرورتوں، خوشیوں کے لیے سنگ میل...... مگر دلوں کا فاصلہ بے حد بڑھ گیا تھا۔

کبھی، کبھی تو عائزہ کا دم گھٹنے لگتا...... جیسے اندر ہی اندر گھٹ، گھٹ کر وہ ختم ہو رہی ہو کیونکہ اسے سمجھنے والا، اس کا ہم دم اس سے بہت دور ہوگیا تھا۔ اس نے بارہا اس کے پاس ہونے کی کوشش کی...... اپنی انا کو روند کر اس کی طرف بڑھی بھی مگر شاید بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ اپنی دلچسپیوں اور اپنی مصروفیات میں اس قدر گم ہو چکا تھا کہ عائزہ کا وجود ثانوی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

اور واقعی اس کی زندگی بے حد مصروف گزرتی تھی، ایک طے شدہ ٹائم ٹیبل کے تحت بہت نپی تلی سی زندگی...... جیسے وہ انسان نہیں مشینی روبوٹ ہو۔

علی الصباح ہی وہ جاگنگ کے لیے گھر سے نکلتا' واپسی پر فریش جوس اسے تیار ملتا...... کچھ دیر اخبار کا مطالعہ کرتا۔ اس دوران بار، بار موبائل ٹون گنگناتی رہتی اور وہ کبھی کال اور کبھی میسج بھی پڑھتا رہتا، بچوں یا خاندان سے متعلق کوئی بھی ضروری بات عائزہ ہی شروع کرتی۔ جسے وہ سرسری سی ہوں، ہاں کر کے سنتا اور مختصر لفظوں میں اپنی بات کہہ دیتا۔

جب وہ عجلت میں آفس جانے کے لیے گھر سے نکل رہا ہوتا تھا تو عائزہ بچوں کو اسکول کے لیے تیار کر رہی ہوتی تھی سو الوداعی رسمی جملوں کا تو عرصہ پہلے ہی اختتام ہو چکا تھا اور نہ ہی اب عائزہ کے چہرے پر وہ مسکراہٹ، چھلکتی تھی جسے دیکھ کر تجمل دیوانہ ہو جاتا تھا، بہانے سے پلٹ، پلٹ کر اس تک آتا تھا مگر اب ایک

سرد مہری کی دھند سب طرف چھا گئی تھی۔

چھٹی کا دن وہ دوستوں میں یا پھر انٹرنیٹ پر گزارتا تھا۔ اس کے علاوہ بہت سے ضروری و اضافی کام بھی اسی دن نمٹاتا تھا۔ اسے یوں اپنی دلچسپیوں میں مگن دیکھ کر وہ چڑتی اور کڑھتی رہتی مگر وہ تو جیسے اس پر ایک نگاہِ غلط بھی نہ ڈالتا۔ اسی لیے عائزہ کی برداشت کی حد اب ختم ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے اندر کا اکیلا پن اب اسے ڈرانے، بوکھلانے لگا تھا۔

تجمل نے تو خود کو بہت سے کاموں میں الجھانے کے علاوہ اپنی سوشل ایکٹویٹیز کو بھی جاری رکھا ہوا تھا۔ وہ روز گھر سے باہر نکلتا، مختلف لوگوں سے ملتا...... دوستوں کی گیدرنگز میں بھی جاتا مگر عائزہ تو جیسے گھرداری کے جھنجٹ میں بری طرح پھنس کر رہ گئی تھی۔ بہت ہوا تو سودا سلف لینے سپر مارکیٹ تک چلی گئی یا پھر کسی شاپنگ پلازہ میں شاپنگ کرنے میں وقت گزرتا...... مگر یہ شاپنگ بھی اسے اکیلے ہی کرنی پڑتی اور اب وہ اس کیلے پن سے اکتا چکی تھی۔ گھر کی ملازمہ سے تھوڑی بہت بات چیت ہوتی لیکن وہ کام والیوں کو زیادہ سر چڑھانے کی قائل نہیں تھی اس لیے اپنی مقرر کردہ حد سے آگے نہیں بڑھتی تھی۔ تجمل کی لاتعلقی کے دکھ کی اذیت اس کے وجود میں نوکیلی میخوں کی طرح گڑتی جا رہی تھی۔ اسی فکر سے وہ رنگ روپ بھی کھوتی جا رہی تھی۔

اس کا حلقۂ احباب بھی مختصر سا تھا۔ اماں، ابا کے بعد میکا برائے نام ورسمی سا رہ گیا تھا۔ پرانی دوستیاں یادِ رفتگاں بن چکی تھیں، اب دل کے خالی پن کو کیسے دور کرتی، اسے شدت سے ایک ہمدرد اور مخلص دوست کی کمی محسوس ہونے لگی تھی۔ اپنی جوانی اور نوخیزی کو اس نے گھر گرہستی، شوہر اور بچوں پر وار دیا تھا...... بدلے میں اسے یہ اکیلا پن ملا تو وہ بلبلا کر رہ گئی۔

وہ اپنے اندر کی خاموشی اور سناٹے سے لڑتے، لڑتے تھک چکی تھی۔ اس کا دل تجمل کی توجہ کے لیے .... بے طرح ہمکنے لگا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ کہے اور کوئی اسے سنے۔ وہ روئے اور کوئی اس کے آنسو پونچھے...... وہ کسی کے کندھے پر سر رکھ کر اپنے دل کا سارا غبار نکال لے مگر اسے کوئی بھی ایسا دوست میسر نہیں تھا کہ جو رونے کے لیے اپنا کاندھا اسے فراہم کرتا اور تجمل کی طرف سے اب اسے کوئی امید نہیں رہی تھی۔

کبھی، کبھی اسے لگتا تھا کہ تجمل جان بوجھ کر اس کے ساتھ ایسا کرتا ہے اور بلاوجہ کی مصروفیات میں خود کو الجھا کر اسے پریشان کرتا ہے اور کبھی، کبھی اسے، تجمل پر رحم آنے لگتا جو اپنا ہر منٹ اور ہر سیکنڈ شیڈول کے مطابق گزارتا نظر آتا تھا۔ گھر سے باہر نکلنا اس کی ذمے داری تھی۔ وہ مرد تھا، اس کے شانوں پر بیک وقت بہت سی ذمے داریاں اور فرائض تھے مگر جب بھی وہ فارغ وقت میں اخبار پڑھتا یا پھر موبائل میں مصروف ہوتا تو عائزہ کا شدت سے دل چاہتا کہ تھوڑا سا وقت وہ اسے بھی دے دے، اپنی باتوں کی چاشنی سے اس کے منتشر خیالات کو جذباتی یا اخلاقی سہارا دے دے تاکہ اس کا اعصابی تناؤ دور ہو جائے...... یا پھر مسکراتے چہرے سے اس کی باتیں توجہ سے سن لے، وہ باتیں جو بڑے عرصے سے اس کے دل میں تھیں مگر وہ کسی سے کہہ نہیں پا رہی تھی۔ ان باتوں پر تہ در تہ بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ اپنا کام، اپنی دلچسپی چھوڑ کر تھوڑا سا وقت اس کے لیے بھی نکال لے......صرف تھوڑا سا وقت......

مگر یہ خواہش اب اس کی حسرت بن چکی تھی۔ علاوہ گھریلو مسائل اور ضروری باتوں کے وہ اس سے کوئی دوسری بات کرتا ہی نہیں تھا۔ اب تو عائزہ کو لگنے لگا تھا کہ کسی دن اس کے دماغ کی نس پھٹ جائے گی۔ تجمل کی پُرخلوص رفاقت کے لیے وہ تڑپ رہی تھی مگر وہ اس کے سارے احساسات سے بے بہرہ بنا بس اپنی ہی زندگی جی رہا تھا۔

پھر ایسے ہی ایک اداس دن اس کے دل میں بچوں کی رفاقت کا خیال آ گیا۔ اب وہ سب بڑے ہو گئے تھے، شہروز یونیورسٹی میں تھا، فرمان کالج جاتا تھا اور

مرینہ میٹرک میں تھی۔ وہ ان سے بھی اپنے بہت سے خیالات، اپنی بہت سی باتیں اور دکھ سکھ کہہ سکتی تھی لیکن یہاں بھی اسے ناکامی ہوئی۔ وہ جس طرح ان سب کی طرف لپکی تھی اتنی ہی مایوسی سے واپس پلٹی تھی۔ وہ سب اپنی، اپنی زندگیوں میں مگن، اپنے، اپنے خانوں میں فٹ تھے۔ وہ سب ینگ جنریشن تھے اور عائزہ کا تھکن زدہ چہرہ، سیاہ سفید بال اور نامحسوس سی ڈھلکتی جلد اس کی بیتی عمر کی چغلی کھانے لگے تھے۔ ان کے خیالات میں ہی نہیں طرزِ زندگی میں بھی نمایاں فرق تھا۔ ان سب کے پاس کمپیوٹر، لیپ ٹاپ، موبائل، اسٹڈیز، موویز اور ڈھیروں ڈھیر نیٹ فرینڈز تھے۔ جبکہ عائزہ اپنی پرانی دنیا کی بکھری محبتوں کی تلاش میں بھٹکتی پھر رہی تھی...... وہ بھی بالکل تنہا......

اس نے اپنا تن من بھلا کر اس گھر کے لیے خود کو وقف کر دیا تھا اور آج تک پوری ذمّے داری سے اپنے فرائض ادا کر رہی تھی اس کے باوجود اس کا وجود ان سب کے لیے فالتو بن گیا تھا۔ وہ اس گھر کی اہم ضرورت تھی لیکن اس کی خدمات بھی معمول کے کاموں میں شمار کر لی گئی تھیں۔ اس کے بنا گھر کا نظام چلنا مشکل تھا کہ سب ہی کو اس کی عادت تھی اور اپنی خدمات کو جتانا بھی سراسر حماقت تھی کہ بالکل اسی طرح تجمل بھی پوری ذمّے داری سے اپنا فرض ادا کر رہا تھا۔ اس کے تعاون سے ہی گھر کا نظام خوش اسلوبی سے چل رہا تھا۔ لیکن ان دونوں کے درمیان اب کہیں بھی ربط نہیں رہا تھا۔

''آخر غلطی کہاں ہوئی؟'' اس نے تنہائی میں اپنا محاسبہ کیا۔ اس نے آئینے میں اپنی شکستہ اور تنہا وجود کو بغور دیکھا تو دل کو دھکا سا لگا۔ مسرت سے محروم سپاٹ چہرے پر شادابی کا دور، دور تک بھی نام و نشان نہیں تھا۔ آنکھوں میں بسا اداس تاثر امید کی ساری قندیلیں بجھا چکا تھا۔ کتنا عرصہ ہو گیا تھا اسے اپنی طرف دیکھے ہوئے یہ تو اسے یاد نہیں تھا کہ ہاں مگر دماغ کے کسی بھولے بسرے گوشے میں ہلچل سی ہوئی۔

شروع دنوں میں تجمل اس سے بار، بار کہتا تھا کہ وہ تیار ہو کر رہا کرے کافی عرصہ اس نے تجمل کی خواہش کا ایک حد تک احترام کیا لیکن فطری طور پر وہ سادگی پسند تھی۔ گھریلو خاتونِ خانہ کا روپ دھار کر اسے.... بے حد سکون ملتا تھا اور پہلے بچے کی آمد کے بعد وہ صرف ماں بن کر اسے پالنے پوسنے لگی۔ ایک فرض شناس اور فکر مند ماں جو کبھی بچے کی الٹیوں سے پریشان تو کبھی پیٹ کے درد کی فکر...... اکثر وہ ملگجے کپڑوں میں ہی ہوتی یا پھر جلد بازی میں بغیر استری کا سوٹ پہن لیتی تھی۔ آہستہ، آہستہ غیر محسوس طور پر تجمل اس سے دور ہوتا گیا۔ جب اسے اندازہ ہوا تو فاصلہ بہت بڑھ گیا تھا۔ ان دونوں کے درمیان پیدا ہونے والے اس فاصلے کی بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ خود کو تجمل کے مزاج اور پسند میں نہ ڈھال سکی۔ اسے شوخ تتلیاں اچھی لگتی تھیں۔ اسے آؤٹنگ پسند تھی، موویز پسند تھیں، کھلکھلاتے، سُریلے قہقہے اچھے لگتے تھے۔ اور عائزہ...... ان سب کے برعکس بہت سنجیدہ، باحیا اور کم سخن تھی۔ وہ اپنی ہی رو میں اپنے راستے پر چلتی رہی اور بالآخر تجمل کے دل پر چھانے کے بجائے اس کے دل سے نکل گئی۔

ایسا نہیں تھا وہ اس سے نفرت کرتا تھا، آخر کو وہ اس کی بیوی تھی، اس کے بچوں کی ماں بھی تھی۔ اس لیے وہ اس کی بہت عزت کرتا تھا ہاں لیکن دل کا تعلق سنسان ہو گیا تھا۔

تجمل اس کا ہم سفر تھا...... وہ دو مسافر جو زندگی کا نیا سفر ایک دوسرے کے ہمراہ شروع کرتے ہیں، ایک دوسرے کی پسند ناپسند کا خیال رکھنے والے اور ایک دوسرے کی رائے کا احترام کرنے والے...... زندگی کے اس سفر سے بہت سے رشتے وابستہ ہوتے ہیں جن میں سب سے پیارا اور خوب صورت رشتہ والدین اور اولاد کا ہوتا ہے مگر پھر ایک وقت ایسا آتا ہے جب وہی جان سے پیاری اولاد بھی اپنی زندگی کے نئے سفر پر گامزن ہو کر بہت مصروف ہو جاتی ہے، کبھی مصروف ہو

کر بھول جاتی ہے اور کبھی سرسری سا یاد بھی کر لیتی ہے مگر وہ پہلے کی سی بات نہیں رہتی۔ سارے پیارے رشتے جو قریب ہوتے ہیں وہ سمندر کی لہروں کی طرح دور ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ اولاد بھی......

آخر میں صرف وہ ہم سفر ساتھ ہوتا ہے جو اول روز سے اس سفر کا ہمراہی بنا تھا۔ وہی زندگی کی دھوپ چھاؤں اس کے ساتھ جھیلتا ہے، وہی جوانی کی طغیانی میں اس کے سنگ ڈبکیاں لگاتا ہے اور وہی بڑھاپے میں مونس و غمخوار ہوتا ہے لیکن عائزہ کی بدقسمتی تھی کہ اس کا ہم سفر اس سے بہت دور ہو گیا تھا۔ اس کی .... بے اعتنائی کی وجہ سے وقت سے پہلے ہی عائزہ کی جوانی ڈھلک گئی تھی اور روپ ماند پڑ گیا تھا۔ وہ کسی تھکے ہارے مسافر کی طرح کسی سایہ دار اور گھنے پیڑ کی ٹھنڈی چھاؤں میں سستانا چاہتی تھی اور وہ چھاؤں صرف تجمل ہی اسے دے سکتا تھا مگر اب وہ اس کی دسترس سے بہت دور ہو گیا تھا۔

بالآخر اس نے خود کو ہی بدلنے کا فیصلہ کر لیا۔ ابھی کچھ نہ بگڑا تھا ذرا سی محنت سے وہ ایک بار پھر تجمل کو اپنی مٹھی میں لے سکتی تھی۔

بڑے عرصے بعد اس نے بیوٹی ٹریٹمنٹ کروالیا اور اس شام جب وہ فریش چہرہ لیے گھر لوٹی تو بچوں نے اس کے اقدام کو سراہا لیکن شوہر کی سرسری سی نظر میں اس کے لیے کوئی ستائش نہ تھی سوائے تعجب کے......

''کیا کہیں جا رہی ہو؟'' بڑے عام سے انداز میں اس نے سوال کیا۔

اس کے جذبے کہیں پاتال میں گرتے چلے گئے وہ ایسے پوچھ رہا تھا جیسے وہ اس کی بیوی نہیں کوئی عام سی خاتون ہے۔

اس نے ٹوٹے دل کو تھپکی دے کر اس کی نظرِ الفت کے لیے پھر ایک کوشش کر ڈالی۔ کھانے کے بعد اس کے لیے کافی لے کر خود گئی ورنہ اس سے پہلے یہ کام مرینہ کرتی آئی تھی۔ اس نے ٹیبل پر کافی کا مگ رکھا اور وہیں بیٹھ گئی۔

وہ کرسی پر بیٹھا موبائل اسکرین پر کچھ پڑھ رہا تھا۔ اس کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ تھی۔ اس کی قلموں میں نظر آتے سفید بال اس کی وجاہت میں اضافہ کر رہے تھے۔ وہ بے اختیار اسے دیکھتی چلی گئی جیسے وہ کوئی نوعمر و نوخیز سی لڑکی ہو۔ اس کی غیر معمولی نظروں پر اس نے بے اختیار چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''خیریت تو ہے......کوئی کام ہے کیا؟'' اس نے بڑی عجیب نظروں سے اسے دیکھا جیسے اس کی وارفتہ نظروں سے الجھن ہو رہی ہو یا پھر اس کی دماغی صحت پر شبہ ہو رہا ہو۔

اور عائزہ کو ایسا لگا جیسے وہ اس سے کہنا چاہتا تھا کہ۔ ''خیریت تو ہے، طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟''

''نہیں تو......بس ایسے ہی دل گھبرا رہا تھا تو...... سوچا کہ تازہ ہوا میں......'' اس نے زبان دانتوں تلے دبا کر کچھ جھجک کر اپنی بات کہنی چاہی مگر اس نے درمیان سے ہی بات کاٹ دی۔

''تو شہروز کے ساتھ چلی جاؤ، میرے پاس ٹائم نہیں ہے، میں اس وقت بزی ہوں۔'' اس نے موبائل اسکرین پر نظریں جما کر رکھائی سے صاف جواب دے دیا۔

عائزہ کے نازک دل میں چھن سے کچھ ٹوٹا...... اس کا دل چاہا کہ اس بے حس شخص کے ہاتھ سے موبائل چھین کر دیوار پر دے مارے یا پھر اپنا سر دیوار سے ٹکرا دے۔ اس نے ترستی ہوئی حسرت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اس کا اپنا تھا مگر کتنا پرایا، پرایا سا لگ رہا تھا...... ذہنی طور پر بھی اور دلی طور پر بھی اس سے دور ہو گیا تھا۔

اگلے چند روز کی ناکام کوششوں کے بعد وہ یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ گئی کہ تجمل کے پتھر جیسے وجود کے بت میں دراڑ ڈالنا ناممکن ہے۔ نہ ہی اب کسی صورت وہ اس کے قریب ہو سکتی ہے اور نہ اس کے دل تک رسائی پا سکتی ہے۔

لیکن اندر سے اس کا ہمکتا دل شدت سے ایک ایسے ساتھی کا متمنی تھا جو اس کے دکھ، درد، خوشی، وغم کو سن سکے۔ جس سے وہ راز و نیاز کر سکے...... جو اس کے جذبوں اور احساسات کو سمجھ سکے لیکن آس پاس کی دوڑتی بھاگتی تیز رفتار زندگی میں سب لوگ اپنے، اپنے دائروں اور اپنی، اپنی مصروفیات میں مشین بنے تیز آوازوں کے شور شرابوں میں دھت تھے۔ ایک صرف وہی تھی جس کے اندر باہر سناٹے چیخ رہے تھے۔ اور پھر اپنی ساری کوششوں سے ناامید اور بددل ہو کر اس نے بھی بالآخر اپنا ایک من پسند دوست بنالیا۔ اپنے اندر کے خالی پن کو دور کرنے کے لیے اِک ایسا رفیق ڈھونڈ لیا جو اس کی ہر خوشی پر خوش اور ہر دکھ پر دکھی ہوتا تھا۔ جس طرح سب اپنی، اپنی دنیا میں مگن تھے، اس نے بھی اپنی الگ دنیا بسالی۔ سب کی دیکھا دیکھی اس نے بھی چپ چاپ ایک موبائل لے لیا تھا۔ اور اب وہ اپنے نئے دوست سے موبائل پر ٹیکسٹ میسجز کے ذریعے رابطہ رکھتی تھی۔

اس نمبر پر میسج کرتے وہ کبھی نہ تھکتی تھی کہ وہی دوست اب اس کا مسیحا، ہم دم اور دمساز تھا۔ ہر روز صبح اٹھ کر اسے گڈ مارننگ کا میسج کرتی جواباً وہ بھی اسے پیاری سی دعا بھیجتا۔ اتنے خوب صورت لفظوں میں اسے وش کرتا کہ عائزہ کے اندر کی ہر خلش اور تشنگی مٹ جاتی۔ کبھی خوب صورت شاعری کے ذریعے اپنے جذبوں کا اظہار کرتا، کبھی کسی مفکر کا قول لکھ کر بھیجتا تو کبھی آزاد نظم کے ذریعے اس پر اپنے خیالات نمایاں کرتا۔ ہر موقع اور ہر تہوار پر وہ اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ میسجز پر باتیں کر کے عائزہ کے دل کو بڑی تقویت ملتی تھی۔ خاموش طبع تو وہ شروع سے ہی تھی اس لیے کال کر کے باتیں کرنے کا اسے بالکل بھی شوق نہیں تھا اور نہ ہی یہ مناسب بات تھی۔

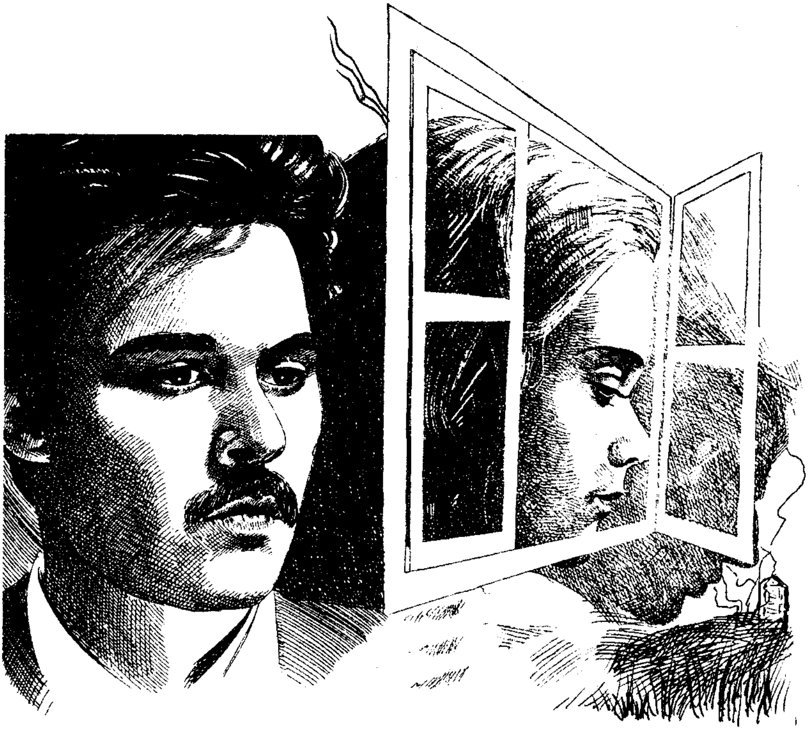
گھر میں کسی کو بھی نہیں پتا تھا کہ عائزہ نے اپنی تنہائیوں کو بانٹنے کے لیے اپنا دوست بنالیا ہے وہ سب اپنے معمول کے کاموں میں مگن تھے اور عائزہ اپنی دنیا میں مگن......

اب اس نے کسی کی بھی پروا کرنی چھوڑ دی تھی نہ ہی اسے تجمل کی بے گانگی کا دکھ تھا اور نہ اس کی بے توجہی پر کوئی گلہ تھا۔ وہ تو اپنے اس نئے دوست کی سنگت میں کھوگئی تھی جو اس کی ہر بات دھیان سے سنتا تھا، اسے اچھے، اچھے مشورے اور دلاسے دیتا تھا۔ وہ کبھی اسے مایوس نہیں کرتا تھا فوراً ہی اس کے میسج کا جواب آجاتا تھا۔ اس کی پیاری، پیاری باتوں سے اس کے دل کو قرار آجاتا۔ خواہ وہ صبح کی اجلی دھوپ ہو، سہ پہر کی چمکتی چاندنی یا شام کا سنہرا پن، وہ اپنا ہر لمحہ، ہر خیال اور ہر احساس اس سے شیئر کرتی تھی۔ حتیٰ کہ عموماً جب بے خوابی کے سبب وہ کروٹیں بدل، بدل کر تھک جاتی تو بیڈ کے دوسرے کنارے پر موجود تجمل کے سنگی مجسمے کو غافل و بے نیاز دیکھ کر حسرت بھری سانس بھر کر رہ جاتی۔ اس کے اسی رویّے کی وجہ سے وہ یہ قدم اٹھانے پر مجبور ہوئی تھی۔ وہ دبے پاؤں ٹیرس میں چلی جاتی پھر وہ ہوتی اور اس کا دوست...... دونوں ہی ایک دوسرے سے نہ اکتاتے تھے، نہ باتیں ختم ہوتیں اور نہ ہی ایک دوسرے سے جی بھرتا۔

اس روز بھی اسے نیند نہیں آئی تو وہ ٹیرس پر چلی آئی۔ حسبِ عادت اس کے دوست نے اسے مایوس نہ کیا۔ پہلے میسج کا فوراً ہی جواب آگیا، اس نے اسے رات کی خوابناکی پر بڑی خوب صورت نظم لکھ کر بھیجی، عائزہ نے بھی موسم کی دلفریبی پر بڑا خوب صورت شعر لکھا لیکن پھر سرد ہواؤں سے تنگ آکر جلد ہی اسے گڈ نائٹ کا میسج کر دیا اور گہری سانس بھر کر بیڈ روم میں چلی آئی۔ تجمل ابھی، ابھی واش روم گئے تھے، ان کا موبائل ان کے تکیے پر رکھا تھا جس کی روشن اسکرین پر کسی کا گڈ نائٹ کا میسج چمک رہا تھا اور عائزہ بھیگی پلکوں کے ساتھ مسکراتی ہوئی چپ چاپ بیڈ کے دوسرے کنارے پر دراز ہوگئی۔

ربا تو محرم راز میرا

طیبہ عنصر مغل



آنسوؤں سے چہرہ بھیگتا جارہا تھا۔ مجھے یہاں بیٹھے پہروں ہو چکے تھے لیکن مجھے یوں لگ رہا تھا کہ یہ محض لحوں کا عمل ہو... جس میں صدیاں بیت چکی ہوں۔ ہوا کے تیز جھونکے سے گلاب کے پھولوں کی خوشبو میرے نتھنوں سے ٹکرائی۔ میں اپنی بند آنکھوں کو کھولنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ آنکھیں کھولنے پر مجھے کیا دیکھنا پڑتا...... شاید وہ حقیقت جس کو اتنے دنوں بعد بھی میں خواب ہی سمجھنا چاہتا تھا۔ مجھے اب شدت سے

زمان ومکاں کی قید سے رہائی کی خواہش تھی۔ میں کچھ نہیں سوچنا چاہتا تھا اور سوچیں تھیں کہ ایک کے بعد ایک مجھ پر حملہ آور تھیں۔ میرا رونا بڑھتا جارہا تھا۔ قریب تھا کہ میری ہچکیاں چیخوں میں تبدیل ہوجاتی کہ ایک ہاتھ میرے کندھے پر آکے ٹھہر گیا اور میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی آنکھیں کھول دیں۔

☆☆☆

کیا زبردست رونق تھی، کتنی چہل پہل، رنگ و نور کا گویا سیلاب امڈ آیا تھا۔ میرا بنگلا بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ میرے بہن، بھائیوں کی خوشی دیدنی تھی۔ اس گھر میں شادیاں تو پہلے بھی ہوئی تھیں مگر آج میری یعنی... ازمیر احمد کی شادی تھی۔ جس کی آس میں میری والدہ، بہن، بھائی جانے کب سے بیٹھے تھے اور میں اپنے والد کی وفات کے بعد اس گھر کا بڑا بیٹا ہونے کے ناتے گھر کا سرپرست بن گیا اور اس سب میں اپنی شادی کا خیال کبھی نہ آیا بس اپنے چھوٹے، بہن، بھائیوں کی ذمے داریوں کو پورا کرتا رہا۔

میری سوچوں کا سفر میری پیاری بہن عفریٰ کی آواز پر تمام ہوا۔

''بڑے بھیا آپ اپنی شیروانی ایک بار پہن کے دیکھ لیتے تو مجھے تسلی ہوجاتی۔'' خوشی عفریٰ کے لہجے میں کھنک رہی تھی۔

''اونہہ شیروانیاں پہنتے اتارتے میرے بازو شل ہوگئے ہیں، آخر کتنی شیروانیاں اٹھا کے لے آئے ہو تم لوگ......'' میں نے مصنوعی غصے سے اس کو گھورا۔

''ارے میاں اسی لیے تو کہتے تھے کہ وقت پر شادی کرلو مگر تم نے تو چھوٹے، چھوٹے بہن، بھائیوں کی شادیوں کے چونچلے پال لیے اور خود کنوارے بنے رہے......اب بھگتو......'' میری بات کا جواب عفریٰ کے بجائے اماں بی کی طرف سے آیا تھا۔

تو صاحب قصہ تو یہ ہے کہ ہماری شادی تو اب بھی ممکن نہ ہوتی۔ اگر ہم عزیٰ سے چھوٹی عفریٰ کی شادی نبٹاتے ہوئے کسی کے تیرِ نظر کا شکار نہ ہوجاتے۔

جی ہاں! یہ یاقوت نامی گوہرِ نایاب عفریٰ کی سسرال سے عفریٰ کی شادی میں ہی دریافت ہوا تھا۔ اور اگر اب بھی ہم یہ گوہرِ نایاب نہ پاتے تو شاید شادی کی شیروانی پہننے کو ترستے ہی رہتے۔ اس کے لیے ہم نے عفریٰ کو اپنی شیروانی کے انتخاب پر مامور کیا ہوا تھا۔ آخر وہی تو ''یاقوت'' کو ہماری زندگی میں لانے کا سبب بنی تھی۔

اس دن عفریٰ اور بلال کے مہندی، مایوں کا مشترک فنکشن تھا۔ میں جو سارے کام نبٹاتے، نبٹاتے اب تھک گیا تھا۔ ایک سائڈ پر پڑی کرسی کو کھسکا کر اس پر بیٹھنے ہی لگا تھا کہ میری نظر اس پری وش پر ٹھہر سی گئی۔

''یہ کون سا طریقہ ہے جان نہ پہچان اور نہ اجازت کی ضرورت اور آپ یہاں تشریف فرما ہونے لگ گئے۔'' چہرے سے ابھی نظر ہٹی نہیں تھی کہ خفگی بھرے لفظوں کے اثر کو جلترنگ جیسی آواز نے زائل کردیا۔ اپنی تھکن میں، میں دیکھ ہی نہیں پایا تھا کہ یہ حسینہ بھی اسی اندھیرے گوشے میں رکھی ٹیبل کے گرد پڑی ہوئی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر براجمان تھی۔

☆☆☆

کندھے پر ٹھہرے ہوئے ہاتھ کے لمس کو پہچاننا میرے لیے چنداں دشوار نہیں تھا۔ یہ کبھی ہوسکتا تھا کہ میں صفی کے لمس کو نہ پہچانتا۔ کافی دیر صفی کچھ نہ بولا تھا۔

مجھے دیکھے بنا یقین ہے کہ وہ اپنے آنسوؤں کو روک رہا ہوگا یا مجھے سمجھانے کو تمہید باندھ رہا ہوگا لیکن جب وہ بولا تو صرف اتنا۔

''بابا گھر چلیں بہت دیر ہوگئی ہے۔'' اور دیر تو واقعی ہوچکی تھی۔

☆☆☆

میری بارات خوب شان و شوکت سے روانہ ہوئی۔ میرے بہن، بھائیوں نے اپنے تمام ارمان ہماری گھر کی اس تاخیر سے ہونے والی شادی پہ نکال ڈالے تھے۔ بلاشبہ ان کی محبتوں نے میری شادی کو یادگار بنادیا۔

اور بالآخر ''یاقوت'' میرے حجلۂ عروسی میں تھی۔
یاقوت، عفریٰ کے شوہر کی خالہ زاد تھی۔ جہاں میں نے والد کی وفات کے بعد دن رات محنت کر کے اپنے بہن، بھائیوں کو کسی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ وہیں یاقوت بھی اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اور والد کا سایہ سر سے اٹھنے پر اپنی اور اپنی والدہ کی کفالت کا فرض پورا کرتے اس کی شادی میں بھی زیادہ نہیں تو کچھ دیر تو ہو ہی گئی تھی۔

یاقوت جو اس دن میرے لیے اجنبی تھی مگر میں جواب ایک اڑتیس سالہ میچور مرد تھا۔ ٹین ایجرز جیسی حرکات کر رہا تھا۔ عفریٰ کی پوری شادی کے فنکشن میں میری نظر ہجوم میں بھی اسے ڈھونڈ لیتی تھی۔ اور پھر بے صبری کی انتہا دیکھیے کہ میں نے عفریٰ کے ولیمے والے دن یاقوت سے اظہارِ محبت بھی کر ڈالا۔ حیرت انگیز طور پر میرے منہ سے جو کلمات نکلے وہ کچھ یوں تھے۔

''دیکھیے مجھے نہیں پتا کہ آپ انگیجڈ ہیں یا نہیں اور جو بھی ہیں محترمہ، مجھے آپ دل و جان سے پسند ہیں اور میں آپ کو اپنی زندگی بھر کا ساتھی بنانا چاہتا ہوں۔'' وہ جو دل میں اتر جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔ سبز اور سرخ خوب صورت لباس میں اسم بامسمیٰ بنی دل میں اتری جا رہی تھی۔ خلافِ توقع اس نے خاموشی سے میری بات سنی اور بغیر گھبرائے تحمل سے مجھے دیکھ کر بولی۔

''یہ باتیں شریف خاندانوں میں بڑوں میں طے کی جاتی ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ رکی نہیں۔ اور میں دور تک اس کی بے تحاشا لمبی چوٹی کے بل گنتا رہا۔

☆☆☆

''کون سا گھر صفی......؟ کس کا گھر اور کون ہے گھر میں، تم جاؤ...... مجھے نہیں جانا...... میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اس کو تنہا نہیں چھوڑوں گا تو اب کیسے؟'' اس سے آگے مجھ سے بولا نہیں گیا اور میں نے دوبارہ رونا شروع کر دیا۔

اگلے لمحے صفی بھی میرے گلے لگ کر زار و قطار رو رہا تھا۔ دردِ مشترک ہم دونوں کو آنسوؤں میں ڈبو رہا تھا۔

☆☆☆

وہ اتنی حسین لگ رہی تھی کہ اس پر سے نظر ہٹتی نہیں تھی۔ سرخ انگارے لہنگے نے اس کے حسن کو دو چند کر دیا تھا اوپر سے سولہ سنگھار، خوشبو، مہندی، آج میرا کمرا جنت کا حصہ لگ رہا تھا اور یاقوت اس جنت کی حور تھی بلاشبہ...... میں نے ہمت کر کے قدم آگے بڑھائے اور اس کے قریب جا کر اس کے خوب صورت ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں لے کر طلائی کنگن اس کی کلائی میں پہنائے اور اس کی ٹھوڑی کو شہادت کی انگلی سے اوپر اٹھایا تو اس نے کپکپاتی پلکوں کی جھالر کو اٹھا کر مجھے دیکھا اور میں نے اس کے حسن کو پہلے لمس کا خراج پیش کر دیا۔

عفریٰ کی شادی کے ہنگامے سرد ہوئے تو عفریٰ کی شادی کی مووی میں سے یاقوت کے بارے میں عفریٰ سے معلومات لی تو عفریٰ مطلب سمجھ کر اچھل پڑی تھی۔ اماں بی کو بتایا تو انہوں نے تو گویا ہتھیلی پر سرسوں جما ڈالی۔ جھٹ میرا رشتہ یاقوت کی امی کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور پھر جھٹ منگنی پٹ بیاہ کے مصداق یاقوت میرے گھر کی رونق بن گئی تھی۔

شادی اور دعوتوں کے ہنگامے تھوڑے سرد ہوئے تو بہن بھائیوں نے ہمیں بصد اصرار ہنی مون پر روانہ کر دیا۔ میں اماں بی کو ہرگز تنہا چھوڑنے کے حق میں نہیں تھا لیکن بھائی جو بیرون ملک مقیم تھے۔ انہوں نے فی الحال اپنا واپس جانا ملتوی کیا اور مجھے ہنی مون پر بھیج کر ہی دم لیا۔

وہ دن ہماری زندگی کے خوب صورت ترین دن تھے کہ جب ہم ایک دوسرے میں گم ایک دوسرے کو کھوج رہے تھے۔ رات کو اگر یاقوت کی حسین قربت میں نیند آتی تو صبح اس کے ریشمی بالوں کی نمی ہوش میں لاتی۔ اس کی ہنسی کی قلقل میں ہم شمالی علاقہ جات کے مرغزاروں کو اپنی محبتوں کا گواہ بناتے پھرتے، مجھے

احساس ہوا کہ زندگی اب تک محض گزاری...... جینا تو یاقوت نے سکھایا۔ ہنی مون وعدوں اور قسموں پر تمام ہوا اور ہم گھر واپس آگئے ۔ بھائی دور دیس اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

میں، یاقوت اور اماں تین افراد ہی اب گھر میں تھے۔ یاقوت کی خوب صورت عادات نے گھر کو جنت بنا ڈالا۔ وہ سارا دن یہاں، وہاں اڑی پھرتی، میں جو سمجھتا تھا کہ صرف میں اس کا دیوانہ ہوں۔ اس نے تو اماں کو بھی اپنا دیوانہ بنا ڈالا۔

میں آفس سے واپس آتا تو وہ سجی سنوری میرا انتظار کرتے ہوئے ملتی۔ یوں لگتا تھا کہ زندگی اب بالکل مکمل ہے اور کیا چاہیے؟ مگر نہیں، زندگی کو ہر لمحہ کچھ نہ کچھ چاہیے ہوتا ہے۔ ہماری شادی کو چار سال بیت گئے، ہمیں تو پتا بھی نہیں چلتا اگر اماں مجھے دبی، دبی زبان میں اس بات کا احساس نہ دلاتیں کہ......

''ازمیر بچے تیری شادی کو چار سال ہو گئے ہیں خیر سے باقی سب بچے صاحبِ اولاد ہیں، میں آخر اور کتنا جیوں گی تم دلہن کو کسی ڈاکٹر کو دکھاؤ تا کہ میں بھی تمہاری اولاد کا منہ دیکھ سکوں۔''

اماں کا مطالبہ ناجائز نہیں تھا۔ میں نے اپنا اور یاقوت کا معائنہ کروانے کا فیصلہ کیا اور اس پر عمل بھی کر ڈالا۔ یاقوت رپورٹس لے کر آئی تو سب نارمل تھا۔ بس اللہ کی طرف سے ابھی منظوری نہیں تھی۔

''اماں اللہ جلد کرم کرے گا سب ٹھیک ہے۔'' مگر مجھے یہ علم نہیں تھا کہ اماں کو اجل اتنی مہلت نہیں دے گی کہ وہ میری اولاد کے لاڈ اٹھا سکیں۔

یاقوت اپنے آپ سے بیگانہ رہنے لگی۔ مجھے لگا اماں کی موت نے اس کو سوگوار اور تنہا کر دیا ہے۔ میں بھی اپنے بزنس میں مصروف تھا۔ میرے بہن، بھائی تو تھوڑے دن رہ کر واپس لوٹ گئے تھے۔ ان کے بچے بڑے تھے اور ذمے داریاں بھی بڑی۔ لیکن مجھے عجیب تب لگا جب سال گزرنے کے بعد بھی یاقوت کی عجیب سی چپ نہ ٹوٹی۔

''دیکھو مجھے اپنی وہی ہنستی، کھلکھلاتی یاقوت چاہیے۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ اماں کا یوں چپکے سے چلے جانا میرے لیے بھی تکلیف دہ ہے مگر یہ ہی حقیقت ہے، ہمیں اللہ کی طرف ایک دن لوٹ کر جانا ہے۔'' وہ تھوڑی دیر میری طرف یک ٹک دیکھتی رہی۔ پھر ایک دم اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئیں۔

''ازمیر کیا ہم کوئی بچہ گود نہیں لے سکتے۔'' اس کے لہجے کی تشنگی نے مجھے جلتے جہنم میں ڈال دیا۔

''میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں یاقوت کہ اولاد ہوگی تو اپنی، میں کسی کا بچہ گود نہیں لوں گا۔'' میرے لہجے میں قطعیت تھی۔

''ازمیر اگر آپ کو یہ معلوم ہو کہ کبھی میں نے آپ سے کچھ چھپایا ہے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے سرد لہجے میں بولی۔

میں نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا تو وہ میری طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ تو کھڑکی سے جھانکتے ہوئے آسمان پر نظریں گاڑے ہوئے تھی۔

''اگر تم نے مجھ سے کچھ چھپا رکھا ہے تو اس راز کو اب بھی راز ہی رہنے دو۔'' میرے لفظوں میں طنز کی کاٹ تھی۔ مگر وہ ان سنی کر گئی۔

''ازمیر آپ کو یاد ہے جب ہم نے اپنا میڈیکل چیک اپ کروایا تھا تو اس کی رپورٹس لینے آپ میرے ساتھ نہیں جا سکے تھے کیونکہ آپ بزنس کے سلسلے میں ملک سے باہر گئے ہوئے تھے۔''

''ہاں تو ان باتوں کا اب کیا ذکر......'' میں نے آزردگی سے کہا۔ ''اب تو اماں بھی نہیں ہیں، ہم میں۔''

''بات یہی تو ہے کہ اماں اب نہیں ہیں اس لیے جس بات کا، جس راز کا بوجھ میرے سینے پر ہے وہ میں آپ سے بانٹ لوں۔'' یہ کہہ کر اس نے میری جانب دیکھا۔

لیکن میں اس سے نظریں نہیں ملا پا رہا تھا میرے دل میں طرح، طرح کے وہم پل رہے تھے۔

''مجھے کچھ نہیں سننا۔ تم مجھے اب کچھ مت بتاؤ۔'' میں کانوں پر ہاتھ رکھ کر چلایا۔

''تب کی بات اور تھی ازمیر تب میں اماں کو کوئی

صدمہ نہیں دینا چاہتی تھی۔'' کتنی شکستگی تھی اس کے لہجے میں، ہاری ہوئی سلطنت کی ملکہ کے مایوس حسن سے نظریں چرالی میں نے کیونکہ میرا دل کہہ رہا تھا کہ یاقوت میں ماں بننے کی صلاحیت نہیں ہوگی اسی لیے اس نے رپورٹس بدلوائی ہوں گی۔ اسی لیے خود غرضی میں اس نے ہم سے راز چھپایا۔ (مرد کی ازلی فطری سوچ)

''ازمیر میں آپ کو دکھ نہیں دینا چاہتی، یقین کریں اب بھی نہ بتاتی اگر میں خود اس نارسائی، تنہائی سے تھک نہیں گئی ہوتی۔ میری ممتا تو ننھے، ننھے ہاتھ پاؤں کالمس محسوس کرنے کو بے چین نہ ہوتی۔ ازمیر آپ اگر میری بات مان......''

''پلیز یاقوت بیگم! اب اگر تم میں ماں بننے کی صلاحیت نہیں ہے تو اس کی سزا میں مجھ سے کوئی فرمائش نہ کرنا کہ میں دوسری شادی کرلوں یا بچہ گود لے لوں۔'' میں نے سفاکی سے اس کی بات کاٹ دی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے ازمیر، آپ نے اچھا کیا مجھ پر الزام لگایا...... اب جو میں کہنا چاہتی ہوں اس میں مجھے آسانی ہوگی۔ میں نہ تو اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوں اور نہ ہی آپ کو دوسری شادی کا مشورہ دوں گی کیونکہ رپورٹس میری نہیں آپ کی ایب نارمل تھیں۔ جن کو میں نے بدلوادیا تھا۔'' وہ آگے بھی کچھ کہہ رہی تھی مگر مجھے لگتا تھا کہ میری سماعت میں زہر گھل گیا ہو۔ میرا سارا وجود زلزلوں کی زد میں تھا۔ کتنی آسانی سے میں نے یہ فرض کرلیا کہ یاقوت ہی میں کمی ہے، بچے سے محرومی کی ذمے دار وہی ہے اور حقیقت کیا نکلی۔

''ہم مرد بڑے چالاک ہوتے ہیں، عزت، غیرت، حیا، وفا کا ٹوکرا عورت کے سر پر لاد کر خود سانڈ کی طرح گھومتے ہیں لیکن کوئی دلیل اس بات کو نہیں بدل سکتی تھی کہ بے اولادی کا ذمے دار میں ازمیر احمد

تھا ہے، رہے گا۔''

☆☆☆

صفی مجھے کسی بچے کی طرح اپنے ساتھ لپٹائے گھر آیا۔ ''کہاں تھی وہ؟ بھاگ کر دروازہ کیوں نہیں کھولا اس نے؟''

''صفی کے بچے! اب اگر تمہاری یہ گیند ہمارے لان میں آئی تو میں یہی بیٹ تمہارے سر پر دے ماروں گی۔ جس سے تم کرکٹ کا شوق فرماتے ہو۔'' دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر وہ صفی کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔

''اوہ میڈم! پہلی بات تو یہ کہ صفی کے بچوں کا ابھی دور، دور تک پتا نہیں۔ دوسرے تم یہ بلا مجھ سے چھین پاؤ گی تو مارو گی ناں......''

جواب میں انمول نے اس کو منہ چڑایا اور گیند اٹھا کر گیٹ دھم سے بند کر کے اندر بھاگ گئی۔ صفی مسکرایا اور جیب سے دوسری گیند نکال کر ایک بار پھر محلے کے بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنے لگا۔

''بہت بدتمیز ہے یہ صفی کا......'' انمول بچہ کہتے، کہتے رک گئی۔ اندر آ کر وہ دھم سے صوفے پر گر گئی۔

ماما نے مسکرا کر اس کو دیکھا اور بابا کو اشارہ کیا۔ بابا اٹھ کر اس کے سر کا بوسہ لے کر اس کے قریب بیٹھ گئے۔

''آج پھر کیا کر دیا صفی کے بچے نے ہماری شہزادی کے ساتھ۔''

''ارے بابا! میں نے بھی صفی کو یہی کہا تھا کہ...مگر وہ تو کہنے لگا کہ صفی کے بچوں کا ابھی دور، دور تک پتا نہیں۔'' بابا اور ماما اس کی بات پر بے ساختہ ہنس پڑے تو وہ کھسیا گئی۔

☆☆☆

یاقوت کے اصرار پر میں نے بہت سوچ بچار کی اور آخر دل پر پتھر رکھ کر ایک فیصلہ کیا۔ اور دل کڑا کر کے اس کی طرف قدم بڑھائے، وہ کچن میں پشت کیے کام کر رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے اپنی محبت کے لیے دل خود غرض ہوا مگر میں نے خود پر قابو پا کر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔

''یاقوت میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اپنی بنجر زندگی سے الگ کر دوں۔ اپنے حصے کی ندامت بھی میں نے تمہاری جھولی میں ڈال دی ہے۔''

''آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''نہیں، میں خود غرض نہیں ہوں۔'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''جب تم مکمل ہو اور اپنی اولاد پا سکتی ہو تو مجھے کوئی حق نہیں کہ میں تمہیں دُہری اذیت دوں......جو خوشیاں تمہارا حق ہیں، وہ تمہیں ملنی چاہئیں۔ اس لیے میں تمہیں طلاق......'' اس سے آگے یاقوت نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''آپ کو میری قسم! آپ مجھ سے آئندہ ایسی کوئی بات نہیں کریں گے۔ کبھی کوئی روح، جسم کے بنا یا جسم، روح کے بغیر رہا ہے۔ کوئی اپنی زندگی سے الگ جی سکا ہے، جس دن آپ نے ایسا کیا اس دن میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔'' وہ روتے، روتے میرے گلے لگی۔ اس کے آنسو میرے گریبان کے ساتھ میرا دل بھی پگھلا گئے۔

''جانِ ازمیر جو تم کہو گی وہ ہوگا' ہم کوئی بچہ گود لے لیں گے۔''

''ہاں، ہم بچہ گود لیں گے، کتنے بے درد ہیں... ازمیر احمد......اگر یہ خامی میرے اندر ہوتی تو آپ مجھے چھوڑ دیتے یا دوسری شادی کر لیتے۔'' وہ سچ کہہ رہی تھی واقعی میں کبھی یاقوت کو دکھ نہیں دے سکتا تھا۔ میرے بہن، بھائیوں کے بچے بڑے بڑے بھی تھے اور ان کے اندر اپنا بچہ دینے کی ہمت بھی نہیں تھی۔ جبکہ یاقوت تو اکلوتی تھی۔

یوں ہم نے ایک ادارے سے بچہ گود لینے کا فیصلہ کیا۔ گئے تو تھے ہم وہاں ایک نومولود بچہ لینے مگر وہاں ایک آٹھ سالہ بچی نے میری یاقوت کا اور میرا دل موہ لیا اور ہم اس کو اپنی بیٹی بنا کر گھر لے آئے اور وہ یوں.... بنی ہماری

آنکھوں کا تارہ انمول فاطمہ......

☆☆☆

''تم یہ ہر وقت صفی سے لڑائی کیوں کرتی رہتی ہو، ایک تو وہ تم سے پورے دو سال بڑا ہے، اوپر سے تم دونوں اب چھوٹے بچے نہیں ہو جو تم لڑو اور ہم تمہاری صلح کرواتے رہیں۔'' یاقوت کچن سمیٹنے کے ساتھ ان دونوں کی نوک جھوک سے محظوظ ہو رہی تھی۔ صفی نے فریج میں سے سیب نکالا اور کچن کے سلیب پر بیٹھ کر کھانے لگا۔

''تمہیں اپنے گھر میں آخر چین کیوں نہیں پڑتا جب دیکھو ہمارے گھر پائے جاتے ہو۔'' انمول نے بولتے، بولتے اس کے ہاتھ سے سیب بھی چھین لیا۔

''افوہ......! تمہیں مجھ سے مسئلہ کیا ہے خاتون، پڑوسیوں کا پڑوسیوں پر گھر جیسا ہی حق ہوتا ہے، کیوں آنٹی میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟'' یاقوت نے صفی کی آنکھوں کی شرارت دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔

''دیکھا بابا، اس نے میری ماما کو بھی مجھ سے چھین لیا ہے، وہ بھی اس کا ہی ساتھ دے رہی ہیں، اسی لیے یہ مجھے زہر لگتا ہے۔''

صفی ہمارے پڑوس میں رہنے والے اظہر صاحب کا بیٹا تھا ان کی ماشاءاللہ چھ اولادیں تھیں، وہ ہماری انمول کے ساتھ بچپن سے کھیلتا تھا اگرچہ دونوں کی عمر میں دو ڈھائی سال کا فرق تھا مگر بچپن سے ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے اور کھیلتے تھے لیکن انمول اس سے بہت چڑتی تھی۔ صفی کو ہمارے مختصر سے گھرانے کا سکون اچھا لگتا تھا اور وہ بچپن سے جیسے ہمارے گھر کا فرد بن چکا تھا۔ انمول کو لگتا تھا کہ وہ اس کے ماما، بابا کے پیار میں حصے دار بن گیا ہے اور اس بات پر وہ سمجھوتا نہیں کر سکتی تھی۔

یاقوت برملا صفی سے انسیت کا اظہار کرتی......مگر میں اپنے اظہار پر قابو رکھتا کہ میری انمول اداس نہ ہو۔

یاقوت کچھ دنوں سے ست رہنے لگی تھی اکثر سر میں درد کی شکایت کرنے لگی تو میں اس کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔

''بابا، بابا آپ بول کیوں نہیں رہے اس صفی کے بچے کو اس کے گھر بھیجیں۔ آؤٹنگ پر صرف ہم تینوں جائیں گے میں، ماما اور آپ یہ نہیں جائے گا۔ بولیں ناں بابا۔''

''ہوں اوں......'' میں جیسے سکتے سے جاگا تھا۔

''انمول ضد نہیں کرتے۔ ماشاءاللہ اب آپ سولہ سال کی ہو، ایک ینگ گرل ہو، بچوں کی طرح حرکتیں مت کیا کرو۔'' میرے لہجے میں شاید سختی آگئی تھی جو وہ پیر پٹختے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھی اور آج پہلی بار یہ ہوا کہ میں اس کو منانے اس کے پیچھے نہیں گیا اور نہ اس کی ناراضی کا احساس ہوا۔ اور ایسا ہونا کچھ عجب نہیں تھا، میں انمول کیا اپنے آپ کو بھولتا جا رہا تھا۔ میری یاقوت، میری شریکِ حیات میرے پاس کچھ دنوں کی مہمان تھی۔ یہ خبر اس وقت مجھ پر بجلی بن کر گری تھی جب میں اس کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا تو پتا چلا کہ جانے کس وقت برین ٹیومر جیسا موذی مرض اس ہنستی کھیلتی یاقوت کو لاحق ہو گیا۔ ہمیشہ چست رہنے والی میری حسین بیوی دنوں میں گھلنے لگی۔ انمول کو ہم نے کچھ نہیں بتایا تھا لیکن خود ہم ایک دوسرے سے چھپ، چھپ کر روتے تھے۔

''بابا آپ پریشان ہیں؟'' تھوڑی دیر میں وہ میرے سامنے موجود تھی۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''تمہیں کس نے کہا میری جان کہ میں پریشان ہوں۔'' میں نے خود کو بشاش ظاہر کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

''بابا میں اب چھوٹی بچی نہیں ہوں، ماما اتنے دن سے اپنے بیڈ روم میں ہیں، آپ آفس نہیں جاتے، گھنٹوں سے بند ٹی وی کو آپ اتنی دلچسپی سے دیکھتے ہیں، آپ کو جو پرابلم ہے مجھ سے شیئر کر لیں، مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ میں سب برداشت کر سکوں۔''

''انمول اگر میں آپ یہ بتاؤں کہ آپ ہم

دونوں میں سے کسی کو کھونے والی ہیں......'' یہ کہہ کر میں نے غور سے اس کی جانب دیکھا وہ ضبط کر رہی تھی اور اس کوشش میں اس کی آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں۔

''بابا کی جان ہم سب کو ایک دن اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور تمہاری ماما اللہ کی بہت عبادت گزار ہیں ناں، اللہ نے ان کو ہم سے پہلے چن لیا ہے۔'' شاید میں بولتے ہوئے خود ہی رو پڑا تھا۔ میری توقع کے برعکس انمول نے خود پر قابو پا کر میرے آنسو صاف کیے۔

''ہم ماما کا اچھا والا علاج کروائیں گے، ماما کو کچھ نہیں ہوگا، میں ماما سے زیادہ عبادت کروں گی تاکہ وہ مجھے جلدی چن لے مگر ماما...'' اب وہ ہچکیاں لے کر رونے لگی۔

لیکن ہماری دعاؤں میں کچھ کمی تھی۔ خطاؤں کی سزا یا اللہ ہی کی کوئی مصلحت کہ یاقوت نے ہمیں مہلت نہ دی اور اسی دن وہ مجھے اور انمول کو تنہا چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوگئی۔ یا شاید اس نے انمول کی یہ بات سن لی کہ کہیں انمول جلدی نہ چن لی جائے۔

☆☆☆

''صاحب جی! میں کھانے کی ٹرے بہت دفعہ انمول بی بی کے کمرے میں لے کر جا چکی ہوں مگر کھانا جوں کا توں پڑا رہتا ہے۔'' پروین ہماری ملازمہ نے مجھے بتایا۔

''اچھا تم جاؤ اور کھانا مجھے دو میں دیکھتا ہوں۔'' میں بہ مشکل اٹھ پایا۔ یاقوت کے غم میں، میں انمول کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر میں اندر داخل ہوا۔ وہ گھٹنوں میں منہ چھپائے بیٹھی تھی۔ میں نے ٹرے ٹیبل پر رکھی اور اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ اس نے سر اٹھایا تو میرا کلیجا منہ کو آگیا اس کی سوجی ہوئی سرخ آنکھوں میں وحشت تھی وہ خالی، خالی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

''انمول، بابا کی جان، کھانا کھالو اب آپ کے بابا میں اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ آپ کو سنبھال سکیں۔ آپ کو اندازہ ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو کمرے میں بند کر کے مجھے سب کے درمیان اکیلا کر دیا ہے، اگر آپ ایسا کرتی رہیں تو شاید میں بھی......'' اس سے آگے انمول نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور ٹرے کو... سامنے رکھ کر پلیٹ میں کھانا نکالنے لگی اور پھر اپنے ہاتھ سے لقمے بنا کر باری، باری اپنے اور میرے منہ میں ڈالنے لگی۔ بیٹی تھی جان گئی کہ اتنے دن سے اس کے بابا نے بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔

وقت کا کام ہے گزرنا اور زندہ لوگوں کو نہ چاہتے ہوئے بھی زندگی کے معمولات میں شامل ہونا پڑتا ہے۔ آہستہ، آہستہ انمول نے میرے تمام کام اپنے ذمے لے لیے۔ انمول، یاقوت کے کردار میں ڈھلنے لگی۔

زندگی معمول کی طرف آگئی تھی کہ ایک بار پھر ہماری زندگی میں ایک نیا بھونچال آگیا۔

''بڑے بھیا...اب ہم لوگوں کو تو اپنے گھروں میں لوٹنا ہے، اب آپ بتایئے کہ انمول کا کیا کرنا ہے؟'' عفریٰ نے سوالیہ انداز میں میری جانب دیکھا۔

''ماں تو اس کی رہی نہیں۔''

''کیا مطلب انمول کا کیا کرنا ہے، یہ کس قسم کا سوال کیا تم نے عفریٰ؟'' میں نے عفریٰ سے حیرانی بھرے لہجے میں پوچھا۔

''بھائی آپ کا اور انمول کا خون کا رشتہ تو ہے نہیں......یاقوت بھابی اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہیں، ہمارے تو سب بچے شادی شدہ ہیں اور مناسب یہ ہوگا کہ انمول کی شادی سادگی سے کر دی جائے کیونکہ اب وہ آپ کے لیے نامحرم ہے آپ اور وہ اب اکیلے گھر میں کیسے رہ سکتے ہیں۔'' فرح بھابی کی باتیں نہیں خنجر تھے جو سیدھا میرے دل میں اتر گئے۔

''لاحول ولاقوۃ......! یہ تم سب کو کیا ہو گیا ہے۔'' میں نے اپنی چھوٹی بھابی کے ان کڑوے لفظوں پر غصے

سے کہا۔ ''نہیں ہے وہ نا محرم، بیٹی ہے وہ میری، اپنے بابا کی جان۔''

''یہ آپ کہہ رہے ہیں بھیا لیکن دنیا......'' فہد نے مجھے ٹوک کر حقیقت کا ادراک دلانا چاہا۔ ''دنیا کا منہ ہم بند بھی کردیں تو بھی شرعاً وہ نامحرم ہی کہلائے گی ناں۔''

''تم لوگوں کو شرع کی پروا تھی تو مجھے اپنی اولاد گود دیتے ناں تاکہ آج مجھے ان حالات کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔'' میں غصے سے پھٹ پڑا اور ان سب کو وہیں چھوڑ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ مجھے نہیں معلوم دن کب رات میں بدلا اور کب رات سے واپس دن کی روشنی پھیلی، کتنا وقت میں نے سوچنے میں گزارہ لیکن بالآخر ایک فیصلے پر پہنچ کر صفی کے گھر کی طرف قدم بڑھا دیے اور اب میں اور اظہر صاحب آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ اور میں مجبوری اور بے بسی کی انتہا پر تھا کہ اظہر صاحب کو تمام حالات سے آگاہ کر کے صفی اور انمول کے نکاح پر رضامند کررہا تھا۔ صفی کے والد نے جواب دینے کے لیے شام تک کا وقت مانگا۔ میں مطمئن ہو کر گھر آگیا۔

شام کو میں صفی کے والد کا منتظر تھا مگر شام کو ان کا فون آگیا۔

''دیکھیے ازمیر صاحب، صفی میرا سب سے چھوٹا بیٹا ہے اور ابھی تو اس کے بڑے بہن، بھائی بھی شادی شدہ نہیں ہیں...... پھر میری بیگم کو بھی کچھ تحفظات ہیں، وہ نہیں سمجھتیں کہ انمول کو وہ اپنے گھر کی بہو بنائیں، وہ آپ کی اپنی اولاد نہیں ہے، جانے کس کا اور کس قسم کا خون ہے۔'' وہ شاید کچھ اور بھی کہتے لیکن مجھ سے مزید سنا نہیں جارہا تھا میں نے فون بند کردیا۔ مجھے لگتا تھا کہ میری گڑیا ان سب باتوں سے بے خبر نہیں ہے، وہ مجھے اب بہت کم نظر آتی۔

میں نے اور میرے بہن، بھائیوں نے بہت کوشش کی کہ اس کی شادی کا سلسلہ کہیں خاندان میں چل نکلے مگر یہاں ایک بیگم اظہر نہیں ... یہ پورا معاشرہ ایک ہی جیسی سوچوں پر چل رہا تھا۔ حقیقتوں کے تھپیڑوں نے مجھے بہت کمزور کردیا تھا۔ ''یاقوت تم بہت خوش قسمت تھیں جو یہ سب دیکھے بغیر دنیا کو چھوڑ گئیں۔'' میرا دل دہائی دیتا۔ میری انمول روز بروز سرسوں کے پھول کی طرح زرد ہوتی جارہی تھی۔ تمام تر محبت کے باوجود لفظ نامحرم نے ہم دونوں کے درمیان فاصلہ پیدا کردیا تھا۔ میں اس کو بے ساختہ پیار کرنے سے گھبرانے لگا۔ اگر میں کبھی اس کے سر پر ہاتھ رکھتا تو مجھے اپنے ہی بہن، بھائیوں کی آنکھوں میں طنز محسوس ہوتا۔ انسان تو کیا مجھے یوں لگتا در و دیوار کی بھی زبانیں ہیں جو نامحرم، نامحرم کی صدا لگا رہی ہیں۔

☆☆☆

آج صبح سے مجھے عجیب سی بے چینی ہورہی تھی۔ انمول کے لیے حامد نے میرج بیورو سے بھی رابطہ کیا تھا مگر جو رشتہ آتا وہ بھی جائداد کی لالچ میں یا بڑی عمر یا کوئی اور خامی لیے ہوتا۔

اس وقت بھی میں اپنے کمرے میں بیٹھا اس بات کا حل سوچ رہا تھا کہ پروین نے مجھے پیغام دیا۔

''صاحب جی......! آپ کے بہن، بھائی لاؤنج میں آپ کا انتظار کررہے ہیں۔'' میں جلدی سے اٹھا...... ایک دو دن میں میرے سارے بہن بھائیوں نے رخصت ہونا تھا شاید کسی نے میری انمول کو ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا ہو۔ میں لاؤنج میں داخل ہوا تو سب خاموش تھے۔ میرے بیٹھنے کے بعد حامد نے تمہید باندھی۔

''بھیا ہم نے انمول کے لیے کچھ سوچا ہے۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ انمول کا رشتہ کسی موزوں جگہ پر طے کر کے اس کی شادی کر کے ہم اپنے گھر روانہ ہوں مگر آپ نے دیکھ لیا کہ......'' یہ کہہ کر وہ رک گیا تو عفریٰ جو ہمیشہ سے میری لاڈلی رہی تھی اس نے بات کو آگے بڑھایا۔

''ہوسکتا ہے بھیا کہ جو بات ہم آپ سے کرنے جارہے ہیں وہ آپ کو نامناسب لگے۔'' یہ کہہ کر وہ رک گئی تو میں نے بے تابی سے اس کو کہا۔

''عفریٰ تم تمہید میں نہ پڑو اگر اللہ تعالیٰ نے

میری انمول کے لیے کوئی حل نکال دیا ہے تو اس سے بڑی خوشی کیا ہوگی میرے لیے۔'' لیکن...... مجھے کیا معلوم تھا کہ ان کا بتایا ہوا حل دراصل حل نہ تھا۔ رشتوں کی حرمت کا قتل تھا جو مجھے ذلت کی ایسی پستیوں میں دھکیلنے جا رہا تھا۔ جہاں سے مجھے کبھی نہیں ابھرنا تھا میرے بہن، بھائی انمول کو اپنے گھروں میں نہیں رکھ سکتے تھے کیونکہ وہ بھی تو اس معاشرے کی گندی سوچ کا ہی حصہ تھے' وہ مجھے کیسا جاں گسل حل بتانے جا رہے تھے کیا کوئی جاننا چاہے گا وہ حل کیا تھا۔

وہ حل یہ تھا کہ اپنی گودوں کی پالی...... بابا کی جان...... باپ، بیٹی کے خوب صورت رشتے کو کتنے آرام سے ان لوگوں نے بدہیئت شکل دے دی یہ کہہ کر کہ...... ''آپ انمول سے عقد کرلیں۔''

میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ اس اندھیرے میں ایک ڈوبتا ابھرتا، چہرہ اگر مجھے یاد تھا تو وہ انمول تھی۔ پھر تاریکی نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا۔

جب مجھے ہوش آیا تو تھوڑی دیر کو مجھے لگا کہ میں مر چکا ہوں لیکن نہیں شاید ابھی سزا کا عمل جاری تھا۔ میری آنکھیں روشنی سے مانوس ہوئیں تو میں اسپتال میں تھا اور حامد میرے پاس کھڑا تھا۔ میرا ذہن آہستہ، آہستہ تاریکی سے روشنی کی طرف آرہا تھا۔ آنکھوں کی دھندلاہٹ ختم ہوتے ہی حامد میری طرف جھکا۔ تب تک میرے دماغ میں انمول سے عقد کرلیں کی تکرار شروع ہو چکی تھی۔ میں نے حامد کو کمزور ہاتھوں سے پرے دھکیلا، میری آنکھیں تلاش کر رہی تھیں اس کو جو بابا کے سر میں ذرا سا درد ہونے پر پوری، پوری رات بابا کے سرہانے گزار دیتی...جو بابا کے بخار ہو جانے پر کھانا پینا چھوڑ کر سربسجود ہو جاتی۔ رو، رو کر جانماز گیلی کر دیتی۔ مگر آج جب اس کے بابا اس حال میں تھے۔ وہ کہاں تھی۔ یہاں میرے پاس کیوں نہیں تھی۔

''کہاں ہو بابا کی جان...... ہم یہاں سے بہت دور چلے جائیں گے۔ جہاں کوئی آپ کو نامحرم نہ کہے گا' نہ جانے گا۔ ہم باپ، بیٹی اپنی دنیا بسائیں گے۔'' میں نے تھک کر آنکھیں موندلیں۔

تو میری گڑیا میں جو اتنے دن اسپتال میں تمہاری راہ دیکھتا رہا، وہ سب بیکار تھا۔ کبھی غصہ کرتا تو کبھی صفی پہ ناراض ہوتا رہا۔ صفی تم جو میرے اپنوں سے بھی اپنے نکلے...... میں نے جب اسپتال میں اپنوں کو رکھنے سے انکار کر دیا اس وقت تم نے صفی مجھے اکیلا نہ چھوڑا۔ تم نے بڑھ کر مجھے سنبھالا۔

کتنے جھوٹ بولے صفی تم نے مجھے زندہ رکھنے کے لیے۔ کاش ایک سچ بول دیتے۔ بتا دیتے کہ جس حل نے انمول کے بابا کو اسپتال پہنچا دیا ہے۔ ہوش سے بیگانہ کر دیا۔ اس حل کو انمول کی سماعت نے تو اپنے اندر سمو لیا مگر دل اس مکروہ حل کے بوجھ کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے دھڑکنے سے انکار کر دیا...... اور گڑیا تم میرے لیے نامحرم ہونے کی اتنی بڑی سزا چن گئی ہو کہ مجھے اپنے جنازے کو کندھا بھی نہ دینے دیا۔ آخری دیدار سے بھی محروم کر دیا اس نامحرم کو، میری گڑیا میں تمہاری لحد کے پاس بیٹھا ہوں۔ صفی گواہ رہنا کہ میں نے انمول کی قبر کی مٹی کو بھی ہاتھ نہیں لگایا۔

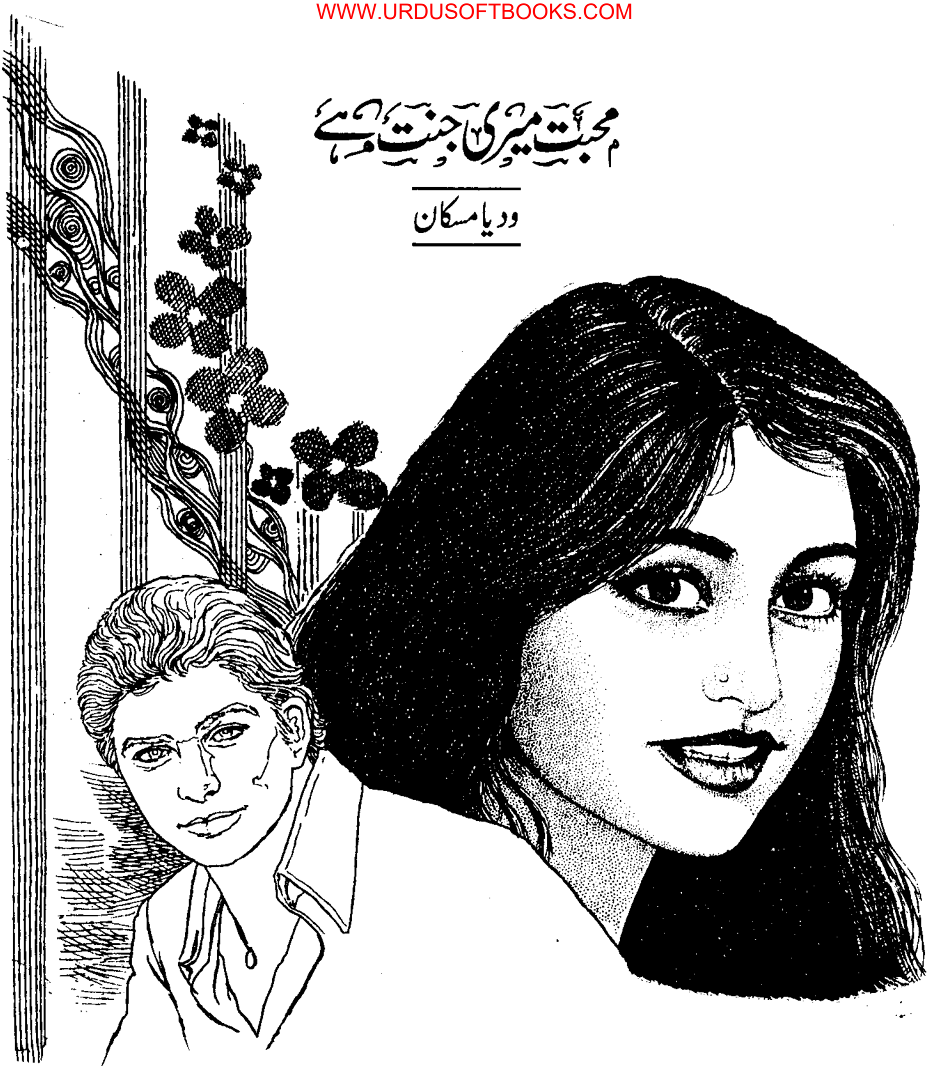
اور اب رات ہونے کو ہے اور میں انمول کو اکیلا چھوڑ کر واپس جا رہا ہوں۔ اندھیرا.... بڑھ رہا ہے اور یہاں ہم دونوں نامحرم ہیں ناں' صفی اب واقعی مجھے گھر چلے جانا چاہیے۔

صفی مجھے گھر لے آیا ہے، حل بتانے والے رخصت ہو چکے ہیں مجھے لگ رہا تھا کہ میرے بیل بجانے پر ہمیشہ کی طرح میری انمول دروازہ کھول دے گی اور میرے گلے میں جھول جائے گی مگر میری بیٹی تو منوں مٹی تلے چلی گئی' میرے مسائل کا حل نکال کر اپنی ماں کے پاس اپنی محرم کے پاس۔

میری التجا ہے ان لوگوں سے جن کو اللہ نے صاحبِ اولاد نہیں کیا تو اس کی مصلحت پہ صبر کریں یا اپنے خون کے رشتوں میں سے بچہ گود لیں۔ ورنہ یہ نہ ہو کہ ایک دن میری طرح وہ بھی محرمِ راز کو ترسیں۔

محبت میری جنت ہے

ودیا مسکان



رات میں اور کبھی صبح صبح ٹھنڈی گھاس پر چلنا میرا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ میں لان میں آتی اور بغیر جوتوں کے گھاس پر نہ چل رہی ہوتی ...... ٹھنڈی اور نرم گھاس پر چلنا مجھے ایک عجیب سی طمانیت اور خوشی کا احساس دلاتا ...... ایسا سکون مجھے کسی نرم قالین پر چلنے سے بھی نہیں ملتا...... کبھی کبھار تو یوں ہوتا کہ مجھے آتش بازی کے خوب صورت رنگ بھی دیکھنے کو ملتے...... آتش بازی کے رنگ دیکھ کر ایسا لگتا جیسے آسمان کو کسی نے زیوروں سے سجالیا ہے۔ قریب ہی میرج ہال تھا جہاں پہ آتش بازی ہوتی تھی۔ جلد ہی میں بور ہو کر وہاں سے آگئی۔ میں چیزوں سے جلد ہی بور ہو جاتی مگر میں خود کو اس ایک شخص کے طلسم سے آزاد نہیں کر پارہی تھی...... ایسا لگتا جیسے اس شخص نے مجھ پر کوئی جادو کر دیا ہے۔ حالانکہ میں نے اسے صرف ایک دفعہ دیکھا تھا، ایک ہی دفعہ

ملاقات ہوئی تھی پھر بھی وہ شخص ایک لمحے کے لیے بھی میرے دل سے محو نہیں ہوتا۔ کورے کاغذوں پر نہ جانے میں نے کتنی تصویریں بناڈالیں ...... اس کے لیے کتنی دعائیں کی کہ وہ مجھے ایک دفعہ مل جائے ...... میں اسے دوبارہ سے دیکھوں تو ... کہیں جانے نہیں دوں ...... اس سے بات کروں ...... اپنا ذکر کروں ، اس کا پوچھوں۔ میں اسے بتاؤں کہ کس طرح اس کی اِک نظر نے مجھے مسحور کر رکھا ہے۔ اس کا انداز، احساس حتیٰ کہ اس کی خوشبو مجھے اب بھی اپنے آس پاس محسوس ہوتی ہے ...... دور ہو کر بھی کتنا پاس ہے وہ ...... میں سوچتی رہتی۔

''اف ...... ف ...... ف ایسی کیا خاص بات ہے اس شخص میں ...... میں کیوں خود کو اس شخص کے خیال سے آزاد نہیں کر پارہی ہوں جس کا مجھے مکمل نام تک معلوم نہیں۔'' میں نے خود کو تنبیہ کی۔

میں ماریہ ارشد ...... لوگ جس کی تعریفوں کے پل باندھتے نہیں تھکتے' اس کے دل پر میجر ایاز نے قبضہ کرلیا ہے ...... مگر کیسے؟

''میجر ایاز کون ہو تم؟ کہاں ہو تم؟ پلیز مجھے مل جاؤ اے اللہ وہ شخص میرے نام کر دے ...... اسے میری قسمت بنادے ...... کہ میں اسے صبح شام دیکھوں ...... اس کا انتظار کروں ...... اس کے سارے کام کروں ......''

لبوں پر مسکان سجائے میں کھلی آنکھوں میں خواب سجارہی تھی کہ اچانک موبائل کی بیل بجنے پر میں اس کی طرف متوجہ ہوئی' اسکرین پر میری رازدار دوست عنایہ کا نام چمک رہا تھا۔

''کہاں غائب تھیں؟ کہیں اب بھی اپنے اس عزیز از جاں میجر کی یادوں اور خوابوں میں تو مصروف نہیں۔'' فون اٹھاتے ہی اس کی چہچہاتی آواز میرے کانوں میں پڑی۔

''تمہیں یقین ہے کہ وہ اب بھی تمہیں ملے گا حالانکہ ہم دونوں نے ملٹری اسپتال جا کر اسے کتنا ڈھونڈا ...... ہر کسی سے پوچھا مگر ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔'' اس نے کچھ دنوں پہلے کی بات یاد دلانے کی کوشش کی جب ہم دونوں میجر ایاز کو ڈھونڈنے اسپتال گئے تھے۔ ہم نے ہر جگہ اسے ڈھونڈا اس کے آفس میں کوئی اور تھا اور کسی کو بھی اس کے بارے میں علم نہیں تھا۔

''اسے کھونے کی باتیں مت کرو عنایہ ...... میں اسے کھونے کا تصور بھی نہیں کرسکتی ...... وہ شخص میرے دل کی دھڑکن کی طرح ہے، اس کا جدا ہونا میرے دل سے دھڑکن کا جدا ہونا ہے۔'' میں نے عنایہ کو جواب دیا۔ اور پھر کچھ دیر مزید بات کرنے کے بعد فون بند کردیا۔

میری اور عنایہ کی دوستی کالج میں ہوئی تھی۔ کالج میں ایڈمیشن کے وقت فارم فل کرنے میں عنایہ نے میری مدد کی ...... باتوں کے دوران پتا چلا کہ عنایہ بھی میری ہی کالونی میں رہتی ہے ...... یوں اس نے میرا فون نمبر لیا کہ کالج ساتھ ہی آیا جایا کریں گے۔ اس طرح کالج شروع ہونے سے پہلے ہی ہماری دوستی ہوگئی۔ میرے ابو آرمی میں تھے اور عنایہ کے ابو حال ہی میں آرمی سے ریٹائرڈ ہوئے تھے۔

میں اپنے گھر کی سب سے بڑی بیٹی ماریہ ارشد ...... اور میرے بعد دو بھائی الماس اور رامس تھے۔ الماس میڈیکل کا اسٹوڈنٹ تھا جبکہ رامس انٹرمیڈیٹ کا۔

میں اس وقت بی۔اے کے پیپرز دینے کے بعد فارغ تھی۔ ایسے میں ابو کی مصروفیت کی بنا پر گھر کے چھوٹے موٹے کام بھی میں نپٹا لیتی ...... ایسے ہی ابو کی دوائیوں کی کے لیے میں ایک دفعہ اسپتال گئی۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ دن میری زندگی بدل دے گا۔

اس دن ریسپشنسٹ نے مجھے میجر ڈاکٹر ایاز کی طرف بھیجا ...... پہلی نظر میں وہ مجھے کسی معصوم بچے کی طرح لگا ...... ایک ایسا معصوم بچہ جسے دیکھ کر اس کے گال چھونے کو دل کرے ...... میجر ڈاکٹر ایاز اتنا خوب صورت اور اتنا جوان تھا کہ مجھے لگا ہی نہیں کہ وہ میجر کے عہدے پر فائز ہوگا ...... میرے سارے لفظ اس کی خوب صورتی اور معصومیت کے سامنے کم پڑرہے تھے ...... اسے دیکھ کر ایسا لگتا جیسے کسی جہان کا شہزادہ ہے وہ ...... اس وقت میں آفس سے اپنا کام نپٹا کر ... باہر نکل آئی' مجھے معلوم نہیں

تھا کہ اس کا چہرہ اور اس کا انداز یوں میری آنکھوں اور خوابوں میں قید ہو جائے گا۔

☆☆☆

''ہاں جاؤں گی......عریشہ کی شادی کے لیے ابھی تک کوئی شاپنگ نہیں کی......مما نے آج کا پروگرام بنایا ہے شاپنگ کا۔'' میں نے اپنی خالہ زاد کزن آیت کو جواب دیا جو میرے بیڈروم میں بیڈ کے ساتھ ہی نیچے کارپٹ پر بیٹھی چپس کے ساتھ انصاف کر رہی تھی۔

''کب جاؤ گے تم لوگ۔'' آیت نے چپس کے ساتھ کولڈ ڈرنک کا گھونٹ لیتے ہوئے پوچھا۔

''شام تک۔'' میں لیپ ٹاپ بند کر کے اس کے ساتھ کارپیٹ پر ہی بیٹھ گئی۔

''ابھی چلو ناں، میں بھی چلتی ہوں۔'' آیت نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے تجویز پیش کی۔

''اوکے آجاؤ......چلو مما کو بتاتے ہیں۔'' میں اس کے کولڈ ڈرنک کا آخری گھونٹ لیتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس دن مما سے اجازت لے کر ہم شاپنگ کے لیے نکل گئے۔ سٹی سینٹر میں کافی گہما گہمی تھی، ہم نے اپنی مطلوبہ چیزیں لیں اور کچھ کھانے کی غرض سے فوڈ ایریا کی طرف بڑھنے لگے۔ فوڈ ایریا کی طرف جاتے ہی میری نظر دوسری طرف سامنے پرفیوم کی دکان سے نکلتے ہوئے اس شخص پر پڑی۔ اب آپ نے اندازہ لگا ہی لیا ہوگا کہ وہ شخص کون ہوگا......جی ہاں وہ شخص میری زندگی، میری چاہت میجر ایاز تھا۔ اسے دیکھ کر میرے ہوش کھو جانے چاہیے تھے مگر اس وقت میرے ہوش کھونے کے بجائے میں آیت کو وہیں چھوڑ کر اس کی طرف جانے لگی۔

''کہاں جا رہی ہو ماریہ؟'' پیچھے سے آیت کی آواز سنائی دی۔

''آ رہی ہوں بس دو منٹ۔'' میں نے ایک لمحہ اپنی کزن کو دیکھا کر کہا پھر جب پلٹی تو میجر ایاز میری نظروں سے اوجھل تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر اسے دیکھا مگر وہ کہیں نہیں تھا۔ مجبوراً دل میں کسک لیے میں آیت کے ساتھ فوڈ ایریا گئی اور پھر گھر واپس آ گئی۔ اس نے بارہا پوچھا کہ میں کسے ڈھونڈ رہی تھی۔

''اپنے محبوب کو۔'' میں نے بس اتنا ہی کہا......

وہ میری سچائی کو مذاق سمجھ کر ہنس دی......کتنی افسوس کی بات ہے ناں کہ ہمارے اپنوں کو ہمارے کہی گئی باتوں پر بھروسا ہی نہیں ہوتا اور اگر پھر وہ بات کوئی اور آ کر کہے تو اس کو مان لینے میں اِک منٹ بھی نہیں لگاتے پھر چاہے بات کرنے والا ہمارا سب سے بڑا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔

اس دن تو میجر ایاز میرے ہاتھوں سے نکل گیا تھا مگر اس کی چاہت روز بروز میرے دل میں اپنی جڑیں مضبوط کر رہی تھی ...... ایسے میں ابو کے دوست یعنی میرے ہونے والے سسر، ابو، امی سے میری اور احتشام کی شادی کی تاریخ مانگ رہے تھے۔ اس وجہ سے احتشام اور اس کے گھر والے آئے روز ہمارے گھر موجود ہوتے۔ احتشام سے میری دلی وابستگی نہیں تھی۔ دو مہینے پہلے گھر والوں نے رشتہ طے کیا تھا۔ بظاہر احتشام میں کوئی برائی نہیں تھی، اچھی تعلیم، اچھی جاب سب کچھ تھا اس کے پاس۔ اس لیے میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا ......مگر وہ ابھی تک میرے دل میں جگہ نہیں بنا پایا تھا۔ اس میں کچھ، کچھ احتشام کی اپنی طبیعت کا بھی قصور تھا جو ہر بات پر ضد کر بیٹھتا اور اپنی ہر خواہش کو زبردستی پوری کرتا اور کرواتا۔ اکثر ہم دونوں کی بحث ہو جاتی مگر اب میجر ایاز سے ملنے کے بعد میں احتشام سے بحث کم ہی کرتی۔ آج بھی احتشام لیٹ نائٹ ڈنر پر جانے کی بات کر رہا تھا میرے منع کرنے پر وہ ایک دم سے چلّا اٹھا۔

''سو واٹ ......تم میری منگیتر ہو اور بہت جلد ہماری شادی ہونے والی ہے، ایسے میں اگر تم میرے ساتھ ڈنر پر جاؤ گی تو کون سی قیامت آئے گی۔'' احتشام ہمیشہ اپنی مرضی چلانے کا عادی تھا مگر ساری دنیا کو تو ہم اپنی مرضی سے نہیں چلا سکتے ناں!

''تمہیں مسئلہ نہیں ہوگا مگر مجھے مسئلہ ہے......تم مرد ہو جو چاہے کرو کوئی کچھ نہیں کہے گا مگر عورت ایک سفید چادر کی طرح ہوتی ہے جس پر اگر ایک دفعہ داغ لگ

جائے تو پوری دنیا کو واضح نظر آتا......اور کچھ داغ مٹائے نہیں مٹتے۔"

شدید غصہ ہونے کے باوجود میں نے اپنا لہجہ نرم رکھنے کی کوشش کی مگر میرے اندر کی تلخی میرے چہرے سے عیاں تھی اگر کوئی پڑھنے والا ہوتا......

"مجھے تمہاری یہ فلاسفی سمجھ میں نہیں آتی...... میں نے ڈنر کا پروگرام بنایا ہے اور تم جاؤ گی میرے ساتھ سمجھیں۔" وہ بے حد ہٹ دھرمی سے کہہ رہا تھا۔

"اگر میں نہ جاؤں تو؟" میرے چہرے کا رنگ تھوڑا بدل گیا۔

"تو پھر نتیجے کی ذمے دار تم خود ہوگی۔" اس کا موڈ ایک دم بگڑنے لگا تھوڑی دیر اپنی نظریں میرے چہرے پر جمائے رکھنے کے بعد وہ بہت مشتعل ہوکر وہاں سے چلا گیا تھا۔ مجھے ہر چیز سے ایک دم الجھن ہونے لگی تھی......عورت ہر قیمت پر اپنا رشتہ بچانا چاہتی ہے مگر مرد میں یہ خاصیت نہیں پائی جاتی......میجر ایاز سے ملنے کے بعد میں اپنے اور احتشام کے رشتے کو جیسے بھول گئی تھی مگر ہم زیادہ دیر تک خوابوں کی دنیا میں نہیں رہ سکتے ہمیں جلد ہی حقیقت کی طرف لوٹنا پڑتا ہے مگر میں اپنے دل سے دھڑکن کو جدا نہیں کر پارہی تھی۔

☆☆☆

"سمجھ نہیں آرہی کچھ...... بہت مشکل میں ہوں......احتشام کا رویہ بھی سمجھ سے باہر ہے اور میرے دل کی حالت بھی...... سمجھ نہیں آتا کہ رشتہ نبھاؤں یا محبت...... احتشام نے ڈنر پر جانے کا کہا تھا لیکن میں نہیں گئی۔" تہذیب بیکرز کے سامنے آئس کریم کے باؤل میں مسلسل چمچ ہلاتے ہوئے میں نے کہا۔

"سچویشن تو تمہاری بہت کریٹیکل ہے۔" عنایہ مسکرائی۔

اس کے اس طرح کہنے پر میں نے ایک دم نظر اٹھائی میں نے اسے کچھ کہنا چاہا مگر سامنے کرسی پر بیٹھے اس شخص کو دیکھ کر میں کچھ کہہ نہیں پائی جو پانچ سالہ بچی کو آئس کریم کھلا رہا تھا۔

"عنایہ!" میرے لہجے میں غیر معمولی پن دیکھ کر وہ چونکی۔

"کیا ہوا؟" وہ متعجب ہوئی۔

"وہ دیکھو...... میجر ایاز......" میرے کہنے پر وہ میری نظروں کے تعاقب میں پیچھے مڑی۔

"او مائی گاڈ...... یہ تو واقعی شہزادہ لگتا ہے۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

میں میجر ایاز سے نظریں نہیں ہٹا پارہی تھی۔

اتنے میں میجر ایاز اس بچی کو لے کر اٹھنے ہی والا تھا کہ عنایہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کھینچتے ہوئے اس کے سامنے لے گئی۔

"ہیلو میجر ایاز......کیا میں آپ کا فون نمبر لے سکتی ہوں؟" میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی عنایہ نے کہا۔

"جی؟" وہ ہم دونوں کے اس بے ساختہ حملے پر حیران سا ہمیں دیکھ رہا تھا۔

"آپ کا فون نمبر؟" عنایہ نے دُہرایا جبکہ مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ میں اس وقت کیا کہوں۔

"آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہے؟" اس نے عنایہ کو اپنا کارڈ تھماتے ہوئے کہا۔

"عنایہ یہ تم......؟" وہ میجر ایاز کے ہاتھ سے کارڈ لے رہی تھی جبھی میں نے اسے ٹوکنا چاہا۔

"یہ اگر آج پھر سے بھاگ گیا تو......" اس نے چپکے سے کہا۔ مجھے لگا تھا کہ وہ میجر ایاز سے کارڈ لینے کے بعد وہاں سے آجائے گی مگر اس نے جو کہا اس کا مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا۔

"ایکچوئیلی بات یہ ہے کہ......" اس سے مجھے ان الفاظ کی توقع نہیں تھی۔

میجر ایاز میرے دل میں بسا تھا، میں اس کے خواب دیکھتی تھی مگر میں نے یہ خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ جب وہ سامنے آئے گا تو اسے کیا کہوں گی......اور اس وقت مجھے ایسا لگا تھا جیسے میری قوتِ گویائی سلب کر لی گئی ہے۔

میں بغیر اس کے جواب کا انتظار کیے، عنایہ کو وہیں چھوڑ کر باہر کی طرف بڑھی اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر

وہاں سے گھر چلی آئی۔عنایہ کی پروا کیے بغیر......

گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے میں امی، ابو کے سوالیہ چہروں کو نظرانداز کر کے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔ میں نے نوٹ کیا کہ میری دھڑکنیں بے ترتیب تھیں۔چہرہ گھبرایا ہوا اور سانس اٹکی ہوئی لگ رہی تھی۔

☆☆☆

اس دن کے بعد سے عنایہ سے میری کوئی بات نہیں ہوئی تھی...... نہ ہی میں نے میجر ایاز کے بارے میں پوچھا تھا......اس عرصے میں ایک تبدیلی اور آئی تھی کہ ابو نے احتشام کے گھر والوں کو شادی کی تاریخ دے دی تھی، ایک ہفتے بعد ہمارا نکاح تھا۔ میں کسی کو میجر ایاز کے بارے میں نہیں بتا سکی تھی۔اب خود کو قسمت کی لہروں کے حوالے کر دیا تھا۔اس کے ساتھ، ساتھ میں حیران تھی کہ احتشام نے ڈنر والی بات کو اتنی آسانی سے کیسے چھوڑ دیا۔

شادی کا کارڈ میں نے عنایہ کو ڈرائیور کے ہاتھ بھیج دیا تھا۔عنایہ نے بھی اس دو ہفتے کے عرصے میں کوئی میسج یا کال نہیں کی تھی۔حالانکہ گھر میں کافی گہما گہمی شروع ہو چکی تھی۔قریبی مہمان اور کزنز نے ہمارے گھر پر ڈیرا ڈال دیا تھا۔کزنز زیادہ تر میرے کمرے میں ہی رہتیں اور اپنی طرف سے شرارتی جملے اچھالتیں...... میں بھی ان کے جملوں پر زبردستی مسکراتی۔شادی سے ایک دن پہلے عنایہ بھی آ گئی تھی۔اس بیچ اس نے احتشام کے بارے میں کچھ کہا نہ ہی میجر ایاز کا نام لیا تھا...... کبھی، کبھی ہم چاہتے ہیں کہ کوئی ہمارے محبوب کا نام لے، اس کا ذکر کرے، اس کے بارے میں ہمیں بتائے ...... اس کی عادات، اس کا بولنا، اس کا ہنسنا......مگر موقع نہیں ہوتا ...... مجھے ایک دفعہ بھی موقع نہیں ملا میجر ایاز کے بارے میں بات کرنے یا پوچھنے کا...... عجیب سی کشمکش میں تھی، شادی کسی اور سے کرنے جا رہی تھی اور دل میں کوئی اور بسا ہوا تھا۔

گولڈن لہنگا اور میرون اور گولڈن بنارسی شرٹ ... گولڈن کام والا ...... میرون دوپٹا لیے، ساتھ میچنگ جیولری پہنے نفاست سے ہلکا، ہلکا میک اپ کیے اس کے ساتھ، ساتھ میرون لپ اسٹک لگائے میں اکتائی ہوئی کمرے میں سہیلیوں اور کزنز کے بیچ بیٹھی ہوئی تھی۔

''اُف ......یہ عنایہ کی بچی کہاں چلی گئی ہے ......ایک تو یہ قاضی......نکاح کرنا ہے تو جلدی کرے۔'' میں نے اکتاتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔

نکاح میں دیری کی وجہ سے ہم سب بہت تھکے ہوئے تھے جس کی وجہ عنایہ نے بتائی کہ ابھی تک مولوی صاحب نہیں پہنچے۔

''لگتا ہے دلہن محترمہ مجھے یاد کر رہی ہیں۔'' اتنے میں عنایہ اندر داخل ہوئی۔اسے دیکھ کر مجھے ذرا اطمینان ہوا۔

''اچھا اپنا حلیہ ٹھیک کرو، نکاح کے لیے قاضی صاحب آ رہے ہیں۔'' عنایہ میری بیزار شکل دیکھ کر بولی۔

تھوڑی دیر بعد قاضی صاحب ہاتھ میں نکاح نامہ کے فارم لیے داخل ہوئے جن کے ساتھ ستا ہوا اور اداس چہرہ لیے بھائی بھی تھے۔ مجھے تھوڑا سا کھٹکا لگا مگر پھر تھکن سمجھ کر نظرانداز کیا۔

''ایاز واصف ولد واصف رحمان کے ساتھ......''

اس کے بعد قاضی صاحب نے کیا کہا مجھے کوئی ہوش نہیں تھا، میں تو ابھی تک ایاز واصف پر اٹکی ہوئی تھی اور متعجب اور چہرے پر سوال لیے پہلے قاضی صاحب پھر بھائیوں اور عنایہ کو دیکھا۔عنایہ چہرے پر مسکراہٹ سجائے مجھے ہاں کرنے کا اشارہ کر رہی تھی۔

کیسے میں نے ہاں کی، نکاح نامے پر دستخط کیے ......سب کی مبارک باد ملی، مجھے کچھ ہوش ہی نہیں تھا بس تھا تو آنکھوں سے نہ رکنے والی آنسوؤں کی لڑی جاری تھی۔عنایہ نے باقی کزنز کو نکلنے کو یہ کہا کہ وہ میرا میک اپ ٹھیک کر رہی ہے اور خود بغیر کچھ کہے میرے سامنے بیٹھی رہی۔

☆☆☆

میں میجر ایاز واصف کہنے کو تو میرے پاس سب کچھ ہے عزت، دولت، نوکر چاکر...... اگر کسی چیز کی کمی تھی تو وہ تھی محبت ...... جی ہاں سب کچھ ہونے کے باوجود میرے دل کا جہاں ویران تھا......ابھی تک کوئی ایسا ملا ہی

نہیں تھا جو دل میں بس جاتا...... میرا حلقۂ احباب اگر زیادہ وسیع نہیں ..... تو زیادہ مختصر بھی نہیں...... بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوئی...... پروفیشنل ان پروفیشنل...... والدین نے بھی شادی کے نام پر لڑکیوں کی اچھی خاصی نمائش دیکھ لی اور مجھے بھی دکھادی۔ میں نمائش ہی کہوں گا کیونکہ بغیر لڑکیوں کے احساسات کی پروا کیے لڑکیاں نمائش کے لیے پیش کی جاتیں اور ہم مزے سے لڑکی میں کوئی خامی نکال کے اسے ریجیکٹ کردیتے...... خیر وہ بھی تنگ آکر واپس امریکا چلے گئے۔

اس میں، میں خود کو بے قصور ہی کہوں گا کیونکہ مجھے ایسی لڑکی ملی ہی نہیں تھی جو آنکھوں میں بس جاتی...... جس کا چہرہ اور خواب ہمیشہ میری آنکھوں میں رہتے...... وہ عورت مجھ سے محبت کے ساتھ، ساتھ میرے مرحوم بھائی کی بیٹی فاریہ کو بھی شفقت آمیز محبت سے نوازے۔

معمول کی طرح اس دن بھی میں ڈیوٹی پر تھا۔ صبح سے مریضوں کو چیک کرتے، کرتے تھکن سی ہو رہی تھی، میں نے سوچا تھا کہ اس آخری مریض کو دیکھنے کے بعد بریک لوں گا (مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ میری زندگی پر ہی بریک لگا دے گی)

جی ہاں آپ ٹھیک سمجھے...... میری اگلی مریض ایک لڑکی تھی جسے دیکھ کر میں ”خوب صورت اور بھولی بھالی لڑکی“ کا خطاب دینے پر مجبور ہوگیا تھا۔ میں نے اپنی توجہ اور دھیان اس کی طرف سے ہٹانے کی کوشش کی اور بہت ضبط کے بعد کامیاب ہوگیا۔

اس کی آنکھوں میں اِک خوب صورت سی چمک تھی کبھی کبھار میری نظریں اس کے چہرے کا طواف کرتیں۔ اکثر میں اسے خود کو دیکھتے ہوئے پکڑ لیتا جیسے ہی میری نظریں اس سے ٹکراتیں، وہ اپنی نظریں جھکا لیتی۔ اپنے سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی مجھے خوب صورت ہونے کے ساتھ، ساتھ معصوم اور مخلص بھی نظر آئی تھی بالکل ایسی لڑکی جیسی مجھے اپنی زندگی میں چاہیے تھی۔ وہ اپنے والد کی دوائیں لینے آئی تھی۔

میں نے اسے اس کی مطلوبہ دوائیاں لکھ کر دیں تو وہ تھینکس کہہ کر جانے کے لیے مڑی...... دل کہہ رہا تھا کہ اسے روکوں مگر دماغ نے کہا کہ کس حق سے روکو گے...... میں اسے جانے نہیں دینا چاہتا تھا مگر فرض کے آگے مجبور تھا اگر اسے روکتا تو لوگ کہتے کہ میجر ایاز واصف اپنے پیشنٹ پر نظر رکھتا ہے۔ ہم فوجیوں کے لیے ڈیوٹی پہلے اور زندگی بعد میں آتی ہے۔

میں اکثر آنکھیں بند کرتا تو مجھے اس کا خوب صورت چہرہ نظر آتا۔ اس کو پانے کی خواہش بے ساختہ دل میں ابھرتی اور میری زبان پر دعائیہ کلمات جاری ہوجاتے۔

مگر جب کافی عرصے تک وہ نہیں ملی تو قسمت اور نصیب کا کھیل سمجھ کر اسے بھول جانا چاہا مگر جو نصیب میں ہوتے ہیں، وہ جدا کہاں ہوتے ہیں۔ انہیں ملنا ہوتا ہے ہر حال میں...... ہر صورت...... اسے کوئی ہم سے الگ نہیں کرسکتا...... جسے خدا نے ہمارے لیے بنایا ہو خدا کے بندے اسے ہم سے الگ کیسے کرسکتے ہیں...... وہ بھی مجھے ملی...... میری منتیں قبول ہوگئیں۔

ایک بہت ہی خوب صورت شام میں فاریہ کو لے کر آئس کریم پارلر گیا ہوا تھا۔ بادلوں اور ٹھنڈی ہوا نے ماحول کو خوشگوار بنادیا تھا۔ ایسے میں جب خوب صورت ٹھنڈی ہوا کی لہریں بڑے پیار سے چہرے سے ٹکراتیں تو ہر سو گویا ایک خوشبو پھیل جاتی۔ میری پوری توجہ فاریہ کو آئس کریم کھلانے پر مرکوز تھی ایسے میں اچانک دو لڑکیاں آکر میرے سامنے کھڑی ہوگئیں۔ اس میں سے ایک کو میں اچھی طرح سے پہچانتا تھا۔ اسے بھلا میں کیسے بھول سکتا تھا مگر نہ جانے کیوں میں خود کو انجان ظاہر کرنے لگا جیسے میں نے اسے پہلے دیکھا ہی نہ ہو یا مجھے وہ یاد ہی نہ ہو۔

”ہیلو میجر ایاز! کیا میں آپ کا فون نمبر لے سکتی ہوں۔“ اس کی دوست نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔ میں اس کے اس رویے پر حیران ہوا مگر شاید اس کی عادت ہی یہی ہوگی جبکہ وہ بالکل خاموش کھڑی ہوئی تھی شاید اسے بھی اپنی سہیلی کے اس طرح کے اقدام کی توقع نہیں ہوگی۔

”آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہے؟“ میں جان بوجھ کر انجان بن گیا حالانکہ مجھے اچھی طرح سے اندازہ تھا

کہ اسے یہ سب معلومات اسی نے دی ہوں گی۔ میرے اس طرح کے کہنے پر کرب کا اِک سایہ اس کے خوب صورت چہرے پر لہرایا جبکہ اس کی فرینڈ کے ایکشن میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ جب اس کی فرینڈ میرے ہاتھ سے میرا کارڈ پکڑ رہی تھی تو اس نے ٹوکنا چاہا مگر شاید اس کی دوست نے آج مجھے حیران کرنے کا تہیہ ہی کر لیا تھا۔ وہ تو وہاں سے چلی گئی البتہ کارڈ پکڑے اس کی سہیلی وہیں کھڑی رہی اور جو کچھ اس نے کہا اس کا تو میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

”ایکچوئیلی بات یہ ہے کہ... میری پیاری سہیلی ماریہ ارشد کو تم سے محبت ہو گئی ہے...... اس کے خوابوں میں تم اس طرح بسے ہوئے ہو کہ ایک منٹ بھی تمہیں اپنے ذہن سے محو نہیں کر پاتی...... اس نے تمہاری اتنی پینٹنگز بنائی ہیں کہ......“ اس سے پہلے کہ وہ (اس کی سہیلی) اپنی بات مکمل کرتی، وہ سرخ چہرہ لیے وہاں سے تیزی سے چلی گئی...... جی ہاں وہ عنایہ کو چھوڑ کر جا چکی تھی۔ پھر مجھے ہی عنایہ کو گھر ڈراپ کرنا پڑا۔ عنایہ نے مجھے ماریہ کے بارے میں سب کچھ راستے میں بتایا، اس کا بچپن، اس کا کالج اور اس کے منگیتر احتشام کے بارے میں بھی مجھے ایک طرف تو ماریہ سے ملنے کی خوشی تھی تو ساتھ، ساتھ اسے کھونے کا دکھ بھی۔

پھر ایک دن عنایہ کا میسج آیا کہ ماریہ کی شادی کی تاریخ طے ہو گئی ہے، اس دن پہلی مرتبہ میں خوب رویا تھا۔ اپنے محبوب کو پانے کے بعد کھونے کا دکھ کچھ زیادہ ہی بڑا ہوتا ہے۔

اس دن خدا سے میں نے بہت دعائیں کی...بہت شکوے کیے مگر ہمیں شاید خدا کے فیصلوں کی مصلحت کہاں سمجھ میں آتی ہے۔

☆☆☆

”واٹ......!“ میں حیرت سے چلّایا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس وقت میری نائٹ ڈیوٹی تھی۔

”جی ہاں میجر ایاز...... فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے......قدرت نے تمہیں ایک موقع دیا ہے، اسے ضائع مت کرو...... ماریہ نے احتشام کے ساتھ لیٹ نائٹ ڈنر پر جانے سے انکار کیا تھا، اس لیے احتشام نے نکاح کے وقت یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اگر ماریہ اس کی ایک خواہش پوری نہیں کر سکتی تو اس کے ساتھ باقی زندگی کیسے گزارے گی۔“

”عنایہ کیا......“ اس سے پہلے کہ میں مزید کچھ کہتا عنایہ دوبارہ سے گویا ہوئی۔

”دیکھیے میجر ایاز...... جائز اور ناجائز خواہش پوری کرنے میں فرق ہوتا ہے...... ماریہ کس حق سے جاتی احتشام کے ساتھ لیٹ نائٹ ڈنر پر...... احتشام اس کا محرم تو نہیں تھا ناں، وہ تو صرف اس کا ہونے والا شوہر تھا ......اب تم فیصلہ کرو میجر ایاز...... کیا تمہیں تمہاری محبت چاہیے یا......“

اس وقت مجھے قدرت نے ایک موقع عطا کیا تھا ......میری محبت، میری چاہت ملنے کا موقع...... ہاں خدا ہی تو ہمیں مواقع عطا کرتا ہے اگر ہم صبر کے ساتھ انتظار کریں، اپنے خدا تعالیٰ کی رحمت کا...... میں تیزی سے گھر کی طرف گیا، کپڑے چینج کیے اور وقت ضائع کیے بغیر عنایہ کے دیے گئے ایڈریس پر پہنچا۔ جیسے ہی میں گاڑی سے اترا میں نے دیکھا کہ ہر طرف روشنیوں اور قمقموں کا راج ہے، ماریہ ارشد کا گھر ارشد ہاؤس دلہن کی طرح سجا ہوا تھا...... مگر گھر کے اندر ایک اداسی اور ویرانی برس رہی تھی۔ عنایہ مین گیٹ پر میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں سفید کرتے اور چوڑی دار پاجامہ میں کہیں سے بھی دولہا نہیں لگ رہا تھا۔

عنایہ مجھے ماریہ کے والد ارشد عظیم صاحب کے پاس لے گئی۔ اس وقت ارشد عظیم ایک تھکے ہوئے اور ہارے ہوئے باپ نظر آئے جن کے چہرے پر عزت کے جانے کا ڈر تھا۔ میں نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

”کیا آپ مجھے اپنی بیٹی کے لائق سمجھتے ہیں؟ خدا نے جو موقع دے دیا ہے تو کیا آپ اپنی بیٹی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر میری زندگی مکمل کریں گے۔“

ارشد صاحب نے میرے جڑے ہوئے ہاتھ تھام

کر مجھے گلے لگایا۔عنایہ نے نہ جانے انہیں کیا کہا تھا۔ رامس اور الماس مجھے نکاح کے لیے علیٰحدہ سجائے گئے کمرے میں لے گئے جو شاید انہوں نے نکاح کے لیے علیٰحدہ سجایا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ کسی کو معلوم نہیں ہو سکا کہ احتشام نکاح سے انکار کر کے جا چکا ہے یا وہ آیا ضرور تھا سب کے ساتھ مگر اب جا چکا تھا۔نکاح کے وقت بھی اور نکاح کے بعد بھی لوگوں کے چہروں پر طرح،طرح کے سوالات تھے مگر نکاح کے بعد انکل ارشد مجھے اسٹیج پر لے گئے اور اناؤنس کیا کہ......

’’آپ سب حیران ہوں گے کہ میری بیٹی کی شادی تو میرے دوست کے بیٹے احتشام کے ساتھ طے تھی۔‘‘احتشام کا نام لیتے ہوئے انکل کی آواز میں دکھ در آیا تھا۔انہوں نے اپنی بات جاری رکھی......’’مگر خوش قسمتی سے میری بیٹی کا شریکِ حیات اب ایاز واصف ہے اور مجھے خوشی ہیں کہ احتشام جیسا دھوکے باز اور کم ظرف شخص میری بیٹی کا شریکِ سفر نہیں بنا۔‘‘انکل ارشد کی آواز میں اب فخر تھا خوشی تھی۔

☆☆☆

اس دن میجر ایاز کے سنگ مجھے رخصت کر دیا گیا۔ میں خوش تھی کہ مجھے میجر ایاز مل گیا تھا اور گھبرائی ہوئی تھی کیونکہ یہ سب میری توقع کے برعکس ہوا تھا۔

پھر عنایہ نے مجھے پوری صورتِ حال بتائی تھی۔

میں نے احتشام کو انکار کیا تھا کیونکہ یہ سب میرے اصولوں کے خلاف تھا، یہ اس تربیت کے خلاف تھا جو مجھے بچپن سے دی گئی تھی۔میں اپنی تربیت کو بالائے طاق رکھ کر اس کے ساتھ ڈنر پر کیوں جاتی......اللہ نے مجھے اس سے بڑھ کر انعام دیا تھا۔

خدا نے مجھے میری محبت عطا کی تھی۔

عنایہ نے یہ بھی بتایا کہ کس طرح اس نے میجر ایاز کو کال کر کے بلایا اور اسے سب بتایا تبھی میرا نکاح ایاز سے ہوا ورنہ ابو اور بھائی تو صدمے سے بے حال تھے۔ عنایہ نے ہی ابو اور بھائیوں کو میجر ایاز کے بارے میں بتایا تھا، میرے ذہن میں ساری باتیں فلم کی طرح چل رہی تھی تبھی مجھے قدموں کی چاپ سنائی دی اور میں نے بے اختیار آنکھیں بند کر لیں۔

’’ماریہ......!‘‘میجر ایاز نے پہلی دفعہ میرا نام لیا تھا۔میری دھڑکنیں بے ترتیب تھیں۔اس کے الفاظ کی شیرینی اور گداز میں بند آنکھوں سے بھی محسوس کر سکتی تھی۔وہ میرے پاس آ کر بیٹھا۔ میں بدستور آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔

’’آنکھیں کھولو ناں ماریہ...... دیکھوں ناں...... سب کتنا خوب صورت ہے بالکل خواب سا......مگر یہ حقیقت ہے۔‘‘ایاز کی نظروں کی تپش میں اپنے چہرے پر محسوس کر سکتی تھی۔وہ ایک منٹ کے لیے اٹھا اور کمرے کی الماری ٹٹول کر واپس آ کر بیٹھ گیا......اس نے ایک ڈبا کھولا اور اس میں سے کچھ نکال کر میرا ہاتھ پکڑا......وہ ایک بے حد خوب صورت گھڑی تھی ...... جس کے اسٹریپ پر ہیرے جیسے چمکتے نگ لگے ہوئے تھے۔

میں نے نظر اٹھا کر میجر ایاز واصف کو دیکھا جس سے پہلی نظر میں مجھے محبت ہوئی تھی......پھر اسے ڈھونڈا، اسے پانے کی بے حد دعائیں کی اور اب......وہ میرے سامنے تھا۔

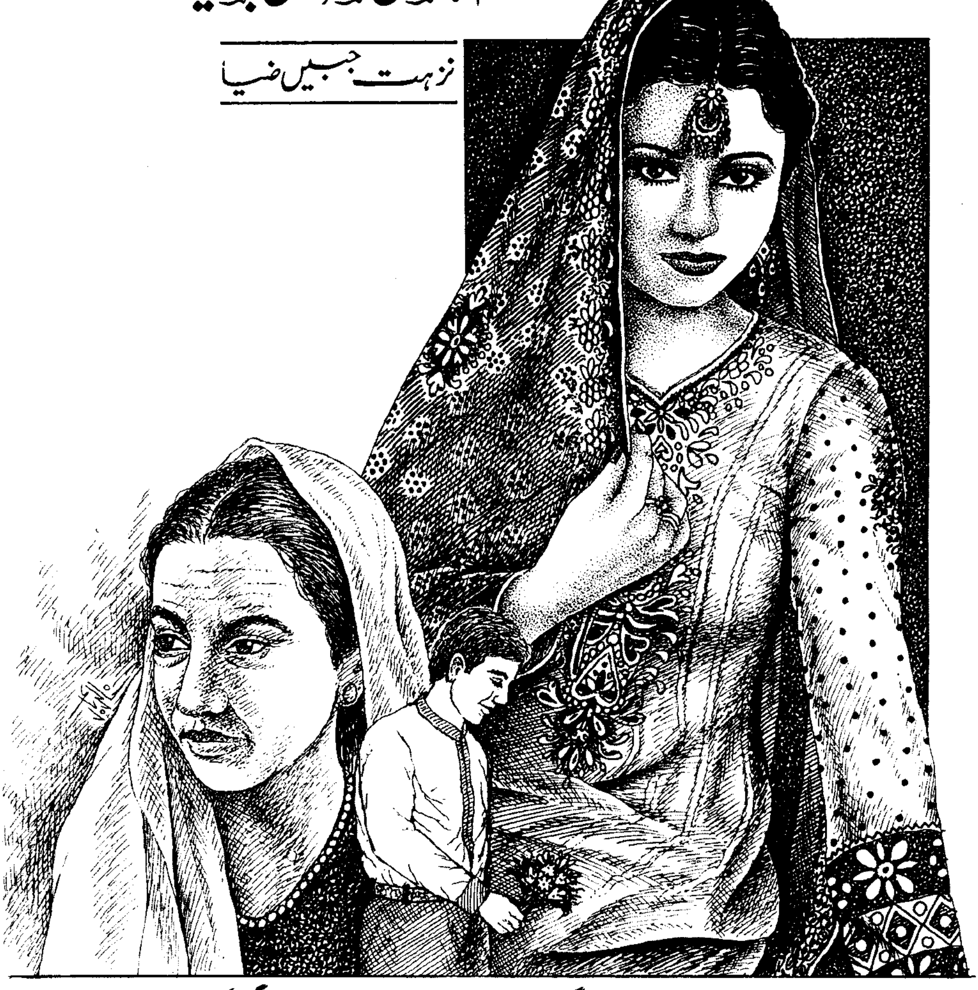
میجر ایاز نے مجھے اپنے، گھر والوں اور فاریہ کے بارے میں بتایا......وہ اتنی خوب صورتی سے بول رہا تھا کہ اس کا ایک، ایک لفظ میرے دل میں اترتا چلا گیا اور وہ بھی ہنستا تو اس کی ہنسی ماحول کو مزید خوشگوار بنا دیتی...... میں نے عقیدت سے میجر ایاز کے کاندھے پر سر ٹکا دیا۔

تیرا جنت میں ساتھ مانگا ہے
کیونکہ دنیا تو محض فانی ہے

میں نے محبت کی ہے......ہاں مجھے محبت ہے پھر میں نے اسے پایا بھی......اس سے ملنے کے بعد اسے کھویا بھی...... مجھے محبت کے کھونے کا درد بھی پتا ہے اور محبت کو پانے کی خوشی بھی ناقابلِ بیاں ہے۔ایسا لگ رہا ہے جیسے مجھے میری جنت مل گئی ہو......ہاں جنت ہی تو ملی ہے میری محبت......میری جنت۔

کچھ دل نے ہمیں برباد کیا

نزہت جبیں ضیا



میں آج بہت خوش تھا۔ میں چھٹیوں پر گھر جانے والا تھا۔ سویرا نے کہا تھا کہ اماں نے اس بار میری شادی کا پکا ارادہ کرلیا ہے اور اس سلسلے میں لڑکی کو دیکھنے کا سلسلہ بھی شروع کردیا ہے۔ سویرا کی بات پر میں آپ ہی آپ مسکرادیا...... شادی کے تصور کے ساتھ ہی اسمارا کا خوب صورت چہرہ میری نگاہوں میں گھوم گیا...... میں نے سوچ رکھا تھا کہ اس بار جاتے ہی اماں کو اسمارا کے بارے میں بتادوں گا اور...... اسمارا کے جملہ حقوق اپنے نام کروالوں گا۔
اسمارا کا خیال آتے ہی میرا موڈ خود بخود خوشگوار ہو گیا...... میں ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے اپنا مختصر سا سامان اکٹھا

کرتے گنگنانے لگا۔

☆☆☆

''اوئے ہوئے! خیریت تو ہے میرا یار بہت خوش ہے......؟'' میرا دوست شہر یار روم میں داخل ہوا اور مجھے دیکھ کر خوش دلی سے کہا۔

''ہاں یار! کیونکہ تیرا بھائی بہت جلد پرایا ہونے والا ہے۔'' میری مزاحیہ بات پر وہ زور سے ہنس دیا۔

''ارے واہ! بہت، بہت مبارک ہو جناب! کون ہے؟ کیسی ہے اور کہاں کی ہے ہماری بھابی؟'' ایک ساتھ ہی کئی سوال کر ڈالے۔

''تیرے یار کی پسند ہے، کیسی ہوگی...... یہ خود دیکھ لینا، واپس آ کر بتاؤں گا......'' میں اترایا۔

''ہوں، تو یہ بات ہے۔'' شہر یار نے سر ہلایا۔

''اچھا بازار جا رہا ہوں کچھ چیزیں لینی ہے، چلے گا کیا؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''نہیں یار...... مجھے بھی تیری بھابی سے بات کرنی ہے۔'' وہ آنکھ دبا کر قہقہہ لگا کر بولا تو میرا قہقہہ بھی اس کے قہقہے میں شامل ہو گیا اور میں اس کی کمر پر مکا مار کر روم سے باہر آ گیا۔

یہ چھوٹا سا بازار تھا مگر ضرورت کی تمام چیزیں... بہ آسانی مل جاتی تھیں۔ میں نے ایک دکان سے اسمارا کے لیے لال نگینوں والی خوب صورت سی انگوٹھی خریدی، اسے لال رنگ بہت پسند تھا اور لال رنگ میں بالکل ادھ کھلا گلاب کا پھول لگتی تھی۔ ساتھ ہی لال اور ہری چوڑیاں بھی پیک کروالیں اور پیسے ادا کر کے شاپر سنبھالے دکان سے باہر آ گیا۔ سامنے ہی بچوں کے پیمپرز کا چھوٹا سا اسٹال تھا۔ پیمپرز پر نظر پڑی تو آپ ہی آپ مسکرادیا اور دو قدم آگے بڑھا ہی تھا کہ ایک مردانہ آواز پر پلٹا۔ چالیس، پینتالیس سال کا موٹا، کالا، گنجا آدمی...... کالی شلوار اور ملگجا سا گرے کرتا پہنے...... پیروں میں کالی چپل، بکھرے گرد آلود بال، بڑھی ہوئی بے ترتیب شیو...... جسے دیکھ کر ہی عجیب سا احساس ہو رہا تھا وہ شاید اپنی بیوی سے مخاطب تھا، انتہائی جاہلانہ اور بدتمیز انداز تھا۔

''بس، بس چل...... آگے چل...... ہر جگہ اٹک جاتی ہے۔ آگے چل مر...... نظر نہیں آ رہا چھوٹا گر گیا ہے، پتا نہیں کہاں کھوئی رہتی ہے، منحوس......'' اس کی جہالت اور حقارت کے انداز پر نہ چاہتے ہوئے بھی میری آنکھ اس کی نگاہوں کے تعاقب میں اپنے عقب کی جانب اٹھ گئیں۔ عورت اس کی آواز پر تیزی سے پلٹی تھی بوکھلا کر ہاتھ میں پکڑا رومال کا پیکٹ دوبارہ اسٹال پر پھینک کر گرے ہوئے بچے کی طرف لپکی، بچے کو چمکار کر اٹھایا اور جیسے ہی سیدھی ہوئی...... میری نظر اس کے چہرے پر پڑی...... سفید پر ملگجی چادر، ملگجے کپڑے، زرد کمزور چہرہ...... سوکھے پپڑی زدہ ہونٹ اور سہمی ہوئی آنکھیں...... وہ...... وہ اسمارا تھی۔ میری آنکھیں حیرت انگیز طور پر پھٹنے لگیں...... میں نے پلکیں جھپک، جھپک کر دوبارہ آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ اسمارا...... جس کو میں لاکھوں، کروڑوں میں بھی پہچان سکتا تھا...... وہ معصوم گلاب جیسی لڑکی...... کس حالت میں تھی...... میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ خواب ہے کہ حقیقت...... وہ میرے سامنے کچھ فاصلے پر تھی اور میں...... میرے قدم پتھر کے ہو گئے تھے...... وہ تتلی جیسی...پھولوں کی طرح کھلی، کھلی نفاست کے احساس سے بھرپور لڑکی...... میلی، بدحواس، بکھری ہوئی، عورت کے روپ میں کھڑی تھی...... یہ...... کیا تھا...... میرا خواب...... یا جان لیوا حقیقت تھی...... سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفقود ہو چکی تھیں۔

''امی جی......!'' تقریباً سات سالہ بچی نے اس کو آواز دی...... ''اُف......'' تب ہی کسی نے مجھے مخاطب کیا۔

''پلیز راستہ دے دیں۔'' مجھے احساس ہوا کہ میں راستہ روکے کھڑا تھا میں چونکا...... وہ بدحواس سی ہو کر دوسری بچی کی طرف پلٹی...... اس کا سارا فوکس اس آدمی اور بچوں پر تھا۔

''اسمارا چل اب آ بھی جا۔'' وہ دوبارہ اسی لہجے

میں مخاطب تھا۔

''اُف خدایا!'' میں نے سر تھام لیا۔ میرے ہاتھ سے چوڑی کا شاپر میرے ... پیروں میں گر گیا تھا اور بے دھیانی میں میرے پیروں تلے نازک کانچ کی چوڑیاں دم توڑ گئی تھیں...... میرے احساسات اور جذبات کی طرح...... فرق صرف یہ تھا کہ چوڑیوں کے ٹوٹنے کی آواز آئی تھی اور میرا دل...... بے آواز کرچی، کرچی ہوگیا تھا۔ جس کو خیالوں کا مرکز بنا کر میں نے بڑے پیار سے چوڑیاں خریدی تھیں...... جس کا خوب صورت احساس میری رگ، رگ میں سمایا ہوا تھا۔ جس کے ہاتھوں کالمس میں نے چوڑیوں کی گولائی میں محسوس کیا تھا...... وہ...... میرے سامنے آئی اور چلی بھی گئی...... میں اتنا بے بس اور اتنا لاچار تھا کہ اس سے دو بات بھی نہ کرسکا...... میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا...... وہ اس حالت میں......؟ ساتھ کون تھا...... اور وہ بچے......؟ اور وہ...... یہاں پر اس جگہ...... اس شہر میں...... کیسے آئی......؟ مجھے خبر تک نہیں ہوئی۔ یہ سب کیا تھا؟ میں جو امید و ناامیدی کی کیفیت میں تھا...... اس کھڑوس شخص کے منہ سے اسمارا نام سن کر ڈھے گیا تھا...... گویا...... یہ حقیقت تھی...... تلخ اور اذیت ناک حقیقت کہ وہ...... وہ اسمارا ہی تھی۔ میرے قدم من، من بھر کے ہورہے تھے۔ میں دل پر منوں بوجھ لیے واپس لوٹ آیا...... میری آنکھوں میں جلن ہورہی تھی۔ میرا دماغ ماؤف ہورہا تھا۔ میں کمرے میں آکر بیڈ پر گر سا گیا...... اور درد کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب کر ماضی کی دھند میں کھونے لگا۔

☆☆☆

''فاران! او فاران...... کتنی دیر سے آوازیں لگارہی ہوں...... نیچے آ بھی جا......'' اماں کی تیز اور قدرے غصیلی آواز پر میں چونکا اور جلدی سے سیڑھیوں کی سمت دوڑ لگادی۔ ''کب سے چلّا رہی ہوں کہاں کھویا رہتا ہے؟'' اماں نے مجھے گھور کر دیکھا۔

''پتا ہے ناں اماں! پڑھتا رہتا ہوں۔'' میں نے آنکھیں چراتے ہوئے کہا۔

''اچھا چل! جلدی سے مجھے مولیاں لاکر دے۔ مولی کے پراٹھے بنانے ہیں مجھے۔'' اماں نے بٹوے سے پیسے نکال کر میری جانب بڑھائے...... ''پتا نہیں کون سی پڑھائی ہے کہ پاگل کررہی ہے تجھے...... چیخ، چیخ کر میرا گلا دُکھنے لگا ہے۔'' اماں نے کھنکھارتے ہوئے کہا۔

''ارے میری پیاری اماں! یہی تو پڑھائی ہے دیکھ لینا، ایک دن تیرا بیٹا ڈاکٹر بن کر تیرے گلے کا بھی علاج کرے گا۔'' میں نے اماں کے کاندھے تھام کر محبت بھرے لہجے میں کہا تو اماں کے چہرے پر شفقت کے سائے لہرا گئے، میں پیسے لے کر باہر کی طرف چل دیا۔

''ویسے بھائی آج کل چھت پر زیادہ ٹائم گزرتا ہے تمہارا...... خیریت تو ہے ناں؟'' میری چھوٹی بہن سویرا نے بھی مجھ سے کچھ دیر بعد یہی سوال کیا۔

''ارے پڑھائی کرتا ہوں' اچھا لگتا ہے کھلی فضا میں پڑھنا۔'' میں نے مولیوں کا شاپر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے نظریں چرائیں اور اس بار چھت پر جانے سے اپنے کمرے کی طرف جانا بہتر سمجھا۔ میں فرسٹ ائیر کا طالب علم فاران مقصود اگرچہ عمر میں کافی چھوٹا تھا لیکن...... محبت جیسے آہنی شکنجے میں بری طرح جکڑ گیا تھا۔ جانے کون سا جذبہ تھا جو مجھ پر یوں اچانک غالب آگیا تھا اور محبوب کے دیدار کی خاطر، ایک جھلک کی خاطر میں گھنٹوں چھت پر رہتا اور پڑھائی کو آڑ بنا کر اماں اور بہن کی نظروں میں دھول جھونکتا...... حالانکہ محبت، پیار، عشق اور جنون یہ سب الفاظ میرے لیے قطعی بے معنی اور فضول تھے۔ میں ایسی باتیں سن کر ہنستا تھا' مذاق اڑاتا تھا مگر اب...... مجھے خود پر ہنسی آتی کہ میں...... بے بس ہوا جارہا تھا...... ایک چھوٹی سی لڑکی کے لیے جو ظالم تھی...... جو پڑوس میں رہ کر بھی مجھ سے کوسوں دور تھی۔

ابھی کچھ عرصہ پہلے ہمارے پڑوس میں نئے لوگ آئے تھے۔ میں نے دیکھا تو نہیں تھا مگر خاصی بڑی فیملی تھی، یہ بات سنی تھی۔ میرے ابا جی سرکاری محکمے

میں تھے جن کا انتقال ہو چکا تھا۔ ہم قدرے پسماندہ علاقے میں رہتے تھے۔ بالکل گاؤں جیسا ماحول تھا۔ مگر ہمارا گھر پکا تھا، دو منزلہ تھا اوپر کرائے دار تھے اچھے لوگ تھے جوان میاں، بیوی اور دو بچے فاروق بھائی، شبینہ بھابی اچھے لوگ تھے۔ ابا جی کی پنشن اور کرائے سے گھر کے اخراجات پورے ہو جاتے تھے۔ میں فرسٹ ائیر میں تھا اور مجھ سے چھوٹی بہن سویرا ناکتھ کلاس میں تھی۔ اس روز اماں اور سویرا بازار گئے ہوئے تھے، میں گھر میں اکیلا تھا۔ پڑوس آباد ہوئے دو تین دن ہوئے تھے..... سخت ترین گرمی کی دو پہر تھی میں اپنے روم میں لیٹا تھا کہ اچانک ڈور بیل بجی، اماں اور سویرا تو ابھی گئی تھیں اور واپسی میں خالہ کے گھر جانے کا پروگرام تھا۔ یہ کون آ گیا اتنی تپتی دو پہر میں..... جھنجلا کر باہر آیا دروازہ کھولا اور جیسے سامنے نظر اٹھی۔ تپتی جلتی سخت لو میں مجھے نرم ملائم ٹھنڈک کا احساس ہوا، آسمانی کاٹن کے دوپٹے کے ہالے میں پندرہ سولہ سال کی لڑکی میرے سامنے کھڑی تھی..... ایک لمحے میں مجھے یوں لگا جیسے کائنات کی ساری خوب صورتیاں منجمد ہو گئی ہوں، زندگی میں پہلی بار کسی لڑکی کو اتنی قریب سے دیکھا تھا وہ بھی اتنی حسین.....

”ہمارا فریج ابھی سیٹ نہیں ہوا، کیا ایک بوتل ٹھنڈا پانی مل جائے گا؟“ اس کے یاقوتی لب ہلے۔

”جی، جی بالکل.....“ میں چونکا اور اندر کی جانب بھاگا فریج سے ٹھنڈے یخ پانی کی بوتل کے ساتھ، ساتھ فریزر سے برف کا بڑا سا سلور کا برتن بھی اٹھا لایا۔

”جی شکریہ.....“ وہ بوتل اور برتن لے کر ہلکا سا مسکرائی..... اور پلٹ گئی..... میں اس کے لب و لہجے..... خدوخال اور نین نقش میں الجھ گیا۔

توبہ ہے یارا..... اپنا سر جھٹکا اور دروازہ بند کر کے دوبارہ کمرے میں آ گیا۔ دماغ نالاں تھا مگر دل..... دل ناداں تھا۔

”یہ برف کا برتن کہاں چلا گیا یہاں سے.....؟“ شام کو اماں فریزر کھولے سوال کر رہی تھیں۔

”وہ اماں آپ لوگ نہیں تھے پڑوس سے ایک لڑکی آئی تھی۔ برف لینے ان کا فریج کام نہیں کر رہا ہے؟“ میں نے غسل خانے سے سر نکال کر اماں کو جواب دیا۔

”اچھا، اچھا“ اماں نے سر ہلایا۔ ”بہت بڑی فیملی ہے ان کی پتا نہیں کتنی لڑکیاں ہیں..... میں نے چھت سے اسے دیکھا تھا۔“ سویرا نے مولی دھوتے، دھوتے ٹکڑا لگایا تو میں قدرے چونکا۔

شام کو میں حسبِ معمول تیار ہو کر کرکٹ کھیلنے کی غرض سے گھر سے نکلا تو وہ اسی وقت برف کا برتن اور پانی کی بوتل لے کر آئی تھی۔

”شکریہ جی بہت، بہت اماں کہہ رہی تھیں۔“

اس نے دونوں چیزیں میری جانب بڑھائیں میں اس کے معصوم چہرے اور مرمریں ہاتھوں میں الجھ کر رہ گیا۔ اس کے چہرے میں نہ جانے کیسی کشش تھی کہ دل اسے دیکھنے کی تمنا کر رہا تھا۔ دوسرے دن میں صبح کالج کے لیے گھر سے نکلا تب ہی وہ اسکول کے لیے گھر سے نکلی سامنے والی گلی سے ایک اور لڑکی اس کی ہم عمر نکلی اور دونوں آپس میں جا ملیں اور پھر سر جھکا کر آگے بڑھ گئیں۔ مطلب وہ یہیں کہیں اسکول میں پڑھتی تھیں۔ دل کیا کہ کچھ دیر کر اسے دیکھوں مگر پھر میری مطلوبہ بس آ گئی اور میں بس کی جانب بڑھ گیا..... ایک دن، دو دن اور پورا ہفتہ سیم ٹائمنگ میں ہم گھر سے نکلتے، وہ مجھ پر سرسری سی نظر ڈال کر آگے بڑھ جاتی۔ ویسے گھر کے پاس ہوتی تو سلام کرتی لیکن راستے میں اگنور کر دیتی، مجھے اس کی یہ بات اچھی لگتی کہ دیکھنے والے غلط نہ سمجھ لیں..... اتوار کے دن میں اور سویرا مل کر گھر کی صفائی کرتے اور کپڑے دھوتے تھے..... اس روز بھی ہم دونوں نے مل کر سارا دن صفائیاں کیں اور سویرا نے مشین لگائی کپڑے، پردے اور چادریں دھو کر مجھے پکڑائیں اور میں ان کو چھت پر پھیلانے آ گیا..... چھت پر آتے ہی میری نظر برابر والی چھت پر گئی اور میری آنکھوں میں چمک آ گئی... وہی چھت پر

کپڑے پھیلا رہی تھی......وہ ......جس کے لیے میرا دل بے تاب تھا اس کے نام سے بھی واقف نہ تھا۔

''السلام علیکم......!'' آج میں نے مخاطب کیا۔

''وعلیکم السلام۔'' وہ مسکرائی۔

''آج آپ نے بھی دھوبی گھاٹ کھولا ہوا ہے؟'' میں نے بات کرنے کا بہانہ نکالا۔

''جی......آپی اور باجی نے دھوئے ہیں، میں تو صرف پھیلانے آئی ہوں۔'' وہ مسکرائی۔

نرم میٹھی اور مدھر مسکان۔ میں اس کے گالوں کے ڈمپل میں الجھ گیا۔

''میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں۔'' کچھ ہمت کی۔

''اسمارا نام ہے میرا۔'' بلاتردد کہا۔

''واؤ بہت پیارا نام ہے، میں فاران ہوں فاران مقصود......'' میں نے اپنا تعارف کروایا تو وہ سر ہلا کر کپڑوں کی ٹوکری اٹھا کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔ اس کے جاتے ہی مجھے چلچلاتی دھوپ کا احساس ہوا اور میں کپڑوں کا ٹب اٹھا کر نیچے کی طرف چلا گیا۔ جاتے، جاتے غیر اخلاقی حرکت بھی کر ڈالی تھوڑا سا آگے بڑھ کر اس کے گھر میں جھانکا۔ صحن صاف نظر آ رہا تھا، اُف......اس کا گھر نہ تھا پورا اجنجال پورہ تھا' تین چار لڑکیاں، دو آدمی، ایک بوڑھی عورت اور چار پانچ بچے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔

سویرا کا رشتہ اماں نے اپنے بھانجے سے طے کر رہا تھا۔ میری خالہ دوسرے شہر میں رہتی تھیں اور سویرا پرائیویٹ نائنتھ کا امتحان دے رہی تھی۔ میٹرک کے بعد اماں کا ارادہ شادی کرنے کا تھا۔ میری اسمارا سے ایسے ہی سرسری سلام دعا ہو جاتی کبھی چھت پر، کبھی دروازے پر اور اسکول جانے والے ٹائم پر......میں چوری، چوری اس کے گھر میں جھانکتا۔ اس کے لیے میری پڑھائی اب چھت پر ہونے لگی تھی۔ مجھے وہ صحن میں چلتی پھرتی، جھاڑو لگاتی، پودوں کو پانی دیتی دکھائی دیتی...... اور میری آنکھوں میں ٹھنڈک اتر جاتی......میں اس کو حالِ دل سنانا چاہتا تھا مگر......کوئی موقع نہیں مل رہا تھا۔ اوپر سے مجھے خوف بھی رہتا۔ محلے میں ہمارا نام تھا، لوگ ہماری عزت کرتے تھے۔ کہیں کوئی غلط بات نہ ہو جائے۔ پھر اسمارا کے بھی دو بھائی تھے......بہت سوچ بچار اور ہمت کر کے میں نے کاغذ قلم کا سہارا لیا اور ایک روز اتفاق سے اس نے اسکول کی چھٹی کر لی تو وہ خط اس کی دوست کو دیا کہ اسمارا کو دے دے۔ اور اگلے دو دن میں نے بہت ٹینشن میں گزارے۔ بے چینی اور...... بے قراری عروج پر تھی کہ نہ جانے اس کا کیا جواب آئے اور......اور......اس کی دوست نے جو کہا وہ سن کر میرا دل بری طرح طرح ٹوٹ گیا اس نے کہا تھا کہ......

''وہ خود کو کیا سمجھتا ہے......کیا سوچ کر ایسی بات کی......اگر آئندہ ایسی حرکت کی تو اپنے بھائیوں سے کہہ دوں گی۔'' اور میں بری طرح ڈر گیا اس کی بے اعتنائی سے دل بری طرح ٹوٹ گیا تھا۔ اب وہ نظر بھی آتی تو سلام نہیں کرتی اور اس کے چہرے پر سختی ہوتی، میں بکھر گیا تھا......میرا دل اس کی جانب کھنچتا چلا جاتا......تب اچانک میں نے فیصلہ کر لیا اخبار میں ایف سی کی ٹریننگ کا اشتہار دیکھا تو اس کے لیے اپلائی کر دیا۔

''ارے تو نے تو ڈاکٹر بننا تھا۔ خواب تھا تیرا......'' اماں کو دھچکا لگا تھا، سویرا بھی حیران تھی۔

''ہاں اماں، اب ارادہ بدل گیا۔'' میں نے سر جھکا کر جواب دیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ جلد ہی بلاوا آ گیا اور میں دل پر بوجھ لیے دوسرے شہر آ گیا۔ لیکن دل وہیں چھوڑ آیا تھا۔ یہاں آ کر ٹف روٹین میں بزی ہو گیا۔

وقت گزرتا چلا گیا اُدھر اماں نے پیغام بھیجا کہ سویرا کی شادی کی تاریخ رکھتی ہے وہ لوگ جلدی کر رہے ہیں تم آ سکتے ہو تو آ جاؤ اور میں نے رختِ سفر باندھا۔ گھر آیا تو شادی کے ہنگامے شروع ہو چکے تھے۔ گھر میں سویرا کی رسم ہو رہی تھی مہمان آئے ہوئے تھے۔

شبینہ بھابی، میرے رشتے داروں میں چلتی پھرتی وہ بھی نظر آ گئی۔ میرا دل اسے دیکھ کر اداس ہو گیا، اداس ویسے بھی تھا' میری بہن سویرا پرائی ہونے والی تھی۔ سب کاموں میں مصروف ہو گیا۔ مایوں کی رات کو تمام کاموں

سے احسن طریقے سے فارغ ہونے کے بعد میں چھت پر آ گیا۔ بھرپور چاندنی رات تھی چھت پر پھیلی نرم، نرم چاندنی بڑی بھلی لگ رہی تھی میں پلنگ پر لیٹ گیا اور چاند کو تکنے لگا۔ ٹھنڈی اور میٹھی روشنی آنکھوں کے راستے دل میں اترنے لگی تھی۔ تب پاس ہی قدموں کی چاپ محسوس کی چونک کر پلٹا۔ وہ چھوٹی سی دیوار پھلانگ کر آ گئے آئی تھی میں گھبرا کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''تم، تم......'' آنکھیں پھاڑ کر اس کی جانب دیکھا جو رات کے دو بجے چھت پر آ گئی تھی۔

''ہش......'' اس نے منہ پر انگلی رکھ کر مجھے چپ کرا دیا اور قریب آ گئی۔

''ک......کیا ہوا اسمارا......؟'' میں واقعتاً گھبرا رہا تھا۔

''فاران......آئی ایم سوری...... میں تم سے یہ کہنے آئی ہوں کہ تم واقعی اچھے لڑکے ہو، شریف اور خاندانی......گزشتہ ایک سال میں مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ میں، میں بھی تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔''

''کیا کہہ رہی ہو تم؟'' مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ میں چارپائی سے اچھل پڑا۔

''ہاں فاران......یہی سچ ہے۔'' چاند کی چمکیلی چاندنی میں دمکتا اس کا شرگیں چہرہ......جھکی نظریں اور مسکراتے ہوئے لب، میرے حواسوں پر بجلی گرا رہے تھے......خوشی کے احساس سے میں بے قابو ہونے لگا تھا...... ظاہر ہے شادی تو ابھی دور کی بات تھی مگر...... اس کا اقرار کر دینا بھی میرے لیے بہت تھا۔ وہ جا چکی تھی اور میرے دل کے تاروں کو چھیڑ کر مجھے سوچوں کے نئے راستے کا مسافر بنا گئی۔ میرے لب آپ ہی آپ مسکرانے لگے۔ دل جھوم اٹھا تھا۔

سویرا رخصت ہو کر سسرال چلی گئی مجھے احساس ہوا کہ میری غیر موجودگی میں اماں اکیلی پڑ جائیں گی۔ ایسے میں شبینہ بھابی نے اماں کا خیال بالکل بیٹی کی طرح رکھا۔ اس بار میں واپس آیا زیادہ اداس تھا۔ سویرا کی جدائی، اماں سے دوری اور پھر......اسمارا سے دوری......

واپس آ کر مجھے اب جلدی، جلدی گھر جانے کی جلدی ہوتی۔ ٹریننگ تھی کوئی آسان بات نہ تھی یوں جلدی، جلدی چھٹی مل جاتی۔ بہرحال جب آتا تو اسمارا سے ڈھیروں باتیں کرتا اس کے ابا دبئی میں تھے اور دونوں بھائی جاب پر ہوتے تو ہمیں موقع مل جاتا۔ اس نے اپنی فیملی اور گھر کے بارے میں ساری باتیں مجھ سے شیئر کی تھیں۔ اس سے بڑی چار بہنیں تھیں ایک شادی شدہ تھی اس کے چار پانچ بچے تھے وہ دوسرے شہر میں رہتی تھی۔ ان کے ہاں خاندان میں ہی شادیاں ہوتی تھیں اور یہ تو اسمارا کا نصیب تھا کہ خاندان میں اس کے جوڑ کا کوئی رشتہ نہیں تھا۔

''اوہ، شکر خدا کا کہ تمہارے جوڑ کا نہیں ورنہ میرا ڈبا تو گول ہو جاتا۔'' میری بات پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ نرم آبشاروں جیسی جھرنوں جیسی خوب صورت ہنسی، میں اس کے چہرے کی شگفتگی میں کھونے لگا تھا۔

دن گزرتے چلے گئے اس بار میں آتے، آتے اس کو چھپا کر عام سا موبائل دے دیا تھا کہ کم از کم رابطے میں تو رہے......کچھ ماہ آگے سرکے میں چھٹیوں پر آیا تو سویرا آئی ہوئی تھی، اس کے ہاں خوشخبری تھی میں بہت خوش تھا کہ ماموں بننے جا رہا ہوں۔

میں نے اسمارا کو میسج دیا اور موقع دیکھ کر چھت پر آ گیا۔ وہ آ گئی اس بار خاصی پریشان تھی کہ بڑی بہن کی طبیعت خراب ہے۔

''کیوں بھئی؟ خیریت تو ہے ناں، کیا میں ایک بار پھر خالو بننے جا رہا ہوں۔''

''ہیں......'' میری شرارت پر وہ بلش ہو گئی۔ ''نہیں یار باجی کے پیٹ میں تکلیف ہے، کافی دن سے وہ چیک اپ کرانے آئی ہوئی ہیں۔''

''اچھا اللہ پاک بہتر کرے۔'' میں نے دعا دی۔

اس بار ہم نے بہت ساری باتیں کیں، میں نے اس سے کہا کہ اماں کو بھیج دیتا ہوں۔ اس نے منع کر دیا کہ ابھی نہیں، اس کی باقی تین بہنوں کے رشتے بھی طے ہو چکے تھے، وہ مطمئن تھی بہت پُرامید تھی کہ اس کے والدین گو کہ خاندان میں شادیاں کرتے ہیں مگر اس کی

سنگ سنگ چلیں

پاکیزہ کے

وقت کا پہیا اپنی مخصوص رفتار سے رواں دواں ہے......کبھی معلوم ہوتا ہے یہ پہیا رک گیا ہے اور کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تیز بہت تیز گھومتا چلا جارہا ہے۔مزے کی بات یہ ہے کہ اس کا گھومنا سب کو اپنے، اپنے حساب سے کم، زیادہ لگا کرتا ہے۔ انسانی زندگی کے پانچ دور بچپن، نوعمری، جوانی، ادھیڑ عمری اور بڑھاپا ویسے عام طور پر تو لوگ چار دور ہی شمار کرتے ہیں خیر جانے دیجیے۔ہمیں تو اپنے پاکیزہ ساتھیوں سے ان کا بچپن، نوعمری، جوانی اور ادھیڑ عمری کے تجربات، واقعات، مشاہدات سننے ہیں تو پھر تیار ہو جائیں۔تمام پاکیزہ پڑھنے والوں کو انشاء اللہ ان سالگرہ نمبروں پر جو ماہ اپریل اور مئی کے شمارے ہوں گے بہت کچھ نیا پُرلطف اور دلچسپ پڑھنے کو ملے گا۔خصوصیت سے وہ تمام بہنیں جو اول دنوں سے ماہنامہ پاکیزہ کے ساتھ ہیں اس سلسلے میں ضرور حصہ لیں۔اگر پرانا ترین رسالہ ابھی تک موجود ہے تو اس کے سرورق کی واضح تصویر بھی بھیج سکتی ہیں۔اس کے لیے یہ سوالات مرتب کیے ہیں۔

1۔ماہنامہ پاکیزہ سے تعارف کی مختصر کہانی اپنے الفاظ میں......؟

2۔اس پورے عرصے میں پانچ ایسی نمایاں باتیں جو پاکیزہ سے ناتا جوڑے رہیں۔مثلاً کہانیاں، سلسلے، مصنفات یا کچھ اور......؟

3۔ماہنامہ پاکیزہ کس طرح آپ کا دوست، رہنما اور ناصح ثابت ہوا؟

نوٹ: بہنیں اپنے جوابات کے ساتھ چاہیں تو اپنی نئی اور بہت پرانی تصویر بھی بھیج سکتی ہیں

بات نہیں ٹالیں گے کیونکہ خاندان میں اب کوئی تھا ہی نہیں...... میں بھی اماں کی طرف سے مطمئن تھا کہ اماں کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ میں واپس آ گیا۔ اب ٹریننگ بھی ختم ہوگئی تھی۔ اس سے ایک دو بار ہی بات ہوئی تھی۔ وہ ایک جانب بہنوں کی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھی تو دوسری جانب بڑی بہن کی بیماری کی وجہ سے پریشان تھی۔ پھر اس نے بتایا تھا کہ اتنے جھنجٹوں میں موبائل پر بات کرنا مشکل ہوجاتا ہے اور اس کا موبائل بند ہوگیا میں اس کی طرف سے فکرمند رہتا۔

سویرا پیارے سے بیٹے کی ماں بن گئی' میں بہت خوش تھا۔ چھٹیاں ہونے والی تھیں تب ہی سویرا کی کال نے اماں کی خواہش سے آگاہ کر دیا تھا، میں بہت خوش تھا کہ اس بار اسمارا کو اپنے نام کی انگوٹھی پہنا کر ہی آؤں گا۔ یہی خوش گوار احساسات لیے میں بازار آیا تھا اور......اور...... بازار میں ناقابلِ یقین نظارہ میرے لیے کسی سانحے سے کم نہیں تھا۔ میں سوچوں کے منجدھار سے نکلا تو بے ساختہ سویرا کو دوبارہ کال لگائی...... اِدھر اُدھر کی بات کر کے اصل مدعے پر آیا۔

''سویرا باقی سب ٹھیک ہیں ناں......؟ شبینہ بھابی ان کے بچے، بتول خالہ، وغیرہ اور ہاں وہ پڑوس میں شادیاں بھی ہونے والی تھیں جنجال پورہ میں۔'' میں نے لہجے کو خوشگوار بنانے کی ناکام کوشش کی۔

''ہاں ہوگئیں سب کی شادیاں۔'' اس کے جواب پر دل بری طرح دھڑکا۔

''ایک تو چھوٹی تھی ناں غالباً جو ہمارے کبھی کوئی چیز دینے آجاتی تھی؟'' امید و ناامیدی کی کشمکش میں سوال کیا۔

''ارے بھائی! اس بیچاری اسمارا کے ساتھ تو بہت برا ہوا۔'' سویرا کا لہجہ ایک دم ہی غمناک ہوگیا۔

''ک......کیا ہوا؟'' میں نے دل پر ہاتھ رکھا۔

''ان لوگوں پر تو قیامت ہی ٹوٹ گئی ان کی سب سے بڑی بیٹی کو کینسر ہوگیا تھا، اس کا انتقال ہوگیا تو خاندانی رواج کے مطابق دوسری بہن کا نکاح بہنوئی سے ہونا تھا۔ باقی تین بہنوں کی شادیاں تو طے تھیں اس لیے بیچاری اسمارا کا نکاح بہنوئی سے ہوگیا اور وہ رخصت ہوکر ساتھ چلی گئی۔ پتا نہیں کون سا شہر ہے، اتنی معصوم سی تھی بیچاری صرف اٹھارہ سال کی اور اس کی بہن کی بڑی بیٹی تیرہ سال کی ہے اور باقی چار بچے اور...... بہت افسوس ہوا تھا ہم سب کو چالیس سال کا آدمی تھا اس کا شوہر......''

''اُف خدایا!'' میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا...... سویرا کا ایک، ایک لفظ میرے اندر میری سماعتوں میں آگ لگا رہا تھا۔ یوں میرے اور اس معصوم کے خوابوں کا محل چکنا چور ہوگیا میرے سارے خواب ٹوٹ گئے تھے۔ ان خوابوں کی کرچیوں سے، آنکھیں لہولہان ہو رہی تھیں۔ میرے دل سے درد کی شدید لہر اٹھی تھی...... یہ سب کیا ہوگیا تھا؟ یہ کیسا رواج، کیسی رسم تھی؟

کسک، جلن اور نارسائی کا کرب قطرہ، قطرہ میری روح کو گھائل کر رہا تھا۔ اور یہ روگ ساری عمر کا تھا...... اسمارا میری پہلی اور آخری محبت تھی۔ میں یونہی مٹھیوں میں بال جکڑے نہ جانے کتنی دیر تک گم صم بیٹھا رہا، اپنے بکھرے سپنوں پر ماتم کرتا رہا...... مغرب کی اذان کی آواز پر چونکا، کمرے میں اندھیرا تھا لیکن یہ تاریکی اس تاریکی سے بہت کم تھی جو میرے اندر پھیل چکی تھی۔ میں نے دوبارہ موبائل اٹھایا۔

''سوری سویرا...... میری چھٹیاں کینسل ہوگئی ہیں، اماں سے کہہ دینا۔'' میں نے بہ مشکل جملہ ادا کیا اور موبائل بیڈ پر پھینک کر بری طرح سسک پڑا۔ میں اس شہر میں رہنا چاہتا تھا جہاں اسمارا کو حاصل تو نہیں کر سکتا تھا، ہاں اپنی تشنگی کو اس کی دید سے سیراب کر سکتا تھا۔

دکھ تھا تو اس بات کا تھا کہ جس کے لیے اس نے قربانی دی وہاں اس کی حیثیت دو کوڑی کی تھی ...... بے چینیاں حد سے بڑھیں تو میں کمرے سے باہر نکل آیا...... ساری زندگی یہ عذاب سہنا تھا...... نارسائی کا اور رت جگوں کا......

”اوئی اماں! آج اتنی دیر کیسے ہوگئی؟ کچھ دن کیا بوا اماں گھر سے غائب ہو جائیں، معمولات میں فرق آ جاتا ہے۔“

منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے سینے پر پھیلی چادر کو اس نے یوں خود سے دور کیا کہ اس کا ایک کونہ دائیں اور ایک بائیں جانب لٹکتے اپنے ساتھ ہونے والے اس بے درد سلوک پر دہائی دینے لگا تھا۔ اب اس نے کمر کے وسط میں دوپٹا کسا اور آسمان کو دیکھ کر گردن ایسے گھمائی جیسے بہار کونپل کو خوش گلو غنچے میں تبدیل کر دیتی ہے۔ جھاڑو، پونچھا، گوبر، اوپلے تھاپائی کھانا پکائی، مکڑی کے جالوں کی صفائی شکستہ فرنیچر کی جھڑائی حتیٰ کہ اپنی صفائی ستھرائی شاید ہی کوئی ایسا کام ہو جو اس نے چھوڑا ہو۔ وہ جس قدر کمزور تھی اتنی ہی ہوشیار اور پھرتیلی تھی۔ ابھی محض دس برس کی تھی جب اس نے آٹا گوندھنا اور توے پر سے گول، گول پھولی، پھولی روٹیاں اتارنا سیکھ لی

شام کی دلہن

حرا قریشی



تھیں۔ اب لسی کے ساتھ چوری روٹی نوش فرمانے کے بعد چندن سحر کو بس بوا اماں کا انتظار تھا جو ماں کے گزرنے کے بعد واحد اس کے سر کا سائیں تھیں۔

☆☆☆

تغیرات کی گراں باریوں سے اس کی کمر اس وقت دُہری ہوئی جب اس نے ساغر شب کے عروسی میلے میں ایک عدد دولھا اور دلہن کو دیکھا تھا اس وقت اس کی عمر چودہ برس تھی اور یہ اس کی زندگی میں بڑا افسوں خیز تجربہ تھا۔ چمکیلے بھڑکیلے کپڑے، نتھ، ٹیکا، جھومر، اونچی ہیل کی جوتی، موتی ستاروں سے بھرا دوپٹا، پازیب کی مدھر جھنکاریں ہر، ہر شے کا چندن سحر کی آنکھوں نے کسی خوردبین کے مانند معائنہ کیا تھا اور پھر بوا اماں سے جب اس کی بابت پوچھا تو کسی محبوبہ کے چہرے کی طرح انہوں نے اس کا معصومیت سے پُر چہرہ تھاما تھا اور پھر جو، جو وہ پیار، محبت، شفقت سے بتاتی گئیں، اس گفتگو کے عکس نے اس کے خوابوں کے شہزادے کو اس کے روبرو لا کھڑا کیا تھا۔ اس کی کچی عمر اور اس کے حسن کے جلوے تھے جہاں اس کے رفیق کی دھڑکنوں کی صدائیں خود بخود پھوٹ رہی تھیں۔ ہر گزرتے لمحے ایک نادیدہ پری زاد شہزادے کا وجود چندن سحر کے خیالوں کی دہلیز پر پہرہ دینے لگا تھا۔ خوشی و مسرت کا عصا تھامے وہ اس نادیدہ شہزادے کے سنگ گھوما کرتی اور شہزادہ چندن سحر کے کھلے پھول سے چہرے کو اپنے دل کی دھڑکنیں سنا، سنا کر حیا کی سرخی عطا کرنے لگا تھا۔ سوتے جاگتے ہر عالم میں کام تو وہ اب بھی کرتی تھی مگر اپنے دولھے راجا شہزادے کی سنگت میں......!

☆☆☆

''دلوں میں فاصلے نہیں احساسات رکھے جاتے ہیں اور دلوں کی احتیاج فقط ایک لفظ محبت میں ہے۔''

دور نیلے افق پر نظریں جمائے کیپٹن سعد سرور شاہ نے چوکیوں پر پھیلے سکوت سے پرے بینچ پر بیٹھے اپنے ساتھی کیپٹن شہباز علی کے کاندھے پر نرمی سے تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

''مگر چاند بابو! کیا فوجیوں کو بھی ایسی محبت زیب دیتی ہے کہ ان کا تو مقصد اول و آخر وطن اور اس کی محبت کے ماخذ ہوا کرتے ہیں۔'' شہباز کے لہجے میں یاسیت ہی یاسیت تھی۔

''پیارے دوست شاد مان! محبت بالاصل وطن ہے اور وطن ہی ہر محبت ہے اور جس محبت کی بات تم کر رہے ہو اسے بھی اس محبت کے پیش نظر رکھ کر کرو تو جو لذت ملے گی اس کے پاس قلبِ حزیں کو طمانیت دینے کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔''

شہباز نے سعد کو پیار کا لقب ''چاند'' کہ اس کا وجود چاند کا بدل تھا جہاں جاتا روشنیاں بھر دیتا اور سعد نے شہباز کو ''شاد مان'' کا لقب دیا ہوا تھا کہ جہاں وہ جاتا شگفتگی کی فضا قائم کر دیتا۔ دونوں چونکہ فوج میں ایک ساتھ بھرتی ہوئے تھے سو فوجی تربیت کے مدارج بھی اکٹھے طے کیے۔ ہر گزرتے لمحے ان کی رفاقت میں اضافہ ہی ہوا تھا۔

فوج اور اس کے کردار کے بارے میں کیپٹن سعد سرور شاہ کا کہنا تھا...... ''میں کبھی اس سرزمین پاک کی خاطر جان دینے والا اکلوتا محبِ وطن سپاہی نہیں ہوں گا بلکہ میرے سایوں کے ساتھ کئی میرے ساتھی اس پاک سرزمین کے پاکیزہ بطن میں مدغم ہوتے رہیں گے کہ ہم نہ ہوں گے ہمارے جیسے اور کئی جیالے ہوں گے کہ پاک سرزمین نے تو سدا قائم رہنا ہے اور یہی میرے ایمان کا مقدس گہنا ہے۔'' کیپٹن شہباز علی کے خیالات و جذبات بھی کچھ اس سے جدا نہ تھے۔

☆☆☆

''کیپٹن کا رشتہ آیا ہے...... کیپٹن کا رشتہ آیا ہے۔''

جب سے چندن سحر کی سکھیوں کے علم میں آیا تھا۔ وہ سب کی سب یہ ہی ایک راگ الاپے جا رہی تھیں کوئی اس کی قسمت کو سراہتیں تو کوئی اس کے اٹھارہ برس کے چندن روپ کو رشک و حسد سے تکے جاتیں۔

خود چندن کا حیا کے مارے برا حال تھا۔ جب سے بوا اماں نے اسے اس شہزادے کی تصویر دکھائی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ شہزادہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ملائے ٹکٹکی باندھے اسی کو دیکھے جا رہا ہو۔ بالآخر اس شہزادے کا

دیدار ہونے جا رہا تھا جس نے اس کے دل کی مسند پر کب سے قبضہ جمایا ہوا تھا۔ بوا اماں کی نظر میں اس رشتے کا آنا کسی انہونی سے کم نہ تھا۔ میجر ریٹائرڈ لطیف بلوچ اس رشتے کے لانے والے تھے۔ ہمسائیگی کا ناتا ہونے کے سبب وہ بوا جی اور چندن سحر کی شرافت کی بند آنکھوں سے گواہی دے سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ان کے پرانے جگری یار سمیع اللہ شاہ نے اپنے بیٹے کی شادی کا مسئلہ رکھا اور جو شرائط بتائیں تو ان کے دماغ کی اسکرین پر ان کے سامنے واضح چندن سحر کا دلکش سراپا لہرا گیا اور اس پر بھلا بوا جی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا ان کے لیے تو یہ معجزۂ خداوندی سے کم نہ تھا۔ بات آناً فاناً طے ہو گئی تھی۔

☆☆☆

گلگت کی سرسبز وادیوں میں طلوعِ آفتاب کا سحر جاگا تو سعد سرور اور شہباز علی جو قہوے کی گرما گرم پیالیوں سے نیند کا خمار دور کرنے میں منہمک تھے، ٹھنڈی میٹھی سرگوشیاں کرتی چوکیوں کے عقب میں چلتی ہواؤں کا استقبال کرنے کے لیے ایک ٹھنڈے چبوترے پر جا بیٹھے۔

”جن کے دل وطن کی محبت سے معمور ہوا نہیں جسم کے قفس میں قید نہیں کیا جا سکتا۔“ بھاپ کو ہوا میں تحلیل کرتے بات سعد سرور کی جانب سے شروع ہوئی تھی۔

”بات تو سچ ہے تیری میرے یارِ غار! مجھے تو یوں لگتا ہے کہ محبت قہوے کی مسحور کن چسکی جیسی ہے کہ جسے جب بھی محسوس کریں ایک نئے خزینے سے نوازتی ہے۔“

وہ اکثر حیران ہوا کرتا تھا وہ محبت ہی کو کیوں موضوع بناتا ہے... محبت پر ہی کیوں ہر بار بات کرتا ہے۔ بالآخر آج تھوڑی سی ہمت مجتمع کر کے اس نے اس سے استفسار کر ہی لیا۔ شہباز کے سوال پر سعد سرور کے چہرے پر ذرا بھی تحیر نہ اترا تھا۔ یوں لگتا تھا... جیسے اسے یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن شہباز ضرور اس سے ایسا سوال کرے گا۔ وہ نہ چونکا تھا نہ لمحے بھر کا توقف کیا تھا بس ایک فقرے میں مدعا واضح کر ڈالا تھا۔

”اس دنیا میں پھیلی ہوئی وسیع کائنات کے افق پر اگر کوئی لافانی دائمی جذبہ ہے تو وہ صرف محبت ہے۔“

قلب و روح کو گویا آج ہر تشنگی کا کامل جواب مل گیا تھا۔

دل ہی دل میں چاند (سعد سرور) کی بات سے سو فیصد اتفاق کرتے شہباز نے سوچا تھا۔

”دراصل یہ والہانہ محبت کی وہ قسم ہے کہ جسے جس قدر پیاس کا محرک میسر آیا بھی لیکن اس کی پیاس کبھی نہیں بجھا کرتی۔“

☆☆☆

آپ کو دیکھا چھوا اور بات کی
فائدے کتنے ہوئے تصویر کے

فیض محمد شیخ کا یہ شعر اس کی زندگی کی عملی تصویر بنا ہوا تھا۔ ہر دیدنی اور نادیدنی شے کا ذائقہ چندن سحر نے بکثرت محبت سے کشید کیا تھا۔ تخیل کے مداروں پر شہزادے کی آنکھیں جس کی تابناکی ان روشن ستاروں کی سی تھی جن کے وجود سے پھوٹتی روشنیاں ماند نہیں پڑا کرتیں۔ یہاں تک کہ صدیاں گزر جاتی ہیں۔ چندن سحر کے دلکش خوابوں کی وادی کا تصور جو کبھی، کبھی اسے افسردہ کر دیا کرتا تھا کہ اگر وہ نہ ملا تو؟ اگر یہ بس ایک خواب رہ گیا تو؟ اگر سکون کی اس خوب صورت دنیا میں اضطراب یا ہجر کا کوئی کنکر گر گیا تو......؟ مگر اب ان تمام واہموں سے چندن سحر کو نجات مل گئی تھی کہ اس کا خواب محض خواب نہیں رہا تھا بلکہ ایک عالمگیر حقیقت کا روپ دھارنے والا تھا۔ اب روز اس کے دل میں ایک مسکراتی ہوئی سحر چھپ کر بیٹھ جاتی تھی... ہر گزرتے لمحے چہرے پر حیا کی شفق پھیل جاتی تھی... پلکوں کی سحر انگیز جھالریں جھک جاتی تھیں... اب ہر عہدِ خزاں پر بہار کی رُت آ بسی تھی کہ اس کی ساعتوں میں اب بس ایک مسحور کن گیت اترنے لگا تھا جس کی طرب آفریں دھنیں اس کی آواز کے ساتھ آواز ملایا کرتی تھیں اور وہ گیت سنایا کرتی تھیں جو پاک سرزمین کی حفاظت کرتے اس کا شہزادہ بس اس کے لیے گا رہا تھا۔

☆☆☆

”ارے چاندا گلے ہفتے تیری شادی ہے اور تو ابھی تک سرحدوں پر جہاں دیدہ عقاب کے مانند نظریں ٹکائے

بیٹھا ہے۔'' شہباز علی نے پیار سے سعد سرور شاہ کی کمر پر نرم تھپکی دی اور بولا۔

آج سب ہی اس کے فوجی ساتھی مسرت کا ایک آہنگ لیے اسے چاروں جانب سے گھیرے ہوئے تھے مگر اس کے چہرے پر خفیف سا تبسم ڈھونڈنے میں بھی ناکام تھے کہ اس کی پیشانی پر تفکر کی کئی لکیریں بس ایک نقطے پر جمی تھیں جس کا مرکز اور مدار محض پاک وطن ''پاکستان'' تھا۔

☆☆☆

بالآخر چندن سحر کی زندگی میں وہ دن آہی گیا جس کی برسوں سے وہ منتظر تھی۔ دلہن بنی چندن سحر کا روپ آفتاب کی شفق ہر سرخی کو ماند کرنے کو کافی تھا۔ ماہ انجم نے اپنی ہر کرن کی چمک، دمک اس کے رخ روشن کے خدوخال میں رکھ دی تھی۔ ہر ناامیدی کے بادل کو عروسِ امید نے اپنی نرم مرمریں بانہوں میں لپیٹ لیا تھا۔ ہر سکھی، سہیلی، بیلی اس کے رخ پُرنور پر مسلسل نظریں جمائے بغیر پلکیں جھپکائے اسے دیکھے ہی چلی جارہی تھی۔ بوا اماں کا کہنا تھا آج ضرور یہ چندن سحر کو نظر لگا کر چھوڑیں گی۔

☆☆☆

ایک حساس محاذ پر جانے سے پہلے سعد سرور کا نکاح چندن سحر سے خاموشی اور سادگی سے کر دیا گیا کہ بوا اماں کو اس کے حوالے سے بہت سے خدشے لاحق تھے پھر کون جانے کس کی زندگی پورا ہونے کا سکھ پہلے اچھال دیا جائے۔ جاتے، جاتے بھی وہ سمیع اللہ شاہ سے ملتے یہ کہہ کر گیا تھا۔

''ایک فوجی کو اس کے محاذ محبوب ہوا کرتے ہیں کہ اس کی پہلی محبت پاک دھرتی ہوتی ہے۔۔۔۔'' روانہ کرتے سمے سمیع اللہ شاہ نے اسے ہر محاذ سے کامیاب و کامراں لوٹ آنے کی دعا دی تھی۔ بوا اماں کے چاہنے کے باوجود بھی اس نے چندن سحر کو ایک نظر بھی نہ دیکھا تھا' اس کا کہنا تھا کہ محاذ سے واپسی پر وہ اس محرمِ جاں کو ایک ہی بار جی بھر کر دیکھے گا کہیں ایسا نہ ہو محبوبہ کی بیتاب و بیقرار نگاہیں اس کے قدموں کی زنجیر بن جائیں اور کون جانتا تھا کہ پہلی نظر کا دیدارِ یار کس کو میسر آنا تھا اور کس نے کس کو جی بھر کر دیکھنا تھا۔

☆☆☆

اِک نغمہ سرا سکوت دلہن بنی چندن سحر اور اس کی فسوں خیز تنہائی کے درمیان حائل ہونے لگا تھا۔ خوشی و مسرت کے آہنگ میں یک دم واہمے رقص کرنے لگے تھے کہ شام کے سائے ڈھلتے جارہے تھے مگر شہزادے کی واپسی ممکن نہ ہوئی تھی۔ اچانک فضا میں منتشر خاموشی پر شور کا کوڑا مرتعش ہوا تھا۔ سعد سرور شاہ کی آمد کی خبر لے کر۔۔۔۔ کئی پہروں چپ بیٹھی اپنے عروسی لباس کی پروا کیے بغیر چندن سحر دیوانہ وار باہر بھاگی تھی۔۔۔۔ مگر ہجوم کی شورش کو توڑتی اس کی نازک کلائیاں۔۔۔۔ یک ثانیے! ریزہ ریزہ بکھر کر خاک ہوئی تھیں۔ قومی پرچم اور سفید لبادے میں لپٹا فرشتوں کا سا تقدس لیے اس کا شہزادہ، شادمان کا چاند بابو شاداں و متبسم اور مطمئن چپ کی چادر اوڑھے ساکت لیٹا تھا۔ ہر آنکھ اس سانحے پر اشک بار تھی۔ اس سے قبل کہ ہوش و خرد سے بیگانہ چندن سحر زمیں بوس ہوتی، بوا اماں نے اس کی زخمی کلائیاں تھام کر بڑی مشکل سے اسے سہارا دیا تھا۔

☆☆☆

لوگ کہتے ہیں کہ اب بھی جب دور افق پر تارے وفورِ گریہ سے لڑکھڑاتے ہیں۔۔۔ ڈھلتی شام اور اس کے سایوں پر نظر ڈالے چاند پیکرِ غم بنا سحاب کی نیلگوں سرخیوں میں تحلیل ہوتا، روتا اور گڑگڑاتا ہے۔ سفید بادلوں کے جھرمٹ میں سفید چمکدار لبادے میں لپٹا شہزادے کا وجود مسکراتا ہے تو رفتہ، رفتہ شام کی دلہن کی صدا سنائی دیتی ہے۔۔۔۔

''اے میرے حبیب۔۔۔۔ پاک وطن کی سرحدوں کے طبیب۔۔۔۔ تو میری محبت میرا پہلا عشق ہے اور میرے لیے وہ دولھا جو شام کی دلہن سے کبھی نہ جدا ہونے والا ہے اور تیری مختصر سی یاد میرے لیے کبھی نہ ختم ہونے والی مبارک شادی ہے۔۔۔۔! میں تیری یاد کے سہارے یہ فانی زندگی کی گھڑیاں گزار لوں گی پھر ہمارے الہامی ملن کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔''



میرا گھر

راحیلہ بنتِ مہر علی

"میرا گھر......؟ میرا گھر کہاں ہے اماں؟"

اماں نے نظریں اٹھا کر بیٹی کو دیکھا......اور اگلے ہی لمحے نظریں اس پر سے ہٹا دیں۔ اس کی آنکھوں میں دیکھنا مشکل نہیں تھا...... ناممکن تھا...... درد نے دل پہ نہیں روح پہ گھاؤ لگا دیے۔

"ایسا کب سوچا تھا کہ اپنے گھر میں رہتے ہوئے بے گھر ہونے کا لفظ سنیں گے...... ہم...... کب بھلا...... اماں بولو ناں...... میرا گھر کہاں ہے...... اللہ کے واسطے بتاؤ ورنہ دماغ پھٹ جائے گا......" اس پر ہذیانی سی کیفیت طاری ہونے لگی...... اور اماں نے نہ تو دوبارہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کی......اور نہ اس کے سوال کا جواب دیا...... جواب تھا ہی کہاں اسے تو خود نہیں معلوم تھا۔

کیونکہ اگر کبھی کسی دن منہ کھول بھی لیتی...... تو کبھی بہو آگے سے جواب دے دیتی، اسے تو خود نہیں پتا تھا...... کہ اس کا گھر کہاں ہوگا۔ اس عمر میں کس، کس در کی

ٹھوکریں کھانی پڑئیں گی...... سو خاموش رہی...... آنسو اپنے کمزور ناتواں دل میں اتارتی رہی...... کہ اور کوئی راہ ہی نہیں تھی...... بیٹی رو دھو کر چپ ہوگئی...... آنسو بہہ، بہہ کر اس کے چہرے پر نقش و نگار بنا کر رک گئے۔

اس نے ڈرتے، ڈرتے اِک نظر اٹھا کے اس کی طرف دیکھا تو اس کے منہ سے سسکی نکلتے، نکلتے رہ گئی...... یہ بیٹی جو چند سال پہلے ایک خوب صورت دوشیزہ تھی جس کے حسن کے چرچے تھے...... جس کے لیے ایک سے بڑھ کر ایک بہترین رشتے آتے تھے...... اور تب...... اور تب اس کے اکلوتے بھائی کا فرمان ہوتا......

''ہماری بہن لاکھوں میں ایک ہے...... پڑھی لکھی ہے، اچھا کماتی ہے...... خوب صورت ہے...... اس کے لیے رشتوں کی کوئی کمی نہیں ہے...... لیکن ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے......'' یہ سن کر اماں بیٹے کے صدقے واری جاتیں...... بہن، بھائی کی محبت پر سرشار ہوتیں......

کبھی کچھ اور سوچا ہی نہیں، کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی...... بھائی تھا ناں ان کا اچھا بھلا سوچنے کے لیے پھر وہ کیوں سوچتیں...... اور جب سوچا تب وقت نکل چکا تھا۔

سر آدھے سے زیادہ سفید تاروں کی آماجگاہ بن چکا تھا...... بھائی اس کی تنخواہ سے اوپر کا پورشن بنا چکا تھا...... ایک گاڑی لے چکا تھا...... اب شاید مزید ضرورت نہیں رہی...... کہ ایک دن ایک چھوٹی سی معمولی سی بات پر بھابی نے کہا۔

''آئے ہائے...... گھر؟ کون سا گھر بی بی، یہ میرا گھر ہے...... آپ کا نہیں...... آپ کا تو کوئی گھر ہی نہیں ہے......''

اور ناز...... ناز کو لگا کسی نے حلق سے اسے پکڑ لیا ہو...... سانسوں پہ بندش لگادی ہو۔

''مم میرا گھر......'' اس کے لب لرزے۔

''ہاں تمہارا گھر بی بی...... تمہارا گھر نہیں یہ...... اور تمہارا گھر کہیں اور بھی نہیں ہوسکتا...... کیونکہ اس عمر میں تو کوئی تم سے شادی کرنے سے رہا۔ سو اگر یہاں رہنا ہے تو شرافت سے رہو...... ورنہ......!''

اس نے تڑپ کر بھائی کی جانب دیکھا...... خاموش نگاہوں سے فریاد کی لیکن وہاں خاموشی تھی......

اور تب اسے احساس ہوا یہ جو بھائی آج نہیں بولا...... یہ کل کو شاید اس کے مرنے پہ فاتحہ بھی نہ پڑھ سکے۔

اور بہت سالوں کے بعد آج اس نے سوچا اپنے بارے میں...... اپنے آنے والے کل کے بارے میں...... دیر ہوئی تھی...... مگر اندھیر نہیں مچا تھا...... خدا تو موجود تھا ناں...... بندے کے حق میں بہترین فیصلے کرنے والا ابھی موجود تھا...... اس کے سجدے طویل سے طویل تر ہوگئے...... راتوں کو اٹھ، اٹھ کر اللہ سے ایک ہی فریاد ایک ہی التجا کرنے لگی...... اپنا گھر مانگنے لگی...... جو اس کا اپنا ہو...... جہاں اسے کوئی بے گھر کرنے کی دھمکی نہ دے۔

اور اس کی دعائیں، اس کی التجائیں، اس کی مناجات رنگ لے آئیں۔ اس کی دعا شرفِ قبولیت پاگئی...... اس کے لیے قاسم علی کا رشتہ آگیا...... جس کی بیوی دو سال پہلے وفات پاگئی تھی...... بچہ کوئی تھا نہیں ماں باپ حیات نہ تھے...... اس کی بھابی نے بہت کوشش کی کہ یہ رشتہ نہ ہو لیکن اللہ کا امر ہو چکا تھا...... اللہ نے کُن کہہ دیا تھا۔

ناز، قاسم علی کی دلہن بن کر اس کے محل نما گھر بر آئی تو اسے لگا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے...... لیکن اس سے پہلے ایسا خواب ہی کہاں دیکھا تھا بھلا......

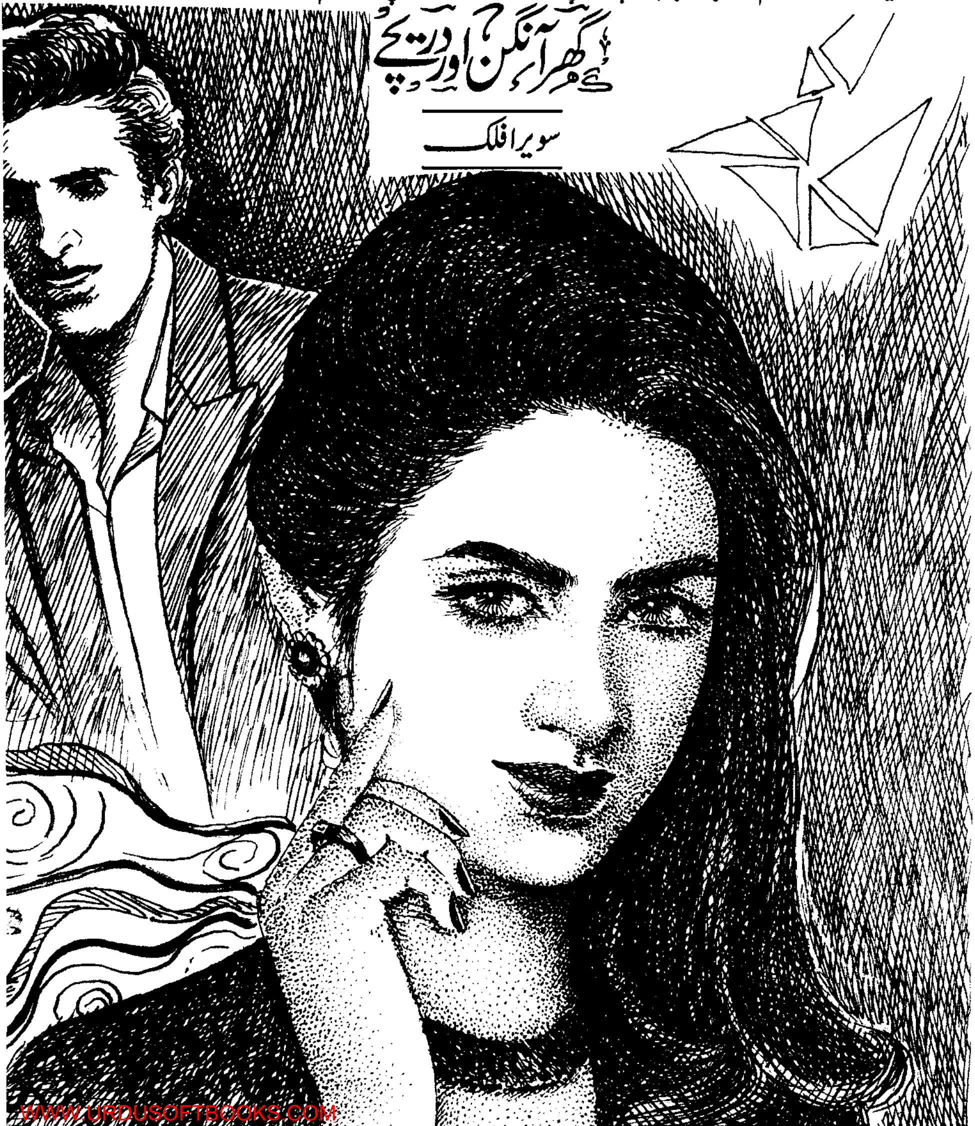
''ناز آج سے یہ آپ کا گھر ہے...... صرف آپ کا گھر...... اسے جس طرح چاہو سجاؤ جس چیز کو چاہو ہٹا دو...... جس نوکر کو چاہو رکھ لو اور جس کو چاہو باہر کردو...... چاہو تو مجھے بھی اس گھر سے نکال سکتی ہو کیونکہ یہ گھر میں نے آپ کے نام کردیا ہے......'' دھیمے لہجے میں کہتے قاسم علی نے دنیا کی ساری دولت ساری طاقت جیسے اس کے قدموں میں نچھاور کردی تھی...... ناز نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے ساتھ سدا رہنے کا خاموش احساس دلایا...... اور دونوں کو اور کیا چاہیے تھا......

زندگی تو مکمل ہوگئی تھی...... ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے خوشیوں کو تھامنے آگے بڑھ گئے۔

اس نے کسلمندی سے آنکھیں کھولیں تو سامنے لگی وال کلاک میں گیارہ بجے کا عندیہ دیتی سوئیاں گویا اس کے جسم میں چبھ گئیں۔ وہ تیزی سے آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ اس نے کمر پر پھیلے سیاہ لانبے بالوں کو سمیٹ کر جوڑے کی شکل دی اور کیچر میں قید کرلیا۔ ہاتھوں سے لان کے پرنٹڈ سوٹ کی شکنوں کو درست کیا۔ ملحقہ واش روم میں جا کر چہرے پر تازہ پانی کے چھینٹے مارے اور تولیے سے چہرہ تھپتھپا کر خشک کرتے ہوئے آئینے کے سامنے آکر، خود پر ایک نظر ڈالی اور پھر کمرے سے باہر آگئی۔ ابھی چار دن پہلے ہی تو وہ دلہن بن کر اس گھر میں آئی تھی گو کہ اسے ان در و دیوار سے کوئی آشنائی نہ تھی۔ تاہم ٹی وی کی آواز نے ہی اسے ٹی وی لاؤنج تک پہنچنے میں مکمل مدد فراہم کر دی تھی۔ وہ نپے تلے قدم اٹھاتی لاؤنج کے دروازے تک

گھر آنگن اور دریچے

سویرا فلک



آئی تو ذرا کی ذرا دروازے پر لٹکتے جھالروں والے پردے کو ہٹا کر جھانکا تو ان جھالروں میں موجود گھنٹیوں کی آواز پر مکمل طور پر ٹی وی کی جانب متوجہ شازل بری طرح چونک گیا اور سر گھما کر دروازے پر نگاہ کی تو سامنے کھڑی نرمین کو دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی اور اس نے نرمین کو اندر آنے کا اشارہ کیا تو وہ اپنے جھجکتے وجود کو خراماں، خراماں اندر لے آئی اور پھر شازل کے ہی اشارے پر اسی صوفے پر آ بیٹھی۔ جہاں وہ خود بیٹھا ہوا تھا اور اب آرائشی صوفہ کشن ہٹا کر اس نے نرمین کے لیے جگہ بنائی تھی۔

''ناشتا کروگی؟ تم سو رہی تھیں بلکہ کافی گہری نیند سو رہی تھیں اس لیے تمہیں کسی نے اٹھایا نہیں۔'' شازل نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ جامنی رنگ کے پھولوں سے سجے سوٹ میں اس کی گوری رنگت اور کھل رہی تھی۔

''یہ سوال پوچھنا تو میرا فرض ہے۔ پتا نہیں میری آنکھ کیسے لگ گئی تھی۔ ورنہ مجھے فجر کے بعد سونے کی عادت نہیں ہے۔'' نرمین نے آہستگی سے کہا۔

''میں نے تو ناشتا کرلیا...... بھوک برداشت نہیں ہوتی یار...... اور یہ آپ کی بلکہ میری بھی جو نیند اور تھکن ہے، یہ تو رتجگوں کا تحفہ ہے جناب...... اور ابھی کچھ دن تو اپنا رنگ جما کر رکھے گی۔'' شازل نے ایک آنکھ دباتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا تو نرمین بلش ہوگئی پھر اس نے موضوع بدلنے کی خاطر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آج کوئی نظر نہیں آرہا گھر میں...... امی، ابو، عدیلہ اور عامر سب کہاں ہیں؟''

''ارے یار...... آج ولیمے کا دوسرا دن ہے تو سب نے ہی جوائننگ دے دی ہے، امی کے اسکول میں ایگزامز ہونے والے ہیں اور عدیلہ اور عامر بھی یونیورسٹی کے لیکچرز مس ہونے کے باعث مزید چھٹیاں افورڈ نہیں کرسکتے تھے۔ ابو کا تو ویسے بھی امپورٹنٹ پروجیکٹ چل رہا تھا۔ انہیں تو ویسے ہی چھٹیاں ملی ہی نہیں تھی سو وہ تو ڈیوٹی پر ہی ہیں۔'' شازل نے گھر والوں کی بابت تفصیل سے بتایا پھر شرارتی لہجے میں جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''ویسے اوپر والا بڑا مہربان ہے مجھ پر، ہمیں... بھرپور موقع فراہم کردیا ہے ساتھ وقت گزارنے کا۔''

''آپ کی چھٹیاں کب تک ہیں؟'' شازل کی.... بے باکیوں پر اس نے خود میں سمٹتے ہوئے پزل ہوکر پوچھا۔

''ہاہا...... ڈر گئیں...... ابھی سے ہمت ہار گئیں میرا سامنا کرنے کی۔ ابھی تو پورے پندرہ دن باقی ہیں جانِ من۔'' شازل نے اس کے نرم گلابی ہاتھوں کو تھاما تو وہ بری طرح شرما گئی اور شازل کے حلق سے ایک اور قہقہہ برآمد ہوگیا۔ تب نرمین نے ہی فرار کا راستہ اختیار کیا۔

''میں ناشتا کرلوں؟''

''اوہو آئی ایم سوری ڈیئر...... مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ اوپر چھت پر ہماری ملازمہ صغراں کپڑے دھو رہی ہے۔ اسے آواز دے لو۔ وہ بنا دے گی بلکہ میرے لیے بھی ایک کپ چائے کے لیے کہہ دو۔'' شازل اب سنجیدہ ہوکر سیدھا ہوگیا تھا۔

''صغراں کو اپنا کام کرنے دیں۔ مجھے اپنا کام خود کرنے کی عادت ہے، میں بنالوں، آپ بس مجھے یہ بتادیں، کچن کس طرف ہے؟'' نرمین نے متانت سے پوچھا تو شازل اٹھ کھڑا ہوا۔

''ویل ڈیٹس گریٹ...... ویسے مما ہوتیں تو تمہیں کبھی ناشتا بنانے نہیں دیتیں۔ وہ جو روایتی باتیں ہوتی ہیں ناں کہ دلہن کے ہاتھ کی مہندی اترنے سے پہلے اور کھیر پکوائی سے پہلے اس سے کوئی کام نہیں کرواتے۔ مگر میں تھوڑا خودغرض ہو رہا ہوں، پلیز مما کو نہیں بتاناں کہ میں اپنی پیاری سی بیوی کے ہاتھوں سے بنی چائے پینے کی خواہش میں روایتوں کو فراموش کررہا ہوں۔'' شازل نے مصنوعی بیچارگی سے کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''آپ بے فکر رہیے...... میں آپ کی چغلی نہیں کھاؤں گی۔ اب چلیں...... مجھے بھی چائے کی سخت

طلب ہو رہی ہے۔'' زمین نے جان بوجھ کر ہونٹ لٹکا کر معصوم سی شکل بنائی تو شازل نے آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''اوکے مائی ڈیئر وائف...... صرف کچن پر کیا موقوف ہے، ہم آپ کو پورا گھر دکھاتے ہیں۔ آخر گھر کے مکینوں کے ساتھ، ساتھ اس کے درودیوار سے بھی تعارف ہونا چاہیے ناں...... مگر پہلے چائے پی کر ذرا انرجی حاصل کرلیں۔'' شازل نے لاؤنج سے باہر آکر کاریڈور میں داہنی جانب قدم بڑھا کر سامنے کچن کے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور پھر دونوں ایک ساتھ ہی کچن میں داخل ہوگئے۔ نرمین نے ایک ہی نظر میں کچن کا بھرپور جائزہ لیا۔ یہ اسٹائلش طرز کا بنا ہوا کچن تھا۔ اتنے میں شازل نے آگے بڑھ کر کیبنٹ سے چائے، پتی، چینی اور تیل نکال کر دیا۔ نرمین فریج سے انڈا، بریڈ اور دودھ نکال کر لے آئی۔ فرائی پین اور ساس پین چولھے پر ہی موجود تھے۔ دیگر برتن سامنے لگے اسٹیل کے اسٹینڈ پر رکھے تھے۔ نرمین نے چولھا جلا کر چائے کا پانی چڑھایا اور پیالے میں انڈا پھینٹنے لگی۔ ناشتا بنا کر اس نے ٹرے میں رکھا اور پھر وہیں پر موجود چھوٹی ٹیبل پر آگئی۔ جہاں شازل بیٹھا اخبار کی شہ سرخیاں پڑھ رہا تھا۔ شازل نے اخبار کے مطالعے کے ساتھ، ساتھ اس پر بھی نظر رکھی ہوئی تھی۔ وہ نوٹ کر رہا تھا کہ اس کے کام میں کافی سلیقہ ہے، اس نے ناشتا بنا کر ساتھ ہی سلیپ بھی صاف کردیا تھا۔ اور اب ٹرے میں رکھے بھاپ اڑاتے مگوں کے ساتھ سینکے ہوئے توس بھی اس کے ذوق کا پتا دے رہے تھے ورنہ اس کے گھر میں توس سینکے جانے کا کوئی رواج نہیں تھا بلکہ ڈبل روٹی براہِ راست فریج سے نکال کر استعمال کرلی جاتی تھی۔ اب بھی اس نے ناشتا ختم کرکے برتن دھونا چاہے تو شازل نے زبردستی اس کی کلائی پکڑلی۔

''ارے یہ کیا بات ہوئی، یہ میرا گھر نہیں ہے کیا...... کچن کو سمیٹ کر ہی کچن سے نکلنا چاہیے پر صغراں کیسے یہ جھوٹے برتن سنک میں بھکتے چھوڑ گئی ہے۔''

''ہاں یار...... اصل میں گھر میں تو کوئی ہوتا نہیں ہے ناں...... ویسے تو صغراں امی کے آنے کے بعد آتی ہے۔ مگر امی جاب سے آکر اور عدیلہ یونیورسٹی سے آکر اتنا تھک جاتی ہیں کہ اس کے پیچھے پڑ کر کام نہیں کرواسکتیں اور آج تو کوئی ہے نہیں تو وہ آزاد ہے من مانی کرنے میں...... خیر اب تم آگئی ہو تو نظر رکھنا اس پر۔'' شازل خود بھی فطرتاً سلیقے قرینے کا آدمی تھا۔ وہ ہر ہفتے باقاعدگی سے اپنی وارڈروب سیٹ کرتا تھا اور ہفتے بھر کے کپڑے استری کرکے ہینگ کرتا تھا۔ وہ طبیعتاً ہی نفاست پسند تھا اور اب اپنی دلہن میں سگھڑ پن کے جراثیم دیکھ کر اسے دلی طمانیت کا احساس ہو رہا تھا کیونکہ نرمین شکل صورت کے ساتھ، ساتھ اپنے مزاج اور اوصاف کے باعث بڑی تیزی سے شازل کے دل میں گھر بنا رہی تھی۔ وہ کافی حد تک شازل کی ہم مزاج ثابت ہو رہی تھی اس نے بڑا مثبت ردِعمل دیا تھا۔

''ظاہر ہے ملازم مدد کے لیے ہوتے ہیں، ان پر گھر تھوڑی چھوڑا جاسکتا ہے۔ انہیں کوئی اپنائیت تھوڑی ہوتی ہے وہ تو بس تنخواہ لے کر اپنا وقت پورا کرتے ہیں۔''

''بالکل ٹھیک...... چلو فی الحال میں تمہیں گھر دکھاتا ہوں تاکہ تمہیں چارج سنبھالنے میں آسانی ہو۔'' شازل نے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی، اس کے ساتھ باہر آگئی۔ کچن کے برابر میں اسٹور روم تھا۔ سامنے ڈائننگ اور ڈرائنگ روم تھا جو بڑے سے ہال پر مشتمل تھا۔ بلاشبہ گھر بہت بڑا تھا اور قیمتی آرائشی اشیا سے بھرا ہوا تھا مگر ہر شے پر گرد کی تہیں پڑی ہوئی تھیں۔ کارپٹ اور پردوں کا رنگ بھی مٹیالا ہوگیا تھا۔ ڈرائنگ روم جیسے مرکزی کمرے کی حالتِ زار دیکھ کر ہی نرمین کو گھر والوں کی بے پروائی کا اندازہ ہوگیا تھا مگر واش رومز کی غلیظ حالت تو چیخ، چیخ کر اسے باور کراگئی کہ گھر والے خصوصاً خواتین نہایت بے پروا طبیعت کی مالک ہیں۔ گو کہ کچن کیبنٹ کے اندر رینگتے کاکروچ اور داغ دار سلیپ اسے صغراں کی کاہلی کا مظہر لگا تھا۔ وہ تو ویسے ہی نئی نویلی دلہن تھی سوچپ

چاپ بنا کسی تبصرے کے ساتھ شازل کے ساتھ گھر کا جائزہ لیتی رہی گو کہ شازل خود بھی اسے گھر دکھاتے ہوئے شرمندہ ہو رہا تھا۔ کچھ بھی تھا بہرحال اسے اپنی ماں، بہنوں کا بھرم بھی رکھنا تھا اس لیے وہ خود سے ہی صفائی دیتا رہا۔

''اصل میں گھر میں سب ہی مصروف رہتے ہیں ناں اور مجھے اسی لیے عورتوں کا ملازمت کرنا سخت ناپسند ہے، گھر بے ترتیبی اور بے توجہی کا شکار ہو جاتا ہے۔'' اور نرمین مروت اور لحاظ کے مارے، چاہ کر بھی اس کے خیال کی تردید نہیں کر پائی کہ عورت چاہے ملازمت پیشہ ہو یا نہ ہو، اصل چیز اس کی اپنی طبیعت و مزاج میں پایا جانے والا سگھڑاپا ہوتا ہے جو اس کے گھر کو بے ترتیبی اور بدنظمی سے محفوظ رکھتا ہے۔

☆☆☆

شازل کو بہ مشکل بیس دن کی چھٹیاں ملی تھیں، وہ ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھے عہدے پر تھا۔ وہ کیونکہ اس گھرانے کا بڑا بیٹا تھا سو دلشاد بیگم کو اس کے لیے من پسند بہو لانے کی چاہ تھی۔ خود شازل بھی شریف النفس، مہذب اور سلجھی ہوئی طبیعت کا مالک تھا سو اس نے بھی بخوشی یہ اختیار کلی طور پر ماں کو دے دیا۔ اور پھر جب دلشاد بیگم نے اپنی کولیگ کی بھانجی نرمین کو کسی تقریب میں دیکھ کر اپنی بہو بنانے کا فیصلہ کیا تو شازل سمیت گھر کے ہر فرد نے ان کے فیصلے کو بخوشی قبول کیا کیونکہ نرمین شکل صورت کے لحاظ واقعی حوروں جیسے حسن و جمال کی مالک تھی اور رہی خاندان اور حسب نسب کی بات تو پرانے تعلقات کی بنا پر دلشاد بیگم سمیت سب ہی اس حوالے سے مطمئن تھے۔ خود نرمین اور اس کے گھر والے بھی اس رشتے کے طے ہو جانے سے بہت مطمئن و مسرور تھے مگر یہ رشتے ناتے اپنے اندر بڑے اسرار رکھتے ہیں، اس لیے تو وہ کہتے ہیں کہ ان کو برتنے کے بعد ہی ان کا اصل رنگ روپ اور ڈھنگ سامنے آتا ہے۔

☆☆☆

شادی کے ہنگامے اب دم توڑ چکے تھے اور زندگی معمول پر آنے لگی تھی۔ شازل کی چھٹیاں بھی ختم ہونے کو تھیں سو دلشاد بیگم نے اس کی جوائننگ سے ہفتے بھر پہلے ہی کھیر پکوائی کی رسم کا اہتمام کر لیا تھا۔ مینیو ترتیب دے کر انہوں نے صغراں کو بلا کر اس کے ہمراہ کیا تا کہ وہ بنیادی تیاریوں میں نرمین کی مدد کر سکے اور پھر بریانی، قورمے اور میٹھے کا آرڈر دینے کے لیے انہیں کسی کیٹرنگ میں فون کرنا تھا نرمین کو پتا چلا تو اس نے ضد کر کے قورمہ اپنے ذمے لے لیا۔ دعوت میں دلشاد بیگم کی اکلوتی نند نزہت بھی اپنی فیملی کے ساتھ موجود تھیں۔ قورمے کے ساتھ اس نے چکن روسٹ اور رس ملائی بھی بنالی تھی۔ نزہت اور ان کے شوہر نے اس کی بنائی ایک، ایک ڈش کی تعریف کی۔ نزہت کی تعریف پر نرمین نے شرمیلی ہنسی کے ساتھ سر جھکا کر شکریہ کہا تو انہوں نے اس کے سر پر مشفقانہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

''ماشاء اللہ حسن و سیرت اور سلیقے و سگھڑاپے میں یکتا ہو۔ درحقیقت ایسی لڑکیاں ہی گھر کو جنت بناتی ہیں اور تم جیسی بچیوں کو دیکھ کر یہ احساس قوی ہو جاتا ہے کہ بچیوں کی تربیت میں ان کے گھر کے ماحول اور ماؤں کی طبیعت کا کتنا اثر ہوتا ہے۔'' آخری جملہ کہتے ہوئے انہوں نے بھاوج پر گہری نظر ڈالی اور بھتیجی کا سراپا تکا تو دونوں ماں، بیٹی جز بز ہو گئیں کیونکہ دونوں ہی اس بات سے واقف تھیں کہ عدیلہ اور اسفر (نزہت کا بیٹا) کے رشتے میں اسفر کی اماں یعنی نزہت کی رضامندی ہرگز نہیں تھی۔ وہ بس اکلوتے بیٹے کی ضد کے آگے مجبور ہو گئی تھیں ورنہ بھتیجی ہونے کے باوجود انہیں عدیلہ کی کھلنڈری اور غیر ذمے دارانہ شخصیت بالکل نہ بھاتی تھی۔ مگر وہ خوب صورت ہونے کے ساتھ، ساتھ بہت اسٹائلش بھی تھی اور اسفر اور عدیلہ کا بچپن بھی تقریباً ساتھ ہی گزرا تو اسفر کی انسیت جوانی کی دہلیز تک پہنچتے، پہنچتے پسند اور محبت کی شکل اختیار کر گئی۔ دلشاد بیگم اور عدیلہ دونوں ہی نند کی ناپسندیدگی سے واقف تھیں ایسے میں نرمین کی مہارت کے منہ بولتے ثبوتوں اور اوپر سے نزہت بیگم کا اس کے جوہروں کے گن گانا

دونوں کے دلوں پر سانپ لوٹ گیا۔

سال بھر بعد ہی ثمرہ نے آکر نرمین کی گود ہری کردی مگر ذمے داریوں میں اضافے کے ساتھ نرمین اور پھرتیلی ہوگئی۔ وہ عام عورتوں کی طرح محض ...اپنی نیند پوری کرنے کے چکر میں نہیں رہتی بلکہ دن کے آغاز کے ساتھ ہی معمول کے کام نمٹانا شروع کردیتی تھی تاکہ بچی کے معمولات کے ساتھ، بھلے سست رفتاری سے ہی سہی تمام کام مکمل ہوجائیں۔ وہ تمام گھریلو ذمے داریوں کے ساتھ بچی کے تمام کام بھی جلدی، جلدی کرنے کی اولین کوشش کرتی۔ البتہ ثمرہ کو سنبھالنے کے معاملے میں ملنے والی مدد سے اس نے کبھی گریز نہیں کیا ویسے بھی بہت دنوں بعد اس گھر میں کوئی چھوٹا مہمان آیا تھا جو کھلونے کی طرح سب کا دل بہلائے رکھتا تھا۔

اس دن بھی اتوار تھا۔ شازل کی فرمائش پر اس نے آلو بھرے پراٹھے ناشتے میں بنائے تھے۔ اس کے بعد ثمرہ کی مالش کرکے اس نے بچی کو شازل کے حوالے کیا کہ صفائی اور دیگر کاموں سے فارغ ہوکر اسے بھی نہلا دے گی اور خود بھی فریش ہوجائے گی۔ شازل اسے دھوپ لگانے کی غرض سے چھت پر لے گیا اور وہ جھاڑو لے کر لاؤنج میں پہنچ گئی۔ کیونکہ آج صغراں کی چھٹی تھی۔ جہاں دلشاد بیگم اور عدیلہ ری ٹیلی کاسٹ ہونے والا ڈراما دیکھ رہی تھیں۔ سرمد صاحب اخبار بینی میں مصروف تھے۔ عامر دیر سے اٹھا تھا تو اب ناشتا کررہا تھا۔ نرمین حسبِ عادت ایک، ایک چیز ہٹا کر صفائی کرنے لگی تو باپ کے اشارے پر عدیلہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”بھابی لائیں میں کردیتی ہوں صفائی......آپ کچن کے کام نمٹالیں۔“

”اچھا چلو ٹھیک ہے۔ ڈسٹنگ بھی کرلینا۔ میں جب تک بریانی کی پیاز کاٹ لوں......“ نرمین نے جھاڑو اسے تھمائی۔

”نرمین تم پیاز لاکر مجھے دے دو۔ میں کاٹ دیتی ہوں۔ تم دوسرے کام دیکھ لو۔“ اب کی بار میاں کی آنکھیں دکھانے پر دلشاد بیگم نے بہو کو سہولت فراہم

غزل

یہ دکھ تو میری جاں تک ہی رہے گا
مکیں اپنے مکاں تک ہی رہے گا

کمی ہوتی نہیں سیلابِ غم میں
یہ خطرے کے نشاں تک ہی رہے گا

زمیں سے اس کو کچھ نسبت نہیں ہے
ستارہ کہکشاں تک ہی رہے گا

یہ راوی اور کچھ کہتا نہیں ہے
تمہاری داستاں تک ہی رہے گا

نہ جب تک سامنے آئے گا باقیؔ
یقیں اپنا گماں تک ہی رہے گا

شاعر: باقی احمد پوری

انتخاب: زیڈ اے کنول، کراچی

کرنے کی آفر کی وگرنہ دونوں، ماں، بیٹی کو ویسے ہی گھر داری سے دلچسپی نہیں تھی اور نرمین کے چارج سنبھالتے ہی دونوں اور ڈھیلی پڑگئیں مگر متین صاحب بیوی اور بیٹی کو تنبیہ کرنا نہ بھولتے تھے۔ کیونکہ اب نرمین پر بچی کی ذمے داری بھی تھی۔ ایسے میں نرمین کو تھوڑی بہت مدد بھی کافی لگتی تھی۔ سو وہ چند ہی لمحوں میں پیاز، ہرا دھنیا اور پودینہ، ٹماٹر ٹرے میں رکھ لائی اور دلشاد بیگم کے سامنے رکھ دی۔ انہوں نے چھری تھام کر پیاز کاٹنا شروع کی تو اس نے پودینے کی پتیاں چننا شروع کردیں۔ اور بے چین نظریں عدیلہ پر گاڑ دیں۔ وہ خود ان لوگوں میں سے تھی جو ہر کام میں پرفیکشن چاہتے ہیں اس لیے وہ کسی اور کے کام سے مطمئن بھی نہیں ہوتے۔ اب بھی اسے عدیلہ کا ہلکے ہاتھوں سے اوپر، اوپر سے جھاڑو دینا سخت کھل رہا تھا۔

”عدیلہ ذرا کونوں سے اچھی طرح نکالو اور

ڈائننگ ٹیبل کی کرسیاں بھی ہٹالو۔ ہفتے میں ایک بار تو ڈھنگ کی صفائی ہوتی ہے کم از کم ماسی اور گھر والی کی صفائی میں فرق تو نظر آئے۔ ماسیاں تو آنکھوں میں ایسی دھول جھونکتی ہیں کہ سر پر کھڑے رہ کر بھی کام کرواؤ تو بھی کہیں نہ کہیں کچرا، مٹی، چھوڑ ہی دیتی ہیں۔ اب دیکھو میں سوا مہینے امی کے گھر رہی تو صغراں کو تو اور چھوٹ مل گئی۔ گھر میں کیسا چھوڑ کر گئی تھی اور کیسا حشر نشر ہوا ہے وہی دھول، مٹی میں اٹی ہے ہر شے۔'' نرمین نے تو بات برائے بات کی مگر اب عدیلہ کے ساتھ دلشاد بیگم کا موڈ بھی اس کا نصیحت نامہ سن کر بگڑ چکا تھا۔

''تم کہنا کیا چاہتی ہو نرمین...... تمہیں اس گھر میں آئے ڈیڑھ سال ہوا ہے تو کیا اس سے پہلے ہمارا گھر صاف نہیں تھا۔ جواب تم ہمیں سلیقے قرینے کے سبق پڑھانے لگی ہو۔'' وہ تنک کر بولیں۔

''امی میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا، میں تو......'' دلشاد بیگم کے بگڑے موڈ کو دیکھ کر وہ گڑبڑا گئی کیونکہ حقیقتاً اس کی نیت کسی کو نیچا دکھانے کی ہرگز نہیں تھی وہ تو بس اپنی عادت سے مجبور تھی۔ وہ حیران پریشان تھی کہ کیسے اپنی پوزیشن کلیئر کرے۔ مگر اب تو منہ سے لفظ نکل چکے تھے اور کمان سے نکلے تیر کی طرح ان کی واپسی ناممکن تھی۔ ایسے میں اس کے سسر صاحب نے اس کی رہائی کی تدبیر نکالی کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ عورتوں کے اس قسم کے جھگڑوں میں اگر مرد حکمتِ عملی اختیار نہیں کرے اور تدبیر سے کام نہ لے تو گھر کا شیرازہ بکھرنے میں دیر نہیں لگتی۔ سو انہوں نے بطور ریفری اپنا کام انجام دیا۔

''عدیلہ بیٹا، بھابی تم سے بڑی ہیں، تمہارا لب و لہجہ ہماری تربیت کا عکاس ہونا چاہیے آئندہ اس کا خیال رکھنا اور بہو میں تم سے بھی یہی امید کرتا ہوں کہ تم اپنے گھرانے کی تربیت و پرورش کی لاج رکھو گی۔ اور دلشاد بیگم لگتا ہے آپ اپنی دوائیں معمول کے مطابق پابندی سے استعمال نہیں کر رہیں ورنہ آپ کو میں نے پہلے اس مزاج میں تو نہیں دیکھا تھا۔ آپ تو خاصی بردبار قسم کی خاتون ہیں۔ بہو، بیٹی تو آپ کا خیال رکھ رہے ہیں کچھ دھیان آپ خود اپنا بھی رکھیں۔ ورنہ ہمارا خیال کون رکھے گا۔'' آخری جملہ انہوں نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا تو بہو، بیٹی کے سامنے، شوہر کی دلربائی پر دلشاد بیگم سرشار ہوگئیں اور فضا بدلتے دیکھ کر عدیلہ، نرمین اور عامر کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ لیکن منظر بدلنے کا یہ وقت بہت مختصر تھا جیسے کہ سرمئی بادل جھلک دکھلا کر غائب ہو جاتے ہیں...کیونکہ جب ایک مرتبہ لحاظ اور مروت کی دیواروں میں دراڑ پڑ جائے تو پھر زبانیں بھی کرینوں کی شکل اختیار کرنے لگتی ہیں اور اسی طرح رشتوں کی عمارت زمین بوس ہونے لگتی ہے۔ اس دن بھی کچھ ایسا ہی ہوا جب شازل طبیعت کی ناسازی کے باعث گھر پر تھا اور بوریت دور کرنے کے لیے ٹی وی کے آگے بیٹھا چینل بدل رہا تھا کیونکہ باقی سب تو کاموں پر تھے اور نرمین کھانا پکانے میں مصروف تھی۔ ایسے میں وہ ثمرہ کو کیری کاٹ میں لٹا کر کاٹ وہیں لاؤنج میں شازل کے پاس رکھ آئی تھی۔ شازل وقفے، وقفے سے اسے بھی چمکارتا جا رہا تھا وہ اب پانچ ماہ کی ہونے کو تھی تو قلقاریاں بھی مارتی تھی، رسپانس دیتی تھی تو کھیلنے والے کو مزہ آتا تھا۔ شازل اپنی طبیعت کی گرانی کے باوجود انجوائے کر رہا تھا۔

''السلام علیکم بھائی؟ کیسی طبیعت ہے بھائی آپ کی؟'' یہ عدیلہ تھی جو ابھی، ابھی یونیورسٹی سے واپس آئی تھی۔

''ہاں بہتر ہے اب۔'' شازل نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

''اور میری ننھی گڑیا، پھپھو کی جان کیسی ہے؟'' عدیلہ نے بیگ اتار کر صوفے کی سائڈ پر رکھا اور ثمرہ کو کاٹ سے نکال کر گود میں بھر لیا اور چٹا چٹ اس کے گال چومنے لگی اسے یہ ننھی گڑیا بڑی عزیز تھی۔ اتنے میں نرمین اس کی فیڈر بنا کر لاؤنج میں آئی تو عدیلہ کو ثمرہ کے ساتھ مستیاں کرتے دیکھ کر فوراً اس کی طرف لپکی۔

''اُفوہ...... لڑکی کیا کرتی ہو۔ ابھی باہر سے آئی ہو، دھول، مٹی، پسینے میں اٹی اور معصوم بچی کو گود میں اٹھا لیا۔

عدیلہ تم میں تو بالکل کامن سینس نہیں۔ لگتا نہیں کہ تم ایم بی اے کر رہی ہو۔ تم کو اتنی عقل نہیں کہ چھوٹے بچوں پر جراثیم کتنی جلدی اٹیک کر جاتے ہیں؟ لاؤ اسے دو میں چینج کراؤں اور تم پلیز پہلے شاور لے کر آؤ۔"

نرمین ایک بار پھر عدیلہ سے الجھ پڑی تھی مگر اس بار اسے یہ قدم اٹھانا بہت بھاری پڑ گیا تھا۔

"آپ خود کو اتنا سپرئیر کیوں سمجھتی ہیں بھابی؟ آپ کو لگتا ہے کہ دنیا کی سب سے دانش مند، عالم فاضل اور سب سے بڑھ کر سلیقہ مند اور صاف ستھری شخصیت آپ ہی ہیں اور ہم سب ناپاک اور غلیظ ہیں، میں کون سا برسوں سے نہیں نہائی ہوں، کیا آپ کچن سے براہِ راست نکل کر روتی ہوئی ثمرہ کو ہاتھ میں نہیں لیتیں یا اسے یونہی روتا چھوڑ کر غسل کر کے اور پھر وضو کر کے اسے اٹھاتی ہیں، جواب دیں، ہے کوئی جواب آپ کے پاس...... آپ کی توجہ صرف اوپر کی صفائی پر مرکوز ہے ذرا تھوڑی توجہ اپنے دل و دماغ کی صفائی پر دیں جس میں سارا خناس بھرا ہوا ہے۔" عدیلہ کا بھرا ہوا زہر آلود لہجہ دیکھ کر شازل کو غصہ آ گیا۔

"عدیلہ یہ کیا بدتمیزی ہے...... تم کس طرح بات کر رہی ہو اپنی بھابی سے؟"

"ہاں آپ کو تو اب ہم بدتمیز ہی نظر آئیں گے۔ کیونکہ بھابی تو تمام خامیوں سے مبرا ہیں، میں کیا، اب تو آپ کو امی کے کاموں اور کھانوں میں عیب نظر آنے لگا ہے کہہ رہے تھے ناں کل بھابی سے کہ امی موٹے پراٹھے بناتی ہیں ناشتا تم ہی بنایا کرو۔" عدیلہ نے بدستور اسی لہجے میں کہا۔

"تو تم چھپ کر باتیں سنتی ہو ہماری......" شازل مزید تپ گیا۔

"جی نہیں، مجھے کوئی شوق نہیں...... میں کل کچن سے گزر رہی تھی تو سن لیا تھا۔" وہ دوبدو بولی تھی۔

"بہت بدلحاظ ہوتی جا رہی ہو تم...بند کرو اپنی زبان......" شازل غرایا۔

"تم بند کرو اپنی زبان...... اس عورت کے پیچھے اپنے گھر والے برے لگنے لگے ہیں تمہیں...... ارے اتنا ہی تمہاری بیوی کو ہم اچھوت لگتے ہیں تو لے جاؤ اسے یہاں سے۔" یہ دلشاد بیگم تھیں جو ابھی، ابھی جاب سے واپس آئی تھیں۔ لاؤنج کا منظر دیکھ کر ان کا دل دماغ غم و غصے سے بھر گیا تھا اور اب وہ باقاعدہ کانپنے لگی تھیں۔

عدیلہ نے آگے بڑھ کر انہیں تھام لیا۔ نرمین جو اب تک اس غیر متوقع صورتِ حال سے بھونچکا ہو کر رہ گئی تھی جیسے ایک دم ہوش میں آ گئی۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر پہلے شازل کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور اس سے پہلے کہ شازل کے ہلتے لبوں سے کچھ اور اول فول برآمد ہوتا وہ اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے زبردستی لاؤنج سے باہر لے آئی۔ وہ دل کی بری نہیں تھی اور نہ ہی اس کے دل و دماغ میں کہیں بھی گھر کا شیرازہ بکھیرنے کی نیت اور منصوبہ موجود تھا کیونکہ خود عدیلہ اور دلشاد بیگم بھی اتنی بری ساس نند نہیں تھیں کہ وہ اس نہج پر سوچنے پر مجبور ہوتیں مگر اب یکایک جو صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی اس نے اسے گہری سوچ بچار پر مجبور کر دیا تھا۔

☆☆☆

جاتی گرمیوں کی شام تھی۔ فضا میں خنکی و خشکی بسی ہوئی تھی۔ صحن میں گرتے پتے خزاں کی آمد کا پتا دے رہے تھے۔ ایسے میں اس کا اداس دل اور اداس ہو رہا تھا گو کہ ماحول بدلنے کی غرض سے اور معاملہ ٹھنڈا کرنے کے لیے ہی نرمین کے سسر نے شازل اور نرمین دونوں کو سمجھا بجھا کر نرمین کے میکے بھیج دیا تھا...... مگر جو سرد جنگ اس گھرانے میں چھڑ گئی تھی ایسی سرد جنگیں ہتھیاروں سے پاک ہونے کے باعث جسم کو بے شک لہولہان نہیں کرتیں۔ مگر اعصاب کو بری طرح چٹخا دیتی ہیں اور روح کی حالت ایسی کر دیتی ہیں کہ جیسی کہ ایک انسانی جسم کی کسی ٹرالر کے نیچے کچلے جانے کے مانند ہو جاتی ہے۔ وہ بھی یوں ہی بے جان ہوئی ہوئی تھی اب بھی وہ دنیا و مافیہا سے جانے کب سے خلا میں تکے جا رہی تھی کہ کندھے پر نرم لمس کے احساس نے گویا اسے زندگی کا گمان بخشا تھا۔

''زرمین بیٹا...... ایسے کیوں بیٹھی ہو۔'' ماں کی نرم آواز نے گویا اس کے وجود کو مخملی چادر میں ڈھانپ لیا تھا۔ اس کی آواز گلو گیر ہو گئی تھی۔

''بس امی یونہی۔'' اس نے زبردستی چہرے پر مسکراہٹ سجانا چاہی مگر وہ ماں تھیں۔ بند آنکھوں سے اولاد کے دل کا حال جان لینے والی ہستی۔ اولاد کوسوں دور ہی موجود ہو اور بے سکون و بے چین ہو تو ماں کی راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے وہ تو پھر مغموم چہرہ اور اداس لہجہ لیے ان کے سامنے موجود تھی۔

''بیٹا...... دل کی بات جب تک کہو گی نہیں...... قرار کیسے پاؤ گی اور ویسے بھی ہم دونوں تو دوستوں کی طرح ہیں ناں...... شیئر کرو بیٹا کیونکہ اس طرح اول تو تمہاری الجھن کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا وگرنہ کم از کم تم ہلکی پھلکی ضرور ہو جاؤ گی۔ اپنے دل و دماغ کو بوجھل پن سے آزاد کر دو تاکہ تمہارا جسم پہلے کی طرح چاق و چوبند ہو جائے۔'' رخسار بیگم نے اپنے مخصوص حلاوت بھرے لہجے میں کہا جو اُن کی شخصیت کا خاصہ تھا۔ زرمین ان کی اکلوتی بیٹی تھی اور انہوں نے واقعی عقل مند ماؤں کی طرح اس سے دوستوں والا رویہ رکھا تھا تاکہ اسے ہمیشہ دل کی بات کہنے میں آسانی رہے اور باہر کوئی انجان ہمدرد نہ ڈھونڈنا پڑے۔ حقیقت میں زندگی میں غم و گسار اور مخلص دوستوں کی موجودگی کسی نعمتِ خداوندی سے کم نہیں ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ جب زرمین نے رندھی ہوئی آواز میں خود کو بوجھ سے آزاد کیا تو غم و یاسیت میں ڈوبے لفظ خاموشی کی قید سے رہائی پا کر زرمین کے جسم و جاں پر چھائی پژمردگی کا احساس کافی حد تک چھٹ گیا۔

''اب آپ ہی بتائیں امی......؟ میں کہاں غلط ہوں؟'' شازل بھی کچھ نہیں کہتے...... ان کی خاموشی سے تو مجھے یہی لگتا ہے کہ میں مجرم ہوں مگر کوئی میرا قصور بھی تو بتائے؟'' وہ سخت الجھن کا شکار تھی۔

تم نے سنا نہیں بیٹا کہ گھر، آنگن اور دریچوں سے نہیں ملکیتوں سے بنتا ہے پھر...... بیٹا بات غلط ہونے کی نہیں ہے، بات ہے محض اپنے نظریے اور موقف کو درست جاننے اور ماننے کی...... اچھا سب سے پہلے تم مجھے ایک بات بتاؤ کہ اگر کوئی تمہیں، تمہارے منہ پر برا بھلا کہے تو تمہیں کیسا لگے گا۔ تم قصوروار ہو یا نہیں ہو۔''

''ظاہر ہے امی برا لگے گا......'' زرمین نے کہا۔

''بالکل ٹھیک...... تو یہ بتاؤ کہ تمہاری ساس، نند کیسے تمہارے قبلہ درست کرنے کے احکامات کو بلا چون و چرا... مان لیں۔ بیٹا ہمارے معاشرے کا تو چلن ہی ایسا ہے کہ بہو کو ہی سسرال میں ایڈجسٹ ہونا پڑتا ہے، تم نے اس چلن کے برعکس چلنا شروع کیا تو ظاہر ہے تمہاری گوٹ تو پٹنی ہی تھی۔ دوسری بات یہ بیٹا کہ ہر چیز آہستہ، آہستہ ہی اثر پزیر ہوتی ہے ڈاکٹر کسی بیماری کے لیے دواؤں کا نتیجہ بناتا ہے تو تمام دوائیں ایک ہی دن میں کھانے کے لیے تو نہیں دے دیتا ناں بلکہ تمام دواؤں کو اس کی صورت میں ترتیب دیتا ہے۔ اسی طرح جب بچوں کو کڑوی دوا دینا چاہتے ہیں تو کسی نہ کسی طرح اس میں، شیرینی شامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں...... کیوں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں...... بس یہی فارمولا تم اپنی زندگی میں بھی اپلائی کر دو۔'' تم نے ذرا درشتی سے کام لیا۔''

زرمین نے شادی شدہ زندگی کا آغاز کیا تھا اور رخسار بیگم زندگی کی جس سیڑھی پر موجود تھیں وہ تجربوں کا نچوڑ تھی سو وہ معما جو زرمین سے حل ہو کر نہیں دے رہا تھا اور ریاضی کے سوالوں کی طرح اسے گڑبڑائے دے رہا تھا وہ انہوں نے کسی تجربے کار استاد کی طرح منٹوں میں حل کر دیا تھا۔ وہ اس کا رخسار تھپتھپا کر چولھے پر چڑھی ہانڈی دیکھنے واپس اندر چلی گئیں تو زرمین نے ایک گہری سانس لے کر گہری مسکراہٹ کے ساتھ سر اٹھا کر اونچے لمبے درختوں کو دیکھا جہاں کی شاخوں سے بوسیدہ پتے جھڑ چکے تھے تاکہ خوشنما پھولوں کے اگنے کی جگہ بن سکے۔ انتظار تو بس ان کی نئے سرے سے آبیاری کا تھا۔ وہ ایک عزم کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

ائر پورٹ سے نکلتے ہوئے اس نے اپنا بیگ دائیں ہاتھ سے بائیں میں منتقل کیا تھا۔ جہاز کے لینڈ کرتے وقت اس کا دل زور، زور سے دھڑک رہا تھا۔ آج اڑھائی سال کے بعد اس نے اپنی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ سامنے کھڑے ٹیکسی والے کو آگے بڑھ کر ایڈریس بتا کر وہ اس میں بیٹھ گیا۔ دل عجیب طرح سے خوش تھا۔

''کیسی ہوگی وہ؟'' اس نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ ''خوب لڑائی کروں گا' مجھے اتنے سالوں کی قیدِ تنہائی اور دوری کی آگ میں جلایا۔'' وہ اپنے آپ سے ہم کلام تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اتنا برا اور مشکل وقت گزر گیا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی بہت کچھ تکلیف دہ یاد آنے لگا تھا۔ یادوں کی کھڑکی کھلی تو بہت سے منظر واضح ہونے لگے۔

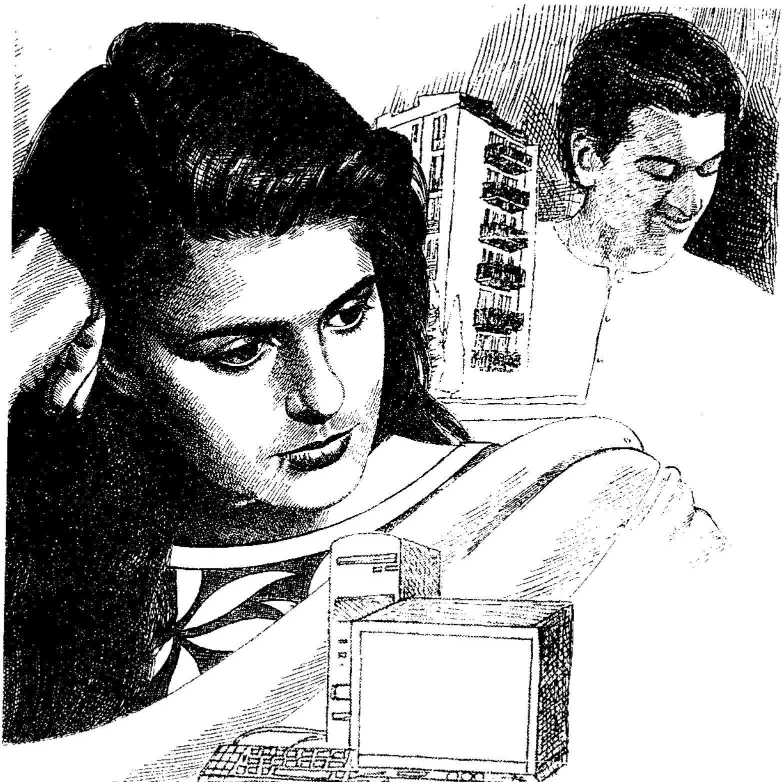
☆☆☆

وہ ساحل کنارے ایک اونچے پتھر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے وہاں بیٹھے کئی گھنٹے گزر گئے تھے۔

''ایسا کیوں ہوا میرے ساتھ؟'' اس نے ایک

محبت لفظ تھا میرا

بشریٰ سیال



پتھر اٹھا کر سمندر میں پھینکا تھا۔ سمندر کے نیلے سینے پر تڑپتی لہریں جانے کس بات پر بپھر رہی تھیں۔

''گوتم بدھ ٹھیک کہتا ہے، دنیا دکھوں کا گھر ہے۔'' اس نے ایک طویل اور گہری سانس فضا کے سپرد کی۔ ''دکھ ہمیشہ موت کی طرح انسان کا پیچھا کرتے رہتے ہیں، خوشیوں کو کھانے کی کوشش کرتے ہیں بس، اگر دکھ ہی انسان کا مقدر ہے تو خوشیاں کیوں آتی ہیں چند لمحوں کے لیے.....'' فلزا خاموش بیٹھی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''آج تم بہت خاموش ہو، کیا تمہارے پاس کہنے کے لیے ایک لفظ بھی نہیں؟ میں ترس گیا ہوں تمہاری آواز سننے کے لیے۔'' اچانک اس نے بہت دیر سے خاموش بیٹھی فلزا کو دیکھا۔

''مجھے سوچ کی معذوری سے ڈر لگتا ہے، لولے لنگڑے خیالات پریشان کرتے ہیں، تمہاری جسمانی معذوری سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' اس نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''تم تھک جاؤ گی اور پھر بیزار ہو جاؤ گی، کب تک ایک معذور شخص سے محبت کرو گی..اور میں ڈرتا ہوں اس وقت سے جب تم مجھ سے تنگ آنے لگو کیونکہ فلزا.....'' اس نے لحہ بھر کو توقف کیا، فلزا بے چینی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ''میں نہیں چاہتا کہ تمہاری محبت ایک معذور شخص کو سنبھالتے، سنبھالتے تھک جائے اور وہ تھکن بیزاری بن کر تمہارے لہجے سے چھلکنے لگے..... کیونکہ فلزا.....'' وہ بولتے، بولتے تھک گیا تھا۔ ''جب لہجوں میں رشتوں کے لیے بیزاری آجائے ناں تو بس اس وقت سے برا کوئی وقت نہیں ہوتا۔'' آج سے پہلے وہ کبھی اتنا سنجیدہ نہ ہوا تھا۔ دونوں کے درمیان ہر وقت ہنسی مذاق چلتا رہتا تھا۔ خوب انجوائے کرتے تھے مگر عارب فاروق کے ایکسیڈنٹ اور پھر ایک ٹانگ سے معذوری نے دونوں کو دکھی کر دیا تھا۔ عارب کا پورا خاندان حادثے کا شکار ہو گیا تھا۔

''تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں؟'' جانے وہ اس سے سوال کر رہی تھی یا خود سے......

''وقت پر اعتبار نہیں رہا، حالات پر بھروسا کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے فلزا.....تب بھی تو سب کچھ ٹھیک تھا ناں پھر کیا ہوا؟ ایک حادثہ.....اور جب آنکھیں کھلیں تو مجھے بتایا گیا کہ میں اب چل نہیں سکتا.....شروع میں تو مجھے لگا تھا میں مر جاؤں گا، میں اس طرح اپاہج ہو کر کیسے جی سکتا ہوں مگر وقت ہمیں سب کچھ سکھا دیتا ہے، زبردستی چیزیں چھین کر چلا جاتا ہے اور ہمارے رونے دھونے اور احتجاج کو کسی خاطر میں نہیں لاتا، پلٹ کر دیکھتا بھی نہیں۔'' اتنا زیادہ بول کر اب وہ ہانپنے لگا تھا۔ فلزا کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل دیا تھا۔

''محبت کسی چیز سے مشروط نہیں ہوتی...... میرے لیے تم جو پہلے تھے وہی اب بھی ہو، سو غلط مت سوچو۔'' اس کا لہجہ بھیگنے لگا۔

''اگر تم میری زندگی سے نکل جائیں تو میں جی نہ پاتا فلزا.....اتنے شدید ایکسیڈنٹ سے صرف تمہارے لیے بچ کر آیا ہوں، کبھی مجھے تنہا مت چھوڑنا۔'' ہر وقت اندیشوں کے سیاہ، ناگ اس کے ارد گرد منڈلاتے رہتے، اپنے ساتھ وہ اسے بھی پریشان کیے رکھتا تھا۔

''وقت جیسا بھی آجائے عارب، مجھ پر کبھی اعتبار مت کھونا کیونکہ.....'' اس نے پل بھر کو توقف کیا، عارب ہمہ تن گوش تھا۔ ''میرے لیے اس دنیا میں ماما کے بعد ہر رشتے سے زیادہ تم اہم ہو۔'' شام ڈھلنے لگی تھی۔ دن بھر کا تھکا ہارا سورج اب سمندر کے پانی میں نہانے کے لیے اترا تو اس کی لہروں سے ٹکراتی اس کی شعاعیں سرخی مائل ہو کر منعکس ہو رہی تھیں، یہ نظارہ نظروں کو بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆☆☆

شام اپنے پر پھیلا رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی تھی، بہت دیر رونے سے سر بھاری ہو رہا تھا۔ آنکھوں کے سوجے ہوئے پپوٹے سرخ ہو رہے تھے، اس نے اپنی گاڑی کی چابی اٹھائی اور فلیٹ سے

باہر آ گئی۔ آج پہلی بار وہ ماما سے ناراض ہوئی تھی۔

''رکو فلزا......'' انہوں نے پکارا، وہ خاموشی سے اُن کی طرف دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے اس کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا۔

''میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔'' اس نے ایک شکوہ کناں نظر اُن پر ڈالی اور باہر نکل گئی۔

☆☆☆

''ہیلو......'' وہ خیالوں میں گم ٹیرس پر بیٹھا ہوا تھا، تنہائی کے لمحوں میں وہ آسمان پر اڑتے کونجوں کے غول کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اس غول کے جانے کے کچھ دیر بعد ایک تنہا کونج اِدھر سے اُدھر پریشانی کے عالم میں اڑتی پھر رہی تھی۔

''تم!'' اس کے پکارنے سے عارب کا ارتکاز ٹوٹا تھا۔ ''کن سوچوں میں گم ہو؟'' وہ کرسی لا کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

''کونجوں کا غول آگے نکل گیا، ایک کونج اس سے بچھڑ گئی ہے اِدھر اُدھر اڑتی پھر رہی ہے، انہیں ڈھونڈ رہی ہے۔'' وہ اب بھی خلاؤں میں گھور رہا تھا۔

''چھوڑو یار ان پرندوں کو، اپنی طبیعت کا بتاؤ؟'' اس نے عارب کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''کونج بہت باوفا ہوتی ہے، اپنے غول سے بچھڑ جائے تو بہت جلد مر جاتی ہے۔'' اس کی بات شاید اس نے سنی ہی نہیں تھی۔ ''جبکہ غول کو اس کی پروا نہیں ہوتی، انہیں تنہائی کا درد نہیں ملا ہوتا ناں۔''

''یہ تو بے وقوفی ہوئی پھر۔'' اس نے اختلاف کیا۔

''مجھے ایسا لگتا ہے فلزا...... جیسے میرا دل بھی کسی کونج کے مانند ہے، تم مجھ سے دور جاتی ہو تو یہ بہت شور مچاتا ہے، اِدھر اُدھر سر پٹختا ہے، قریب ہوتا ہے کہ یہ بند ہو جائے، تم آ جاتی ہو تو......'' بات کو ادھورا چھوڑ کر وہ خلاؤں میں گھورنے لگا۔

''سردی بڑھ رہی ہے اور تم نے سوئیٹر بھی نہیں پہنا، بیمار ہونے کا ارادہ ہے؟'' اس نے شانوں پر پھیلائی چادر اتار کر عارب کو اوڑھا دی۔

''تھینکس فلزا!'' اس نے شانوں پر چادر کو درست کیا۔ ''جب دکھ اور پریشانی میں کوئی ساتھ دینے والا نہ ہو تو یہ اور بھی بڑی لگنے لگتی ہے۔ مگر جب کوئی آپ کا اپنا، آپ کا اس طرح خیال رکھے، آپ کی تکلیف کو آپ کی طرح ہی محسوس کرے تو بہت اچھا لگتا ہے۔'' اس نے ممنون نظروں سے فلزا کو دیکھا۔

''اس ایکسیڈنٹ نے تم کو فلاسفر بنا دیا ہے۔'' وہ ہولے سے مسکرائی۔

''وقت بہت بڑا استاد ہے، پہلے امتحان لیتا ہے پھر سبق دیتا ہے، ڈگری کوئی نہیں دیتا، ہاں بہت سارے تجربات سکھا جاتا ہے۔'' وہ پھر خلاؤں میں گھور رہا تھا، کونج کی انتہائی دردناک آواز ابھری۔

''پھر فلسفہ......'' وہ زیرِلب بڑبڑائی مگر عارب نے غور نہیں کیا۔

''بیچاری کونج......مر جائے گی۔'' وہ ہمدردی سے نرم لہجے میں بولا۔

''چھوڑو بھی کونج کو تم یہ بتاؤ۔''

''نہیں فلزا......'' وہ احتجاجاً اسے ٹوک گیا۔ ''محبت تو محبت ہی ہوتی ہے ناں...... چاہے انسان کی انسان سے ہو یا پھر کونج کی ڈار سے یا چکور کی چاند سے۔ تینوں کا درد تو ایک ہی ہے۔'' وہ متفکر نظر آ رہا تھا۔

''میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو اٹھ گئی۔ فضا میں چکر کاٹتے، کاٹتے کونج بے دم ہو کر گر پڑی تھی۔

''آہ......!'' عارب نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ ''شاید ہر محبت کا یہی انجام ہوتا ہے۔'' اس کا دل گھبرانے لگا۔

''فلزا......'' وہ اسے پکارنے لگا۔ ''فلزا......'' اس کی وحشت زدہ گھبرائی ہوئی آواز سن کر وہ گھبرا کر بھاگتی آئی۔

''کیا ہوا عارب؟'' اس کا بدن ہولے، ہولے کانپ رہا تھا۔

''کونج......مر...... گئی...... محبت...... مر گئی......

ہار......گئی۔'' وہ ہذیانی انداز میں چلّایا۔

''جسٹ ریلیکس عارب......'' وہ پانی لے آئی۔''باہر نکلا کرو، سارا دن گھر بیٹھے پتا نہیں کیا سوچتے رہتے ہو۔'' اس نے گلاس اس کے لبوں سے لگایا اس کے چہرے پر شدید اذیت کے تاثرات تھے۔

''آؤ، اندر چلیں۔'' اس نے بے ساختہ اس کے قریب کرتے ہوئے کہا۔ دیر تک بیٹھی وہ اس سے باتیں کرتی رہی تھی۔ اس کا دھیان بٹانے کی پوری کوشش کی تھی۔

☆☆☆

''مجھے کہیں نہیں جانا فلزا......'' وہ ضدی بچوں کی طرح منہ بسورتے ہوئے بولا۔

''تمہیں جانا ہوگا، میرے لیے، اپنے لیے...... ہمارے آنے والے کل کے لیے۔'' اس نے سمجھانا چاہا۔

''تم تو کہتی ہو تمہیں میرے معذور ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔'' وہ جھٹ بولا تھا۔

''ہاں لیکن تمہاری سوچ نیگیٹو ہوتی جا رہی ہے، سوچ کا healthy اور پوزیٹو ہونا بہت ضروری ہے اور پھر تم بھول گئے کہ یونیورسٹی آف کیلی فورنیا سے ایم بی اے کرنا تمہارا خواب تھا۔ اب اس کی تعبیر کا وقت آیا ہے تو تم بہانے بنا رہے ہو۔''

''وقت بہت بدل گیا ہے فلزا......'' اس کا ٹوٹا بکھرا لہجہ فلزا کو اداس کر گیا۔

''وقت نہیں ہم خود بدل جاتے ہیں، ہماری چوائس، ہماری فکر اور ہماری ترجیحات بدل جاتی ہیں، کل جس چیز کے لیے تم اتنے زیادہ کریزی ہو رہے تھے، آج مل رہی ہے تو ناشکرا پن مت دکھاؤ۔'' اس نے منانے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی۔

''تم مجھے خود سے دور بھیجنا چاہتی ہو؟'' وہ اداسی سے مسکرایا۔

''بس تم اسٹڈی کمپلیٹ کر کے اور اپنا علاج کروا کر جلد واپس آؤ۔'' اس نے دل کو تھام کر لہجے کو مضبوط بناتے ہوئے کہا۔

''اور اگر میں واپس نہ آسکا تو؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے استفہامیہ لہجہ میں بولا۔

''تم آؤ گے......اور ضرور آؤ گے اور اگر مجھ سے دور رہ کر تمہیں خوشی ملے تو تمہاری خوشی کے لیے مجھے یہ بھی قبول ہے۔'' اس کے لب مسکرا رہے تھے مگر آنکھیں کوئی اور ہی کہانی سنا رہی تھیں۔

''بہت آزاد فضاؤں میں بھیج رہی ہو تو نہ آؤں تو گلہ نہیں کرنا۔'' وہ کہے بنا نہ رہ سکا۔

''شیخ سعدی کا قول ہے۔ دوست ہو یا پرندہ، اسے آزاد چھوڑ دو، لوٹ آیا تو تمہارا......اور اگر نہ آیا تو تمہارا تھا ہی نہیں۔'' وہ بولی۔

''تو تم مجھے آزاد کر رہی ہو، اپنی محبت کی قید سے۔'' وہ زخمی مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے بولا۔

''نہیں، میں نے تو ایک عام بات کی ہے، میں تو ہمیشہ تمہارا انتظار کروں گی۔'' اس کے بعد دونوں کے درمیان ایک لمبی چپ حائل ہو گئی تھی۔ جبکہ باہر تیز ہوا کا شور تھا۔

☆☆☆

آج رات دو بجے اس کی روانگی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں آنکھیں موندے لیٹا ہوا تھا۔ کمبل بے ترتیبی سے اس کے اوپر پڑا تھا۔ جبکہ اس کا کچھ حصہ نیچے لٹک رہا تھا۔ وہ چت لیٹا چھت کی کڑیوں کو گھور رہا تھا۔

''ہیلو عارب......!'' فلزا اندر داخل ہوئی تھی۔ اس کے آنے سے بھی اس کے انداز میں کوئی فرق نہیں آیا۔'' تمہاری پیکنگ تو کل ہی مکمل ہو گئی تھی۔ اب صرف تمہیں تیار ہونا ہے۔'' اس نے آگے بڑھ کر کھڑکیوں سے پردے ہٹائے۔

''کیسی ہو؟'' اس نے دانستہ فلزا کی طرف دیکھنے سے احتراز کیا۔

''فائن......!'' وہ خوش دلی سے مسکرائی۔''تم کیسے ہو؟''

''پتا نہیں۔'' وہ نیم دراز ہو گیا اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگالی۔ فلزا اس کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی۔

''خود سے ملے ہوئے ایک عرصہ گزر گیا۔'' اس کی نظریں سامنے وال پینٹنگ پر ٹکی ہوئی تھیں۔

''تم ایم بی اے مکمل کر کے واپس آجاؤ گے تو سب کچھ بہت اچھا ہو جائے گا۔'' اس نے ڈھارس بندھائی۔

''عمرِ دراز مانگ کر لائے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں......''

وہ زہر خند ہوا تھا۔

''وقت اچھا بھی آئے گا ناصر
غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی''

فلزا نے فوراً کہا۔

''بس آئے گا، ہوگا، ملے گا...... ہمیشہ انتظار، لاحاصل......اور کبھی، کبھی بہت سارا وقت گزرنے کے بعد انسان کو پتا چلتا ہے کہ وہ سراب کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ مجھے ایم بی اے نہیں کرنا فلزا۔'' اس نے اچانک کہا۔

''میں خفا ہو جاؤں گی۔'' وہ اس سے دور ہونے لگی تو عارب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا۔

''ٹوٹے ہوئے انسان کو مزید مت توڑو فلزا۔'' اس سے دوری کا تصور ہی عارب کے لیے سوہانِ روح تھا۔

''تمہیں ٹوٹنے سے بچانا ہی تو چاہتی ہوں۔'' اس نے عارب کے ہاتھ کو نرمی سے سہلایا۔

''تم تو کہتی تھیں کہ وقت کو کبھی اپنے اور میرے درمیان حائل نہ ہونے دو گی...... پھر اب......'' بات ادھوری چھوڑ کر وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''دراصل ماما بھی یہی چاہتی ہیں کہ تم باہر چلے جاؤ، میں بھی چاہتی ہوں کہ تم سیٹل ہو جاؤ، کچھ بن جاؤ، اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ تاکہ ہمیں کسی کا محتاج نہ ہونا پڑے۔'' اس نے رسانیت سے سمجھایا۔

''آہ......'' اس کے منہ سے سسکاری نکلی تھی۔

''چائے پیو گے......؟'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''ہاں، آخری بار......'' اس نے فلزا کے چہرے کو نظروں کے حصار میں لیے ہوئے کہا۔

''آخری بار کیوں؟'' وہ مڑی۔

''دوبارہ تب پیوں گا جب تمہارے پاس آؤں گا۔'' فلزا کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔

''پورے دیوانے ہو۔'' وہ پھیکی سی ہنسی ہنستے ہوئے کچن میں چلی گئی۔

''لو......'' کچھ ہی دیر میں اس کی واپسی ہوئی تو ہاتھ میں چائے کے بھاپ اڑاتے ہوئے مگ تھے۔ ''کیسی بنی چائے؟'' کپ اسے پکڑا کر وہ پاس ہی بیٹھ گئی۔

''ہوں......'' اس نے ایک سپ لیا۔ ''بہت اچھی......'' اس نے کپ دوبارہ لبوں سے لگا لیا۔

''ہمیشہ کی طرح......'' ایک اور چھوٹا سا سپ لیا۔

''تھینکس......'' اس نے عارب کی طرف دیکھا۔ ''وہاں چائے پیا کرنا، اسٹڈی کے ساتھ تو ضروری ہوتی ہے اور پھر......'' اس نے کپ لبوں سے لگا کر سپ لیا، عارب اسی کو دیکھ رہا تھا۔ ''سردی بھی تو بہت ہوتی ہے وہاں۔'' اس نے سمجھانا چاہا۔

''میں تمہارے بغیر نہیں پی سکتا۔'' وہ بے بسی سے بولا۔ ''مجھے مجبور مت کرنا، میں تمہاری بات ٹال نہیں سکتا۔'' اس نے کپ لبوں سے لگایا۔ چائے سے اٹھتی بھاپ نے لمحہ بھر کو فلزا کو اس سے دور کر دیا تھا، وہ اسے دیکھے گیا۔ فلزا کو اس کے پاگل پن سے خوف آرہا تھا۔

☆☆☆

ٹیکسی ائرپورٹ کی طرف رواں تھی، وہ دونوں بالکل خاموش بیٹھے تھے۔

''کچھ بولو فلزا۔'' جہاز کی روانگی میں کچھ ہی دیر باقی رہ گئی تھی۔

''اپنا بہت سارا خیال رکھنا۔'' اس کی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔

''تم بھی......اپنا خیال رکھنا۔'' اس نے.... حتی الامکان آواز کو نارمل رکھنے کی کوشش کی۔

''میں نے کبھی تمہارا دل دکھایا ہو تو معاف کر دینا مجھے۔'' وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکنے لگے، گویا ایک دوسرے کے چہروں کو آنکھوں میں محفوظ رکھنا چاہتے ہوں۔

"ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو؟ کیا مجھے ہمیشہ کے لیے رخصت کر رہی ہو؟" وہ بے چین ہوا۔

"اللہ نہ کرے۔" وہ بے اختیار بولی۔ اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی، کچھ ہی منٹوں میں وہ جانے والا تھا۔ دونوں دم سادھے بیٹھے تھے ایسے جیسے کچھ بولے تو کچھ ٹوٹ جائے گا، کچھ غلط ہو جائے گا۔

"اللہ حافظ فلزا......" اسے آخری نظر دیکھ کر وہ چل پڑا۔

"اللہ حافظ۔" اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔ عارب چلا گیا۔ جاتے، جاتے وہ مڑا تھا، آنسو بھری آنکھوں سے وہ اسے جاتا دیکھ رہی تھی۔ بنا پلکیں جھپکائے وہ اس کی پشت کو گھور رہی تھی۔ جیسے اس وقت ایک لمحے کے لیے بھی اسے نظروں سے اوجھل نہ کرنا چاہتی تھی۔

"فلزا......" اس کے ہاتھ میں بے ساکھی لرز گئی، وہ مڑا تھا۔

"عارب......" وہ بھاگ کر اس کے قریب آئی تھی۔ "کاش یہ ایکسیڈنٹ نہ ہوتا، تم یوں مجھے چھوڑ کر نہ جاتے۔" ہزار خواہش کے باوجود وہ خود کو روک نہ پائی اور ان آخری لمحوں میں وہ کمزور پڑ گئی۔

"تم نے کیوں خود کو اتنا مضبوط بنائے رکھا، میں تو نہیں جانا چاہتا تھا، تم نے مجبور کیا، اب میں نہیں جاؤں گا۔" وہ واپس مڑنے لگا۔

"عارب نہیں...... جاؤ۔" اس نے دل پر پتھر رکھا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ وقت بھی کتنا بے رحم ہوتا ہے، جب کسی کا انتظار ہوتا ہے تو یہ بہت آہستگی سے گزرتا ہے اور جب وہ سامنے موجود ہو دل چاہتا ہے کہ وقت ٹھہر جائے، سے رک جائیں۔ تو یہ مٹھی سے ریت کی طرح پھسلتا جاتا ہے۔

"جاؤ عارب پلیز!" وہ رو دی۔ پھر وہ چلا گیا تھا۔

☆☆☆

وہاں ائرپورٹ پر اترتے ہی اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ فلزا کو کال کی۔

"کیسی ہو؟" اس نے شدتوں سے پکارا، اسے لگا صدیوں کی مسافت ان کے بیچ حائل ہو گئی ہے۔

"تم کیسے ہو؟" اس نے الٹا سوال کر دیا۔ اس کی آواز کا بھاری پن اسے صاف محسوس ہو رہا تھا۔ کوئی جواب نہیں دیا۔ "مجھے معلوم ہے تم نے کھانا نہیں کھایا، اچھے بچوں کی طرح کھانا کھالینا اور پھر ریسٹ کرنا، یونیورسٹی میں دل لگا کر پڑھنا۔" اس کی نصیحتوں پر وہ مسکرا دیا۔

"اور تم......" بات ادھوری رہ گئی۔ "ٹوں، ٹوں......" اس نے فون کان سے ہٹا کر مایوسی سے اسے دیکھا اور وہاں سے ہٹ گیا۔

تمام رات بہت بے چینی سے گزری تھی، وہ بار، بار اٹھ کر بیٹھ جاتا، کبھی کھڑکی میں کھڑا ہو کر چاند کو دیکھنے لگتا۔

"وقت کتنا بے رحم ہے، کسی سفاک ڈاکو.... کی طرح...... ہماری بہت قیمتی نقدی چھین کر بھاگ جاتا ہے، پوچھتا بھی نہیں، پلٹ کر دیکھتا بھی نہیں کہ لٹنے والے پر کیا گزری، اگر جو کبھی وقت ٹھہر کر مجھ جیسے... بدنصیبوں کو دیکھ لے تو خود گلے لگ کر ماتم کرے، پاؤں پکڑ کر معافیاں مانگے۔" وہ کھڑکی میں کھڑا چاند کو دیکھ رہا تھا۔

"کس طرح ایک، ایک کر کے تمام رشتے میری زندگی سے نکل گئے، مجھے تنہا کر گئے، کبھی، کبھی جن باتوں کا تصور بھی ہمارے لیے بہت تکلیف دہ اور ناممکن سا ہوتا ہے، انہی باتوں کو ہم بہت صبر کے ساتھ برداشت کر جاتے ہیں۔ شاید اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہوتا۔"

☆☆☆

"کیسی رہی پہلی کلاس......؟" وہ کلاسز اٹینڈ کرنے کے بعد ہاسٹل آجاتا تھا۔ نہ وہ کسی سے زیادہ بات کرتا تھا اور نہ ہی کوئی اسے بلاتا تھا۔

"بس ٹھیک۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"تم کھانا کھاؤ اور ریسٹ کرو۔" اس نے بھی گفتگو کو سمیٹا۔

''تمہارے پیچھے اتنا شور کیوں ہے؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''میں ذرا باہر نکلی ہوئی تھی۔'' اس نے عجلت میں فون بند کر دیا، عارب بہت دیر وہیں لیٹا رہا، کچھ بھی کھانے کا موڈ نہیں ہو رہا تھا۔

اگلے دن کلاسز اٹینڈ کر کے وہ اپنے اسی مخصوص حصے میں آ گیا تھا، یہ ڈیپارٹمنٹ کی بیک سائڈ تھی، پوری طرح خاموش اور پُرسکون، اس نے موبائل نکال کر فلزا کا نمبر ڈائل کیا۔ نمبر بند تھا۔ اس نے سیل فون کان سے ہٹا کر اسے گھورا۔ پھر بار، بار کال کرنے پر نمبر بند ہی ملا۔ عارب کی تو جان پر بن آئی۔ دوپہر سے شام اور پھر شام سے رات ہو گئی مگر فلزا کا نمبر بند جا رہا تھا۔

''الٰہی کیا کروں؟'' اسے تو ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ فیس بک آن کی، فلزا وہاں بھی آن لائن نہیں ہو رہی تھی۔ آخر کار اس نے میسنجر پر میسج کیا۔ پھر بار، بار آن کر کے بھی چیک کرتا مگر میسج ابھی تک unseen ہی تھا، اگلا پورا دن بھی اس کا اسی کوشش و پریشانی میں گزرا مگر لاحاصل......

''وہ گھر سے باہر تھی، کہیں کوئی حادثہ۔'' اس سے آگے وہ سوچ نہیں سکا۔ ''مجھے واپس جانا ہے۔'' اس کا دل چیخ، چیخ کر کہہ رہا تھا کہ کچھ غلط ہو گیا ہے۔

''میں تو اس کی کسی فرینڈ کو بھی نہیں جانتا۔ کیا کروں؟'' پریشانی حد سے سوا تھی۔ آخر کار ایک خیال بجلی کے کوندے کے مانند اس کے ذہن میں لپکا۔

''خط۔'' ایک آخری امید نظر آئی۔ وہ خط لکھنے بیٹھ گیا۔

''پیاری فلزا......!

میں بہت پریشان ہوں تمہارا نمبر کیوں مسلسل بند ہے، میری بھوک پیاس، نیند، چین، سکون، سب کچھ ختم ہو گیا ہے، پلیز مجھ سے بات کرو، ورنہ میں واپس آ رہا ہوں۔ تم جانتی ہو ناں، تمہارے سوا میرا کوئی نہیں ہے۔ میرے جینے کی وجہ صرف تم ہی ہو، میں مر جاتا اگر تم ساتھ نہ دیتیں۔ میں اب بھی مر رہا ہوں فلزا، مجھے مرنے

سنہری باتیں

☆ زمین میں بکھری اچھی باتوں اور عادتوں کو یوں چنو جیسے پرندے زندگی کے لیے رزق چنتے ہیں۔

☆ گناہ سے توبہ کرنا واجب ہے مگر گناہ سے بچنا فرض ہے۔

☆ سب سے بڑا گناہ وہ ہے جو کرنے والے کی نظر میں چھوٹا ہو۔

☆ بت صرف پتھر کی مورتی کا نام نہیں بلکہ ہر وہ چیز جو آپ کے دل میں اللہ سے زیادہ اہمیت اختیار کر جائے......وہی آپ کا بت ہے۔

☆ تم دنیا میں ہر کسی سے جیت سکتے ہو مگر اس سے نہیں جیت سکتے جو تمہارے لیے جان بوجھ کر ہار جائے۔

☆ دل اور نیت صاف نہ ہو تو ماتھے پر پُرنور محراب نہیں داغ ہوتا ہے۔

از: صباحت ضیا، کیاڑی

سے بچالو، میں تم سے دور رہ کر اس پردیس میں مرنا نہیں چاہتا، مجھے شدت سے تمہاری کال کا انتظار رہے گا۔

تمہارا عارب......''

خط لکھتے، لکھتے اس کا دل بھر آیا۔ اسے پوسٹ کرنے کے بعد وہ دن گننے لگا، جلد ہی اسے پاکستان سے خط موصول ہوا تھا۔

''مائی ڈیئر عارب سدا خوش رہو۔

سدا خوش رہو

سوری تم میری وجہ سے پریشان رہے، میں بھی کیا کرتی، ایک طرف تم ہو تو دوسری طرح ماما، تمہیں یہ جان کر دکھ ہو گا کہ ماما نے تم سے کال پر بات کرنے سے منع کیا ہے، وہ کہتی ہیں کہ جب عارب اپنی اسٹڈی کمپلیٹ کر کے واپس اپنے پاؤں پر چل کر آئے گا تب بات کرنے کی اجازت دوں گی۔ تم پریشان نہ ہونا۔ تم کہتے تھے ناں کہ ہم محبت کی راہ میں آنے والی ہر سختی

اور آزمائش کو جھیل لیں گے ... امید رکھو گے تو اچھے دن بھی آئیں گے، یہ میرا نیا ای میل ایڈریس ہے......
تمہاری فلزا.....''

اس نے خط کو بند کر کے آنکھوں سے لگایا، چوما اور عقیدت سے سنبھال کر رکھ لیا۔ فلزا نے اسے اپنا نیا ای میل ایڈریس بھیجا تھا، اس کے دل کی تسلی کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ اس سے رابطے میں تھی۔

☆☆☆

اس کے فرسٹ سمسٹر کا رزلٹ آ گیا تھا۔ ہاسٹل آتے ہی اس نے فیس بک آن کی اور اسے میسج کیا۔ ''تمہیں یہ جان کر بہت خوشی ہوگی کہ میں نے ٹاپ کیا ہے۔''

''ارے واہ...... بہت اچھی بات ہے۔ میں بہت خوش ہوں۔'' وہ فوراً آن لائن ہوئی تھی۔

''تم خوش ہو تو میں بھی بہت خوش ہوں فلزا۔'' اس نے لکھ بھیجا۔

''میں نماز پڑھ لوں پھر بات کرتی ہوں۔'' اس کا فوراً جواب آ گیا تھا۔

''واہ...... واٹ آ گڈ چینج!'' اس کا جواب آیا۔ ساتھ ہی ہنستا ہو سمبل بھی تھا۔

''مطلب؟'' فلزا سمجھ نہ سکی۔

''میری جدائی نے تمہیں نمازی بنا دیا۔'' میسج لکھتے ہوئے اس کے لبوں پر نیکی سی مسکراہٹ تھی۔

''ہاہاہا......'' فلزا کی طرف سے جواب آیا۔

''اوکے بائے......'' وہ آف لائن ہو گئی تھی۔ عارب کو بھی اسائنمنٹ بنانی تھی۔ وہ اپنا کام کرنے لگا۔

☆☆☆

''مس یو فلزا......!'' کلاسز سے فری ہو کر وہ اپنی مخصوص جگہ آ گیا اور اسے میسج کیا۔

''می ٹو......'' اس کا جواب فوراً آ گیا تھا۔

''تم بہت اچھی ہو فلزا، تم اگر ساتھ نہ ہوتیں تو میں صرف ایک معذور، بے بس، ناکام اور ادھورا انسان رہ جاتا مگر تم نے اس مشکل وقت میں میرا ساتھ دے کر ثابت کر دیا کہ تم واقعی مجھ سے بہت محبت کرتی ہو۔'' اس نے میسج بھیجا۔

''تم یہ سب ڈیز رو کرتے ہو عارب، تم کتنے پیارے انسان ہو، تم یہ جانتے ہی نہیں۔'' اس نے بھی فوراً ادھار چکایا۔

''میں نے تمہیں بتانا تھا کہ مجھے یہاں اسٹور میں جاب مل گئی ہے، سیلری بھی اچھی ہے اور ہاں میرا ٹریٹمنٹ بھی اسٹارٹ ہو گیا ہے، تم دعا کرنا میں اپنے پاؤں پر چل کر تمہارے پاس آؤں......'' اسے میسج پڑھ کر بہت خوشی ہوئی تھی۔

''انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا، زندگی پھر سے مسکرائے گی، مجھے یقین ہے۔'' اس کے میسج پر عارب ہنس دیا۔

''آنٹی سے کہو ناں یہ پابندی اب ہٹا دیں۔''

''یہ ناممکن ہے عارب، ضد مت کرنا۔'' وہ گھبرا گئی۔

''سال میں دو، دفعہ بات کر لیا کرو۔'' وہ آج ضد کر رہا تھا۔

''میں ناراض ہو جاؤں گی۔'' اس نے دھمکی دی جو کارگر ثابت ہوئی۔

''فلزا دوبارہ ناراض ہونے کی بات نہیں کرنا، میں اب ایسا نہیں کہوں گا۔'' وہ بے چین ہوا۔

''اوکے...... سوری......''

''اس کی ضرورت نہیں۔'' اِدھر اُدھر کی چند باتیں کرنے کے بعد وہ آف لائن ہو گئی تھی۔

☆☆☆

اس کی پڑھائی کے ساتھ، ساتھ علاج بھی ہو رہا تھا۔ وہ بے حد خوش تھا کیونکہ ڈاکٹر نے اسے کہا تھا کہ وہ اپنے پاؤں پر چلنے لگے گا۔ اس کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔

''فلزا میں آج بے حد خوش ہوں۔'' اس نے فوراً اسے میسج کیا۔

''گڈ...... کس بات پر؟'' اس کا اسی وقت جواب آیا۔

''ڈاکٹر نے کہا ہے میں جلد ہی اپنے پاؤں پر

چلنے لگوں گا۔“

”عارب یہ تو بہت خوشی کی خبر ہے۔“ اس نے کہا۔

”میں کہتی تھی ناں کہ سب ٹھیک ہو جائے گا اور تم ایک دن کامیاب ہو کر اپنے پاؤں پر چل کر واپس آؤ گے۔ تب پھر تمہیں یہ مشکل وقت یاد بھی نہیں آئے گا۔“

”ہاں، میں جانتا ہوں تمہارے بغیر وقت کیسے کاٹ رہا ہوں، کان تمہاری آواز سننے کے لیے ترس رہے ہیں۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کہہ گیا۔

”اب تو تھوڑا وقت رہ گیا ہے عارب، حوصلہ رکھو، میں تمہیں دکھائی نہیں دیتی مگر ہر لحہ تمہارے ساتھ ہوں۔“

”سچ کہوں فلزا تم ساتھ نہ ہوتیں تو میں کب کا مر چکا ہوتا۔“

”اللہ نہ کرے، ایسا مت کہو عارب۔“ اس نے ٹوکا۔ وہ میسج پر بات کرتے تو گھنٹوں کرتے رہتے، وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔

☆☆☆

”فلزا جب ہوائیں مشرق سے آتی ہیں تو میں کا خیر مقدم کرتا ہوں، پتا ہے کیوں؟“

”کیوں؟“ اس نے فوراً پوچھا۔

”کیونکہ یہ تم کو چھو کر آتی ہیں، مجھے ان میں تمہاری خوشبو آتی ہے، میں تمہارے بنا کچھ بھی نہیں ہوں، بے مول ہوں، بے وقعت ہوں، کچھ لوگ ہمارے لیے جسم کے مانند ہوتے ہیں وہ ہم سے دور ہوں تو اصل معذوری تو تب محسوس ہوتی ہے، میں بھی تمہارے بنا ادھورا ہوں، مجھے بھی تکمیل کے لیے تمہارے پاس آنا ہے فلزا۔“

”سدا خوش رہو، میں کیسے شکریہ ادا کروں تمہارا عارب کہ تم نے کس طرح اتنی محبت دے کر مجھے اتنا امیر کیا ہے سنو! میرے ہاتھ جب بھی دعا کے لیے اٹھتے ہیں لبوں پر بے اختیار تمہارا نام ہوتا ہے۔“

”شکریہ فلزا......اور گلاب کے اس پودے کا سناؤ جو میں نے تم کو گفٹ کیا تھا۔“

”وہ اپنے جوبن پر ہے، اس پر بہت سارے پھول لگے ہیں، آؤ گے تو خود دیکھ لینا۔“

”ٹھیک ہے، اپنا خیال رکھنا، میں اسٹور پر جا رہا ہوں۔“ اسے اللہ حافظ کہہ کر موبائل جیب میں ڈالا اور باہر کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆

گاڑی کو جھٹکا لگا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھا تھا۔

سامنے فلیٹس کو دیکھ کر اس کی ہارٹ بیٹ تیز ہو گئی تھی۔ ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر نیچے اتر آیا۔

”فلیٹ نمبر 242“ اس نے زیرِلب دُہرایا اور بیگ اٹھا کر چل پڑا۔ بیل بجا کر وہ ایک سائڈ پر ہو گیا۔

”سرپرائز۔“ دروازہ کھلتے ہی وہ سامنے آیا تھا۔

مگر اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر موجود رونق غائب ہو گئی تھی۔ وہاں فلزا نہیں بلکہ کوئی اجنبی لڑکی کھڑی تھی۔ وہ اپنی موٹی، موٹی آنکھوں سے اسے گھور رہی تھی۔

”آپ......کک......کون؟“ وہ بد وقت تمام بول رہا تھا۔

”آپ......عارب ہیں؟“ وہ لڑکی یقین بھرے لہجے میں بولی۔

”جی اور آپ؟“ وہ الجھن آمیز نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”اندر آ جائیں۔“ اس نے اسے راستہ دیا۔

”میں اجالا ہوں عارب۔“ وہ ارد گرد دیکھتا ہوا کچھ الجھا، الجھا سا اس کے ساتھ ہو لیا۔

”فلزا کہاں ہے؟“ لڑکی نے سامنے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کھڑا رہا۔ لڑکی اندر چلی گئی۔ واپسی میں اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔

”یہ آپ کے لیے۔“ لفافہ اسے تھما کر وہ واپس مڑ گئی۔ اس نے بےصبری سے لفافہ چاک کیا۔

”پیارے عارب!

سدا خوش رہو، دو سال بعد جب تم واپس آؤ گے تب میرا یہ خط دیکھو گے مگر اسے میں تمہارے لیے ابھی

لکھ رہی ہوں، نہ جانے بعد میں وقت موقع دے یا نہیں، میں جو تمہارے ساتھ بے تکان بولا کرتی تھی۔ آج الفاظ نہیں مل رہے، ماما نے زندگی میں بہت دکھ دیکھے ہیں، میرے سوا ان کا کوئی نہیں ہے، انہوں نے میرا نکاح دو ماہ پہلے کر دیا تھا۔ میں یہ بات تمہیں نہیں بتا سکتی تھی۔'' عارب کے سر پر ساتوں آسمان گر پڑے تھے وہ دم سادھے کھڑا تھا۔'' میں جانتی تھی کہ اگر تم کو بتایا تو تمہارا کیا حال ہوگا، میں نے ماما کی بہت منتیں کیں، روئی، پیٹی، بھوک ہڑتال کی مگر وہ نہ مانیں، وہ کہتی تھیں کہ مجھے اپنے جیسی لائف گزارتے نہیں دیکھ سکتیں۔ انہیں تمہارے مستقبل سے کوئی اچھی امید نہیں اور پھر وہ تمہارے انتظار میں یہ اتنا اچھا رشتہ گنوانا نہیں چاہتیں۔''

عارب کی سانسیں رکنے لگیں۔

''عارب مجھے معاف کر دینا، کاش اس وقت میں تمہارے پاس ہوتی، تمہارے آنسو پونچھنے کے لیے، پلیز ہمت سے کام لینا...... جاب ڈھونڈ کر فوراً شادی کر لینا، تم بہت اچھے ہو، اس دنیا کے سب سے اچھے لڑکے...... میں اچھی نہیں ہوں اسی لیے تم مجھے نہیں ملے۔ شادی کے بعد میں جرمنی چلی جاؤں گی، مجھے ڈھونڈ کر خود کو مزید تکلیف مت دینا۔ اگلے مہینے میری شادی ہے۔

بدنصیب فلزا......''

وہ پتھر کا ہو گیا۔ اسے سانس بھی نہیں آ رہی تھی جیسے...... اتنی لمبی مسافت طے کر کے جب وہ واپس آیا تو معلوم ہوا وہ سب تو دھوکا تھا، خواب تھا، سراب تھا، وہ تو اسے چھوڑ گئی اس کے آنسو خط بھگو رہے تھے۔

''بس کر دیں اب۔'' آواز سن کر وہ چونکا۔

''اس بے وفا کے لیے آنسو مت بہائیں، جو آپ کو چھوڑ گئی۔'' اس نے ٹشو عارب کو تھمایا۔

''آپ...... آپ کون؟'' وہ الجھا ہوا تھا۔

''بیٹھ جائیں......'' اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھایا۔

''آج سے تقریباً اڑھائی سال پہلے ہم نے یہ فلیٹ خریدا تھا، میں اور میرے بابا جان یہاں آئے تو صفائی کرتے ہوئے مجھے یہ خط ملا۔ شاید پوسٹ کرنے کی نیت سے لکھا گیا تھا مگر بعد میں...... خیر...... کچھ ہی دن بعد مجھے ایک خط موصول ہوا جس کا تعلق یقیناً اسی خط والی سے تھا۔ کچھ، کچھ کہانی واضح ہونے لگی۔ پھر میں سمجھ گئی۔'' وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟ اور آپ کی ہینڈ رائٹنگ......'' وہ حیرت میں مبتلا تھا۔

''آپ کے الفاظ میں اتنی بے بسی، اتنا کرب تھا کہ میں ڈر گئی کہ اگر آپ کو حقیقت پتا چل جائے تو جانے کیا حال ہو آپ کا...... اور پھر میں نہیں چاہتی تھی کہ آپ اپنی تعلیم اور علاج ادھورا چھوڑ کر واپس آئیں سو میں فلزا بن گئی۔ وہ خط کئی بار لکھا، تب جا کر ہینڈ رائٹنگ اس کے جیسے ہوئی۔ اس نے دانستہ فلزا کا نام لینے سے اجتناب کیا۔

''تو یہی وجہ تھی تمہاری اداسی کی اور پریشانی کی۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو ایک تواتر سے بہہ رہے تھے، اسے فلزا کی باتیں یاد آنے لگی تھیں۔ وہ ٹیرس پر آ گیا۔ ''تم مجھے کیسے دھوکا دے سکتی ہو فلزا؟'' یادیں اس کے اردگرد آ کر شور مچانے لگیں۔

''عارب میری بات سنیں۔'' وہی لڑکی اس کے پیچھے آئی تھی۔ وہ کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں اسے دیکھ رہا تھا۔

''عارب۔'' اس نے پھر پکارا۔

''وقت نہیں ہم خود بدل جاتے ہیں، ہماری چوائس، ہماری سوچ اور ہماری ترجیحات بدل جاتی ہیں۔'' اس کے کان میں سرگوشی ابھری تھی۔ وہ رو رہا تھا۔ ''ہمیشہ تمہارا انتظار کروں گی۔'' آسمان پر کونجوں کا غول جا رہا تھا۔

''شیخ سعدی کہتے ہیں۔ دوست ہو یا پرندہ اسے آزاد چھوڑ دو، لوٹ آیا تو تمہارا۔ اور اگر لوٹ کر نہیں آیا تو وہ کبھی تمہارا تھا ہی نہیں۔'' اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔

''بس کریں۔'' اس نے قریب آ کر اپنے دوپٹے

سے اس کا چہرہ صاف کیا۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''میں اس کے لیے مکمل ہو کر اپنے پاؤں پر چل کر آیا ہوں۔'' ایک کونج ڈار سے بچھڑ گئی تھی۔

''وہ آپ کو ڈیزرو نہیں کرتی تھی۔'' اس کی آنکھوں کی سطح پر نمی تیرنے لگی۔

''بس میں نہیں رہ سکتا اس کے بغیر، مر جاؤں گا۔'' وہ پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگا تھا۔ کونج کی کوں، کوں بہت دردناک تھی...... اچانک عارب کی نظر گملے پر پڑی، اس میں گلاب کے پھول کھلے ہوئے بہت اچھے لگ رہے تھے۔ اس لڑکی نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔

''محبت کا جو پودا آپ نے لگایا تھا عارب، میں نے اس کی بہت حفاظت اور کیئر کی ہے، صبح شام اس کا خیال رکھا ہے، میں نے آپ کی محبت کو مرنے نہیں دیا۔'' اس نے ایک پھول توڑا اور عارب کی طرف بڑھایا۔

''آپ نے یہ سب کیوں کیا؟ کیا ملا آپ کو......؟'' اس نے پھول کو نظر انداز کیا۔

''کسی ٹوٹے ہوئے دل کو مزید ٹوٹنے سے بچانا، محبت ہے، عبادت ہے، میں کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی، چاہے اس انسان کا مجھ سے کوئی بھی رشتہ نہ ہو۔ دراصل سب سے بڑا رشتہ تو انسانیت کا ہے ناں......'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔

''رفتہ، رفتہ مجھے آپ سے محبت ہونے لگی، میں جانتی تھی جب آپ واپس آئیں گے اور فلزا کو یہاں نہ پا کر آپ کی کیا حالت ہوگی۔ میرے لیے کئی رشتے آئے، میں نے انکار کیا، سات ماہ پہلے میرے بابا کی ڈیتھ ہوگئی، میرے کئی relatives نے مجھے ساتھ چلنے کو کہا مگر میں.... یہ فلیٹ نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ مجھے آپ کا انتظار تھا۔'' عارب بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''محبت تو یہی ہے، مجھے بنا دیکھے، ملے...... میری معذوری کے متعلق جاننے کے باوجود اس لڑکی نے مجھے کس طرح زندہ رہنے پر مجبور کیا۔'' اور پھر شام کی آنکھوں نے دیکھا کہ کونج ڈار سے بچھڑ کر بہت روئی، سر پٹکا، اسے ڈھونڈا۔

''آپ نے مجھے مقروض کر دیا۔'' اس کے ہاتھ میں تھامے پھول کو نظر انداز کر کے وہ سیدھا ہو گیا اور آسمان کی وسعتوں میں دیکھنے لگا۔ ''اب یہ قرض مجھ پر فرض ہو گیا ہے۔'' اس بار کہانی مختلف تھی۔ قریب تھا کہ کونج بے دم ہو کر گر پڑتی، دور دراز سے ایک غول ہجرت کرتا ہوا اُدھر آنکلا...... روتی کرلاتی کونج کو سہارا مل گیا۔ وہ ان میں شامل ہو گئی۔

☆☆☆

''عارب......'' وہ دونوں ساحل کی گیلی ریت پر ننگے پاؤں چل رہے تھے۔

''ہوں......'' اس کا ہاتھ تھامے وہ بہت مطمئن اور آسودہ نظر آ رہا تھا۔

''کیا آپ کو کبھی فلزا یاد نہیں آتی؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے پوچھ ڈالا۔

''کون فلزا......؟'' اس نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ''مجھے صرف اجالا یاد ہے، میری زندگی کی رات میں اجالا بن کر آنے والی لڑکی، جو مجھے زندگی کی طرف واپس لائی، جس کی محبت نے مجھے سب غم بھلا دیے۔ مجھے تمہاری محبت سے محبت ہو گئی ہے اجالا......'' اس نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''میری خوش نصیبی ہے عارب کہ آپ مجھے ملے، میں اس پر خدا کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔ میں مسز اجالا عارب اس دنیا کی سب سے لکی لڑکی ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے عارب کی طرف دیکھا تھا۔ عارب کی مسکراہٹ زندگی سے بھرپور تھی۔

دونوں بہت خوش، مکمل اور آسودہ تھے۔ سمندر کا پانی جھک، جھک کر ان کے قدموں کو چھو کر اس ملن پر مبارک باد پیش کر رہا تھا، ہوائیں کان میں خوشی کے ترانے گنگنا رہی تھیں۔ ڈوبتا ہوا سورج انہیں آنے والے خوشگوار دنوں کی نوید دے کر جا رہا تھا۔

ایسا کیوں ہے...؟

مہک فاطمہ

میں نے اکیڈمی کے برآمدے میں اسما کو ڈھونڈتے ہوئے لڑکیوں سے اس کے بارے میں پوچھا تو اطلاع ملی کہ محترمہ جا چکی ہیں...... میں حیران پریشان وہاں کھڑی سوچتی رہ گئی، آخر وہ مجھے لیے بغیر کیسے جا سکتی ہے۔ ہم پچھلے چھ مہینے سے اکٹھے آجا رہے تھے، اب پریشانی مجھے اپنے اکیلے جانے کی تھی۔ میں اکیڈمی سے باہر نکلی تو چلچلاتی ہوئی دھوپ نے میرا استقبال کیا۔

”اُف اتنی گرمی......“ مجھے اکیلے چلتے ہوئے کچھ عجیب سا لگ رہا تھا بہر حال میں دل کڑا کر کے آگے بڑھنے لگی۔ سامنے چلتی ہوئی نیلی چادر والی لڑکی کو دیکھ کر اچانک مجھے اسما کا گمان گزرا، میں تیزی سے قدم اٹھاتی قریب جا پہنچی تو میرا شک، یقین میں بدل گیا۔ وہ اسما ہی تھی اس نے چادر تو نئی لی ہوئی تھی مگر بیگ روز والا ہی تھا۔ دراصل آج ہم دونوں ساتھ نہیں آئی تھیں۔ میں نے سمجھا شاید اسی وجہ سے اس نے مجھے چھوڑ دیا۔

”اسما“ میں نے پیچھے سے آواز دی تو اس نے مڑ کر دیکھا۔ ”اتنی جلدی کیوں نکل گئیں۔ آج مجھے ساتھ نہیں لے جانا تھا کیا؟“ میں نے اس کے قریب آکے شکوہ کناں انداز میں کہا۔

”میں نے سمجھا تمہیں شاید بعد میں آنا ہوگا۔ مجھے ذرا جلدی تھی آج۔“ اسما نے بے ربط سے انداز میں کمزور سے لہجے میں کہا تو مجھے لگا جیسے اس نے مجھے ساتھ لانے سے دانستہ گریز کیا ہے۔

”بھئی تمہیں معلوم تو ہے میرا کام بھی تمہارے ساتھ ہی ختم ہوتا ہے پھر میں نے بعد میں بھلا کیوں آنا تھا۔ آخر تمہیں جلدی کس بات کی تھی۔“ میں نے اگلا سوال داغا تو اس کی آنکھوں میں تذبذب کی کیفیت ابھری، مجھے لگا وہ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہے۔

”دراصل مجھے کچھ چیزیں لینی تھیں۔“ اسما نے آہستہ سے کہا۔

”تو پھر بازار چلنا ہے؟“ میں نے تیزی سے کہا۔

”نہیں، بازار سے نہیں لینی یہیں سے لینی ہیں۔“ وہ پُرسوچ انداز میں یوں بولی جیسے کسی نتیجے پر پہنچ گئی ہو۔

”کس جگہ سے لینی ہیں؟“ میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”اس اسپتال سے دوائیاں لینی ہیں۔“ اس نے سڑک کی دائیں جانب اشارہ کیا اور آگے چلی گئی۔ میں نے اس کی نظروں کے ارتکاز میں دیکھا تو مجھے جھٹکا سا لگا اس کا اشارہ نفسیاتی، اعصابی اور دماغی بیماریوں کے اسپتال کی طرف تھا، میں نے مشکوک سی نظر سے اسپتال کی جانب جاتی اسما کی طرف دیکھا اور پھر اس کی تقلید میں چلنے لگی۔

وہاں پہنچ کر اس نے مجھے انتظار گاہ میں رکھی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود فارمیسی والے حصے کی طرف بڑھ گئی۔ اس وقت شاید ڈاکٹر نہیں بیٹھا تھا اس لیے کوئی مریض بھی نہیں تھا۔ میں نے طائرانہ سی نظر دیواروں پر آویزاں چارٹ پر ڈالی جہاں دماغ کی مختلف اشکال بنی ہوئی تھیں۔ ڈپریشن اور کئی دوسری بیماریوں کی علامات لکھی ہوئی تھیں، ایک چارٹ پہ ایک خاتون اذیت کی کیفیت میں سر تھامے ہوئی تھی مجھے عجیب سی بیزاری ہونے لگی۔

”شکر ہے کہ میں ایسی کسی بیماری میں مبتلا نہیں......اچھا تو یہ راز تھا جس کی وجہ سے اسما مجھے ساتھ لانے سے گریزاں تھی۔“ جانے کیوں مجھے اس کا راز جان لینے پر شرمندگی سی ہوئی۔

”کیا اسما نفسیاتی مریضہ ہے؟“ میرے ذہن میں سوال ابھرا۔ اچھی خاصی تیز فہم اور حاضر جواب اسما ایک دم ہی مجھے سائیکو لگنے لگی۔ ”کوئی تو مسئلہ ہوگا جو پاگلوں کے اسپتال سے علاج کروا رہی ہے۔“ میں اسے مکمل طور پر سائیکو سمجھ چکی تھی۔

''چلیں۔'' اسما نے میرے قریب آ کے کہا تو میں اٹھ کر اس کے ساتھ ہولی۔

''یہ امی کی دوائیاں ہیں، دراصل امی کو سر درد کا مسئلہ تھا اور نیند بھی ٹھیک سے نہیں آتی تھی تو امی یہاں کے ڈاکٹر سے ٹریٹمنٹ لے رہی ہیں۔'' اسما نے یوں وضاحت دی جیسے کسی غلطی پر پردہ ڈال رہی ہو۔

''دراصل ہمارے ہاں سائیکاٹرسٹ کے پاس جانے والے انسان کے بارے میں اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کا بھی عجیب سا انداز وتصور ہوتا ہے۔'' اسما اپنے مخصوص دھیمے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بات کر رہی تھی مجھے لگا اس نے میری سوچ پڑھ لی ہے۔

''بھئی دماغ بھی تو جسم کا ایک حصہ ہے، دماغ بھی بیمار ہوسکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ سائیکاٹرسٹ کے پاس جانے والا ہر بندہ پاگل ہی ہو۔'' اسما نے کہا۔

''نہیں بھئی، ایسا نہیں سوچنا چاہیے یہ غلط بات ہے۔'' میں نے اس کی تائید سے زیادہ اپنی سوچ کی تردید کی۔

''اب آنٹی کو کچھ فرق پڑا ان دوائیوں سے؟'' میں نے بات پلٹنے کے ساتھ اپنے تئیں ان کی احوال پرسی بھی کر ڈالی۔

''ہاں، ہاں بالکل فرق پڑا ہے، پہلے سے بہتر ہیں ڈاکٹر نے کہا ہے کہ تین ماہ تک دوا استعمال کرنی ہے پھر بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔''



''اچھا۔'' میں نے کچھ، کچھ سمجھنے والے انداز میں کہا۔
ہم اسٹاپ پر آ چکے تھے، ہمیں وین بھی جلدی مل گئی لیکن آدھی سے زیادہ خالی تھی یعنی ہمیں ابھی خاصے انتظار کی زحمت اٹھانا تھی۔

وین میں سوار ہو کر گرمی کا احساس مزید بڑھنے لگا میں کھڑکی کی طرف بیٹھی تھی، میں نے وین کا شیشہ کھول دیا اندر داخل ہوتا ہوا کا جھونکا ہمارے پسینے سے شرابور وجود پر ائرکنڈیشن کا کام کر گیا۔

''قلفی کھوئے ملائی والی ٹھنڈی میٹھی قلفی!'' قلفی فروش وین کے دروازے کے قریب آ کے آواز لگانے لگا۔

گرمیوں میں قلفی کھانا میری پرانی کمزوری تھی جو بچپن گزرنے کے بعد بھی ہنوز برقرار تھی۔ میں نے تو جھٹ قلفی لے لی۔ میں نے چہرے پر چونکہ نقاب کر رکھا تھا اس لیے چادر کے اندر ہی قلفی کھانے لگی۔ میں نے اسما کو بھی پیشکش کی لیکن اس نے انکار کر دیا کیونکہ بقول اس کے ''وہ نقاب میں قلفی کھانے کی حماقت کر کے اپنی چادر خراب نہیں کر سکتی۔'' میں اسما کی بات پر ہنس پڑی۔ میں نے اپنی فائل اٹھا کے اس کی گود میں رکھ دی اور خود قلفی سے انصاف کرتے ہوئے پوری طرح لطف اندوز ہونے لگی۔

وین چل پڑی تھی، منظر نظروں کے سامنے سے تیزی سے گزرنے لگے۔ اسما کا گھر آ گیا تھا وہ جلدی سے فائل مجھے تھما کر اتر گئی۔ چند لمحوں بعد میں نے دیکھا فائل کے ساتھ دوائیوں والا لفافہ بھی غلطی سے میرے پاس آ گیا تھا۔

''چلو کوئی بات نہیں، میں کل اسے دے دوں گی۔''

گھر آ کے کپڑے وغیرہ تبدیل کر کے میں بیڈ پر آ کر بیٹھی تو میری نظر فائل کے ساتھ پڑے لفافے پر پڑی میں نے ویسے ہی لفافہ اٹھا کے کھول لیا۔ اس میں نسخہ بھی موجود تھا۔ جسے دیکھ کر میں حیرت سے گنگ رہ گئی۔ اس پر اسما افتخار کا نام لکھا ہوا تھا۔

''اسما نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا؟ شاید اسے یہ خوف تھا کہ میں اسے سائیکو یا پاگل سمجھ کر اس سے دوستی ختم کر دوں گی۔'' میں پرچی پر لکھی ہوئی عبارت پڑھنے لگی۔

''روزانہ ایک گولی، سر درد کی صورت میں دو گولی۔''

پرچی کے وسط میں ادویات کے بارے میں ہدایات لکھی ہوئی تھیں پرچی کے ایک طرف انگریزی میں مریض کی کیفیات اور مرض کی تشخیص کے متعلق لکھا تھا جسے بغور پڑھ کے مجھے اندازہ ہوا اسما ڈپریشن کے مرض میں مبتلا ہے۔

☆☆☆

میری اور اسما کی دوستی زیادہ پرانی نہیں تھی ہم تقریباً چھ ماہ پہلے اکیڈمی میں ہی ملے تھے، اکٹھے آنے جانے کی وجہ سے ہماری آشنائی دوستی میں بدل گئی لیکن دوستی ابھی زیادہ گہری نہیں تھی۔ آج اسما کے متعلق گہرائی سے سوچنے پر اس کی ذات اور حالات کے کئی پہلو میری نظر میں آ رہے تھے۔ تقریباً تین ماہ پہلے اسما کے ابو کی ڈیتھ ہوئی تھی، اس کے بعد سے وہ غیر محسوس طور پر چپ، اداس اور کچھ بیزار سی رہنے لگی شاید یہ اسی صدمے کا اثر ہے جو اس کے اندر ایک روگ کی صورت اختیار کر گیا۔ میں اسما کے دکھ کا اندازہ پہلی بار کر رہی تھی۔

اس کی کہی ہوئی باتیں میرے ذہن میں گھومنے لگیں۔ ''ہمارے ہاں نفسیات کے ڈاکٹر کے پاس جانے والوں کے بارے میں عجیب سا تصور ہے۔'' بڑی عجیب بات ہے مجھے اسما کے جھوٹ پر افسوس نہیں ہوا بلکہ مجھے اپنی سوچ پر شرمندگی ہو رہی تھی۔ ہم نفسیاتی یا اعصابی بیماریوں میں مبتلا لوگوں کو عجیب سی نظروں سے کیوں دیکھتے ہیں حالانکہ انہیں محبت اور توجہ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے ستم بالائے ستم ہم انہیں سائیکو کہہ کر کم تر یا پاگل سمجھنے لگتے ہیں۔ ''لیکن میں اپنی دوست کے ساتھ ایسا نہیں کروں گی۔'' میرے اندر کوئی خلوص سے بولا۔

اگلے روز دوائیاں طلب کرتے ہوئے اسما کے چہرے پر عجیب سی خجالت تھی۔

''ہاں بھئی کل آنٹی کی دوائیاں تو تم وہیں بھول گئی تھیں تب میں نے اٹھا کر پرس میں رکھ لی تھیں۔'' میں نے یوں ظاہر کیا جیسے میں لفافہ جوں کا توں اسے تھما رہی ہوں۔ اسما کے چہرے کی شرمندگی ایک دم سکون میں بدل گئی تھی۔



محبت خواب کے مانند

حنا اصغر

”باادب، باملاحظہ، ہوشیار! شہزادی نور بانو تشریف لارہی ہیں۔“ اسے اندر داخل ہوتا دیکھ کر سدرہ نے ہانک لگائی۔ گھر میں اس کے داخلے کی دیر تھی، کچن میں کام کرتی سمیرا کے کان کھڑے ہوگئے اس نے جھٹ پٹ کچن کی کھڑکی کھول دی اور صحن میں جھانکنے لگی۔ دوسری منزل پر مقیم تائی امی کی بڑی صاحبزادی افشاں نے اوپر سے نیچے جھانکنا شروع کردیا۔ سدرہ لپک جھپک کر پانی کا گلاس بھر لائی جبکہ نور بانو کا اپنا کوئی پُرسانِ حال نہ تھا اس کی اپنی حالت کسی لٹے پٹے قافلے کے اس سوار کی سی تھی جسے دن دیہاڑے کنگال کردیا گیا ہو۔ اس نے سدرہ کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لیا اور دو ہی سانسوں میں حلق میں انڈیل گئی۔

''کچھ افاقہ ہوا؟'' سدرہ نے شرارت سے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا اور وہیں دادی جان کے تخت پر چت لیٹ گئی۔

''سدرہ، ایک گلاس شربت کا لا دو......'' نور آنکھیں بند کیے بولی۔ سدرہ سرعت سے کچن کی جانب لپکی کچھ دیر بعد واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں شربت بھرا گلاس تھا جو اس نے نور بانو کو پیش کیا اور پھر خود بھی سامنے بیٹھ گئی۔

''اب بتا بھی چکو شہزادی نور بانو کہ انہوں نے تمہیں جاب سے نکالا ہے یا پچھلی دفعہ کی طرح تم خود ہی نوکری اپنے پرس سے نکال کر ان کے منہ پر مار آئی ہو۔'' دوسری منزل سے جھانکتی افشاں نے ہانک لگائی تھی۔ اس کی آواز اور مسجد کے لاؤڈ اسپیکر میں کوئی خاص فرق نہیں تھا، اس کی آواز کمرے میں بیٹھی امی کے کانوں میں پڑی جبھی وہ کمرے سے نکل کر برآمدے میں آگئیں جہاں نور بانو لیٹی ہوئی تھی۔

''کیا آج پھر جاب چھوڑ آئی ہو؟'' امی نے اپنا غصہ دبا کر صرف تیوری چڑھا کر پوچھا، ایک لمحے کو اس نے سر جھکایا لیکن پھر خیال آیا کہ نوکری تو خود اس نے چھوڑی ہے پھر وہ کیوں شرمندہ ہو رہی ہے۔

''امی وہ اسکول میرے لائق ہی نہیں تھا۔ ڈسپلن نہ ہی کوئی نظام اور جو میم تھیں ناں آپ انہیں دیکھ لیتیں تو ہنس، ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جاتیں کہیں سے بھی ایم اے پاس نہیں لگتیں، ایسا لگتا تھا جیسے ابھی دیہات سے شہر سدھاری ہوں بالکل پھوپھو شگفتہ کی شکل تھیں۔''

''اِدھر اُدھر کی نہ ہانکو وجۂ ترکِ ملازمت بتاؤ۔'' انہوں نے اس کی باتوں پر دھیان دیے بغیر اسے ٹوکا۔ سدرہ نے اسے تیکھے چتونوں سے گھورا۔ امی جان اس کے قریب آ ٹھہریں۔ سدا کی جلد باز افشاں بھی سرعت سے سیڑھیاں پھلانگتی ان سب کے قریب آ گئی۔ اور تو اور بے صبری سمیرا نے بھی اپنے کان کھڑے کر لیے۔

''میں نے تمہیں بتایا تھا ناں، میم صابرہ کی بہن رقیہ بھی اسکول میں پڑھاتی ہیں۔ آج وہ محترمہ ٹو کلاس کے بچوں خاص طور پر امیر والدین کے بچوں کے پیپرز حل کر رہی تھیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں۔ بچوں نے غلط جواب دیے ہیں تو ان کو مینشن کریں، ان کے جوابات مٹا کر خود سے ان کی رائٹنگ میں جواب نہ لکھیں۔ اس طرح تو آپ نہ صرف ان کے والدین کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہیں بلکہ ان بچوں کے سیکھنے اور خود اعتمادی سے آگے بڑھنے، اپنی صلاحیتوں پر بھروسا کرنے کے عمل کو خود اپنے ہاتھوں سے ختم کر رہی ہیں۔ ابھی وہ چھوٹے ہیں ان کو نہیں پتا لیکن جب یہی بچے فور اور ففتھ کلاس میں جائیں گے تو کام چوری اور بے ایمانی تو آپ خود ان کے دماغ میں ڈال رہی ہیں وہ کبھی اچھا پرفارم نہیں کر سکیں گے۔'' الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مترادف وہ مجھ پر ہی الٹ پڑیں اور جھگڑا شروع کر دیا۔ میں نے آفس میں ان کی شکایت کر دی، یہ بات تو بعد میں سمجھ آئی کہ میم صابرہ کی شہ پر ہی وہ یہ کام کر رہی تھیں۔ ظاہر ہے انہوں نے والدین کو اچھا رزلٹ دکھا کر خوش جو کرنا ہے۔ پڑھائی کچھ ہے نہیں، اسکول کو صرف کاروبار سمجھ لیا ہے تعلیم جیسے مقدس پیشے کو ان لوگوں نے...... میری اس بات پر میم صابرہ بولیں یا تو اپنا منہ بند رکھو یا پھر جاب چھوڑ دو...... میں نے کہا۔ ٹھیک ہے۔ دوسرا آپشن زیادہ بہتر ہے اور تو اور انہوں نے میرا حساب بھی جلدی بے باق کر دیا۔ حالانکہ ابھی تو مہینہ رہتا ہے۔''

اس نے نے بیگ کی چھوٹی جیب سے پیسے نکالے اور امی کی ہتھیلی پر رکھے تاکہ ان کا غصہ کچھ تو کم ہو...... امی پیسے گنتی کمرے میں چلی گئیں۔

شہزادی نور بانو کو ایم اے پولیٹیکل سائنس کیے ہوئے سال ہونے کو آیا تھا اور اس سال میں وہ چھ اسکول چھوڑ چکی تھی۔

''توبہ ہے، اسکول چھوڑنے کے بعد بھی اس کا سکون اور کروفر جوں کا توں برقرار ہے۔ یقیناً وہ کسی نئے اسکول کا انتخاب کر کے آئی ہوگی ..... پتا نہیں چچا جان نے کیوں اتنی آزادی دی ہوئی ہے۔'' افشاں دل ہی

دل میں سوچ رہی تھی۔

"اب کیا کروگی؟" سدرہ نے پوچھا تو افشاں اس کی طرف دیکھنے لگی کہ وہ کیا جواب دیتی ہے۔

"کیا بتاؤں، افسوس کہ اسکولوں کو تو بچوں کے لیے درسگاہ ہونا چاہیے جہاں ان کی تربیت اور ان کو بہترین انسان بنانے کی کوشش کی جانی چاہیے لیکن یہاں لوگوں نے کاروبار بنالیا ہے...... ماں، باپ ہر ماہ بھاری فیسیں بھرتے ہیں، کتابوں سے لے کر وین کے کرایے تک آسمان سے باتیں کرتے ہیں...... اور پڑھائی دیکھو تو صفر......"

"تم ایسا کرو اپنا اسکول خود ہی بنالو جہاں تم اپنے اصول لاگو کرنا اس طرح تمہیں ہر ماہ نوکری بھی نہیں چھوڑنی پڑے گی۔ ورنہ جس رفتار سے تم اسکول چھوڑ رہی ہو تو یہ شہر چھوٹا پڑ جائے گا، اسکول کم پڑ جائیں گے جو شہزادی نور بانو کے ٹیلنٹ سے استفادہ حاصل نہیں کرسکیں گے۔" افشاں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

سدرہ اور سمیرا نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ نور بانو کو سب سے زیادہ سدرہ پر غصہ آرہا تھا، وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ وہ دونوں تو پھر بھی اس کی کزنز تھیں لیکن سدرہ تو اس کی سگی بہن تھی، وہ کیوں دشمنوں کی ٹیم میں شامل ہوگئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ دونوں مل کر اس کا مذاق اڑائیں گی اور ساری بات مرچ مسالا لگا کر علی اور عمران (کزنز) کو بتائیں گی اور ان کے ہاتھ اسے زچ کرنے اور تنگ کرنے کا ایک اور موقع آجائے گا۔

☆☆☆

"پتر خیر تو ہے آج تو اسکول نہیں گئی؟" ابا جی نے اسے نو بجے کمرے سے نکلتے دیکھا تو اچنبھے سے پوچھے بنا نہ رہ سکے۔

"ابا جی میں نے نوکری چھوڑ دی ہے۔" اس نے نظریں چرا کر سیدھے سادے دیہاتی باپ سے کہا جو حقہ پی رہے تھے۔ شہر میں اتنے سال آباد ہونے کے بعد بھی ابا جی اپنے پنڈ کو یہیں آباد کیے ہوئے تھے اور جو کسر رہ جاتی تھی وہ پھپو شگفتہ ہر تین ماہ بعد ایک ماہ کے

لیے آ کر پوری کر دیا کرتی تھیں۔ وہ خود تو آتی ہی تھیں ساتھ اپنی پالتو مرغیاں اور بکریوں کے بچے بھی لانا نہیں بھولتی تھیں۔ لیکن پھپو کی مرغیاں یہاں آ کر جو دھینگا مشتی کرتیں، اللہ کی پناہ اور تو اور پھپو کی بکریاں بھی یہاں موجود بکریوں کے عیش دیکھ کر جل جایا کرتی تھیں۔

''پتر یہ تو بہت اچھا کیا تو نے۔'' ابا جی پُرسوچ لہجے میں بولے نور بانو جس کے کان ان کی لعن طعن کے منتظر تھے، ان کے توصیفی جملے نے اسے تحیر مبتلا کر دیا۔

''کیا کہہ رہے ہیں چوہدری صاحب؟ یہ اس کا چھٹا اسکول تھا۔ جہاں یہ اپنے اصول پڑھا کر چھوڑ آئی ہے نوکری، بجائے اسے سمجھانے بجھانے کے اور شہہ دے رہے ہیں، لڑکی ذات ہے ابھی نہیں جھکنا سیکھے گی تو آگے گزارہ کیسے ہوگا۔'' امی جان وہیں آ بیٹھیں اور نور بانو جو ابا جی کے الفاظ پر خوش ہوئی تھی امی جی کے الفاظ پر دل مسوس کر رہ گئی۔

''وہ شگفتہ کا دیور ہے ناں ساجد اس کا لڑکا ہے اسفند یار اس نے اپنا اسکول کھولا ہے شہر میں...... سیدھا سادہ سا لڑکا ہے ایم ایس سی کے بعد نوکری کرنے کے بجائے اس نے اسکول کھول لیا کل ملا تھا مجھے، میں نے اپنی نور بانو کا بتایا تو کہنے لگا چاچا جی انہیں میرے اسکول بھیج دیں۔ میں نے کہا اس سے پوچھ کر بتاؤں گا اور ساتھ ہی میں نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ اپنی نور بانو ایک ماہ سے زیادہ کسی اسکول میں نوکری نہیں کرتی، دو اسکول تو ایسے ہیں جنہوں نے نور بانو کی تنخواہ بھی پوری نہیں دی ہے۔ میری بات پر وہ ہنس کر بولا۔ ''چچا جان میرا اسکول ان کا اپنا اسکول ہے وہ جیسے چاہے چلائیں۔''

ابا نے مسکراتے ہوئے پوری تفصیل اسے بتائی۔

''سچ ابا جی مجھے نئی نوکری مل گئی ہے پھر؟'' نور بانو پُرجوش لہجے میں بولی۔

''ہاں پتر، کل چلنا میرے ساتھ...... میں تجھے لے جاؤں گا۔'' امی جان کے گھورنے کے باوجود بھی ابا جی نے ہامی بھر لی تھی۔ نور بانو جو گھر میں خالی بیٹھنے کے خیال سے ہی گھبرانے لگی تھی گلاب کے پھول کی طرح کھل اٹھی۔

☆☆☆

''یہ ہے میری بیٹی نور بانو......'' ابا جی نے اس کا تعارف کرایا اور سامنے پرنسپل کی کرسی پر بیٹھے نوجوان کو اس نے قدرے حیرت سے دیکھا اس نے تو سوچا تھا کہ کوئی پینڈو ٹائم ٹائپ بندہ ہوگا لیکن وہ ابا جی کے بتائے گئے خاکے کے برعکس سلجھا ہوا، دراز قد پُرکشش پرسنالٹی کا حامل تھا۔

''السلام علیکم، کہاں تک تعلیم حاصل کی ہے آپ نے؟'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھنے لگا۔

''جی...... میں نے ماسٹر ان پولیٹکل سائنس کیا ہے اور کئی اسکولوں میں ٹیچنگ کا تجربہ ہے۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے، اچھا آگے کیا کرنے کا ارادہ ہے؟'' اس نے برسبیلِ تذکرہ پوچھا۔ نور بانو اپنے عزائم گوش گزار کرنا ہی چاہتی تھی لیکن اس سے پہلے ہی ابا جی بول پڑے۔

''کرنا کیا ہے پتر، بس اس کی ماں اور میں اس کے لیے اچھا سا بر ڈھونڈ رہے ہیں اس سال کے آخر تک اس کی شادی کر دیں گے۔'' ابا جی کی منصوبہ بندی سن کر نور بانو کا حلق اندر تک کڑوا ہو گیا۔

''اونہہ۔'' کہہ کر رہ گئی لیکن چپ رہنا تو نور بانو نے سیکھا ہی نہیں تھا چمک کر بولی۔

''نہیں جی، وہ اصل میں میرا اپنا ذاتی اسکول کھولنے کا ارادہ ہے۔ بس اچھا سا مکان مل جائے تو میں جلد ہی اسکول کھول لوں گی۔''

''لے پتر میں نے کئی بار اس سے کہا ہے کہ اگر تیری مرضی ہے تو اپنے ڈنگروں (جانوروں) والا پلاٹ خالی کرا دیتا ہوں تھوڑے کمرے بنوا دوں گا بس مرغیوں کا ڈربا وہی رہنے دینا، وہ میری امی جی نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا ان کی نشانی ہے پر نور بانو مانتی ہی نہیں۔''

''ابا جی انسانوں کے بچوں کو پڑھانا ہے مجھے، ڈنگروں کے بچوں کو نہیں۔'' اس نے سرگوشی کی جو

اتنی اونچی ضرور تھی کہ مقابل تک پہنچ جائے یا پھر مقابل کے کان بہت تیز تھے اس کے ہونٹوں پر رقصاں مسکراہٹ نے اسے ایک لمحے کے لیے چپ کرادیا تھا۔

''میرا خیال ہے انٹرویو تو ہوگیا ہے چچا جان، آپ ان کو کل بھیج دیں۔ جبکہ میں چاہتا ہوں کہ آپ ایک بار اسکول کا وزٹ کرلیں۔'' اس کے کہنے کی دیر تھی نور بانو جھٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی بے قراری اور جلد بازی پر وہ ایک لمحے کو حیران ضرور ہوا۔

''چچا جان آپ چائے پییں' میں انہیں اسکول کھالاتا ہوں۔'' اسفند نے اجازت طلب نظروں سے انہیں دیکھا جو بیٹی کے کھڑے ہونے کے ساتھ ہی اٹھنے لگے تھے، اس کے کہنے پر ہی بیٹھ گئے۔ البتہ ان کے چہرے پر عیاں ناگواری کی لکیریں بہ آسانی دیکھی جاسکتی تھیں نور بانو انہیں نظر انداز کرتی اسفند کے ساتھ باہر نکل گئی۔

آفس سے نکل کر وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے کاریڈور میں آگئے، کاریڈور کے دائیں بائیں بہت سی کلاسز تھیں لیکن بچوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی نور بانو کو اچنبھا ہوا وہ کاریڈور کے وسط میں رک کر بولی۔

''آپ کے اسکول میں اسٹوڈنٹس کی تعداد زیادہ نہیں ہے؟''

''اصل میں مس نور بانو یہی بتانے کے لیے میں آپ کو یہاں لایا ہوں۔ میں سیدھا سادہ سادیہاتی بندہ ہوں، لوگوں کی عیاری اور مکاری کو بھانپنا میرے بس کی بات نہیں...... شروع سے ہی میرا خواب تھا کہ ایک بہت بہترین اسکول بناؤں گا۔ جہاں بچوں کو تعلیم کے ساتھ، ساتھ ان کی تربیت بھی کی جائے گی' ان کے اخلاق ہر لحاظ سے بلند کیے جائیں گے۔ اباجی کی زمین بیچ کر میں نے یہ اسکول خریدا جو بڑی کامیابی سے چل رہا تھا۔ یہاں میم کے فرائض انجام دینے والی مسز طاہر اچھی جہاں دیدہ اور قابل خاتون تھیں بس میری یہی غلطی ہوئی میں نے پورا اسکول ان کے حوالے کردیا اور خود گاؤں چلا گیا وہاں اباجی کی زمینوں کے مسائل حل کرنے میں مجھے پورا سال لگ گیا واپس آیا تو میری ہمہ وقت اسکول میں موجودگی اور یہاں دخل اندازی میم کو کھلنے لگی۔ یہاں کے حالات دیکھ کر دو تین بار ان سے میری جھڑپ بھی ہوئی اور نتیجے کے طور پر انہوں نے کمال مہارت سے بالا ہی بالا دوسری جگہ اپنا اسکول بنالیا زیادہ تر بچے اور اسٹاف وہ اپنے ساتھ لے گئیں......'' نور بانو کو ایک لمحے کے لیے دکھ بھی ہوا اور اس انسان پر غصہ بھی آیا جو پڑھا لکھا ہونے کے باوجود بھی کاٹھ کا الو بنا رہا۔ لیکن شاید اس کا اتنا قصور نہیں تھا تعلیم سے وابستہ لوگ بچوں اور والدین کو جو اعتماد مہیا کرسکتے ہیں وہ سرمایہ لگانے والے افراد نہیں کرسکتے یہی وجہ تھی کہ مسز طاہر نے والدین اور اسٹاف کو کنوینس کرلیا تھا۔

''اب یہاں کتنا اسٹاف ہے؟'' نور بانو نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''پانچ فی میل ٹیچرز ہیں اور دو میل لیکن وہ سب ناتجربہ کار ہیں، کم تعداد کے پیشِ نظر میں نے ہائیر تو کرلیا تھا لیکن میں مطمئن نہیں ہوں ان لوگوں کی کارکردگی سے۔ حالانکہ سیلری بھی بہت اچھی دے رہا ہوں، چچا جان نے آپ کے بارے میں بتایا تو امید جاگی کہ آپ نے اتنے اداروں میں پڑھایا ہے آپ بہت بہتر طور پر اسکول سنبھال لیں گی۔'' اس کی آخری بات پر نور بدمزہ ہوگئی ایک تو اباجی بھی ناں ہر جگہ اعلان کرنا نہیں بھولتے کہ اس نے جگہ، جگہ کی خاک چھانی ہے۔

''اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟''

''میں چاہتا ہوں آپ وائس پرنسپل کی حیثیت سے اسکول سنبھال لیں' آپ جیسا چاہیں گی ویسا ہی ہوگا میں آپ کے معاملات میں مداخلت نہیں کروں گا۔''

''اچھا ٹھیک ہے، سب سے پہلے تو آپ پمفلٹ دوبارہ چھپوائیں اور ہوسکے تو کیبل پر ایڈ لگوائیں، باہر بورڈ پر ایڈمیشن اوپن لکھوائیں اور اسٹاف کی ٹریننگ کا بھی انتظام کروائیں۔'' اس کی تجاویز سن کر اسفند

حیرت سے اسے تک رہا تھا۔

☆☆☆

نور بانو اور اسفند کی محنت رنگ لائی۔ چار ماہ کے قلیل عرصے میں ہی ان کے اسکول کو والدین کی جو پزیرائی ملی وہ حیرت انگیز تھی۔ نور بانو نے اسکول کو نئے سرے سے رینو ویٹ کرایا، ہر کمرے میں مختلف کلرز کے پینٹ کرائے اور لیب اور لائبریری کے لیے علیحدہ کمرے مخصوص کروائے۔ غیر نصابی سرگرمیوں اور بزم ادب کے لیے ہر ماہ کے آخر میں خاص انتظامات کرائے جاتے تھے۔ اسفند نے نور بانو کے مشورے پر ہی شام کے وقت اکیڈمی کے لیے بلڈنگ رینٹ پر دے دی۔ اسکول اور شام کے وقت اکیڈمی کی وجہ سے اسکول کو مزید فنڈز اور شہرت ملی۔

افشاں اور سمیرا ہر روز انتظار کرتیں کہ کب نور بانو کا اترا ہوا چہرہ دیکھنے کو ملے کہ جب وہ کہے کہ میں نے جاب چھوڑ دی ہے لیکن جس طرح وہ اسکول کے لیے کام کر رہی تھی، لگ نہیں رہا تھا کہ وہ یہ اسکول چھوڑے گی۔

''تمہارا اسکول میں کچھ زیادہ ہی دل نہیں لگ گیا؟'' وہ تیار ہو رہی تھی جب سمیرا نے اچانک آ کر کہا۔ ایک ہی گھر میں پورشنز میں سب لوگ رہتے تھے تو کسی بھی وقت کسی کے پورشن میں بلاتکلف آنا جانا تھا۔

''گھر میں بیٹھ کر مفت کی روٹیاں توڑنے اور اِدھر اُدھر کی ٹوہ لینے سے تو اچھا ہے کہ میں اسکول میں ہی دل لگا لوں، میرا تو تمہیں بھی یہی مشورہ ہے کسی اسکول میں جاب کر لو اور کچھ نہیں تو شعور بھی آ جائے گا۔'' نور بانو نے ہلکے پھلکے انداز میں بھرپور طنز کیا تھا۔

''رہنے دو بہن یہ ڈھکوسلے، گھر اور گھر کے کاموں سے فرار پانے کے منصوبے ہیں۔'' سمیرا کمر کس کر لڑاکا عورتوں کی طرح میدان میں اتر آئی۔

''تم نے جو بکواس کرنی ہے ناں میرے ماں، باپ سے کرو، میرا دماغ کھانے کی ضرورت نہیں۔'' نور بانو اب کے پھٹ پڑی تھی۔ اسے پتا تھا کہ سارا دن وہ سدرہ کا بھی یونہی سر کھاتی ہے۔

''اونہہ غرور تو دیکھو، اسکول میں نوکری کر رہی ہے اور اکڑ ایسے رہی ہے جیسے اسکول ہی خرید لیا ہو......'' دروازے سے باہر نکلتی نور بانو کے کان میں اس کے الفاظ پڑے تھے، اس کے قدموں میں لرزش سی ہوئی جبکہ دماغ اب بھی سمیرا کی فضول باتوں میں الجھا ہوا تھا۔

☆☆☆

''یہ کیا ہے؟'' کچھ ہی دیر پہلے اسفند نے اسے اپنے آفس میں بلایا تھا۔ وہ آ کر بیٹھی ہی تھی کہ اس نے ایک پیکٹ اس کے سامنے رکھا جسے دیکھ کر وہ الجھن کا شکار ہو گئی۔ ''یہ کیا ہے اسفند صاحب میں سمجھی نہیں۔''

''دراصل میں کل مارکیٹ گیا تھا۔ اپنی امی اور بہنوں کے لیے خریداری کرنے، اس سوٹ پر نظر پڑتے ہی مجھے آپ کا خیال آ گیا بس خرید لیا۔''

''کیا مطلب خرید لیا، میں آپ کو ایسی ویسی لڑکی لگتی ہوں کیا مسٹر اسفند، نوکری کر رہی ہوں میں...... اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تحفے تحائف لینے والی لڑکی ہوں۔ اور مجھے حیرت ہے آپ پر...آپ بھی عام مرد ہی نکلے، سطحی سوچ والے جو کسی بھی ورکنگ عورت کو مفت کا مال سمجھتے ہیں۔'' وہ چراغ پا کر ہو کر بولنے پر آئی تو بولتی ہی چلی گئی۔

''مس، مس نور پلیز آپ...... آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں، میرا مقصد یہ نہیں تھا۔ میری تو امی آپ کے گھر جا رہی ہیں آج......'' اسفند بوکھلا گیا۔ لیکن نور بانو نے بولنے ہی نہیں دیا۔

''آپ کا جو بھی مقصد تھا میں سمجھ گئی ہوں، میں یہ جاب چھوڑ رہی ہوں۔''

''کیا......؟ مس نور آخر میں نے ایسا کیا کہہ دیا......پلیز آپ بات تو سنیں۔''

''یعنی ابھی کچھ کہنا باقی ہے۔ تحفے کے ساتھ ایک عدد لو لیٹر بھی دے دیتے یہی کسر رہ جاتی ہے ناں...... بہر حال آپ سے بات کرنا فضول ہے، میرا خیال ہے مجھے اب چلنا چاہیے۔''

''پلیز آپ، آپ بات تو سنیں۔'' وہ اسے روکنا چاہتا تھا لیکن وہ ہوا کے گھوڑے پر سوار اپنا پرس اٹھاتی

گھر آ گئی..... وہ گھر پہنچی تو دوپہر کے بارہ بج رہے تھے۔ اور گھر میں غیر معمولی چہل پہل تھی۔ سارے راستے وہ بکتی جھکتی آئی لیکن اسے اچانک احساس ہوا کہ اس جاب کو چھوڑنے کے بعد وہ کہاں جاب کرے گی لیکن پھر اسفند کی حرکت کا سوچ کر اسے دوبارہ تاؤ آنا شروع ہو گیا۔

''دو پیسے کیا آ جاتے ہیں خود کو خدا سمجھنے لگتے ہیں جاہل پینڈو۔'' وہ زیرِ لب اسفند کو گالیوں سے نوازتی گھر آ گئی۔

''لو تم آ بھی گئیں.....بتا دیا ہوگا ناں اس نے.....اب ایسا کرو ایسے ہی اندر آ جاؤ اچھی لگ رہی ہو۔'' امی مصروف سے انداز میں کہہ کر اندر چلی گئیں۔ وہ جو اُن کی لعن طعن کی منتظر تھی ان کے رویے پر انگشت بدنداں رہ گئی۔

''میں نہ کہتی تھی افشاں کوئی چکر ضرور ہے جبھی تو یہ والا اسکول نہیں چھوڑا، اب دیکھو کیسے اسکول کی مالکن بن گئی ہے، بے انتہا اچھا لڑکا پھنسا لیا جبھی تو دماغ ساتویں آسمان پر پہنچے ہوئے ہیں۔ اب چچا جان کی شرافت اور وضع داری کہاں جا سوئی ہے۔ دونوں میاں، بیوی ہواؤں میں اڑتے پھر رہے ہیں اور سدرہ وہ تو خود کو ملکہ الزبتھ کی بہن سمجھ رہی ہے۔ مزاج ہی نہیں مل رہے۔'' باہر برآمدے سے آتی سمیرا اور افشاں کی آوازوں نے اسے عجیب مخمصے میں ڈال دیا۔ سدرہ سرعت سے باہر آئی لپک جھپک کر اس کی چادر اتاری اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ وہ ایک ٹرانس کی کیفیت میں دو چار اس کے ساتھ آئی۔ ایک ادھیڑ عمر خاتون اور ایک لڑکی نے اس کا خیر مقدم کیا۔ سامنے بیٹھی تائی کے چہرے کے بگڑتے تیور اور عجیب سے منہ کے زاویوں سے نور بانو کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ''ہو نہ ہو کسی رشتے کا چکر ہے۔''

''بہت تعریفیں کرتا ہے میرا اسفند آپ لوگوں کی اور خاص طور پر نور بانو کی.....کہتا ہے امی جس لڑکی نے اسکول کو اتنے اچھے طریقے سے سنبھالا ہے وہ گھر کو کتنا اچھا سنوارے گی۔ شگفتہ اور میرے سائیں شام کو آ رہے ہیں۔ بھائی جی سے بات کرنے......بس بہن اس ہیرے کو میری جھولی میں ڈال دیں۔'' وہ نور بانو کو لپٹاتے ہوئے بولیں اور نور بانو پر سارا عقدہ کھل گیا۔

کچھ دنوں سے ہی اسفند کے بدلے، بدلے طور اطوار، اسے دیکھ کر مسکرانا اور اکثر نور بانو نے اسے گنگناتے سنا تھا کل بھی تو وہ نور بانو سے اس کے مستقبل کے بارے میں پوچھ رہا تھا کہ آپ اپنی مرضی سے اپنا آفس روم ڈیکوریٹ کیجیے گا۔ میں چاہتا ہوں رہائش ہم دوسری منزل پر رکھ لیں...... وہ بڑی تیز رفتاری میں بول گیا تھا۔ پھر نور بانو کی سراسیمگی و استعجابیہ نظروں کو خود پر مرکوز پا کر سٹپٹا کر بولا۔

''میرا مطلب ہے، میرا ارادہ ہے۔'' محض کندھے اچکا دیے اور اب سوچ کر بھی اس کا چہرہ سرخ پڑتا جا رہا تھا، وہ تو خود دل ہی دل میں اس کے بلند کردار کی معترف تھی۔ اسفند کی بہن اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی سرگوشی کے سے انداز میں بولی۔

''آپ کو سوٹ کیسا لگا؟ میں نے خریدا تھا، اسفند بھائی منع کر رہے تھے کہ نور بانو عام لڑکیوں جیسی نہیں ہے، وہ سوٹ میرے منہ پر دے مارے گی اور آپ نے سچ مچ سوٹ ان کے منہ پر دے مارا۔''

''تمہیں......مطلب آپ کو کیسے پتا چلا؟'' نور بانو نے ہونق پن سے پوچھا۔

''ابھی بھائی کا ایس ایم ایس آیا ہے۔ وہ بہت پریشان ہیں...... کہہ رہے ہیں نور بانو نے جاب چھوڑ دی ہے، میں نے لکھا ہے ٹینشن نہ لیں۔ اچھی بات ہے ویسے بھی دو ماہ بعد آپ دونوں کو ہی اسکول سنبھالنا ہے۔'' وہ شوخی و شرارت سے بولی اور نور بانو کے چہرے پر بے ساختہ ان گنت رنگ بکھر گئے۔ اسے خوشی تھی کہ اس نے اپنی نسوانیت کے مان و وقار اور خودی کے غرور کو برقرار رکھا تھا جبھی منزل بانہیں پھیلائے اس کا انتظار کر رہی تھی۔



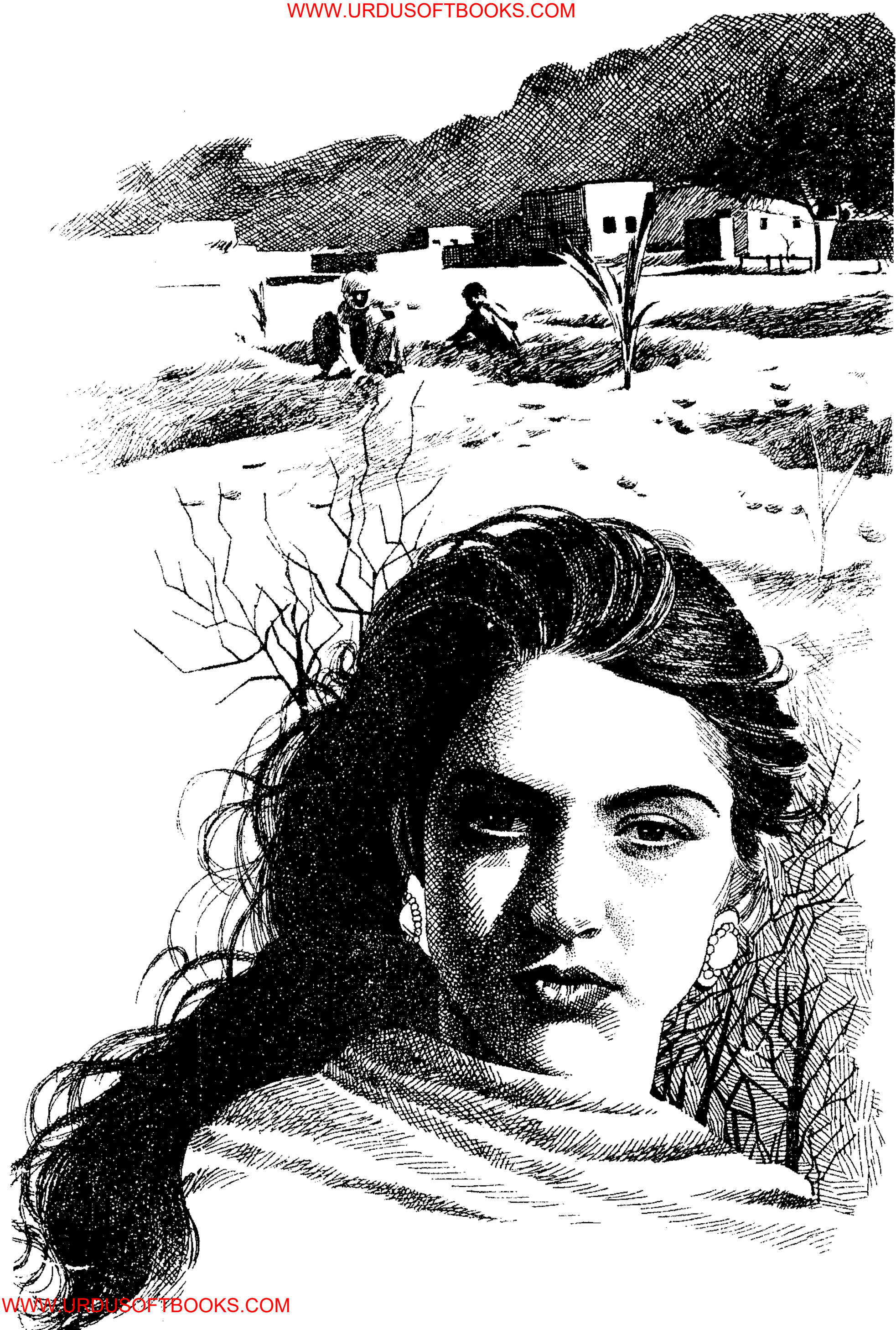
مکمل ناول

میرا عشق صوفیانہ

روشانے عبدالقیوم

تاحدِ نگاہ پھیلی چلچلاتی دوپہر کی دھوپ میں، برگد کے گھنے پیڑ تلے بیٹھا وہ شخص ہرگز اس ماحول کا حصہ نہیں لگ رہا تھا۔

سنہری دمکتی رنگت، بھورے گھنے بال، شہد رنگ بڑی، بڑی ساحر آنکھیں...... وہ بلاشبہ مردانہ وجاہت کا شاہکار تھا۔ جسے دیکھنے والی آنکھ پہلی ہی نظر میں ٹھٹک جائے۔ اس کی گہری نگاہیں پُرسوچ انداز میں سامنے دھوپ کی تمازت سے چمکتی مٹی پر جمی تھیں۔



"مجھے وہ مصنوعی ماحول اٹریکٹ نہیں کرتا......جہاں دولت کی ریل پیل ہو جہاں انسانوں سے زیادہ قیمتی واہم، بے جان چیزیں ہوں۔ میں سادہ زندگی گزارنا چاہتا ہوں، مجھے درویشوں کی سی سادہ زندگی پسند ہے۔ وہ پاک، صاف، سیدھی زندگی جو میرے رب کو پسند ہے......جو اس کے محبوب پیغمبروں نے گزاری ہے۔ بغیر کسی مصنوعی سہارے کے......آج کا انسان، جو مشینوں کی طرح اپنا ایک، ایک منٹ حساب کتاب کر کے گزارتا ہے، مجھے ایسی زندگی میں کوئی کشش محسوس نہیں ہوتی......دم گھٹتا ہے میرا۔" وہ آج پھر قنوطی ہو رہا تھا۔

"میرے ماں، باپ' دوست احباب، بہن' بھائی سب کہتے ہیں کہ مجھے اپنا مکمل علاج کروانا چاہیے۔ شاید مجھے ایک اچھے نفسیاتی معالج کی ضرورت ہے۔ یہ اس لیے کہ میں نے اچھی بھلی آسائشوں بھری زندگی چھوڑ کر مشقت بھری زندگی گزارنے کا انتخاب کیا ہے......انہیں کون سمجھائے کہ نفسیاتی معالج کی ضرورت مجھے نہیں ان بیمار ذہنوں کو ہے جو دولت کو ہی اپنا سب کچھ تصور کر بیٹھے ہیں۔ میرے اردگرد بسنے والے لوگ، جو مجھے مجنوں، خبطی، دیوانہ اور جانے کیا، کیا کچھ کہتے ہیں اصل میں ابنارمل وہ ہیں' میں نہیں......" اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھر لی۔

"صالح...... یہ میرا نام جو میرے ہی بڑوں نے مجھے دیا......اس نام سے سب پکار تو لیتے ہیں مگر اس نام کی طرح مجھے ہوتا ہوا دیکھنا اُن کی برداشت سے باہر ہے یعنی نام کے مفہوم سے آگاہ نہیں۔"

"مجھے ملوم (معلوم) تھا تو اِدھر ہی ہوگا، لے میرے شہزادے تیرے لیے ٹھنڈا ٹھار لسی کا گلاس لے آیا ہوں، لے پی لے، کلیجا ٹھنڈا کر اپنا۔" رفیق اس کا ساتھی مزدور جو اس سے بہت محبت کرتا تھا، دور ہی سے زور، زور سے بولتا اس کے پاس آ کر دھپ سے بیٹھ گیا۔

صالح سلیمان نے خاموشی سے اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر ایک گھونٹ بھرا۔

"سارے اس وخت (وقت) آرام کرتے ہیں' تجھے کیا پڑی ہے یوں سڑتی دوپہر میں کلا (اکیلا) بیٹھنے کی؟" رفیق عرف فیقے نے نرمی سے اس سے کہا۔ وہ خاموشی سے لسی گھونٹ، گھونٹ پیتا رہا۔ وہ تو اپنے ہی خیالات کی دنیا میں مگن تھا۔ فیقے نے افسوس سے سر نفی میں ہلایا۔

"مان لے میری بات میرے شہزادے......! چلا جا واپس اپنی دنیا میں' جانتا ہوں میں......تو، تو کسی ریاست کا گمشدہ......شہزادہ ہے...... تیرے ماں پیو (ماں، باپ) تجھے یاد کرتے ہوں گے۔ کیوں اپنی جھصورت (خوب صورت) جوانی رول رہا ہے، جا چلا جا، ہمارے ماحول میں تو بالکل نہیں سجتا......میرا دل دکھتا ہے تجھ سے حسین بندے کو یوں مشقت کرتے دیکھ کر۔" فیقے کے لہجے کی سچائی و تڑپ پر اس کا دل کانپ گیا تھا۔

"تو کیا اس حد تک لوگ مجھے پہچاننے لگے ہیں اور میں مٹانا چاہتا ہوں اپنی یہ پہچان...... سچ ہے، بندے سے اس کا اصل کہیں نہیں چھپ سکتا۔"

"میں کوئی شہزادہ نہیں، بس اللہ کا ایک عام سا بندہ ہوں۔ خاک سے بنا ہوں اور خاک میں ہی مل جانا ہے......پھر کیا امیری، کیا غریبی ہے۔ کیا بادشاہت، کیا فقیری......مجھے اپنی زندگی جینے دو، مجھے چھوٹا ہی رہنے دو، تم تو دوست ہو ناں...... یوں بڑے لوگوں کی سی باتیں نہ کرو۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہا بھی تو کیا، جو مقابل کو شرمندہ کر جائے۔ فیقے کے پاس اب اور کوئی بات نہ بچی تھی۔ سو وہ خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا اور یہ اکثر یہی ہوتا ہے۔ اس کے ساتھی مزدور اس سے اس قسم کی کوئی گفتگو کرتے تو وہ ایسی ہی کوئی بات جواب میں کہہ دیتا جو مقابل کو چپ لگ جاتی۔

"تم دنیاداروں کو میں سمجھا نہیں سکتا کہ تم کو دنیا کی ان بے غرض چیزوں کی تمنا ہے اور مجھے اس...... بےغرض ذات سے غرض ہے جسے میں آسمان کی وسعتوں اور زمین کی گہرائیوں میں کھوجتا ہوں۔" وہ سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

سارا آنگن خشک پتوں کی آماجگاہ بن چکا تھا۔

اس نے دوپٹا خوب کس کے کمر کے گرد باندھا اور جھاڑو ہاتھ میں لے کر صفائی کرنے لگی۔

سامنے ماں جی چارپائی پر بیٹھی اردگرد موجود عورتوں سے مخاطب تھیں۔ تبھی اس جمگھٹے میں سے ایک عورت اٹھ کر اس کی طرف آئی۔

''نہ بی بی ! کیوں ہم غریبوں کو شرمندہ کراتی ہیں۔ آپ کے سینے میں دین کا علم...... اللہ کا پاک کلام محفوظ ہے اور آپ ہاتھ میں جھاڑو اٹھا کر صفائی کریں، یہ تو ہمارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔'' وہ عورت اس کے ہاتھ سے جھاڑو لے کر شرمندہ، شرمندہ سی کھڑی تھی۔

یہ اس کے لیے کوئی نئی بات نہ تھی، اکثر و بیشتر اس قسم کے واقعات اس کے ساتھ ہوتے۔

''مگر دین یا اللہ یہ تو نہیں کہتا کہ کس مسلمان کے پاس اس کا علم ہے تو وہ کام کاج نہ کرے...... بلکہ ہمارا دین تو عاجزی کا درس دیتا ہے، تکبر تو شیطان کا پیشوا ہے۔'' خنسہ نے ہمیشہ کی طرح میٹھے و پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

''نہ جی، آپ تو علموں والی ہیں...... آپ کو سارا ملوم (معلوم) ہے پر ہمارا بھی تو کچھ فرض بنتا ہے، سارا دن یہاں حویلی کی مفت روٹیاں توڑتے، نمک کھاتے یا باتیں بگھارتے ہیں۔ ذرا سا کچھ کم (کام) کر دیا تو ہمارے ہتھ پیر (ہاتھ، پیر) تو نہیں ٹٹھ (ٹوٹ) جائیں گے۔'' اس کی ہنوز وہی رٹ تھی۔

خنسہ جیسی حساس دل لڑکی کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔

''بٹی کرنے دو اسے اپنی خوشی، یہ تو ان لوگوں کی تمہارے لیے محبت ہے، قدر کرتے ہیں تمہارے علم کی، تم بھی ان کی بے ضرر سی خواہشات کا احترام کیا کرو۔'' ماں جی نے محبت سے خنسہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ مسکرا دی۔ سرخ اینٹوں سے بنی یہ حویلی اور اس کے مکین محبت کی مٹی سے گوندھے گئے تھے۔

چوہدری عمر احمد کی حویلی کے دروازے ہر ضرورت مند کے لیے کھلے رہتے۔ تکبر نام کی کوئی شے حویلی کے مکینوں میں نہ تھی۔ خنسہ عمر جسے سب احترام سے بی بی کہتے تھے، فقہ، حدیث، تفسیر و قرآن کا علم... اُسے حاصل تھا۔

اس کے ساتھ، ساتھ اس نے دنیاوی تعلیم میں ایف اے تک پڑھا تھا۔ اکیس سالہ خنسہ عمر گاؤں کے ہر چھوٹے بڑے فرد کی بی بی تھی۔ بہت سے بچے اس سے دینی تعلیم کے ساتھ، ساتھ دنیاوی تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔

عورتیں جو علم سے بے بہرہ تھیں، وہ جوق در جوق بی بی کے پاس اپنے مسئلے لے کر آتیں۔

وہ ماں جی اور چوہدری عمر احمد کی اکلوتی اولاد تھی، ایسی اولاد جس نے کم عمری میں ہی ماں، باپ کا سر فخر سے بلند کر دیا تھا۔

☆☆☆

''آپ اسے سمجھاتے کیوں نہیں، وہ خود... کو یوں ضائع نہ کرے، اتنی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود وہ عام غریب شخص کی طرح مزدوری کرتا، اینٹیں اٹھاتا ہے، جانوروں کی سی بدتر و پُرمشقت زندگی گزار رہا ہے...... آخر کیوں؟ باپ کے اتنے بڑے بزنس کا کیا فائدہ، جب اپنا ہی بیٹا لاوارثوں کی طرح دھکے کھا رہا ہے۔'' مسز سلیمان نے اخبار پڑھتے شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے دکھ سے کہا تھا، ان کی آواز آنسوؤں کی زیادتی سے بوجھل تھی۔

''میں اسے سمجھا، سمجھا کر تھک چکا ہوں، میں نے تب ہی جان لیا تھا، جب وہ کم عمر تھا، اس کا مزاج ہماری کلاس کے بچوں سے مختلف تھا۔ وہ کسی اور ہی دنیا کا باسی ہے۔ اس روز اگر وہ مجھ سے یہ سب خود نہ بھی کہتا تو میں نے جان لیا تھا کہ وہ رکنے والا نہیں، اسے پابند نہیں کیا جا سکتا، ہمارے ماحول میں اس کا دم گھٹ جائے گا اور وہ ایک دن ساری رسیاں تڑا کر بھاگ جائے گا۔'' سلیمان صاحب کی خواہش ' ایم بی اے کی ڈگری ان کے ہاتھ میں تھماتے ان سے جو کچھ اس نے

کہا تھا انہیں وہ آج بھی من وعن یاد تھا۔

''مجھ سے یہ مشین کی سی لگی بندھی زندگی نہیں گزاری جاتی، آپ کی خواہش پر یہ ڈگری حاصل کر لی ہے مگر یہ میرے کسی کام کی نہیں۔ میں آپ کا بیٹا ہوں...... جب بھی آپ مجھے پکاریں گے، سر کے بل حاضر ہو جاؤں گا، چاہے آپ دن میں دس بار بھی پکاریں، ماتھے پر بل ڈالے بغیر آپ کے پاس آؤں گا مگر میری آپ سے درخواست ہے کہ مجھے روکنے کی کوشش مت کیجیے گا۔ ماں، باپ کا اولاد پر بہت بڑا حق ہے، اس حق کو استعمال کرتے ہوئے مجھے مجبور مت کیجیے گا۔'' وہ تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے اظہار کر رہا تھا۔

''آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں، اگر آپ نے مجھے روکنے کی کوشش کی تو میں جا نہیں پاؤں گا۔ میرے پیروں کو زنجیر مت کیجیے گا، مجھے جس منزل کی تلاش ہے اس رستے پر چلنے سے مجھے مت روکیے گا...... مجھے آپ سے انصاف کی توقع ہے، میں آپ کا دل دکھانا نہیں چاہتا، مجھے پورے دل سے دعا دے کر اس انجان کی منزل کی طرف روانہ کیجیے...... تاکہ مجھے میرا معبود مل جائے، میری تلاش ختم ہو جائے، مجھے... بددعا نہ دیجیے گا، باپ کی ناراضی، اللہ کی ناراضی ہے، مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں، مجھ سے ناراض مت ہونا میرے پیارے بابا...... اگر آپ میرے جانے پر راضی نہیں تو میں نہیں جاؤں گا۔ مگر مجھ سے ناراض مت ہونا...... میرے پیارے بابا......'' وہ لمبا چوڑا مضبوط شخص، بچوں کی طرح پھوٹ، پھوٹ کر روتے ہوئے زمین پر دوزانو بیٹھا التجا کر رہا تھا۔ اپنے لیے بھیک مانگ رہا تھا۔

''مجھ سے آپ کی ناراضی برداشت نہیں ہوتی۔''

وہ کسی ایسے بچے کے مانند رو رہا تھا جو اپنے پسندیدہ کھلونے کے ٹوٹنے پر تکلیف سے روتا ہے۔

اس کے لہجے کی سچائی، لفظوں کی تڑپ اور التجا کرتی روتی آنکھیں...... وہ تو پتھروں کو پگھلا سکتی تھیں۔

سلیمان صاحب تو پھر ایک باپ تھے کیسے اولاد کی تکلیف پر نہ تڑپتے...... وہ تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے سامنے جھکے اور اسے اٹھا کر بے قرار ہو کر سینے سے لگا لیا تھا۔

''میں کبھی تمہارے رستے کی رکاوٹ نہیں بنوں گا بلکہ مجھے تم پر فخر ہے، میں بھلا کیوں اپنے فرمانبردار بیٹے کو بددعا دوں گا، میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں، اگر کبھی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر تمہارے رستے میں آ گیا تو مجھے اس خطا پر معاف کر دینا بیٹا۔''

دونوں باپ، بیٹا رو رہے تھے۔

''میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میں اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں بنوں گا، تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا...... ثمینہ...... وہ ہم دونوں کا بیٹا ہے، ہمیں عام ماں، باپ کی طرح اسے اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنانا ہمیں، اس کی خواہش کا احترام کرنا ہے، اس کی وہ التجا آمیز نظریں مجھے اب بھی اکثر یاد آتی ہیں تو مجھے بے چین کر دیتی ہیں، میں اگر اس کو روکتا تو وہ ضرور رک جاتا مگر اس کا اندر اس کا دل مر جاتا...... زندگی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، ہم کون ہوتے ہیں، کسی سے اس کی خوشیاں چھیننے والے...... چاہے وہ ہماری سگی اولاد ہی کیوں نہ ہو...... خود پر اپنی خواہشات پر پہرے رکھنا یا جبر کر کے جینا بھی کوئی زندگی ہے۔ ہم پڑھے لکھے باشعور لوگ ہیں، ہمارے اردگرد کے لوگ چاہیں کچھ بھی کہیں...... ہمیں صبر کرنا ہوگا، ان کی صالح کے بارے میں کہی جانے والی سخت باتوں پر بھی ہمیں خاموش رہنا ہوگا۔ تمہیں ہر قدم پر میرا ساتھ دینا ہوگا، تمہارے ساتھ کے بغیر میں ادھورا ہوں...... میرا ساتھ دو گی ناں؟''

''ہاں، ساتھ تو دینا ہی ہوگا...... ہم دونوں ہی مجبور ہیں اس کے ماں، باپ جو ہوئے۔'' انہوں نے سلیمان صاحب کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر اپنا سر رکھ کر پھوٹ، پھوٹ کر روتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

سلیمان صاحب نے اپنا دوسرا ہاتھ ثمینہ کے سر پر تسلی

دینے کے سے انداز میں رکھ کر ان کے بالوں کو محبت سے سہلایا۔ دونوں۔ کے دل پر کیا گزر رہی تھی، سوائے اللہ کے کسی کو خبر نہیں تھی۔

☆☆☆

صبح کے ملگجے اندھیرے میں برگد کے پیڑ تلے جا نماز پر بیٹھا وہ سورۂ رحمٰن کی تلاوت کر رہا تھا۔

''رحمٰن نے قرآن سکھایا۔

اسی نے انسان کو پیدا کیا۔

اسی نے بولنا سکھایا۔

آفتاب اور ماہتاب (مقررہ) حساب سے ہیں۔

اور ستارے اور درخت دونوں سجدہ کرتے ہیں۔

اسی نے آسمان کو بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی۔'' اس کی خوب صورت و پُرسوز آواز سارے ماحول کو خوابناک بنائے ہوئے تھی۔

''تا کہ تم تولنے میں تجاوز نہ کرو۔

انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کم نہ دو۔

اور اسی نے مخلوق کے لیے زمین بچھا دی۔

جس میں میوے ہیں اور خوشے والے کھجور کے درخت ہیں۔ اور بھس والا اناج ہے اور خوشبودار پھول ہے۔'' سامنے کچھ فاصلے پر کارخانے کا انچارج بیٹھا، اس خوب صورت جوان کی خوب صورت گمبھیر آواز میں کھویا ہوا تھا۔

''پس (اے انسانوں اور جنوں) تم اپنے رب کی کس، کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔''

اِدھر اُدھر اوندھے منہ چارپائیوں پر پڑے مزدور اس کی تلاوت و ترجمے کی آواز پر بیدار ہو گئے تھے۔

یہ اس، کا روز کا معمول تھا۔ فجر کی نماز کے بعد سورۂ یٰسین ورحمٰن کی تلاوت کر کے وہ صبح کی سپیدی پھیلنے تک اسی درخت تلے بیٹھا ذکر و اذکار کرتا...... پھر سات بجتے ہی سوکھی روٹی کے ساتھ شہد اور ایک گلاس دودھ کا ناشتا کر کے کارخانے میں داخل ہو جاتا۔ یہ جگہ آبادی سے دور تھی۔

سارے مزدور ہی رشتوں کے ستائے، اپنے پیٹ کے لیے محنت مزدوری کرتے اور رات تھک کر بے سُدھ ٹوٹی پھوٹی چارپائیوں پر سو جاتے۔ یہاں صبح کی نماز یا اللہ کی یاد سوائے صالح سلیمان کے کسی کو نہ تھی۔ تھکے ہارے مزدوروں کی صبح ہمیشہ اس کی پُرسوز تلاوت کی آواز پر ہوتی مگر کبھی کسی کے ماتھے پر بل نہ پڑتے بلکہ اس کے برعکس ان کی صبح اور خوشگوار ہو جاتی۔

آج وہ تلاوت و ناشتے سے فارغ ہو کر کارخانے میں داخل ہونے کے بجائے حساب کتاب میں مگن منشی کے پاس آ کھڑا ہوا۔

''السلام علیکم...... !'' دھیمی آواز میں سلام... کیا۔ منشی نے سر کے خفیف اشارے سے سلام کا جواب دیا۔ اب وہ رجسٹر بند کر کے سوالیہ نظروں سے صالح کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''ایک درخواست کرنی تھی۔'' اس نے نگاہیں نیچی کیے مؤدب لہجے میں کہا۔ ایک خوب صورت و بااخلاق جوان شخص کا یوں اس کے سامنے عاجزی سے کھڑا ہونا، منشی کی گردن کچھ اور تن گئی۔

''بولو......!''

''میں یہاں کے مزدور بھائیوں کو فجر کی نماز... باجماعت پڑھانا چاہتا ہوں۔'' اس کی بات پر منشی نے اسے یوں اچنبھے سے دیکھا جیسے اس کی دماغی کیفیت پر شک ہو۔

''اوئے بھاؤ...... یہ تو کن چکروں میں پڑ رہا ہے، یہ بیچارے اپنے پیٹ کی دوزخ کی آگ بجھائیں یہی ان کے لیے کافی ہے تو انہیں اور مشقت میں نہ ڈال۔'' منشی نے استہزائیہ لہجے میں کہتے جیسے اس کا... مذاق اڑایا تھا۔

''مگر......'' صالح نے کچھ کہنا چاہا لیکن منشی نے اس کی بات کاٹ دی۔

''اگر مگر کچھ نہیں، بیٹے اپنا کام کرو، یہ چٹے جاہل اور ان پڑھ لوگ، نیند اور بھوک کے علاوہ ان کا کوئی

روزگار نہیں، یہ اللہ کے حقوق کیا جانیں۔'' منشی نے خلافِ توقع نرمی سے سمجھایا۔

''کیا بات ہے بھئی منشی رزاق......؟'' دور بیٹھا کارخانے کا انچارج پاس چلا آیا بظاہر پوچھا اس نے منشی سے تھا مگر نگاہیں صالح کے خوب صورت نقوش والے چہرے پر جمی تھی۔

وہ کب سے انہیں بحث کرتے دیکھ رہا تھا۔

''کچھ نہیں انچارج صاحب، بس اس جوان کو مزدوروں کو مسلمان کرنے کا بخار چڑھا ہے۔'' منشی نے چشمہ ٹھیک کرکے بیزاری سے کہا۔

''میں کچھ سمجھا نہیں؟'' درمیانی عمر کے مشفق سے انچارج یوسف صاحب نے صالح کی طرف دیکھا۔

منشی نے اس کی بات من وعن یوسف صاحب کے سامنے دُہرا دی۔

''یہ ایسی کوئی انہونی بات نہیں، جو آپ مان کے ہی نہیں دے رہے، میں اس جوان کی خواہش کا احترام کرتا ہوں، مجھے بہت خوشی ہوئی کہ جو بات ہم برسوں سے نہ سوچ سکے، اس پر کل کے بچے نے عمل بھی کر ڈالا۔ اور ثواب اپنے سر لے لیا، یہاں صبح کی ابتدا اللہ کی عبادت سے ہوگی تو ہماری ہی فیکٹری کو فائدہ ہوگا، اللہ ہمارے روزگار میں اور بھی برکت ڈالے گا۔'' یوسف صاحب نے ناصحانہ انداز میں کہتے ہوئے... خلوص ومحبت سے صالح کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''کتنے خوش نصیب ماں، باپ ہیں، تمہارے جنہوں نے تم جیسے انسان کی پرورش کی، جتنا تمہارا ظاہر خوب صورت ہے، اس سے کئی گنا زیادہ تمہارا اندر خوب صورت ہے۔ بالکل اپنے نام کی طرح یکتا ہو تم صالح۔'' یوسف صاحب کے لہجے میں اس کے لیے محبت تھی۔ انہیں شروع سے یہ کم گو اپنے آپ میں مگن سنجیدہ وبُردبار جوان بہت پسند تھا۔

یہاں کے مزدور چھوٹی، چھوٹی باتوں پر بحث کرتے، لڑتے جھگڑتے تھے، صالح سلیمان واحد شخص تھا جسے ایک سال کا عرصہ ہونے کو آیا تھا مگر جھگڑا تو دور کی بات کسی نے اسے اونچی آواز میں بات تک کرتے نہیں دیکھا تھا۔ اس کی عادتیں بہت مختلف تھیں۔

بہت سے مزدور اس کی شخصیت سے مرعوب ہوکر اس کے پاس آتے اور بہانے تلاشتے کہ اس کی شخصیت ان پر کھل جائے مگر وہ ان کے سوالات کے مبہم سے جواب دے کر خاموش ہو جاتا۔

ان سب نے کسی حد تک اس کا مزاج اور الگ تھلگ رہنا سمجھ لیا تھا اسی لیے، اس کی تنہائی میں زیادہ خلل نہ ڈالتے بلکہ وہ سب اس کا اس طرح سے خیال رکھتے گویا وہ ان کا ساتھی مزدور نہ ہو کوئی وی آئی پی (خاص) مہمان ہو۔

یوسف صاحب نے سارے مزدوروں کو جمع کر کے اسی صبح اعلان کروا دیا کہ کل سے صالح ان سب کو صبح کی نماز باجماعت پڑھائے گا۔

سب نے خوشی، خوشی ہامی بھر لی تھی، ان میں بہت سے مزدور ایسے تھے، جو قرآن کے علم سے نابلد تھے، ان کی خواہش پر صالح نے فجر کے بعد ان کو قرآن کا علم سکھانے کی ہامی بھر لی تھی۔

ان سادہ لوح مزدوروں کی خوشی یوں تھی... گویا عید ہو۔

☆☆☆

خنسہ بچوں کو قرآن پڑھا رہی تھی۔ سارے بچے ہل، ہل کر زور شور سے پڑھ رہے تھے۔

''بی بی! آپ سے ملنے ساتھ کے گاؤں سے عورتیں آئی ہیں۔'' اس کی ہم عمر ملازمہ پروین نے پیغام دیا۔

وہ بچوں کو پڑھتے رہنے کی تاکید کر کے کمرے سے نکل آئی۔ ماں جی بڑے سے صحن میں بچھی چارپائی پر ایک عورت کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ سامنے ایک خوب صورت سی لڑکی موڑھے پر بیزار سی صورت بنائے خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

وہ قریب چلی آئی۔

''خنسہ ...... یہ بچی تم سے ملنے ساتھ کے گاؤں سے آئی ہے، کوئی مسئلہ پوچھنا ہے۔'' ماں جی نے شفیق سی مسکراہٹ سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ خنسہ بی بی ہیں؟ ہائے میں تو سمجھی تھی کہ کوئی پکی عمر کی چشمہ لگائے عورت ''بی بی'' ہوں گی۔'' لڑکی اپنی بے ساختہ حیرانی کو چھپا نہ پائی۔ خنسہ ماں جی اور دونوں مسکرادیں۔ وہ لڑکی جھینپ گئی۔

''یہ تو جھلی ہے، جو منہ میں آیا بول دیا۔'' لڑکی کی ماں نے اسے گھورا۔

''کوئی بات نہیں، اکثر ایسا ہوجاتا ہے، ہمیں عادت سی ہوگئی ہے۔'' ماں جی بولیں۔

خنسہ اس لڑکی کو صحن کے اس کونے کی سمت لے آئی، جہاں لکڑی کا منقش بھاری جھولا رکھا تھا۔

وہ دونوں اس پر ہی بیٹھ گئیں۔

''بتاؤ، کیا بات ہے؟'' خنسہ نے بڑی اپنائیت سے اسے مخاطب کیا جو اس کے مزاج کا خاصہ تھا۔

''وہ بی بی......'' وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔

''ہاں بولو؟'' خنسہ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ کر گویا اس کی ہمت بڑھائی۔

''مجھے اپنے چچا زاد سے محبت ہوگئی ہے، سب مجھے لعن طعن کرتے ہیں یہاں تک کہ میری سہیلیاں بھی مجھے بے شرم کہتی ہیں...... تو بی بی کیا محبت کرنا گناہ ہے؟'' بے بسی سے کہتے اس نے خنسہ کی طرف دیکھا، اس کی بڑی، بڑی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

''کسی نامحرم کو محبت کی اس نگاہ سے دیکھنا گناہ ہے، ہاں اگر اس سے واقعی محبت ہے، جائز طریقے سے اس کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہو تو اسلام میں بھی اس کا واضح اشارہ ہے یعنی آسان انداز میں لڑکی اپنی ماں یا بڑی بہن یا اور کسی معتبر فرد کے ذریعے نکاح کا پیغام بھجوادے۔ جائز طریقے سے اپنی محبت کو حاصل کر کے اپنی سہیلیوں کا منہ بہت آرام سے بند کیا جاسکتا ہے، اس میں اتنی پریشانی والی کوئی بات نہیں۔''

اس نے اتنی خوب صورتی سے اس کی پریشانی کا حل بتایا کہ وہ لڑکی بے حد متاثر ہوئی۔

''واقعی بی بی! اس نہج پر تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اللہ آپ کے دل کو سکون دے، آپ نے تو میری پریشانی دور کر دی۔ میری آنکھیں روشن کر دیں، مجھے تو کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔'' فرطِ مسرت سے اس نے خنسہ کے دونوں ہاتھ، تھام لیے۔ خنسہ اس کی خوشی پر دل سے مسکرا دی۔

دوسروں کی راہ کے اندھیرے روشن کرنے والی خنسہ عمر احمد اس بات سے بے خبر تھی کہ اس کی اپنی روشن دنیا جلد ہی اندھیر ہونے والی تھی۔

☆☆☆

اب وہ کارخانے کے ہر چھوٹے بڑے فرد کا ''صالح بھائی'' تھا اس سے محبت کرنے والے اسے پسند کرنے والے اور بھی زیادہ اس کے کردار کی اچھائی کے معترف ہو گئے تھے۔ نماز کے بعد وہ قرآن پاک سب کو پڑھاتا...... بہت ہی اچھا و پُرسکون ماحول ہوتا تھا۔ آج بھی فارغ ہو کر سب نے ناشتا کیا اور اپنے، اپنے کام پر لگ گئے۔

صالح اینٹیں چُن، چُن کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتا رہا...... بہت سوں نے اس کی مدد کرنا چاہی مگر اس نے بڑے سبھاؤ سے منع کر دیا۔

''میری محنت کا بار مجھے خود ہی اٹھانے دو بھائی، مہربانی ہوگی۔'' دوپہر کے کھانے کے وقفے میں اس نے نماز پڑھی، لسی کے ساتھ صبح کی سوکھی روٹی کھائی کہ اتنے میں منشی کا پیغام آیا۔

''السلام علیکم......'' وہ اس کے پاس چلا آیا۔

''والسلام! آؤ جوان بیٹھو، مجھے تم سے کچھ بات کرنا تھی۔'' منشی رزاق نے رجسٹر بند کر کے قلم کان کے پیچھے اُڑسا۔

وہ اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''اس گاؤں کے چوہدری عمر احمد بہت نیک، عزت دار اور اچھے انسان ہیں، ان کے ہاں کچھ کام کروانا تھا، کسی مزدور کی ضرورت ہے۔ ان جاہلوں میں سے میں کسی کو بھیجنا نہیں چاہتا۔ سب حرام خور اور باتونی ہیں......تو میرے دل کے قریب ہے، اپنے کام سے کام رکھنے والا بندہ ہے، چوہدری پر اچھا تاثر پڑے گا، ہمارے کارخانے کی عزت بڑھے گی......اگر تو وہاں جانے کی ہامی بھر لے۔'' منشی رزاق لجاجت سے کہا۔

''جیسے آپ کا حکم......'' اس کی تابعداری پر منشی رزاق نہال ہو گیا۔

''بہت مہربانی پتر، جیتا رہ۔'' وہ خوشی، خوشی دعائیں دینے لگا جیسے اسے کسی خزانے کی چابی مل گئی ہو۔

☆☆☆

ساتھ والے گاؤں کے اسکول میں نعت و تلاوت قرآن کا مقابلہ تھا۔ مہمانِ خصوصی کے طور پر خنسہ مدعو تھی۔

درس کے اختتام پر خنسہ نے دعا کروائی۔ دوپہر کو ان کی واپسی ہوئی، ڈرائیور خدا بخش ساتھ تھا اور ملازمہ پروین جو ہر جگہ اس کے ہمراہ ہوتی تھی۔ گاڑی جھٹکے کھاتی رستے میں رک گئی، ڈرائیور نے بونٹ کھول کر سب چیک کیا ... پھر خنسہ کی طرف آ کر شیشہ بجایا۔

''بی بی! لگتا ہے گاڑی میں کچھ خرابی ہو گئی ہے اور گرمی بھی بہت ہو رہی ہے سامنے فیکٹری سے پانی لاتا ہوں اگر کوئی مکینک مل جائے تو۔'' مؤدب کھڑے خدا بخش نے اسے مخاطب کیا۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ......'' وہ اس کی اجازت ملنے پر چلا گیا...... کافی دیر گزر گئی، وہ نہ آیا تو خنسہ گاڑی سے اتر آئی۔ کالے سیاہ عبایا میں اس کا دراز قد اور نقاب سے جھلکتی بڑی، بڑی جھیل سی آنکھیں خود کو نمایاں کر رہی تھیں۔

آہستہ روی سے چلتی اردگرد کا جائزہ لیتی وہ برگد کے درخت سے کچھ فاصلے پر رک گئی۔ تاحدِ نگاہ سناٹے کا راج تھا۔ معاً وہ بری طرح سے چونکی۔

مردانہ خوب صورت آواز جو دل کو اپنی طرف کھینچ

لے، اس کی اپنی آواز اور لحن کے چرچے تھے مگر آج اس لمحے اسے اعتراف کرنا پڑا کہ اس سے زیادہ مسحور کن آواز والا کوئی اور شخص بھی اس دنیا میں موجود ہے۔

ہر شے جیسے اس کی آواز سن کر ساکت تھی، کچھ موجود تھا تو وہ اس شخص کی پُرسوز آواز تھی۔

''اللہ نور ہے، آسمانوں اور زمین کا، اس کے نور کی مثال، مثل ایک طاق کے ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشے کی قندیل میں ہو اور شیشہ مثل چمکتے ہوئے ستارے کے ہو وہ چراغ ایک بابرکت درخت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہو، جو درخت نہ مشرقی ہے نہ مغربی خود وہ تیل قریب ہے کہ آپ ہی روشنی دینے لگے اگرچہ اسے آگ نہ بھی چھوئے۔''

خنسہ سراپا سماعت بنی سنتی رہی۔ جیسے کسی جادوگر نے اس پر سحر کر دیا ہو اور وہ سحر زدہ کھڑی رہ گئی ہو۔

''اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے جسے چاہے...... لوگوں کے (سمجھانے) کو یہ مثالیں اللہ تعالیٰ بیان فرمارہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر کسی کے حال سے بخوبی واقف ہے۔'' وہ سحر زدہ سی کچھ قدم اور آگے بڑھی، یوں کے برگد کا گھنا پیڑ جہاں سے آواز آرہی تھی، اس سے کچھ قدم کے فاصلے پر رہ گیا۔

اتنا فاصلہ کہ وہ آسانی سے عبور کر کے اس شخص کے پاس پہنچ سکتی تھی۔ جس کی پشت اس کے سامنے تھی۔

آسمانی کُرتے شلوار میں ملبوس وہ دراز قد شخص جس کی آواز بے حد خوب صورت تھی۔

''ان گھروں میں جن کے بلند کرنے اور جن میں اپنے نام کی یاد کا اللہ نے حکم دیا ہے، وہاں صبح شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔''

سورۂ نور کی تلاوت کرتا وہ شخص، دنیا و مافیہا سے بے خبر پُرسکون آنکھیں موندھے، تنے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

خنسہ بے خودی کے عالم میں اس کی مضبوط پشت کو تکتی رہی۔

''بی بی...... چلیں گاڑی صحیح ہوگئی ہے۔'' پروین کی آواز پر وہ حواس میں لوٹی تھی۔

''ہوں......'' وہ چونکی تھی۔

پروین کی تیز آواز پر صالح نے پلٹ کر دیکھا تھا پھر مگر اس کی نظریں جھک گئی تھیں۔

جو سیدھی خنسہ کے نازک چپل میں مقید سفید خوب صورت انگلیوں والے پیروں پر پڑی تھیں۔

خنسہ اس شخص کے چہرے کو دیکھتے ہی ساکت ہوگئی تھی۔ ایسا وجیہہ و شاندار شخص کہ جسے دیکھ کر کوئی بھی دنیا بھول جائے، اس کے دل کی دنیا اتھل پتھل ہو کر رہ گئی تھی۔

صرف ایک پل...... پھر اس شخص نے چہرہ واپس موڑ لیا تھا۔

''چلیں بی بی! دیر ہورہی ہے۔'' پروین دوبارہ جھلا کر بولی وہ آہستہ روی سے چلنے لگی مگر کسی سحر زدہ شخص کی طرح بے خبری میں کب وہ گاڑی میں بیٹھی، کب وہ حویلی پہنچی...... اسے کچھ خبر نہیں تھی۔

گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تو وہ ہوش میں آئی۔ گاڑی سے اتر کر تیزی سے چلتی سیدھی اپنے کمرے میں آئی تھی۔ اور واش روم کی طرف دوڑی۔ جانے کب سے، بے تحاشا آنسو اس کا چہرہ بھگوتے رہے تھے۔ وہ استغفار پڑھتی، خوب زور، زور سے آنکھیں رگڑتی پانی سے دھوتی رہی۔

''میری زندگی میں یہ لمحہ آیا ہی کیوں؟ میں کیوں کمزور لمحے کی گرفت میں آگئی تھی؟ کیوں میں اس نامحرم انجان شخص کو سنتی اور پھر دیکھتی رہی؟ جان بوجھ کر اسے محسوس کرتی رہی...... مجھے زندگی میں پہلی بار خود سے شرم محسوس ہورہی ہے۔ جی چاہ رہا ہے، اپنی ان آنکھوں کو پھوڑ ڈالوں، میں کیوں اتنی بے بس ہوگئی تھی کہ مجھے خود پر اپنے دل پر اختیار نہ رہا۔'' کافی دیر تک روتی، گڑگڑاتی وہ اپنی آنکھیں مل مل کر پانی سے دھوتی رہی تھی۔

☆☆☆

دن گزرتے رہے، اچانک وہ یونہی گم صم اور

اداس رہنے لگی تھی۔ ماں جی نے چوہدری صاحب سے تشویش کا اظہار کیا تھا۔ انہوں نے ماں جی کو تسلی دی۔

''اکثر لوگ اپنے مسائل اس کے پاس لے کر آتے ہیں...... حساس بھی بہت ہے، کسی بات کو دل پر لے لیا ہوگا...... میں اس سے بات کروں گا...... تم پریشان نہ ہو۔'' چوہدری عمر کی بات پر ماں جی نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ حویلی کے صحن سے ملحق باغ میں کیاری کا کچھ کام تھا۔ منشی کے کہنے پر صالح روزانہ حاضری دینے لگا تھا۔ وہ وقت پر آتا اور اپنا کام ختم کر کے چلا جاتا۔ چوہدری عمر احمد جیسے جہاندیدہ شخص نے صالح کی شخصیت کی گہرائی اور کشش محسوس کر لی تھی۔

ان تھوڑے ہی دنوں میں ماں جی اور چوہدری صاحب کو صالح سے سگی اولاد کی سی انسیت اور محبت ہوگئی تھی۔

جس دن اس ... پہلا دن تھا حویلی میں کام کرتے، ماں جی نے اس کے لیے ڈھیروں لوازمات تیار کروا لیے تھے۔ ظہر کی نماز کے بعد کھانا دسترخوان پر چُن دیا گیا۔ دسترخوان پر یہاں سے وہاں تک بے شمار کھانے سجے تھے، چوہدری صاحب اور ماں جی کی حیرت کی انتہا نہ رہی، جب صالح نے خالی روٹی ایک گلاس لسی کے ساتھ کھائی اور دعا کر کے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیے ان دونوں کے اصرار پر بھی وہ کچھ اور کھانے پر رضامند نہ ہوا۔ ہاں پھر اس نے صرف ایک نوالہ سالن کا کھا لیا تھا کہ ان کا اصرار تھا پر اب اس کی تاکید پر روزانہ ہی روٹی اور لسی کا ایک گلاس ہی اسے کھانے پر دیا جاتا۔

اگرچہ یہ بات حویلی کے مہمان نواز ماحول کے خلاف تھی مگر انہیں ہر حال میں اس کی خوشی کو مقدم رکھنا تھا۔

روزانہ کی طرح آج بھی وہ صبح سویرے کام پر آیا تھا۔ اینٹیں لگا کر تیز رفتاری سے وہ سیمنٹ لگاتا جا رہا تھا۔ بہت دلجمعی سے وہ مگن کیفیت میں کام کر رہا تھا۔

صبح کی سیر سے واپس آتی خنسہ کے پیر زمین نے جکڑ لیے وہ کسی بے جان مجسمے کے مانند ساکت ہوگئی تھی۔

اس کا صرف دایاں رخ خنسہ کو اس تھوڑے سے فاصلے پر بھی پہچان لیے جانے کے لیے کافی تھا۔ وہ بھلا اس شخص کو کیسے بھلا سکتی تھی۔

''یہ......؟'' وہ ششدر سی اس کی جانب انگلی سے اشارہ کرتی بولی تھی......

''یہ صالح بھائی ہے، سیمنٹ کے کارخانے میں کام کرنے والا مزدور ہے، کافی دنوں سے چوہدری صاحب نے اسے یہاں کام پر لگا رکھا ہے۔'' پروین اس کی حالت سے بے خبر اپنی ہی رو میں بولے جا رہی تھی۔

''صالح......!'' اس کے لب پھڑ پھڑائے تھے مگر نگاہیں ساکت سی اس شخص پر جمی تھیں۔

وہ اس شخص کے خوب صورت نقوش والے آدھے چہرے پر دھوپ کی تمازت سے بکھری سرخی اور پسینے کے ننھے، ننھے قطرے واضح محسوس کر سکتی تھی

''یہ ایک مزدور......؟'' وہ اب بھی بے یقین تھی۔

پروین کے کان فوراً کھڑے ہوگئے۔

''یہ لگتا نہیں ہے ناں بی بی؟ کہاں وہ ... بینگن سوکھے سڑے مزدور...... اور کہاں یہ خوب صورت شہزادوں کی سی آن بان والا گبرو جوان۔'' اس نے کام میں مصروف صالح کی طرف دیکھتے، خنسہ سے پُرستائش لہجے میں کہا تھا۔

پھر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے رازدارانہ انداز میں بولی۔

''پر بی بی! میں نے اس کے بارے میں بڑی... پُراسرار باتیں سن رکھی ہیں، بڑی عجیب، عجیب باتیں اس کے حوالے سے گاؤں کے لوگوں میں مشہور ہیں جی......'' پروین نے اپنا منہ بالکل خنسہ کے کان کے قریب کیے سرگوشی کی۔

''پُراسرار...... اور عجیب، عجیب باتیں؟'' خنسہ چونک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بے یقینی سے بولی۔

''آپ اندر چلیں، میں آپ کو سب بتاتی ہوں۔'' اس نے حیران سی خنسہ کا ہاتھ تھاما۔

وہ کسی معمول کی طرح حیران سی پروین کے ساتھ چلتی رہی، وہ خنسہ کو لیے اس کے کمرے میں آ کر بیٹھ گئی۔

یوں جیسے یہ کمرا خنسہ کا نہ ہو بلکہ پروین کا ہو۔ پروین نے اسے من وعن وہ سب کچھ سنایا جو گاؤں والوں میں اس اجنبی شخص کے متعلق مشہور تھا۔

''وہ یہاں کا نہیں کسی اور دنیا کا باسی ہے۔'' اس بات نے خنسہ کے اندر اور تجسس اور کھوج جگا دی۔

اس کی دلچسپی اس اجنبی شخص کی ذات میں اور بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

سادے بال بنا کر اس نے ایک نظر خود کو آئینے میں دیکھا۔ چھوٹی، چھوٹی بالیاں پہنے بغیر کسی ہار سنگھار کے بھی وہ ہوش اڑائے دے رہی تھی۔

اس نے دوپٹا سر پر جمایا، گلابیاں گھلا مہتاب چہرہ سبز دوپٹے کے ہالے میں اور بھی نمایاں ہوا تھا۔

وہ اپنے کمرے سے نکل کر سیڑھیاں اترتی بڑے سے صحن میں آئی، اس کا رخ چوہدری صاحب اور اس کے مشترکہ کتب خانے کی طرف تھا۔ وہ اپنے ہی دھیان میں گم تھی، بروقت خود کو نہ سنبھالتی تو سامنے سے آتے نگاہیں نیچی کیے صالح سے بری طرح ٹکرا جاتی۔

دونوں ہی اپنی، اپنی جگہ کھڑے رہ گئے تھے۔

دو قدم کا فاصلہ ان کے درمیان حائل تھا۔ خنسہ کے لیے گویا کائنات ٹھہر سی گئی تھی۔

منظر میں کچھ تھا تو وہ اس یونانی دیوتا کی ذات تھی۔ جس پر اس کی نگاہیں جم چکی تھیں۔

صالح ہنوز نظریں جھکائے شرمندہ، شرمندہ سا کھڑا تھا۔ حالانکہ اس میں ان دونوں کا کوئی قصور نہ تھا۔

''معاف کیجیے گا بی بی! مجھے چوہدری صاحب سے ملنا تھا۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

اس کی شخصیت کی طرح اس کی آواز بھی دل کھینچ لیے جاتی تھی۔ خنسہ کے لیے تو گویا مرنے کا مقام تھا۔

اتنا نزدیک کھڑا تھا کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اسے چھو سکتی تھی، اس پر ستم یہ کہ اس سے مخاطب تھا۔

اندر کچن میں کسی ملازمہ کے ہاتھ سے برتن گرا تھا، جس کی آواز کے خلل پر وہ چونک کر بیدار ہوئی تھی۔ اور وہی پچھتاوا اس پر وارد ہوا تھا۔

دوپٹے کے پلو سے اس نے آدھا چہرہ ڈھانپ لیا اور نگاہیں نیچی کرلیں۔

''یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟ میں اتنی کمزور تو کبھی نہیں تھی، اس شخص میں ایسا کیا جادو ہے جو میں اسے دیکھ کر سحر زدہ ہو جاتی ہوں۔''

اس نے خود کو سنبھالا۔

''جی، بابا کسی کام سے شہر گئے ہیں، واپسی کا کچھ معلوم نہیں یا تو آپ انتظار کرلیں یا کل دوبارہ تشریف لے آئیے گا۔'' وہ آہستگی سے منتظر کھڑے صالح سے مخاطب ہوئی۔

صالح کی نگاہیں خنسہ کے سفید کبوتر کے سے نازک پیر پر ہی تھیں۔ وہ پہچان گیا تھا کہ یہ وہی لڑکی تھی جو اس دوپہر کو اس کی تلاوت سننے کھڑی تھی۔ اور اس کی نظریں اس کے پیروں پر ہی تھیں۔

''بی بی...... او بی بی، کہاں ہیں آپ؟'' پروین دور سے ہی اسے پکارتی آ رہی تھی۔

''آپ چوہدری صاحب سے کہیے گا کہ کام مکمل ہو چکا ہے، اگر کچھ کمی بیشی ہوئی تو میں دوبارہ حاضر ہو جاؤں گا۔'' اس کی نگاہیں ہنوز جھکی ہوئی تھیں۔ وہ پلٹ کر جانے لگا۔

''صالح بھائی! کیسے ہو آپ؟'' پروین نے اپنے ازلی بے تکلف انداز اور خوش دلی سے پوچھا۔

''الحمدللہ۔ کرم ہے اس ذات پاک کا......'' اس نے بغیر پلٹے جواب دیا اور باہر کی سمت چلا گیا۔

''بڑا ہی ہوائی بندہ ہے، کچھ دیر کو رک جاتا تو ہم نے اسے کھا جانا تھا کیا؟'' اس نے صالح کے نہ رکنے کی جلاہٹ خنسہ پر اتاری۔ ''مجھے تو اس پر یہ عاجزی

بالکل چنگی نہیں لگتی، یہ تو گردن تان کر کھڑا ہوتا اچھا لگے گا، بالکل شہزادہ......!'' پل میں تولہ، پل میں ماشہ، یہ محاورہ پروین کے لیے بنا تھا، خنسہ اس کی سادہ دلی پر ہنس دی، ہر کسی کے بارے میں بلا تکان بولنے والی۔ چاہے سننے والے کو اس کی باتوں میں دلچسپی ہو یا نہ ہو، اس کی بلا سے۔

''پیارا ہے......مگر کبھی کبھار مجھے اس پر بڑا غصہ آتا ہے جی میں اس کے پاس جا کر باتیں کرتی ہوں کہ بیچارہ اکیلا دھوپ میں کام کرتا ہے مگر مجال ہے جو میری کسی بات میں بولے یا دلچسپی لے، میں تو پاگل ہی ہوں جو بلا رکے بولتی چلی جاتی ہو، کل تو میں اچھی خاصی سنا کر آئی ہوں اسے......مگر مجال ہے جو اس نے پلٹ کر جواب دیا ہو۔ میں نے ایسا ٹھنڈا شخص اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھا، اب بھی میں نے اس سے خیریت پوچھی، ماتھے پر بل تک نہ پڑے اس کے کبھی تو بڑا ترس آتا ہے قسم سے مجھے اسے بیچارے پر۔''

''پہلے تو تم یہ سوچ لو کہ تمہیں شہزادہ لگتا ہے، بیچارہ لگتا ہے......ترس آتا ہے یا غصہ......کسی ایک بات پر تو تم قائم نہیں رہتیں، عجیب منطق ہے تمہاری بھی، میں مطالعے کے لیے جا رہی ہوں، اچھی سی چائے بنا کر لا دینا۔'' اپنے ازلی نرم لہجے میں کہتی وہ اسٹڈی کی طرف بڑھی۔

خجل سی پروین پراندہ جھلاتی کچن کی سمت چلی گئی تھی۔

☆☆☆

وہ بے شمار اینٹیں کاندھے پر اٹھائے اندر ترتیب وار رکھتا جا رہا تھا۔ اس کے کام میں اتنی دلجمعی ہوتی کہ دیکھنے والے کو لگتا دنیا میں اس سے اہم اور کوئی کام نہیں۔

کارخانے سے باہر کچھ فاصلے پر پیجارو کھڑی تھی، جس کے پاس ایک سوٹڈ بوٹڈ درمیانی عمر کا خوش شکل شخص کھڑا تھا۔

وہ صالح کو دکھ سے بوجھ اٹھاتا، اِدھر اُدھر منتقل کرتا دیکھ رہا تھا، اچانک صالح کی نظر اس شخص پر پڑی تو وہ ٹھٹک گیا۔ اس نے جلدی جلدی باہر لگے ہینڈ پمپ سے ہاتھ دھوئے اور تیزی سے وہاں کھڑی چارپائی بچھا دی۔

''السلام علیکم......کیسے ہیں آپ بابا! مجھے بلا لیا ہوتا، آپ نے کیوں تکلیف کی؟'' وہ ان کے سینے سے لگ کر بے اختیار بولا تھا۔ بہت سے مزدور، اپنا کام کاج چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''جن کی یاد آتی ہے، انہیں بلایا نہیں جاتا، خود چل کر اُن کے پاس جانا پڑتا ہے، یہ بھی ایک ....بے اختیاری کیفیت ہوتی ہے۔'' انہوں نے کہتے ہوئے اسے خود سے الگ کیا۔

''کتنا کمزور ہو گیا ہے میرا بیٹا......'' وہ دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھامے فکر مندی سے بولے۔ لہجے میں وہی مخصوص پدرانہ شفقت تھی جو کسی بھی باپ کے لہجے میں اولاد کے لیے ہوتی ہے۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں بابا......'' اس نے انہیں تسلی دیتے، مسکرانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

سلیمان صاحب نے اس کے لبوں کی مسکراہٹ کے باوجود، اس کی خوب صورت آنکھوں سے گہری اداسی جھلکتی دیکھی تھی۔

''بابا آپ بیٹھیے ناں......'' اس نے چارپائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ آہستگی سے بیٹھ گئے۔

فیقہ بھاگ کر ان کے لیے ٹھنڈا پانی لے آیا، جو انہوں نے غٹا غٹ پی کر فیقے کا شکریہ ادا کر کے گلاس واپس تھمایا۔

اپنے بیٹے کو یہاں اتنی گرمی اور اس طرح کے ماحول میں دیکھ کر ان کے اندر ایک ان دیکھی دوزخ دہکی تھی۔ جس نے ان کا اندر جلا کر رکھ دیا تھا۔

''لگتا ہے، بہت مانوس ہو گئے ہو یہاں سے؟'' انہوں نے خود پر قابو پا کر اس سے پوچھا تھا۔

''ہاں، یہ سب لوگ کسی چھوٹے معصوم بچے کی طرح میرا خیال رکھتے ہیں، یہ بہت سچے اور مخلص لوگ ہیں بابا......بہت کچھ سیکھنے کو ملا ہے مجھے ان سے......ان

کے ماحول سے۔'' اس نے کھوئے، کھوئے سے لہجے میں کہا تھا۔

''تمہاری ماں تمہیں بہت یاد کرتی ہیں۔'' صالح کی طرف پیاسی نظروں سے دیکھتے ہوئے انہوں نے عجیب تشنہ لہجے میں کہا۔

''ان سے کہیے گا کہ مجھے بھی وہ بہت یاد آتی ہیں۔ چھوٹا سمیع بھی بہت یاد آتا ہے، گھر کی یاد آتی ہے، میں بہت شرمندہ ہوں آپ لوگوں سے کوتاہی برتی، کسی دن ملنے آؤں گا۔ وہ آہستگی سے بولا۔

''میں آپ سے معافی مانگتا ہوں اور ان سے بھی...... میں اچھا بیٹا نہ بن سکا...... نہ اچھا بھائی، مجھے اس خطا کے لیے معاف کر دیجیے گا۔''

''ہم میں سے کوئی بھی تم سے خفا نہیں، سمجھ سکتے ہیں تمہاری مجبوری کو۔ ہم سب کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں، معافی چاہتا ہوں تمہیں تکلیف دی...... کیا کروں بیٹا تمہاری بہت یاد آ رہی تھی اور کچھ تمہاری ماں کا بھی اصرار تھا کہ تمہیں دیکھ آؤں...... ہمیں تم سے کوئی گلہ نہیں...... تمہارے جیسی اولاد کسی بھی والدین کے لیے فخر کا باعث ہو سکتی ہے، بس دل بڑا ہونا چاہیے۔'' انہوں نے خود کو حتی الامکان نارمل ظاہر کرتے ہشاش بشاش لہجے میں کہا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھے، صالح بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ ان کی آنکھوں کی نمی صالح سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔

''بابا......'' وہ جو جانے لگے تھے، صالح کی پکار پر رک گئے۔ وہ بے اختیار آگے بڑھ کر ان کے گلے لگ گیا۔

''بہت عظیم ہیں آپ، میری سوچ سے بھی بڑھ کر، آپ اور ماما نے جو میرے لیے کیا ہے...... اس کا قرض میں ساری زندگی نہیں اتار سکتا۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں آپ جیسے عظیم لوگوں کی اولاد ہوں۔'' اس کے لہجے میں آنسوؤں کی نمی گھل گئی تھی۔

''ہم نے تمہیں اس راہ پر جانے سے نہیں روکا، اپنی انا کو درمیان میں نہیں لائے، تم نے بھی ہمارا مان

دعا

رو، رو کے نعتیں سناؤں روضے کے سامنے
تھام کر سنہری جالی کو ایک بار

مانگوں دعائیں میں ہزار روضے کے سامنے
شاید وہؐ مجھ عاصی پر ڈالیں ایک نظر

اس آس پر بیٹھی ہوں روضے کے سامنے
آپؐ کی ضیا سے منور ہو زندگی
لب پہ یہی دعا ہے روضے کے سامنے

کلام: عالیہ ضیا، کراچی

رکھنا ہے، کبھی اپنے قدم متزلزل نہیں ہونے دینا۔ میں تمہیں بہت آگے دیکھنا چاہتا ہوں، اتنا آگے کہ تمہیں دیکھنے کے لیے مجھے سر اونچا کرنا پڑے...... تمہیں اتنی بلندی پر جاتا دیکھنا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے اسے خود سے الگ کر کے اس کا کندھا تھپکتے ہوئے کہا۔ دونوں باپ، بیٹے کی آنکھیں نم تھیں۔

ان کے جانے کے بعد، وہ چپ چاپ اداس سا برگد کے پیڑ تلے جا کر بیٹھ گیا۔

کچھ مزدوروں نے اس کے پاس آ کر تجسس میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہی مگر منشی رزاق نے انہیں ٹوک کر اپنے، اپنے کام پر لگا دیا تھا۔

اس سے پہلے بھی وہ اس سے ملنے دو بار آ چکے تھے۔ ان سب کا شک اب یقین میں بدلنے لگا تھا۔ مگر اس کی کم گوئی اور مضبوط شخصیت میں ایسا کچھ تھا کہ مقابل کو خاموش کروا دیتا۔ وہ پہروں وہاں اداس بیٹھا رہا۔

منشی عبد الرزاق نے ان سب کو اس کی تنہائی میں مخل ہونے سے سختی سے منع کر رکھا تھا۔

☆☆☆

وہ اسے آواز دے کر روکنا چاہتی تھی مگر شور اتنا زیادہ تھا کہ وہ جتنا اونچی آواز میں بولتی اس شور میں اس کی آواز دب جاتی، سرخ آندھی اتنی تیز تھی کہ اس کے بال، اس کا دوپٹا...... سب ہوا کی زیادتی سے بے قابو ہوا جا رہا تھا۔

اور وہ شخص تھا کہ تحمل سے چلتا چلا جا رہا تھا۔ آندھی کی زد میں صرف وہ خوب صورت مُدکھی، چیختی، چلّاتی لڑکی تھی۔ وہ اس شخص کے تعاقب میں دیوانہ وار بھاگ رہی تھی مگر وہ شخص تھا کہ پل، پل اس سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اپنے دوپٹے سے اُلجھتی، زمین پر گر پڑی۔ یکا یک اس کی آنکھ کھلی تو سانس دھونکنی کے مانند چل رہی تھی۔ پیشانی پر پسینے کے ننھے، ننھے قطرے نمودار ہوگئے تھے۔ کچھ پل تو وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ، پھاڑ کر دیکھتی رہی ہے جیسے کچھ سمجھ نہ آ رہا ہو کہ یہ خواب تھا یا حقیقت...... کچھ دیر بعد اسے سمجھ میں آیا کہ وہ اپنے کمرے میں موجود ہے اور یہ ایک خواب تھا...... ڈراؤنا خواب...... جو اس نے گہری نیند کی حالت میں دیکھا تھا۔ اس نے جیسے تھک کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

''یہ کیسی بے بسی گھیرے ہوئے ہے مجھے؟ جتنا میں اس شخص سے چھٹکارا پانا چاہتی ہوں، وہ مسلسل میری سوچوں میں...... میرے دل میں......میری آنکھوں میں بسنے لگا ہے، حتیٰ کہ میرے ذہن سے اس کا خیال نہیں نکلتا، میں اسے سوچنا نہیں چاہتی مگر وہ مسلسل میری سوچ میں در آتا ہے، میں ایک نامحرم شخص کو سوچتی رہتی ہوں، یہاں تک کہ اب وہ میرے خوابوں میں بھی آنے لگا ہے...... میں ایسی تو نہ تھی، اپنی ذات میں مگن، بے خبر سی لڑکی تھی پھر یہ کیا ہو رہا ہے مجھے......؟'' وہ اپنے آپ سے اُلجھ رہی تھی۔

''میرا دل پلٹ دے اللہ......! مجھ میں اس گناہ کا بوجھ اٹھانے کا یارا نہیں، مجھے معاف کر دے...... میرے دل کو پہلے جیسا خالص اور کورا کر دے۔ میں کسی نامحرم کو سوچنا نہیں چاہتی...... مجھے یوں قید نہ کر میرے مالک...... مجھے رہائی دلا دے......'' وہ ساری رات اس نے روتے ہوئے گزاری تھی۔

☆☆☆

برگد کے پیڑ تلے چارپائی پر لیٹا وہ آسمان کی وسعتوں کو کھوج رہا تھا۔ رات کی مخصوص خاموشی اور سناٹے میں کبھی کبھار کتے کے بھونکنے کی آواز دور سے سنائی دے جاتی۔ یا پھر جھینگر اور مینڈک اپنی، اپنی راگنی گاتے...... سیاہ آسمان پر جا بجا ٹمٹماتے ستارے بہت بھلے لگ رہے تھے۔ ٹھنڈی میٹھی ہوا سے ہلتے پتے ماحول میں عجیب سی دلکشی کا باعث بن رہے تھے۔

خدا کے پیدا کردہ خوب صورت مناظر کو تکتے اسے نیند آنے ہی لگی تھی کہ کوئی کراہتا ہوا دھپ سے اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔

اس نے اچنبھے سے نو وارد کو دیکھا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''کیا ہوا رفیق؟'' اس نے تشویش سے سر پکڑ کر کراہتے رفیق کو مخاطب کیا۔

''اچانک سر میں زور کا درد اٹھا ہے۔'' اس نے بہ مشکل صالح کو جواب دیا۔

''تم نے کوئی دوا لی؟''

''ہاں لی تھی...... پر کچھ خاص فرق نہیں پڑا۔'' اس نے زور سے دبایا۔

''اچھا، تم یہاں لیٹ جاؤ، میں کچھ قرآنی آیات کا ورد کرتا ہوں، انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے فیقے کو اپنی چارپائی پر لٹایا اور اس کا سر دبانے لگا۔

کچھ دیر تک وہ زیرِ لب پڑھتا رہا پھر فیقے پر پھونک کر دم کیا۔ صالح نے دیکھا کہ اتنی سی دیر میں وہ گہری نیند سو چکا تھا۔ صالح کو بھی اونگھ آنے لگی تھی، اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی دور ایک چارپائی خالی تھی جو غالباً فیقے کی ہی تھی۔

وہ وہیں جا کر لیٹ گیا۔ درود شریف کا ورد کرتے، کرتے جانے وہ کب سو چکا تھا۔

☆☆☆

چوہدری عمر احمد نے صالح کو حویلی بلوایا تھا۔ وہ دونوں مہمان خانے میں ہی بیٹھے تھے، چوہدری صاحب اس کے کام سے بہت خوش ہوئے تھے۔

خنسہ نے اپنے ہاتھ سے پھلوں کا جوس نکال کر جگ گلاس ٹرے میں رکھے، ملازماؤں کے منع کرنے کے باوجود وہ خود ٹرے اٹھائے مہمان خانے چلی آئی۔

اس نے دروازے پر آہستگی سے دستک دی، چوہدری صاحب، صالح سے معذرت کرتے دروازے تک آئے تھے۔

''ہماری بیٹی نے آج کیسے زحمت کرلی؟'' وہ ملازمہ کے بجائے خنسہ کو دیکھ کر حیرانی اور خوش دلی سے بولے۔

''میں نے سوچا آپ کے خاص مہمان آئے ہیں، اپنے ہاتھوں سے ان کی ضیافت کروں، مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں، یہی سوچ کر ثواب کمانے کا ارادہ کرلیا۔'' وہ بھی آہستہ سے کہہ کر مسکرائی۔

''بھئی یہ تو ہمارے مہمان کی خوش نصیبی ہے کہ تم نے ان کے لیے اہتمام کیا۔'' کچھ دیر بعد صالح جانے لگا، چوہدری صاحب کے بے حد اصرار پر بھی وہ کھانے پر رکنے کو رضامند نہ ہوا۔ ان کو صالح کچھ ہی دنوں میں بہت عزیز ہوگیا تھا۔ وہ اکثر اس سے ملنے لگے تھے۔

اپنے کمرے کی کھلی کھڑکی میں کھڑی خنسہ خود سے پل پل دور ہوتے اس شخص کو دیکھنے لگی جو دل کے بے حد قریب ہوگیا تھا۔

زمین پر مضبوطی سے قدم جما کر چلتا وہ شخص فاصلہ بڑھاتا جارہا تھا۔ اس کا ہر اٹھتا قدم خنسہ کو اپنے دل پر پڑتا محسوس ہورہا تھا۔ اس کی عجیب سی کیفیت ہورہی تھی۔

☆☆☆

صالح کے روحانی علاج کے چرچے اب کارخانے کے مزدوروں تک ہی محدود نہ رہے تھے بلکہ گاؤں کے سادہ لوح مکینوں تک پہنچ گئے تھے۔

آئے دن اس کے پاس بیمار لوگ دم کروانے آنے لگے۔ بخار، سر درد، کسی کو کوئی اور مسئلہ، غرض طرح، طرح کی بیماریوں کا علاج اس کے پاس تلاش کرنے آتے۔

لوگ آتے، صالح خاموشی سے دم کردیتا اور حیرت انگیز طور پر وہ شکایت رفع ہوجاتی۔

گاؤں کا چھوٹا بڑا، ہر طبقے کا شخص اس کی تعظیم کرنے لگا تھا۔ پہلے پہل لوگ نذر نیاز لاتے، صالح کے منع کرنے پر پھر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ اسے ناراض کرے، لوگ اس کا مزاج سمجھنے لگے تھے کہ وہ ان تکلفات کو پسند نہیں کرتا، ان کے لیے تو صالح کی خوشی ہی اہم تھی پھر بھی اگر کوئی بھولے بھٹکے کچھ لے بھی آتا تو وہاں کے مزدور انہیں آئندہ اس طرح کے تکلف سے منع کرتے اور وہ سب کچھ بچوں یا غریبوں کو دے دیا جاتا۔

صالح کے مزاج میں کوئی تبدیلی نہ آئی تھی بلکہ وقت کے ساتھ، ساتھ اس کے اندر مزید ٹھہراؤ اور بُردباری جنم لے رہی تھی۔ کم گوئی اور گوشہ نشینی اب بھی اس کی ذات کا خاصہ تھی۔

☆☆☆

خنسہ اس کے لیے کھانا لائی تھی۔ روزانہ کے معمول کی طرح، اس نے کسی مزدور کے ہاتھ کھانا صالح تک بھجوایا تھا۔ جو صالح نے خاموشی سے اس کے ہاتھ سے لے کر برگد کے درخت تلے بچھی چارپائی پر رکھا......اور کچھ فاصلے پر بنے ہینڈ پمپ سے ہاتھ دھو کر چارپائی پر آبیٹھا۔ پھر بسم اللہ پڑھ کر کھانے لگا۔ وہ دور کھڑی مطمئن اور مگن انداز میں نظریں جھکائے کھانا کھاتے صالح کو تکتی جارہی تھی۔

اس بات سے بے خبر کہ اسے کسی نے یوں دیکھ لیا تو کتنی معیوب اور قابلِ شرم بات ہوگی کیونکہ وہ کسی عام مزدور یا مزارع کی بیٹی نہ تھی بلکہ چوہدری عمر احمد کی اکلوتی بیٹی اور گاؤں کی ''خنسہ بی بی'' تھی۔ قابلِ احترام خنسہ بی بی! اسے بے اختیار وہ دن یاد آیا جب وہ پہلی

بار صالح کے لیے کھانا لائی تھی۔

وہ برگد کے درخت تلے جا نماز پر بیٹھا عبادت میں مصروف تھا۔ وہ کچھ فاصلے پر منتظر کھڑی اس کی نماز مکمل ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ نماز پڑھنے کے بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، کچھ دیر تک دعا مانگنے کے بعد دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے۔

خنسہ کی سمت اس کی پشت تھی۔

''بی بی جی...... کوئی کام ہے آپ کو......؟''

ایک کم عمر سا لڑکا جو غالباً وہاں مزدور تھا، نے قریب آکر پوچھا۔

''یہ کھانا لائی تھی، ان کے لیے۔'' صالح کی طرف اشارہ کرتے اس نے دونوں ہاتھوں سے تھامی ٹرے لڑکے کی سمت بڑھائی۔

''مگر......'' وہ متذبذب ہوا۔

''مگر کیا......؟'' خنسہ اس کے انداز پر حیران ہوئی تھی۔

''صالح بھائی کسی سے کچھ نہیں لیتے، ان کو اچھا نہیں لگتا یہ سب......'' اس لڑکے نے جھجک کر کہا۔

''تم یہ کھانا انہیں دے آؤ، انکار کریں تو ان سے کہنا مجھ سے آکر بات کریں۔'' وہ اٹل لہجے میں بولی۔

اب کی بار لڑکے نے خاموشی سے ٹرے تھامی اور چند قدم چل کر صالح کے پاس جا کھڑا ہوا۔

لڑکے نے صالح سے کچھ کہا تھا جو خنسہ فاصلے کی وجہ سے سن نہ سکی، صالح نے لڑکے کی نظروں کے تعاقب میں پلٹ کر دیکھا، اسے عبایا پہنے دراز قد... نازک سی لڑکی نظر آئی۔

اس نے چہرہ واپس موڑ لیا، پیروں میں چپل ڈالے اور دھیرے، دھیرے قدم اٹھاتا وہ اس تک آنے لگا۔ خنسہ کا دل اچھل کر حلق تک آگیا۔ خود کو بہادر بنا کر یہاں تک چلی تو آئی تھی مگر اس نے اپنے باپ کے علاوہ زندگی میں کبھی کسی غیر مرد سے بات نہ کی تھی۔ کجا کہ اس کا سامنا کرتی۔

''یہ دل بھی ناں کبھی کبھار بندے سے وہ کچھ کروا لیتا ہے جو اچھا خاصا بندہ خواب میں بھی نہیں سوچتا۔''

''جی بی بی...... فرمائیے......؟'' وہ اس سے کچھ فاصلے پر نظریں نیچی کیے آکھڑا ہوا۔ اس سے کافی دیر کچھ بولا نہیں گیا...... اس نے منتظر کھڑے صالح کی طرف دیکھا۔

''وہ...... میں آپ کے لیے...... کھانا لائی تھی۔''

اس نے بالآخر ہمت مجتمع کر کے کہہ ڈالا۔

''میں یہ کھانا نہیں لے سکتا، آپ یہ واپس لے جائیں۔'' وہ اسی طرح نظریں زمین پر جمائے، مؤدب کھڑا تھا۔

''واقعی پروین ٹھیک کہتی ہے، اس کی شخصیت کے ساتھ یہ عاجزی ''جچتی'' نہیں، یہ تو سینہ و گردن تان کر کھڑا ہوتا اچھا لگے گا۔'' اس نے سوچا۔

''وجہ پوچھ سکتی ہوں؟'' اس کے لہجے میں محسوس کیے جانے والا درد پنہاں تھا۔

''میں اللہ کا عاجز، صابر و شاکر بندہ ہوں، روکھی سوکھی جو مل جائے کھا لیتا ہوں...... آپ ناحق تکلیف میں خود کو ڈال رہی ہیں...... میں اپنی وجہ سے کسی کو تکلیف نہیں دینا چاہتا؟'' وہ اس سے اجنبی لہجے میں مخاطب ہوا۔

''میں اپنے دل کی پوری خوشی سے یہ کھانا لائی ہوں اور جس کام میں خوشی شامل ہو اس میں تکلیف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... ہاں اگر آپ یہ کھانا نہیں چاہتے تو میں واپس لے جاتی ہوں۔'' وہ کچھ پل کو رکی۔ ''آپ اللہ کے محبوب بندوں میں سے ہیں، یہ فرمان تو آپ نے سنا ہوگا اللہ کہتا ہے میرا گھر توڑ دو مگر کسی کا دل نہ توڑو۔'' اس کے لہجے میں دل چیر دینے والی دُکھن تھی۔

صالح نے بے ساختہ اس کی سمت نظریں اٹھائیں ...... پر جلد ہی واپس نیچے کر لیں۔ نقاب سے جھانکتی جھیل سی گہری، بڑی، بڑی آنکھوں کی سطح نم تھی، صالح کی طرف دیکھتی، ان نم آنکھوں میں ایک اداسی، ایک مسلسل دکھ رقم تھا۔

صرف ایک پل لگا تھا۔

صالح نے اٹھی ہوئی نگاہیں.. جھکالی تھیں۔ پھر خنسہ نے وہ ''انقلاب'' ہوتا دیکھا کہ اس نے خاموشی سے مزدور لڑکے کے ہاتھ سے ٹرے لے لی تھی۔

اس دن کے بعد سے وہ روزانہ دوپہر کا کھانا لانے لگی تھی، صالح نے بھی پھر اس موضوع پر کوئی بات نہ کی تھی۔

خنسہ کے لبوں پر بے ساختہ وہ سب کچھ نئے سرے سے یاد کر کے مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

یہاں اس مشکل محاذ پر تو وہ اس سے جیت گئی تھی۔

☆☆☆

''میں بچنا چاہتی تھی مگر بچ نہ پائی...... اس شخص کی شخصیت کا سحر مسلسل مجھ پر طاری ہوتا گیا، کسی تارِ عنکبوت کے مانند میں اس کے سحر میں جکڑتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اب نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔ مجھے اس سے، اس کی ذات سے کوئی غرض کوئی ہوس نہیں ...... بس اسے دیکھ کر میں بے بس ہو جاتی ہوں...... خود پر میرا کچھ اختیار نہیں رہتا...... اس میں نہ جانے کیسی کشش ہے۔ میرا دل ہمک، ہمک کر اس شخص کی طرف مچلتا ہے مگر میرا ذہن اب تک اس بات کو قبول نہیں کر پا رہا کہ مجھے ،ایک اجنبی شخص سے عشق ہو چلا ہے۔ میں مسلسل کسی خوابیدہ شخص کی طرح وہ سب کچھ کر جاتی ہوں جو میں کرنا نہیں چاہتی۔'' وہ خود احتسابی کے عمل سے گزر رہی تھی۔

''مجھے خود پر غصہ بھی بہت آتا ہے، یہ بہت معیوب اور غیر اخلاقی حرکت ہے، جس کی میں مرتکب ہو رہی ہوں...... یہ سب غلط ہے...... میں خود کو اس کے لیے کبھی معاف نہیں کر سکتی...... مگر میں مجبور ہوں۔ اکثر اس بات پر پچھتاتی ہوں، رو لیتی ہوں مگر کوئی حل سجھائی نہیں دیتا۔'' اس کی آنکھ سے دو موتی ٹوٹ کر ڈائری کے کھلے ورق پر پھسل گئے اس نے ڈائری بند کر کے جلتی آنکھیں موند کر کرسی کی پشت پر بے بسی سے سر ٹکا لیا تھا۔

☆☆☆

کچی پگڈنڈی کے دونوں اطراف تا حدِ نگاہ ہریالی پھیلی ہوئی تھی۔ ڈھلتے پہر کے زرد سورج کی کمزور کرنیں سارے ماحول کو خوابناک بنائے ہوئے تھیں۔

چوہدری عمر احمد کے ہاں خدمت کرنے والی حلیمہ مائی، بڑھاپے کی وجہ سے بیمار رہنے لگی تھی۔ جس کی وجہ سے اب وہ حویلی بھی نہیں آ سکتی تھی۔

خنسہ' پروین کے ساتھ ان کی عیادت کو گئی تھی۔ واپسی پر کھیتوں کے درمیان کچی پگڈنڈی پر اسے کوئی چلتا ہوا نظر آیا۔ اس شخص کی خنسہ کی طرف پشت تھی مگر وہ اسے لاکھوں لوگوں کے ہجوم میں بھی پہچان سکتی تھی

''پروین تم جاؤ...... میں کچھ دیر میں آتی ہوں۔'' خنسہ نے اچانک چلتے، چلتے رک کر اس سے کہا۔

پروین نے اسے اچنبھے سے دیکھا۔'' یہ بی بی کو کیا ہو گیا ہے، میرے بغیر تو یہ کہیں نہیں جاتی۔

''پر بی بی......'' اس نے کچھ کہنا چاہا۔

''میں نے جو کہا ہے وہ کرو۔'' اس کا لہجہ پہلی بار سخت ہوا تھا۔

پروین کے لیے تو گویا یہ مرنے کا مقام تھا۔

''پر بی بی شام ہونے والی ہے اور آپ اکیلی......'' اس نے منمنا کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

مبادا اور غصہ نہ ہو جائے۔

''میں کوئی چھوٹی بچی نہیں ہوں اور نہ ہی یہ جگہ میرے لیے اجنبی ہے، انہی راستوں پر کھیتوں میں پلی بڑی ہوں...... میری فکر مت کرو...... کچھ دیر تنہا رہنا چاہتی ہوں، مجھے اکیلا چھوڑ دو......'' اب کہ وہ ذرا نرم لہجے میں بولی تھی۔

پروین خلافِ معمول چپ رہی اور خاموشی سے واپسی کے رستے پر ہولی۔

خنسہ نے سامنے طویل رستے پر چلتے شخص کو دیکھا، جواب خاصا دور جا چکا تھا۔

اس نے نیچے پگڈنڈی کی طرف دیکھا۔ کچی مٹی پر اس کے قدموں کے نشان واضح دکھائی دے رہے تھے۔

اس نے اپنے خوب صورت نازک سلیپر وہیں اتارے اور ننگے پاؤں ان نشانات پر اپنے کبوتر سے سفید و نازک پیر دھرتی سُبک روی سے اس شخص کے تعاقب میں چلنے لگی۔ سامنے سورج کے ڈوبتے زرد تھال کا راستہ اس شخص کی چوڑی پشت نے روک لیا تھا۔ یوں کہ اگر وہ منظر سے ہٹتا تو خنسہ کا پورا وجود اور چہرہ سنہری کرنوں میں نہا جاتا۔

سورج کی آخری زرد کمزور کرنیں، اس شخص کے اطراف سے نکل کر کھیتوں کو منور کر رہی تھیں۔

خنسہ جیسے خواب میں بے خبر چلتی چلی جا رہی تھی۔ وہ انجان و معصوم شخص اس بات سے بے خبر ناک کی سیدھ میں چلتا چلا جا رہا تھا کہ ایک دیوانی سی لڑکی اس کے عشق کے صحرا میں ننگے پاؤں اس کے قرب کے سراب کے پیچھے ہلکان ہو رہی ہے۔ ان کے درمیان کچھ ہی فاصلہ رہ گیا تھا کہ اچانک خنسہ کے دائیں طرف سے تیزی سے آتے شخص نے اسے پکڑنا چاہا۔ وہ اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھی۔ لڑکھڑا کر رہ گئی۔

”کہاں چلی گئی تھیں تم؟ میں نے تمہیں کتنا ڈھونڈا...... تم چھوڑ کر چلی گئیں۔“ خنسہ نے پوری قوت مجتمع کر کے دوڑ لگا دی۔ وہ شخص اس کے پیچھے بولتا تیزی سے چلا آ رہا تھا۔

”کہاں چلی جاتی ہو تم؟ اب میں تمہیں نہیں جانے دوں گا...... سمجھیں تم......“ وہ قہقہے لگاتا زور، زور سے بولتا آ رہا تھا۔ خنسہ روتے ہوئے بھاگتی جا رہی تھی۔

اس عشق نے اسے کہیں کا نہ چھوڑا تھا، آج زندگی میں یہ مقام بھی آنا تھا کہ باپردہ خنسہ بی بی کسی شخص سے پاگلوں کی طرح بھاگتی اپنی عزت بچا رہی تھی۔

اس کے لیے ڈوب جانے کا مقام تھا...... اب تو انتہا ہو چکی تھی۔ صالح نے شور کی آواز پر مڑ کر دیکھا۔ عبایا میں ملبوس دراز قد لڑکی اس کی طرف بھاگتی ہوئی آ رہی تھی۔ وہ روتے ہوئے اسے مدد کے لیے پکار رہی تھی۔

صالح نے اس کے پیچھے دوڑتے شخص کو بھی دیکھ لیا تھا۔ وہ تیزی سے اس شخص کی جانب بڑھا، شاید کوئی پاگل تھا، صالح کو دیکھ کر ڈرتے ہوئے وہ دوسری سمت بھاگ نکلا۔

اس نے مڑ کر دیکھا، وہ زمین پر بیٹھی رو رہی تھی۔ وہ دھیرے، دھیرے قدم بڑھاتا، اس کے سامنے آ کر دوزانو بیٹھ گیا۔

یوں کہ سورج کا زرد تھال اب خنسہ کی پشت پر تھا۔ سورج کی کرنیں براہِ راست اس شخص کے وجود اور چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ اس کی سنہری دمکتی رنگت، شہد رنگ آنکھیں اور آنکھوں کے رنگ سے مشابہ گھنے بال، سورج کی کرنوں سے اور بھی نمایاں ہو رہے تھے۔ جیسے کسی ماہر مجسمہ ساز نے سونے کا پانی چڑھا کر کوئی خوب صورت شاہکار سنہری مجسمہ بنا دیا ہو۔

خنسہ نے آنسو پونچھنے کو اپنا ہاتھ بڑھایا، نقاب کا پلو جو ڈھیلا ہو چکا تھا، ہاتھ کی انگلیوں میں ہونے سے ڈھلک گیا۔ اس وقت وہ کچھ سوچنے، سمجھنے کی صلاحیت میں نہیں تھی۔ ایک عجیب سا خوف، گھبراہٹ اور بے چینی نے اسے جکڑ لیا تھا۔

”بی بی ...... آپ ٹھیک تو ہیں؟“ خاموشی کے طویل وقفے کو صالح کی دھیمی مگر بھاری آواز نے توڑا۔

”ٹھیک ہی تو نہیں ہوں...... میری روح، میرا دل، میرا وجود سب کا سب زخمی ہو چکا ہے، کیسی بے بسی ہے، میں بیان بھی نہیں کر سکتی...... چوہدری عمر احمد کی لاڈلی بیٹی اتنی لاچاری کی کیفیت میں تنہا ایک اجنبی شخص کے سامنے بے نقاب ہو گئی ہے، اس سے بڑی شرمندگی اور کیا ہو گی؟ یہ احساس ہی میرے لیے سوہانِ روح ہے، میں کتنی تکلیف میں ہوں...... اس کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا۔“ اس کی خاموشی پر صالح نے نیچی نظریں

اوپر اٹھائی تھیں۔ گلابیاں کھلے، پُرحزن چہرے پر، بڑی بڑی گہری سیاہ بھنور آنکھیں جو لبالب اپنی بے بسی پر آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ چھوٹی سی ستواں خوب صورت ناک، جس پر دمکتی لونگ اس کی دلکشی اور بڑھا رہا تھا۔ عنابی کپکپاتے ہونٹ، جس کی رنگت رونے کی وجہ سے اور بھی گہری اور نمایاں ہوگئی تھی...... بلاشبہ وہ غیر معمولی حسن کی مالک تھی۔

صرف ایک پل کے لیے اس کی نگاہ بھٹکی تھی۔

''یہ حسین دھوکے مجھے زنجیر نہیں کرسکتے...... میری منزل کوئی اور ہے میں جس راہ کا مسافر ہوں، وہاں کسی ایسی (حسین) خطا کی گنجائش نہیں...... ہاں زن، زر، زمین...... ان میں سے کوئی بھی ایک چیز میرا حصول نہیں...... میرا مقصدِ حیات نہیں...... مجھ سمیت یہ ساری چیزیں فانی ہیں......اور مجھے فانی نہیں...... لافانی ذات کی تلاش ہے۔ مجھے عرفانِ ذات کی جستجو ہے......منزل کے اتنے قریب پہنچ کر میرے قدم کمزور نہیں پڑنے چاہئیں۔ ان ''آزمائشوں'' سے گزر کر ہی میں منزل تک سرخرو ہو کر پہنچ سکتا ہوں۔'' اس نے نگاہیں نیچی کرلیں۔ اور اس ایک پل کی بھول کے لیے دل میں اللہ سے توبہ طلب کی تھی۔

''آئیں بی بی! میں آپ کو حویلی چھوڑ کر آؤں۔'' وہ اٹھتے ہوئے آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

خنسہ نے چہرے پر نقاب لیا اور کھڑی ہوگئی۔ سیاہ عبایا گرد سے اٹ چکا تھا۔ اس نے عبایا سے گرد جھاڑی۔ صالح کی نظر اس کے پیروں پر پڑی، وہ ننگے پیر مٹی میں کھڑی تھی۔ وہ خاموشی سے پلٹ کر اس کے آگے چلنے لگا۔

خنسہ ننگے پیر اس کے قدموں کے نشانوں پر قدم دھرتی اس کے پیچھے سر جھکائے چلتی رہی۔

خاصی دیر وہ اس طویل سیدھے رستے پر خاموشی سے چلتے رہے۔ کھیتوں کا سلسلہ ختم ہونے کو آیا تو صالح رک گیا۔ خنسہ بھی اس کی تقلید میں رک کر اس کی چوڑی پشت کو الجھن سے دیکھنے لگی۔

''الٰہی خیر! کوئی معجزہ ہونے لگا ہے۔'' نادان دل خوش فہم ہو چلا تھا۔

طویل روش کے اختتام پر اس کے نازک سلیپر ترتیب سے ایک ساتھ رکھے تھے۔

صالح نے آگے بڑھ کر سلیپر اٹھائے اور خنسہ کے قدموں میں رکھ دیے۔ خنسہ نے اِک گہری سانس لی۔ اور جھک کر پاؤں میں پہننے کے بجائے ہاتھوں میں اٹھا لیے۔

صالح نے اس کی یہ حرکت دیکھ لی تھی۔ مگر کچھ کہا نہیں۔

''یہ عشق کی تعظیم ہے، معشوق کے قدموں کے نشانات پر عاشق کا چپل پہن کر چلنا، عشق کی ... بے توقیری ہے، کم از کم میں یہ بے توقیری برداشت نہیں کرسکتی۔'' وہ صرف سوچ ہی سکی تھی۔

نہ صالح نے کچھ پوچھا، نہ خنسہ نے وضاحت کی، دونوں پھر سے خاموش چپ چاپ اپنے رستے چلنے لگے۔

ڈوبتا سورج، زمین سے جدائی کی پاداش میں اسے دھیرے، دھیرے اندھیروں کے سپرد کررہا تھا۔ ہر سو رات کی تاریکی پھیلنے لگی۔ وہ خواب کی سی کیفیت میں اس کے پیچھے چل رہی تھی دور کہیں سے فضا میں اذان کی آوازیں خاموشی کا سینہ چیرنے لگیں۔ چاروں طرف سبزے سے ڈھکی، سرخ اینٹوں والی حویلی، سامنے بڑی شان سے آ کھڑی ہوئی۔

خوش نما خواب ٹوٹ چکا تھا، وہ منزل پر پہنچ گئی تھی۔ خنسہ بڑا آہنی گیٹ عبور کرنے لگی کہ صالح کی آواز نے اس کے پیر جکڑ لیے۔

''بی بی آئندہ گھر سے نکلتے ہوئے احتیاط کیجیے گا۔ اکیلا بندہ بڑا کمزور ہوتا ہے اور عورت کو تو پھر بہت احتیاط کرنی پڑتی ہے، امید ہے آپ میری بات سمجھ گئی ہوں گی۔'' مناسب الفاظ و انداز میں کہتے وہ پلٹ کر اپنے رستے چل پڑا اس کی پشت پر نظریں جمائے .... بے خودی سی کھڑی خنسہ کے دل میں اس شخص کی قدر و

منزلت اور بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

''چوہدری صاحب مجھے اس کی فکر لگ گئی ہے، ایک ہی تو ہماری اولاد ہے، ہنستی بولتی نہیں...... کھانا پینا ختم ہو کر رہ گیا ہے، سارا دن کمرے میں چپ چاپ پڑی رہتی ہے...... اب تو اپنا پسندیدہ مشغلہ (مطالعہ کرنا) بھی چھوڑ دیا ہے...... کچھ کریں چوہدری صاحب، مجھے تو اسے دیکھ کر ہول اٹھتے ہیں، اسے شہر کے کسی اچھے سے ڈاکٹر کو دکھانا پڑے گا۔'' ماں جی بہت پریشان تھیں۔

''محسوس تو میں نے بھی کیا ہے...... مگر تم پریشان نہ ہو نیک بخت! ٹھیک ہو جائے گی، یہ عمر بھی ایسی ہے اور پھر ہماری بیٹی حساس بھی تو بہت ہے...... کسی بات کو دل پر لے لیا ہوگا...... میں اس سے بات کروں گا...... سمجھ دار ہے، سمجھ جائے گی میری بیٹی۔'' چوہدری عمر نے انہیں تو تسلی کروا دی مگر وہ خود پریشان ہو گئے تھے۔ وہ کم گو تھی مگر زندگی میں پہلی بار انہوں نے خنسہ کو اتنا گم صم اور خاموش دیکھا تھا۔

وہ بہت خوش اخلاق و ملنسار لڑکی تھی۔ چوہدری عمر کا تشویشناک ہونا بجا تھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں... ڈوب گئے تھے۔

☆☆☆

سفید لانگ شرٹ اور ٹائٹس پہنے ہم رنگ بڑے سے دوپٹے میں ملبوس وہ خوش شکل سی لڑکی۔ وہاں کے مقامی شخص سے صالح کا پوچھ رہی تھی۔

اس شخص نے سامنے گھنے پیڑ تلے ٹیک لگائے طمانیت سے آنکھیں موندے ایک شخص کی جانب اشارہ کیا تھا۔ دفعتاً وہ لڑکی چونکی تھی۔

''یہ...... یہ وہی بابا...... میرا مطلب ہے وہی ہیں جو دم وغیرہ کرتے ہیں؟'' اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

''جی بیگم صاحبہ! جن کا آپ پوچھ رہی ہیں، وہ یہی ہیں۔'' سادہ لوح شخص نے اپنے تئیں ادب سے کہا تھا۔

اس نے شکریہ ادا کیا اور برگد کے درخت تک آئی۔

''ایکسکیوزمی......'' وہ ذرا سا جھکی۔

صالح نے آنکھیں کھول لیں۔

ایک لڑکی کو سامنے کھڑا دیکھا تو سیدھا ہو بیٹھا۔

''کیا میں بیٹھ سکتی ہوں؟'' لڑکی نے مسکرا کر پوچھا۔

صالح نے سر اثبات میں ہلایا۔

وہ صالح سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی۔

''مجھے یقین نہیں آرہا، میں جس بابا سے ملنے آئی تھی وہ آپ ہیں، میرے تصور میں سفید داڑھی والا، لاٹھی ٹیکتا کوئی بزرگ سا شخص تھا مگر آپ تو میری سوچ کے بالکل برعکس نکلے۔'' اس نے یونانی دیوتا کا سا حسن رکھنے والے صالح کی طرف دیکھتے ہوئے بے تکلفی سے کہا تھا۔

وہ اس کی بات پر خاموش رہا۔

''میں نے آپ کا بہت چرچا سنا ہے، مجھے دراصل روحانیت، صوفی ازم وغیرہ بہت اٹریکٹ کرتا ہے، اسی سلسلے میں، میں کافی مطالعہ اور سفر وغیرہ کر چکی ہوں مگر مجھے تسلی نہیں ہوئی، ایک پیاس ہے جو بجھتی نہیں...... یہی پیاس مجھے آپ تک کھینچ لائی ہے شاید آپ میری کچھ مدد کر سکیں۔'' اس نے اعتماد سے کہتے گہری سانس لی تھی۔

''اللہ کا عام سا بندہ ہوں...... یہ ان معصوم لوگوں کی محبت ہے، ورنہ میں اس قابل کہاں......'' اس کی آواز بھی اس کی شخصیت کے مانند سحر انگیز تھی۔

''مگر میں نے تو سنا ہے، اللہ اپنے جس بندے سے بہت محبت کرتا ہے، اس کی محبت اپنی مخلوق کے دلوں میں ڈال دیتا ہے، اللہ نے آپ کو اس مقام سے ایسے ہی تو نہیں نوازا ہوگا ناں......'' اس نے صالح کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ خوب صورت تنو مند وجود، آنکھوں میں دانش کی چمک، پُرسکون طمانیت سے لبریز شخصیت...... وہ بہت مرعوب نظر آرہی تھی۔

''اس کی عطا ہے، ہم ہر ہنر سے نا آشنا ہیں......''

وہ سرتاپا شکر میں ڈوبا نظر آیا۔
''اگر میں اس راہ پر چلنا چاہوں تو......؟'' اس کے لہجے میں دبا دبا سا جوش اور تجسس سا تھا۔
''یہ دشوار اور کٹھن راہ ہے، اس راستے پر چلتے، نشیب و فراز سے سامنا پڑے گا۔ خار دار جھاڑیاں پیروں کو لہولہان کریں گی، ہر طرف سے تیر اور پتھر برسیں گے، اپنوں، غیروں سب ہی کی طرف سے حملے ہوں گے۔ جسمانی، روحانی ہر طرح کی اذیت دی جائے گی، اس سب سے بچ کر سرخرو ہو کر نکلیں گی تو کامیابی مقدر ہوگی......مگر میں آپ سے کہوں گا، ایک بار پھر سوچ لیں...... یہ بہت کٹھن اور مشکل راہ ہے... بی بی۔'' صالح نے متاثر کن الفاظ اور ناصحانہ انداز میں حقیقت کے پہلو سے آگاہ کروایا۔
''میں نے سوچ لیا ہے اور جو میں ایک بار تہیہ کرلوں اس بات سے پیچھے نہیں ہٹتی۔'' کچھ دیر خاموشی کے بعد وہ مضبوط لہجے میں بولی۔'' جب آپ جیسا شاندار اور پیارا شخص، اتنی بھری جوانی میں ماں، باپ، گھر بار چھوڑ کر اس راہ کا مسافر بن سکتا ہے تو پھر میں کیوں نہیں؟ آپ کو رول ماڈل بنا سکتی ہوں۔'' وہ یہ صرف سوچ ہی سکی۔'' اس راہ پر چلنے سے پہلے مجھے کیا کرنا ہوگا، جو مجھے منزل تک پہنچادے؟'' اس نے بے ساختہ پوچھا تھا۔
''عاجزی......! عاجزی اپنانا ہوگی......'' وہ سر جھکائے، جھکائے بولا۔
''عاجزی پہلی سیڑھی ہے اس راستے کی...... تکبر چھوڑنا ہوگا...... انا بالکل ختم کرنی پڑے گی...... اپنی ''میں'' کو مارنا پڑے گا......اپنی خواہشات، اپنے نفس کو آگ میں جھونکنا ہوگا، تب ہی اللہ کی ذات سے سامنا ہوگا۔''
''کیا یہ سب بہت مشکل ہے؟'' اس کی آواز سے انجانا خوف جھلک رہا تھا۔
''کوئی بھی کام مشکل یا ناممکن تب ہی لگتا ہے جب ارادہ کمزور ہو، جب بنیاد ہی کمزور ہو تو عمارت

امتحان

جب اسکول میں پڑھتے تھے تو امتحان سے مشکل اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اور جب پڑھائی ختم ہوئی اور زندگی کا امتحان شروع ہوا تو محسوس ہوا کہ زندگی سے بڑھ کر کوئی امتحان نہیں۔
زندگی کا ہر امتحان انسان صرف ذہانت اور محنت سے پاس نہیں کرسکتا اس میں قسمت کا بھی دخل ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر دعا جیسا ہتھیار قسمت کو بھی بدل دیتا ہے۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے استاد سبق دے کر امتحان لیتا ہے اور زندگی سبق دے کر امتحان لیتی ہے اور یہ سو فیصد صحیح بھی ہے۔
کچھ لوگ امتحان کو بھی کھیل کی طرح لیتے ہیں......لیکن کھیل اور زندگی میں بہت فرق ہوتا ہے کھیل کو ہم کھیلتے ہیں۔ زندگی ہمیں کھیلتی ہے ہم زندگی کے مُہرے ہوتے ہیں۔ زندگی کو مُہرہ نہیں بنا سکتے۔

تقدیر کا شکوہ بے معنی جینا ہی تجھے منظور نہیں
آپ اپنا مقدر بن نہ سکے اتنا تو کوئی مجبور نہیں

از: فریدہ فضل ڈیلاس
یو۔ایس۔اے

واہ کیا بات ہے

☆نفرت اور نظر انداز کرنا وہ عمل ہیں جنہیں ایک لمحے میں محسوس کیا جاسکتا ہے جبکہ محبت اور وفاداری وہ عمل ہیں جن کو ثابت کرنے میں پوری زندگی بیت جاتی ہے۔
☆وہ شخص زندگی کی کوئی جنگ نہیں ہار سکتا......جو برداشت کرنے کا ہنر خوب جانتا ہو۔
(قولِ شیخ سعدی)
از: تمثیلہ لطیف، لاہور

تعمیر کرنے کا فائدہ...... صرف وقت کا زیاں...... ارادہ مضبوط ہو تو سب کچھ خود بہ خود بہ آسانی ہوتا چلا جاتا ہے۔'' صالح کی مضبوط دلیل نے اس کے خوف کو سہارا دیا۔

''کیا میرے لیے اس راہ پر چلنا آسان ہوگا؟'' اس کے دل میں خدشے نے پھر سر ابھارا۔

وہ کچھ دیر خاموش رہا۔

''اشفاق احمد کہتے ہیں، غریب آدمی کے دل میں، کسی کونے کھدرے میں دولت کی محبت، آسائش کی محبت...... روشن مستقبل کی خواہش چھپی ہوتی ہے۔ وہ اس کے اوپر غلاف چڑھاتا ہے لیکن یہ چور نکلتا نہیں...... کہیں دل میں بھیس بدل کر بیٹھ جاتا ہے غریب عموماً ڈبا پیر بن کر بیٹھ جاتا ہے، آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اصلی بات دل سے آرزو نکالنا ہے امیر کا امیری سے دل پُر ہو، چکتا ہے، غریب کے دل میں ابھی ہوس ہوتی ہے، حاصل کرنے کی۔'' کچھ پل خاموشی کی نذر ہوئے۔

''اور پھر کہتے ہیں۔ ہر بڑی تبدیلی کوئی واقعہ نہیں ہوتی، حادثہ نہیں ہوتی بلکہ ٹھہری ہوئی سوچ ہوتی ہے، قلب میں...... روح میں پھر اس کے راستے میں جو آئے ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔ رات کی تنہائی اور خاموشی میں فیصلہ آسان ہو جاتا ہے، آج رات ٹھنڈے دل و دماغ سے یہ سب باتیں دُہرانا...... پھر جس بات پر دل مطمئن و راضی ہو اس پر عمل کرنا...... پر اس راستے پر قدم دھرنے سے پہلے دل کی مرضی معلوم کرنی پڑتی ہے۔'' سکون و طمانیت کی لہریں تھیں، جو اس کے اندر موجزن تھی۔

اس کو اپنا آپ اس پل ''پر'' کے مانند ہلکا محسوس ہو رہا تھا۔ ''آج میں صحیح جگہ پہنچی ہوں، مجھے اصل راہنما ملا ہے، میں بے حد خوش ہوں، بے حساب۔ اس نے طمانیت سے سوچا۔

''مجھ جیسی باتونی لڑکی کے پاس الفاظ ختم ہو چکے ہیں، یہاں اس مقام پر آ کر میرے پاس الفاظ نہیں۔ سمجھ نہیں آ رہا کن الفاظ میں آپ کی تعریف کروں؟

مجھے جس سکون و تشفی کی تلاش تھی آج وہ تلاش ختم ہوئی، آپ کے قرب میں گفتگو میں ایسا کچھ ہے جو بندے کو بدل کر رکھ دے...... آج اس لمحے میں مکمل ہوگئی ہوں...... مجھے اپنے جینے کا جواز مل گیا ہے...... آپ کی بے حد ممنون ہوں، شکریہ......'' اِک انجانی خوشی مل جانے کے احساس سے اس کا چہرہ دمکنے لگا تھا۔ وہ کھڑی ہوگئی۔

''ایکسائٹمنٹ میں، اپنا نام بتانا تو میں بھول ہی گئی۔ مجھے قندیل آفندی کہتے ہیں۔'' وہ خوش دلی سے اپنا تعارف کروانے لگی۔

''اور آپ......؟'' وہ متجسس ہوئی۔

''صالح سلیمان......'' وہ ہنوز نظریں نیچی کیے آہستگی سے بولا۔ قندیل نے محسوس کیا کہ اس کے یہاں آنے تک سے واپسی تک، اس شخص نے نظریں نہیں اٹھائی تھیں، نہ قندیل کی سمت دیکھا تھا۔ نہ ارادی نظر اور نہ غیر ارادی نظر...... وہ اس کی شخصیت سے بے حد مرعوب ہوئی تھی۔

یہ ملاقات، بلاشبہ قندیل کی زندگی کی انوکھی، یادگار اور خوشگوار ترین ملاقات تھی۔

☆☆☆

رات کی تاریکی ہر سو پھیل چکی تھی۔ ہر ذی روح نیند کی آغوش میں سر رکھے، بے خبر سو رہا تھا۔ وہ اپنی ہمزاد و غمگسار سے دل کی باتیں کہہ کر اپنا بوجھ گھٹا رہی تھی۔

اپنی مہربان اور بہترین سہیلی، اپنی ڈائری سے جس میں اس نے صالح سے ہونے والی پہلی ملاقات سے، اس لمحے تک ہونے والی ہر بات، ہر چیز لکھی تھی۔ وہ باتیں، جو وہ خود اپنے آپ سے بھی نہ کہہ پاتی تھی۔

وہ سارے اعتراف، آنسوؤں میں ڈوبے جذبات لکھتی رہی، رات تھی کہ قطرہ، قطرہ پگھلتی رہی۔

''جانے کیوں؟ تکلیف میں ہوں...... مگر پھر بھی مجھے یوں اس کے عشق میں پل پل سلگنا اچھا لگتا

ہے۔ وہ شخص جسے میں جانتی تک نہیں...... وہ کہاں کا باسی ہے؟ کس حسب نسب کا ہے؟ اس کے ماں، باپ کون ہیں؟ ان ساری باتوں سے بے نیاز...... میں پہروں اسے سوچتی ہوں، وہ بے خبر......! اسے تو معلوم بھی نہ ہوگا کہ خنسہ نامی پاگل سی لڑکی اس بہتی رات کے دھارے میں قلم تھامے، آنسوؤں میں بھیگے الفاظ اس کے نام کررہی ہے، کتنا معصوم...... کتنا بے خبر ہے وہ...... کوئی پل، پل اس کے عشق میں مر رہا ہے مگر اسے خبر ہی نہیں...... میں بے بسی کی انتہا پر ہوں...... مگر اس کے سامنے کبھی اعتراف نہیں کروں گی' چاہے اس کے عشق میں سلگ، سلگ کر راکھ ہوجاؤں۔ مگر زبان سے اعتراف نہیں کروں گی۔

میری نظر میں عشق اسی کا نام ہے، بے غرض، ہر بات سے بے نیاز، سلگتے، تڑپتے، آتش عشق میں جل جانا مگر دوسرے کو خبر تک نہ دینا۔ وہ آنچ جو عاشق کے تن میں سلگتی رہتی ہے، وہ معشوق کے دل تک رسائی حاصل کرلیتی ہے، اسے خبردار کردیتی ہے مگر عاشق کا سچا ہونا یہی ہے کہ وہ خود سے زبان نہ کھولے، اعتراف نہ کرے، اپنی زبان سے خود یہ خبر نہ دے، دوسرے کو خبردار کرنے کو آتشِ عشق کی وہ آنچ ہی کافی ہے۔ یہی عشق کی معراج ہے۔ یہی سچا عشق ہے۔'' اس نے لکھتے لکھتے گہری سانس بھری۔

وہ خلیل جبران کہتا ہے، شب بھر عالمتاب گھلتا ہے تو دہر کو روشنی نصیب ہوتی ہے، اگر شمع نہ جلے تو پروانے کہاں سے آئیں؟ ہر شے کا کچھ آغاز ہی ہوتا ہے تو انجام پر بھی نگاہ کی جاتی ہے۔

مجھے اس کی یہ نظم بہت پسند ہے، اس نے محبت لکھا ہے مگر میں عشق کا لفظ استعمال کروں گی کیونکہ میں عشق کی ڈسی ہوئی ہوں۔'' اس کی خوب صورت آنکھ سے آنسو پھسلا اور ڈائری کے ورق پر گرتا، لفظ کو پھیلا گیا تھا۔

''میں نے تجھ سے (محبت کی) عشق کیا......
اتنا شدید اور گہرا عشق......
کہ میرا وجدان تیرے وجود کی ایک چھوٹی سی تصویر بن گیا......
میری روح میں تابندہ نجوم ہیں
جنہیں جذبۂ شوق رات کو بکھیرتا ہے
اور وہ سویرے صبح کو سمیٹ لیتے ہیں
اور میرے دل میں ایک چاند ضوفشاں ہے
جو میرے خوابوں کے جلوس کو نمایاں کردیتا ہے
میری بیدار روح میں ایک خاموشی ہے
جو مجھ پر اسرارِ عشاق منکشف کرتی
اور عابدوں کی دعاؤں کو دُہراتی ہے
اور میرے سر کے چاروں طرف ایک طلسمی غلاف تنا ہوا ہے
جسے مرنے والوں کی خرخراہٹ پارہ، پارہ کرتی ہے
اور شاعروں کے نغمے سنتے ہیں۔''

اس کی مخروطی نازک انگلیوں سے قلم پھسل کر گر پڑا اور وہ پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔

کھلی کھڑکی سے نظر آتے، کشادہ آسمان پر چمکتے ستارے اور پورا چودھویں کا چاند، رات کے آدھے پہر اس روتی ہوئی خوب صورت سی لڑکی کو دکھ سے روتا دیکھتے رہے کہ عشق کے ماروں کو آنسو ہی تحفے میں ملتے ہیں۔

☆☆☆

صالح حویلی کے مہمان خانے میں چوہدری عمر احمد کے سامنے بیٹھا تھا۔ چوہدری صاحب بہت محبت و اپنائیت سے اس سے محوِ گفتگو تھے۔ تھوڑے ہی عرصے میں انہیں وہ بہت عزیز ہوگیا تھا۔ کچھ اس کی شخصیت بھی اتنی سحر انگیز تھی کہ جو اس سے ایک بار مل لیتا' اس کے سحر سے آزاد نہ ہو پاتا باوجود اس کی کم گوئی و سنجیدگی کے...... عشا کی نماز کے بعد واپسی پر چوہدری عمر کا سامنا راستے میں صالح سے ہوا تو وہ بصد اصرار اسے گھر لے آئے تھے۔

باتوں کے دوران چوہدری صاحب نے محسوس کیا اس کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ اس کی

آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اور چہرہ بخار کی حدت سے تپ رہا تھا۔ وہ انگلیوں سے اپنی کنپٹیاں دبا رہا تھا۔ وہ اس کے قریب آئے اور اس کی پیشانی کو چھوا، اس کی پیشانی آنچ دے رہی تھی۔

''تمہیں تو بہت تیز بخار ہے بیٹے۔'' انہوں نے تشویش سے کہا۔

''میں ٹھیک ہوں، آپ فکر مند نہ ہوں۔'' صالح نے دھیمے لہجے میں بہ مشکل کہا مگر اس کی آواز بخار کی شدت سے بھاری ہو رہی تھی۔

''آج موسم بھی ٹھیک نہیں۔'' انہوں نے کھلی کھڑکی سے نظر آتے بادلوں سے ڈھکے آسمان کے تیور دیکھ کر کہا تھا۔

''مجھے چلنا چاہیے......'' صالح نے بہ مشکل بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ کہا، بخار نے جیسے اس کی ساری قوت نچوڑ لی تھی۔

''اس حال میں کیسے جاؤ گے بیٹے؟ موسم بھی ٹھیک نہیں۔ لگتا ہے بہت زوروں کی بارش ہوگی...... یہ تمہارا اپنا گھر ہے، آج کی رات یہاں رک جاؤ، میں تمہیں اس حال میں یوں جانے نہیں دے سکتا۔'' ان کے لہجے میں صالح کے لیے فکر اور محبت تھی۔

''ناحق آپ کو تکلیف ہوگی، میں چلا جاؤں گا۔'' وہ بضد ہوا۔

''ایسی باتیں کر کے تم مجھے اجنبیت کا احساس دلا رہے ہو، میں تمہیں خنسہ کی طرح عزیز رکھتا ہوں، سگی اولاد کی طرح تم سے محبت ہے مجھے...... یہاں آرام سے رہنا، تمہیں کوئی پریشان نہیں کرے گا...... کم از کم آج کی رات میں تمہیں جانے نہیں دے سکتا۔'' ان کے انداز و لہجے میں محبت بھری دھونس و تحکم تھا۔

وہ خاموش رہا۔

چوہدری عمر نے نڈھال سے صالح کو بڑی محبت سے دیکھا۔

''کتنا اکیلا ہے، جانے اس کے ماں، باپ گھر بار کہاں ہوگا، اسے وہ سب کتنا یاد آتے ہوں گے......

اور وہ ماں، باپ کیا ایسے ہیرے جیسی اولاد کو کھو کر مطمئن و شاداں ہوں گے؟'' انہوں نے فرطِ محبت سے مجبور ہو کر صالح کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''تم یہاں آرام کرو، میں آتا ہوں۔'' وہ کہہ کر باہر چلے گئے۔

کچھ دیر بعد ان کی واپسی مع ایک لڑکے کے ہوئی۔ انہوں نے اصرار کر کے صالح کو اس کے انکار کے باوجود دلیا کھلایا اور پھر بخار کی دوا دی اور مہمان خانے میں لے گئے۔ اس لڑکے نے اس کے لیے بستر برابر کیا۔ باہر نکلنے سے پہلے انہوں نے کھڑکی بند کر کے پردے برابر کیے اور آنکھیں موندے صالح کو دیکھا۔

انہیں جانے اس وقت صالح پر کیوں ترس سا آ رہا تھا۔

☆☆☆

نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ آج کی رات نیند کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ شخص اس کے گھر رکا تھا، بھلا وہ کیسے سو سکتی تھی، اس کا عشق اتنا گستاخ نہ تھا کہ معشوق کی موجودگی میں وہ...... بے خبر سو جاتی۔ اس کے لیے تو وہ رت جگا تھا۔ جانے رات کا کون سا پہر تھا کہ اسے کسی پل قرار نہ تھا۔ وہ کمرے میں اِدھر سے اُدھر چکراتی پھر رہی تھی۔ بارش نے جیسے تہیہ کر لیا تھا کہ آج کی رات نہیں رکے گی۔ ''نہیں یہ میں کیا سوچ رہی ہوں، نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔'' دماغ مسلسل نفی کر رہا تھا۔

'' وہ گھر تک آ ہی چکا ہے، تو ایک نظر دیکھ لینے میں کیا حرج ہے؟'' دل کا یہی اصرار تھا۔

☆☆☆

اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اب ایک عجیب سی ...... بے کلی نے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس سے کوئی باتیں کر کے، اس کے پیروں کو چھو کر گیا ہو، اس نے اپنے پیروں پر نمی کو بھی محسوس کیا تھا لیکن وہ کچھ سمجھ نہیں پایا تھا کہ یہ سب خواب تھا یا حقیقت......

اس کا بخار اب قدرے کم تھا مگر نقاہت کی وجہ سے اٹھا نہیں جا رہا تھا۔ بہ مشکل ٹوٹتے بدن کی ہمت مجتمع کر کے وہ اٹھا۔

اس نے باغ کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے پردے سرکائے، باہر بجلی کوندرہی تھی۔ زمین کی ٹھنڈک نے اسے احساس دلایا وہ ننگے پیر کھڑا ہے۔ اس نے اندھیرے میں پلنگ کے پاس چپل ٹٹولے اور پہن کر باہر نکل آیا۔ شاید کہ کھلی فضا میں سانس لے کر اس کی یہ بے کلی ختم ہو۔ معاً اس کی سماعتوں نے کسی کے رونے کی آواز سنی۔ وہ اس آواز کے تعاقب میں چلنے لگا۔

سامنے برآمدے میں جانماز پر بیٹھا کوئی وجود، ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھائے رو رہا تھا۔

برآمدے سے ذرا آگے کھلے وسیع صحن میں تیز بارش برس رہی تھی۔ ہر دو منٹ بعد کڑ کنے والی بجلی' اندھیرے میں، حویلی کے سرخ اینٹوں والے فرش پر پڑتی تو دیکھنے والی آنکھ کو اس منظر کی دہشت اندر تک ہلا دیتی۔

وہ اس کی ہمت پر حیران ہوئے بنا نہ رہ سکا۔ گلابی قمیص شلوار وہم رنگ دوپٹے میں ملبوس، رونے کی وجہ سے جھٹکے کھاتا وجود کسی لڑکی کا تھا۔

وہ بے انتہا حسین لڑکی تھی، اس کا وجود اندھیرے میں جیسے روشنی دے رہا تھا۔ صالح کو بے ساختہ وہ رات یاد آئی تھی۔

خوف سے بے حال لڑکی، جو اس کے سامنے....

بے نقاب ہو جانے پر بے حد شرمندہ تھی، قدرت اس کا بار، بار اس لڑکی سے کیوں سامنا کروا رہی تھی۔ وہ یہ راز جان نہ پایا۔

گلابی دوپٹے کے ہالے میں مقید اس کا صبیح چہرہ، آنسوؤں سے تر تھا۔ اس کی سسکیاں، صالح کے دل کو چیر رہی تھیں۔

کچھ دیر پہلے کی بے کلی ایک دم سے مزید بڑھ گئی تھی۔ اس نے دعا مکمل کر کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اٹھ کر مصلیٰ اٹھا لیا۔ وہ سیدھی ہوئی تو صالح کو سامنے کھڑا دیکھ کر بے تحاشا چونک گئی۔ وہ سامنے سرخ فرش پر بارش سے بنتے بلبلوں پر نظریں جمائے، سوچ میں گم تھا۔

سرخ ہوتی بوجھل آنکھیں، بکھرے بال، پرشکن لباس اس حلیے میں بھی وہ مردانہ وجاہت میں الگ ہی لگ رہا تھا۔

ہر طرف بارش کا شور تھا۔ کچھ پل کو چمکتی بجلی، زمین پر پڑتی تو ان دونوں کو نمایاں کر دیتی۔ نظروں کے ارتکاز پر صالح نے اوپر دیکھا، خنسہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ دونوں کی نظریں ملی تھیں۔

اس پل بجلی زور سے چمکی۔

اس نے رخ موڑ کر اشک پونچھے۔

صالح نے دوبارہ نظریں نیچی کر لیں۔ خنسہ نے دوپٹے کے پلو سے آدھا چہرہ ڈھانپ لیا۔ یہ عمل اس سے بے ساختہ سرزد ہوا تھا۔

''آپ اس وقت؟'' وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

''جی......وہ......'' صالح بے حد شرمندہ نظر آرہا تھا کہ اس کے پاس وضاحت کے لیے الفاظ نہیں تھے۔ قصور نہ ہوتے ہوئے بھی وہ خود کو مجرم محسوس کر رہا تھا۔ خنسہ جیسی ذہین لڑکی اس کی حالت سمجھ گئی تھی۔

''فجر کی اذان ہونے میں ابھی وقت ہے، آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں، آپ کو ٹھنڈ لگ جائے گی......آپ کچھ دیر آرام کر لیں......میں آپ کے لیے وضو کا پانی گرم کر کے بھجواتی ہوں۔'' خنسہ نے اس کی مشکل آسان کرتے ہوئے رسانیت سے کہا تھا۔

صالح کے چہرے سے کچھ دیر پہلے کی الجھن رفع ہو گئی تھی۔

''آپ کا بے حد شکریہ بی بی۔'' وہ ممنون نظر آیا۔

''شاید یہ جانتا ہے کہ اس کی نظر دل کھینچ لیے جاتی ہے، بھی ترسا، ترسا کر نظر اٹھاتا ہے۔'' خنسہ نے اسے دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔

وہ آہستگی سے چلتا، اس کے پاس سے گزر کر آگے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ خنسہ نے اس جگہ دیکھا جہاں کچھ دیر پہلے وہ کھڑا تھا۔ اس کی جگہ کا خالی پن، اس کا دل

ویران کر گیا۔ منظر کی دلکشی یک دم ختم ہوگئی تھی۔
وہ مرے، مرے قدموں سے کچن کی سمت چلی آئی۔

☆☆☆

دن تیزی سے گزرتے چلے جارہے تھے۔ آج بھی معمول کی طرح وہ اسے کھانا دینے آئی تھی۔ اس کی صحت روز بروز گرتی جارہی تھی۔ وہ کسی سے کچھ نہیں کہتی، عشق کا روگ، اس کا تن دیمک کے مانند چاٹ رہا تھا۔

اس کی ذات قطرہ، قطرہ عشق کے سمندر میں پگھل کر بہہ رہی تھی۔ اس نے برگد کے گھنے درخت کی طرف دیکھا۔ صالح کے پاس ایک خوش شکل سی لڑکی اس سے باتوں میں مگن تھی۔

وہ ہمیشہ کی طرح مؤدب بیٹھا تھا، البتہ وہ لڑکی خاصی پُراعتماد و بے تکلف لگ رہی تھی۔

نقاہت سے اس سے زیادہ دیر کھڑا نہیں ہوا جارہا تھا۔ اس نے پاس سے گزرتے کسی مزدور کو روک کر کھانا صالح تک پہنچایا اور حویلی کی طرف چلتے رستے پر قدم دھر لیے۔

آج اس کے دل نے برتن خالی ہونے کے بہانے کھڑے ہو کر صالح کو دیکھنے کی جسارت بھی نہیں کی تھی۔

حویلی پہنچ کر اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہ صحن میں بچھے تخت پر ہی گرنے کے سے انداز میں تھک کر بیٹھ گئی تھی۔

اس نے چہرے پر سے نقاب ہٹایا اور ہانپتے ہوئے جھک کر دونوں ہاتھوں سے تخت کے کنارے مضبوطی سے تھام لیے۔

سامنے سے آتی ماں جی نے اس کی یہ حالت دیکھ کر دہل کر دل تھاما۔

”خنسہ میری دھی کیا ہوا تجھے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے پتر؟“ سادہ دل ماں جی اکلوتی اولاد کی یہ حالت دیکھ کر پریشان ہوگئی تھیں۔

”مم......میں......تھی......ٹھیک ہوں ماں جی۔“ وہ ہانپتی ہوئی ناہموار سانسوں کے درمیان بہ مشکل بولی۔

”کیا ٹھیک ہو؟ برسوں کی بیمار لگ رہی ہو......کتنا میں نے کہا کہ شہر جاکر کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاتے ہیں پر تمہاری ضد...... کتنی کمزور لگ رہی ہو، کھلتے گلاب سی میری بیٹی، اب دیکھو کیسے مرجھا کر رہ گئی ہے۔“ نڈھال سی خنسہ کا سر اپنے سینے سے لگاتی ماں جی تکلیف کی شدت سے رو پڑی تھیں۔

کئی لمحے خاموشی سے گزر گئے۔

ماں جی بے آواز روتی رہیں، جب کافی دیر بیت گئی اور خنسہ کے جسم میں کوئی حرکت نہ ہوئی تو ماں جی کا دل زور سے دھڑکا......انجانے خدشے کے تحت انہوں نے خنسہ کو خود سے الگ کرنا چاہا۔

وہ کسی بے جان سی گڑیا کے مانند ان کی گود میں آرہی......ان کی بے ساختہ چیخ فضا میں بلند ہوئی تھی۔

☆☆☆

صالح کے ساتھ اب وہاں کے مزدور فجر کے علاوہ باقی چار وقت کی بھی نمازیں باقاعدگی سے پڑھنے لگے تھے۔

وہ نماز کے لیے کھڑا ہوتا تو پیچھے، نمازیوں کی قطار بن جاتی۔ کچھ سستی اور تھکاوٹ کے مارے، مزدور، نماز میں دلچسپی نہ ہونے کے باعث اپنے، اپنے کاموں میں مگن رہتے۔

آج جمعہ کا دن تھا، کوئی وضو کررہا تھا، کوئی کھانا کھا رہا تھا۔ کوئی لیٹا ہوا تھا اور کوئی اپنے کام دھندے میں لگا ہوا تھا۔ صالح ان سب سے مخاطب ہوا۔

”ہفتے کے دنوں میں جمعے کے دن کو بڑی فضیلت حاصل ہے، اس دن کو سید الایام یعنی دنوں کا سردار قرار دیا گیا ہے۔“ سارے لوگ اپنی، اپنی مصروفیات چھوڑ کر صالح کے گرد جمع ہوگئے۔ ان سادہ لوح لوگوں کو کسی راہنما کی ضرورت تھی جو انہیں دین کے علم سے روشناس کرواتا، وہ اس کی تقلید میں چل پڑتے، ان کی مثال اس ریوڑ کے مانند تھی جن کا مالک

انہیں جس لاٹھی سے جس رستے ہانکتا، وہ بے خبر اس کی راہنمائی میں چلتے جاتے۔

''قرآن پاک کی ایک آیت کا ترجمہ ہے۔

''اے مومنو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کی یاد کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت ترک کر دو۔''

اور نماز جمعہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ جس کے پاؤں جمعہ کی نماز کے لیے جاتے ہوئے غبار آلود ہو گئے، اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔''

اس دھیمی و پُرسکون آواز نے سب کو سحر زدہ کر دیا تھا۔ اتنا بڑا مجمع ہونے کے باوجود، ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کہتے ہیں، جو بات دل سے کہی جائے وہ اثر رکھتی ہے، ان لوگوں پر بھی صالح کی بات نے خاطر خواہ اثر کیا تھا۔

سارے لوگ تیار ہو کر نماز کے لیے قطار باندھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ نمازیوں کی تعداد دیکھ کر صالح کے تراشیدہ لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

یوں جیسے بادلوں کی اوٹ سے لمحہ بھر کو چاند......

اتنے عرصے میں یہ پہلی بار تھا کہ وہ مسکرایا تھا۔

☆☆☆

''کتنا ہی کہا تھا کہ شہر کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھا دیتے ہیں لیکن نہیں، دونوں باپ، بیٹی نے میری بات نہ ماننے کی قسم کھا رکھی تھی...... نتیجہ دیکھ لیا؟'' ماں جی پریشانی میں، چوہدری صاحب سے جھگڑنے لگی تھیں۔

وہ خاموش، گم صم سے گہری سوچ میں گم تھے۔ وہ کیا کرتے، لاڈلی بیٹی کی ضد کے آگے بے بس تھے۔ چوہدری صاحب اور ماں جی، اس کی پلنگ کے پاس پریشان و فکر مند سے بیٹھے تھے۔

خنسہ کسی بے جان مردے کی طرح بے سدھ پڑی تھی۔ تازہ گلاب کا سا حسن رکھنے والی بے انتہا حسین صورت خنسہ کا رنگ پیلا، زرد ہو رہا تھا...... اور ہونٹ بالکل سیاہ......

جواں شاداب سی بیٹی کی یہ حالت دیکھ کر چوہدری صاحب کے دل سے آہ سی نکل گئی تھی۔

حویلی کے چرند پرند تک خاموش تھے۔

ملازمین کی اچھی خاصی تعداد ہونے کے باوجود حویلی کی فضا سوگوار تھی۔ پروین ایک سمت بیٹھی رو رہی تھی۔

خنسہ نے ان تین دنوں میں اس سے صرف ایک بات کی تھی۔

''میری ڈائری کو جلا دینا، وہ میری ہمراز و غمگسار ہے، میں نہیں چاہتی، میرا راز کوئی جان لے۔''

چوہدری عمر احمد نے بہ آواز بلند، سورۂ یٰسین کی تلاوت شروع کی...... ماں جی نے دہل کر ان کی طرف دیکھا تھا۔ وہ ایک کے بعد ایک آیت پڑھتے گئے۔ خنسہ کی پیدائش سے آج اس لمحے تک اس کی ہر بات، ہر حرکت، ہر ضد، ہر یاد، کسی فلم کی صورت ان کے سامنے آتی رہی۔ اشکوں کی لڑیاں آنکھوں سے پھسل، پھسل کر ان کی داڑھی میں جذب ہو رہی تھیں۔

''مم...... مجھے...... معا...... معاف...... کک...... کرد...... یجیے...... گا......'' یہ مشکل لفظ اس کے لبوں سے پھسلے تھے۔

''گھبراؤ نہیں بیٹی، تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی...... اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے۔'' ماں جی اسے تسلی دیتے رونے لگیں۔

چوہدری صاحب کتنی دیر سے بلند آواز میں تلاوت کر رہے تھے۔ انہوں نے رک کر کس قدر ضبط سے آخری سفر پر روانہ ہوتی، بے دم سی بیٹی کو دیکھا تھا۔ وہ سورہ کی آخری آیت پڑھنے لگے۔

خنسہ کی بند ہوتی نم آنکھوں نے جو آخری صورت دیکھی تھی وہ صالح کی تھی۔

جو ہاتھ ہلا کر اسے الوداع کہہ رہا تھا۔

اس سے زیادہ خوشی کی بات اس کے لیے کیا ہو سکتی تھی کہ وہ شخص جس کے عشق کی گہرائی میں ڈوب کر وہ ختم ہو رہی تھی، وقتِ رخصت اسے الوداع کہنے آیا

تھا۔

اس کے لب مسکرائے تھے اس نے... کلمۂ طیبہ کا ورد کیا۔ پھر وہ عشق کی شہزادی گہری نیند سوگئی۔ ماں جی نے بے یقینی سے، پھٹی، پھٹی آنکھیں اپنی پُرسکون پلکیں گرائے سوئی اپنی گڑیا سی لاڈلی بیٹی پر مرکوز کردیں۔

''انا للہ وانا الیہ راجعون......'' چوہدری عمر نے چادر سے اس کا چاند سا چہرہ ڈھانپ دیا۔

اگلے پل فضا میں، ماں جی کی چیخوں کے ساتھ پروین کی چیخیں بھی شامل ہوگئی تھیں۔

خنسہ کا خاموش عشق اپنے منطقی انجام کو پہنچ چکا تھا۔

☆☆☆

کلمۂ شہادت کی آوازیں بلند تھیں۔ ایک ہجوم بیکراں تھا، جو چوہدری عمر احمد کی نیک و باپردہ بیٹی کی جواں مرگ پر جمع تھا۔

اس کے جنازے کو کندھا دینے والوں میں پیش، پیش صالح تھا، جو سب سے آگے چوہدری عمر کے ساتھ نڈھال سا چل رہا تھا۔

اس کی نظروں کے سامنے خنسہ کی شکل گھوم گئی، اس نے اپنے وجود میں عجیب سی اذیت محسوس کی تھی۔

اداس، اداس سی آنکھوں والی، وہ سوگوار سی حسین لڑکی......

صالح کی شہد رنگ غمگین آنکھیں، اس کی گھنیری پلکوں پر ٹھہر گئی تھیں۔ اسے ایک، ایک کرکے اس اداس حسین مہ پارہ سے اتفاقی و حادثاتی ملاقاتیں یاد آتی گئیں۔

وہ اس کے لیے کھانا لاتی، ضد کرتی، مضطرب سی انگلیاں چٹخاتی معصوم سی لڑکی......

اس کے اندر ایک طوفان برپا تھا مگر وہ خود کو پُرسکون ظاہر کررہا تھا۔ اس کا یہ جوان، خوب صورت گلاب سا وجود، خاک کے سپرد کیے جانے کے لائق تو نہ تھا...... یہ تو اس کے خوشیاں سمیٹنے کے دن تھے۔

☆☆☆

وہ کسی خوابیدہ شخص کی طرح میکانکی انداز میں اس کی قبر پر مٹی ڈالتا گیا۔ قبر تیار ہوئی تو اس نے اپنے ہاتھوں سے اس کے اوپر گلاب کی پتیاں نچھاور کیں۔

چوہدری عمر احمد کو لوگ تسلی دیتے روانہ ہونے لگے۔ جوان موت پر طرح، طرح کے دل شکن تسلی آمیز جملے سننے کو مل رہے تھے۔ ہر ایک، اپنی استعداد کے مطابق اپنا غم لفظوں کی صورت ان کے کانوں میں انڈیلتا جارہا تھا۔

ہر کوئی ان کے غم میں برابر کا شریک تھا۔

صالح نے خاموش آنسو بہاتے اس بوڑھے شخص کو دیکھا جو اس وقت قابلِ رحم نظر آرہا تھا۔

''چوہدری صاحب حوصلہ رکھیں، اللہ کا فرمان ہے، کل نفس ذائقۃ الموت...... ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے، اس دنیا میں کوئی بھی ہمیشگی کے لیے نہیں آیا، ہم سب نے اسی کے پاس جانا ہے، آپ غم نہ کریں...... صبر کریں۔'' صالح نے یہ تسلی آمیز جملے بہت ضبط سے ادا کیے تھے۔

اس زندہ لڑکی کے لیے، آج یوں مردہ لوگوں کی طرح کے الفاظ ادا کرنا، اس کے لیے بہت مشکل امر تھا۔ اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔

''میری خنسہ مجھے یوں اکیلا چھوڑ کر کیسے جاسکتی ہے؟'' ان کی نظریں ان کا لہجہ، صالح کا دل گویا کسی نے چیر کر رکھ دیا ہو۔

''حوصلہ رکھیں چوہدری صاحب، آپ یوں کریں گے تو مُردے کو تکلیف ہوگی، آپ کو انہی کی خاطر حوصلہ کرنا پڑے گا۔'' بہت مشکل سے اس کے لبوں نے خنسہ کے لیے لفظ مُردے کا استعمال کیا تھا۔

وہ پھوٹ، پھوٹ کر روتے صالح کے کشادہ سینے سے لگ گئے تھے۔ بے بس و غم زدہ باپ کے آنسو قطرہ، قطرہ بن کر اس کے دل پر ٹپک پڑے۔ اس کا سر مزید جھک گیا تھا۔

''یہ آپ نے مجھے کس مشکل میں ڈال دیا ہے، خنسہ بی بی'' اس بدنصیب کا نام آج پہلی بار اس کے لبوں

سے ادا ہو رہا تھا مگر افسوس کہ اب وہ سن نہیں سکتی تھی۔

اس کی توجہ حاصل کرنے کی خنسہ نے بہت بڑی قیمت چکائی تھی۔ صالح کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔

اس نے چوہدری صاحب کے گرد بازوؤں کا حلقہ باندھ لیا تھا۔

☆☆☆

مردوں کے ہجوم میں مغموم سے بیٹھے چوہدری عمر کے کانوں میں اس کی قلقاریاں پھر توتلی زبان میں بابا کہنا...... اور پھر وہ کب اتنی بڑی ہوگئی کہ ان سے ضد کرتی فرمائشیں کرتی...... وہ ساری باتیں، اس کی آواز، ان کی ساعتوں میں پڑ۔ رہی تھیں۔

آج چوتھا دن تھا...... ماں جی تین دن تک شدتِ غم سے نڈھال بے ہوش پڑی تھیں، آج وہ ذرا سا ہوش میں آئی تھیں۔ لیکن ہر دو منٹ بعد، اس کی کوئی بات یاد کر کے بلک بلک کر رونے لگتیں۔ صبر آتے، آتے ہی آتا ہے۔

گاؤں کی عورتوں اور حویلی کی خدمت گار عورتوں نے ان دنوں ان کا بے حد خیال رکھا تھا۔

اتنے دن اس کی موت کو گزر گئے تھے مگر ماں جی کو ان میں سے کوئی تنہا چھوڑنے کا روادار نہ تھا۔

فرمانبردار، ذہین، خوب صورت واکلوتی جوان بیٹی کا غم اتنی جلدی کیسے بھلا دیا جا سکتا تھا؟ زخم بھرنے میں کچھ وقت تو لگتا ہے چوہدری صاحب شدتِ غم سے نڈھال بیوی کے پاس آئے تو عورتیں ایک طرف کو ہوگئیں۔

”ہائے میری خنسہ......“ ماں جی کی پُر درد چیخ نے وہاں موجود ہر آنکھ کو اشک بار کر دیا تھا۔

”یہ تو نے کیا کیا؟ میری گڑیا، یہ تو میرے جانے کے دن تھے، تیرے تو ارمانوں کے پھول کھلنے تھے۔“

وہ بلک بلک کر رو پڑیں۔

”میرے اللہ......“ ماں جی کی تڑپ اور بلکنا، چوہدری صاحب سے دیکھا نہیں جا رہا تھا۔

”تین دن سوگ کی اجازت ہے شرع میں...... یہ گریہ وزاری، رونا تڑپنا، جلی میت کو تکلیف دینا ہے، کیوں اپنی بیٹی کو تکلیف میں ڈال رہی ہو؟ یوں سمجھ لو، اس کی امانت تھی اس کو واپس لوٹا دی، ہمیں اب صبر کرنا ہوگا...... ہماری بیٹی باپردہ اور نیک بچی تھی، وہ وہاں اللہ کی خاص مہمان ہوگی...... وہ معصوم جنت کے مزے لوٹ رہی ہوگی...... تو کیوں اسے پریشان کرتی ہے...... کچھ پڑھ کر اسے بخش دے، تو بھی سکون

میں رہے گی اور وہ بھی آرام میں ہوگی۔'' انہوں نے مدبّرانہ انداز میں ماں جی کو سمجھایا تھا۔

ان کا غم کم تو نہیں ہوا تھا مگر بات کچھ، کچھ سمجھ میں آ گئی تھی۔

☆☆☆

وہ ذہنی طور پر سخت پریشان تھا۔ ایک معصوم لڑکی کی موت کا سبب اس کی ذات بنی تھی، یہیں تک آ کر اس کی سوچ ٹھہر جاتی۔

درخت کے تنے سے ٹیک لگائے وہ خالی الذہنی سے آسمان کو تکتا رہا۔ تنہائی اور سناٹا...... کائنات پر جیسے چھا گیا تھا۔

وہ بوڑھے باپ کا غم اور دعا مانگتی ہتھیلیوں پر گرتے تڑپتی مامتا کے آنسو محسوس کر سکتا تھا۔

جوان بیٹی کی جدائی کا دکھ سہنا، وہ بھی اکلوتی اولاد ہو تو پہاڑوں کا جگر پاش، پاش کر دیتی، وہ دونوں تو پھر گوشت پوست کے انسان تھے۔ ضمیر کی مسلسل خلش تھی جو اسے جھنجوڑ رہی تھی۔

اس دم اسے کسی کے وجود کا احساس ہوا، اس نے پلٹ کر دیکھا۔ شوخ و شنگ سی پروین شکستہ حالت میں، روئی، روئی آنکھوں سے غم کی تصویر بنی کھڑی تھی۔

صالح تنے سے ہٹ کر سیدھا ہو بیٹھا۔

''خنسہ بی بی نے مجھ سے کہا تھا، اسے جلا دینا، جو ......راز رکھنا چاہتی تھیں، وہ تو اب ہم میں نہیں رہیں......اور مُردوں کو ہم زندوں کے کسی فعل سے کوئی سروکار نہیں...... یہ ان کی عظمت تھی کہ جس شخص کے عشق نے انہیں لحد میں اتار دیا وہ اسی شخص سے اپنے جذبات چھپانا چاہتی تھیں۔ اس کے اصل حقدار آپ ہیں، اتنا تو میں پڑھنا لکھنا جانتی ہوں کہ اس میں شروع سے آخر تک' آغاز سے انجام تک......صرف آپ کا ذکر ہے۔ میری نظر میں آگ سے زیادہ اس کے اصل حقدار آپ ہیں۔ ایک بار پڑھ کر آپ اسے پھینکیں، جلائیں یا سنبھالیں، یہ آپ کی مرضی...... میں نے اصل امانت دار تک اس کی امانت پہنچا دی ہے۔'' اس نے صالح کے بے جان پڑتے ہاتھوں میں ڈائری تھما دی۔

آگہی کا عذاب واقعی جاں گسل ہوتا ہے، صالح کی بھی یہی کیفیت تھی۔

''میں اگر پہلے یہ سب جان لیتی تو اپنی جان پر کھیل کر ان کو ان کی خوشی لوٹاتی۔ مگر افسوس کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا...... اور یہ سچ ہے کہ وہ صرف آپ کے ساتھ بجتی تھیں۔'' اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی گھل گئی تھی۔

لبالب پانیوں سے بھری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، جو اس نے بے دردی سے ہاتھ کی پشت سے رگڑے اور بھاگتی ہوئی وہاں سے چلی... یہ بھی رَہ ءٗ ایک انداز تھا۔ اس کا حساس دل دکھ سے بھر گیا، ایک جیتی جاگتی زندگی اس کی وجہ سے ختم ہو گئی تھی۔

اس کی معصومیت و بے خبری میں ایک لڑکی ماری گئی تھی۔ اس جرم کا احساس شدید ترین ہو گیا تھا۔

کسی لکھاری نے کیا خوب لکھا ہے۔ جس نے کبھی جھوٹ نہ بولا ہو، اسے معمولی جھوٹ بھی .... بے چین کر دیتا ہے، جو عادی چور نہ ہو، اس کی حالت پہلی چوری پر بہت بری ہوتی ہے، انسان کو انسان کا احترام نہ رہا تو کائنات ہچکولے کھانے لگے کہ یہ کائنات خدا نے انسان کے لیے ہی بنائی۔ خدا شناسی کے لیے بنائی...... خدا کو جاننے سے پہلے، اپنے آپ کو جاننا ضروری ہے۔ اپنی حقیقت پر غور کرنا ضروری ہوتا ہے۔

یہ ضمیر نام کا ترازو انسان کے اندر بے مقصد نہیں لٹکایا گیا۔ واقعات انسان مرتب کر سکتا ہے۔ اگر وہ خدا کو جان جائے مگر آج کے انسان کو اتنی فرصت کہاں؟

مگر صالح ان انسانوں میں سے نہیں تھا، جو غفلت کی مٹی سے بنے تھے۔ اس کا ضمیر زندہ تھا اسی لیے وہ ایک ہوش مند حساس د باضمیر انسان تھا۔

اللہ کا اس پر خاص کرم و انعام تھا جو لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت اور عزت تھی' وہ انسانیت کا احترام اور رشتوں کی پہچان رکھنے والا ایک روشن ضمیر

شخص تھا۔ وہ خالی الذہنی سے سرخ مخملی جلد والی ڈائری کو دیکھتا رہا۔

وہ یوں خوفزدہ تھا جیسے اسے کھولے گا تو ایک زہریلا ناگ اپنا پھن نکال کر اسے ڈس لے گا۔

''آگہی کا عذاب واقعی جاں گسل ہوتا ہے۔''

اس نے احتیاط سے پہلا صفحہ کھولا۔

عجیب مبہم سی تحریر تھی۔

''اس شخص کی آواز بلاشبہ بے حد خوب صورت...... تلاوت کرتے اس شخص نے جب اپنا چہرہ موڑا تو میں مبہوت رہ گئی۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں...... یا......شاید پوری دنیا میں ایسا مکمل شخص نہ دیکھا......نہ سنا......جس کی صورت و آواز بہ یک وقت کسی ہوش مند انسان کو سحر زدہ کر دے۔''

نیچے تاریخ بھی لکھی گئی تھی۔

''پروین کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ وہ گاؤں کے کارخانے میں معمولی سا مزدور ہے، مجھے اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا، اسے تو کسی ریاست کا شہزادہ ہونا چاہیے۔'' دوسری جگہ تحریر تھا۔

''اس کی اٹھی ہوئی نگاہ بندے کو بھسم کر دیتی ہے، اسی لیے اتنا محتاط ہو کر نگاہ اٹھاتا ہے۔''

اگلی جگہ لکھا تھا۔

''آج اس نے میری مدد کی، مجھ سے بات کی......میرے پاس بیٹھ کر میری طبیعت کا پوچھا...... اور مجھے گھر تک چھوڑنے آیا تھا...... میں اس کے قدموں کے نشان پر ننگے پاؤں چلتی رہی......یوں جیسے میں کوئی خوشنما خواب دیکھ رہی ہوں......مجھے اپنی خوش قسمتی پر ناز محسوس ہو رہا تھا۔ آج وہ مجھ سے ہار گیا...... مجھے یقین نہیں آ رہا کہ اب وہ روزانہ میرے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا کھائے گا، جب اس نے میرا لایا کھانا کھایا تو میں خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی۔''

صالح کی شہد رنگ آنکھیں سطروں پر پھسلتی رہیں۔

''کہتے ہیں عشق اندھا اور غیر محتاط ہوتا ہے، مجھ پر یہ سچ ثابت ہو چکا ہے، میں جو اپنی پوری زندگی میں، کسی بھی غیر محرم شخص کو سوچنا یا دیکھنا تک گناہ سمجھتی تھی،

سوا سیر

ایک عاشق نے اپنی محبوبہ سے کہا۔

''کیا واقعی تم مجھ سے شادی کرو گی۔ یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ میں پہلے چار شادیاں کر چکا ہوں؟''

''ہاں، میں اب اپنے چھٹے شوہر کے ساتھ گزارہ نہیں کر سکتی۔''

محبوبہ نے معصوم انداز میں جواب دیا۔

مرسلہ: سائرہ عباس۔ کراچی

آج اتنی بے بس ہوگئی ہوں کہ ایک اجنبی، انجان سا شخص میری زندگی میں اہمیت حاصل کر گیا ہے۔ میری سوچوں کا دھارا......میری زندگی کا مقصد صرف اس ایک شخص کی ذات رہ گئی ہے۔''

اسے اپنی بے بسی پر رونا آیا تھا......وہ معصوم لڑکی اندر ہی اندر گھٹ رہی تھی اور وہ جو اس کی وجہ تھا اس کے لیے کچھ نہ کر سکا۔

''میں تڑپوں گی، سلگوں گی......اس عشق کی آگ مجھے جلا کر خاکستر کر دے، میں زبان نہیں کھولوں گی، بے غرض عشق کیے جانا ہی...... میرے لیے عشق کی معراج ہے۔''

وہ پڑھتا رہا، رات دھیرے، دھیرے بہتی رہی۔

ایک جگہ خلیل جبران کی گہرائی میں ڈوبی تحریر کا اقتباس تھا اور اس کی نظم......

''یہ نظم مجھے بہت پسند ہے، اس نے یہاں محبت لکھا ہے، میں عشق لکھوں گی کیونکہ میں عشق کی ڈسی ہوئی ہوں۔'' جگہ جگہ آنسوؤں نے لفظ مٹا دیے تھے۔

''اُف......!'' وہ لرز اٹھا۔

''کیا عشق اتنا جان لیوا ہوتا ہے۔''

اس کی تحریر کی بے ساختگی اور شدت نے صالح کی آنکھیں نم کر دیں۔ اسے ایک، ایک کر کے سب کچھ یاد آتا گیا۔ برستی طوفانی بارش کی وہ رات جو اس نے حویلی میں گزاری تھی۔ وہ سب ایک حقیقت تھی، کوئی

خواب نہیں...... وہ اس سے باتیں کر کے گئی تھی اور اسے خبر نہ ہو ...وہ سارے اعتراف ڈائری کے سینے میں مقید تھے۔طوفانی بارش میں ہر خوف سے آزاد وہ سسکتی ہوئی مہتاب صورت لڑکی......

اور ننگے پیر اس کے پیچھے خوفزدہ سی چلتی وہ اداس لڑکی...... کیسے وہ انجان شخص، اس کی چپلوں کو پیروں میں پہننے کے بجائے ہاتھ میں تھامنے پر چونکا تھا۔

تو یہ تعظیم تھی......اس لڑکی کا سچا عشق تھا۔

آج اسے، اس تنہا، سسکتی رات میں اعتراف کرنا پڑا کہ وہ اس کے عشق کی گہرائی سے خوفزدہ تھا۔تبھی اس کی اداس، انتظارِ محبوب کرتی آنکھوں میں دیکھنے سے گریزاں تھا۔

یہ اس کا سچا خالص عشق تھا، جس کی تاب صالح کو ان آنکھوں سے نظریں ملانے نہ دیتی تھی۔

وہ ہمیشہ ان آنکھوں میں دیکھنے سے خائف تھا۔

کہتے ہیں عشق اور مشکل چھپائے نہیں چھپتا......

اگر لوگ اس کا راز پالیتے تو ہر کوئی اس ایک طرفہ عشق کو اپنے ذہن کے مطابق عنوان دے کر اس معصوم لڑکی کو کچوکے لگاتا...... چھینٹے اس معصوم کی چادر پر پڑتے، وہ بہر حال مرد تھا۔اس کا کچھ نہ بگڑتا۔ایسی پاکباز لڑکی اور اس کا سچا و پاک خالص عشق کوئی عام شخص نہیں سہار سکتا تھا۔اللہ نے اس کی ...... اور اس کے عشق کی حفاظت خود کی تھی۔

صالح نے بھاری ہوتے آنکھ کے پپوٹے، انگلیوں کی پوروں سے دبا کر خود کو سنبھالا۔

اور اٹھ کر اس کی قبر پر گلاب کی پتیاں عقیدت سے نچھاور کرنے لگا۔

☆☆☆

ایک ماہ کا عرصہ چپ چاپ بیت گیا۔

کوئی اس جیسی شخصیت کو بھولا نہیں تھا۔مگر گزرتا وقت ہر زخم کا مداوا ہوتا ہے۔ماما بابا اس سے ملنے آئے تھے۔ثمینہ کی پیاسی ممتا، سنجیدہ و بردبار صالح کو دیکھ کر... بےقراری اس کا ایک، ایک نقش چوم رہی تھی۔

صالح دھیمی مسکان لبوں پر سجائے خاموش سا ان کی اپنے لیے محبت اور بےقراری محسوس کرتا رہا۔

”تمہیں دیکھنے کو آنکھیں ترس گئیں...... میں سمجھتی تھی کہ میرا شہزادوں کی سی آن بان والا فرمانبردار بیٹا، ہمارے بغیر برے حالوں میں ہوگا مگر تمہارے بابا صحیح کہتے ہیں کہ صالح نے اپنی ذات کو پہچان لیا ہے، اب وہ اپنے رب کے چنے رستے پر چل پڑا ہے...... جو اپنے رب کو پہچان لے...... اسے اس کا رب اکیلا نہیں چھوڑتا...... وہ اچھے حالوں میں ہوتا ہے، یہ صرف ہم جیسے خام خیال عقائد سے دور انسانوں ہی کی سوچ ہوتی ہے کہ وہ ہمارے بغیر اکیلا ہوگا تکلیف میں ہوگا۔“ وہ اپنے والدین سے دیر تک گفتگو کرتا رہا بلکہ ان کو سنتا اور محسوس کرتا رہا۔

کچھ ہی دیر میں صالح سے ملنے چوہدری عمر احمد آئے تھے۔ اس نے ان سے اپنے ماں، باپ کا تعارف کروایا۔ وہ ان دونوں سے مل کر بے حد خوش ہوئے تھے۔

”یہ تو بہت اچھا ہوا کہ آپ دونوں بھی تشریف لے آئے، آپ کی موجودگی میں یہ بات کہنا اور بھی آسان اور مناسب ہوگا۔“ ان کی مبہم بات پر سب نے ناسمجھی کے عالم میں ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ مگر خاموش رہے تھے۔

چوہدری صاحب انہیں حویلی لے آئے تھے۔

وہ چاروں، ماں جی سمیت مہمان خانے میں بیٹھے تھے۔

اس پل صالح کو اس کمرے میں بیتی، وہ بارش بھری رات یاد آئی تھی۔

”میں چاہتا ہوں صالح، اس حویلی میں میرا بیٹا بن کر رہے...... میں اس پر اپنی ملکیت نہیں جتانا چاہتا اور نہ میرا ایسا کوئی ارادہ ہے...... یہ حویلی میں نے اس کے نام کردی ہے...... میری بیٹی جو میری اکلوتی، واحد اولاد تھی...... اب زندہ نہیں...... ہمارے بعد ہمارا نام لیوا کوئی تو ہونا چاہیے۔یہ آپ

کا خون ہے اور آپ ہی کا خون رہے گا۔ اس حویلی کے در و دیوار بہت اداس و سوگوار ہو گئے ہیں...... میں چاہتا ہوں، اس حویلی کو صالح جیسا فرمانبردار اور پاک باز شخص ملے جو اس حویلی اور زمینوں کو حقدار لوگوں پر خرچ کرے۔ دکھی انسانیت کی خدمت کرے...... گاؤں کے ان سادہ لوح لوگوں کی راہنمائی کرے۔ میری بیٹی زندہ ہوتی تو دوسری بات تھی۔ میں آپ لوگوں سے التجا کرتا ہوں۔'' وہ اداس لہجے میں بول رہے تھے۔

''اسے اس حویلی کا بیٹا بنا دیں۔ اس پورے گاؤں میں صالح سے زیادہ اس منصب کا حقدار میری نظر میں اور کوئی نہیں۔ بات بہت بڑی ہے مگر اس گاؤں کے مستقبل اور ہزاروں جانوں کی بقا کی ہے......'' چوہدری عمر نے نہایت عاجزی سے اپنا مدعا آسان لفظوں میں بیان کر دیا تھا۔

اتنے لوگوں کی موجودگی کے باوجود، وہاں مکمل سناٹا چھایا ہوا تھا۔

''ہمیں کوئی اعتراض نہیں، بہت پہلے ہم نے اپنا یہ بیٹا اللہ کی راہ کے سپرد کر دیا تھا...... اب بھی، وہ جو فیصلہ کرے گا...... ہمیں دل و جان سے قبول ہوگا۔'' سلیمان صاحب نے فیصلے کے منتظم چوہدری صاحب کو نہایت مناسب اور خوب صورت جواب دیا تھا۔

اب سارا بار صالح کے کندھوں پر تھا۔

دونوں خواتین خاموش تھیں۔

''آپ میرے بزرگ ہیں، جو بھی فیصلہ آپ نے کیا ہے، سوچ سمجھ کر کیا ہوگا...... بھلا میں کون ہوتا ہوں انکار کرنے والا...... لیکن...... میری ایک عرض ہے اگر قبول کر لی جائے تو میرے لیے آسانی اور خوشی ہوگی۔'' مؤدب بیٹھے صالح نے ان کی سمت ذرا کی نظر اٹھا کر دیکھا تھا۔

''بولو بیٹے......'' انہوں نے بے قراری سے کہا...... مزید انتظار کی سکت ان میں نہیں تھی۔

''آپ کے ہوتے ہوئے میں حویلی کے یا زمینوں کے کسی معاملے میں اختیار یا مداخلت نہیں رکھنا چاہتا...... آپ جو کہیں گے، ایک بیٹے کی طرح آپ کی معاونت کروں گا...... جہاں تک حویلی کا بیٹا بننے کی بات ہے تو میں یہ مان لیتا ہوں...... مگر میں اسی کارخانے میں کام کرتے رہنا چاہتا ہوں، ان مزدوروں کے ساتھ بوجھ اٹھاتے میں نے اپنا اصل، اپنی ذات پہچانی ہے، میں ان لوگوں سے وابستہ رہنا چاہتا ہوں، اپنی اوقات بھولنا نہیں چاہتا، مجھے وہاں اس برگد کے پیڑ تلے سکون ملتا ہے، مجھے وہاں جانے یا رہنے سے نہ روکا جائے، میں آزاد منش بندہ ہوں، مجھ سے میری آزادی مت چھینیے گا۔ اس گاؤں کے مکینوں اور یہاں کے مزدوروں کے لیے ان کے ساتھ مل کر ان سے وابستہ رہتے ہوئے، میں ان کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں...... اور اس سب کے لیے مجھے آپ لوگوں کا ساتھ چاہیے......'' اس کے لہجے میں بہت عاجزی تھی۔

چوہدری عمر احمد نے بے ساختہ اٹھ کر آبدیدہ ہوتے ہوئے اسے سینے سے لگایا تھا۔

وہاں موجود تمام نفوس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

☆☆☆

وہ ان چاروں کو مہمان خانے میں بیٹھا چھوڑ کر باہر وسیع صحن میں چلا آیا۔

اس کے ہاتھ میں سرخ مخملی ڈائری تھی۔

''آج آپ کے فیصلے سے خنسہ بی بی کی روح بہت پُرسکون اور خوش ہوگی، آپ نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔'' پروین جانے کس سمت سے نکل کر اس کے سامنے آئی تھی۔

آج وہ پہلے کے مقابلے میں کافی سنبھلی ہوئی لگ رہی تھی۔

''ہر کوئی اپنی، اپنی جگہ خود کو سنبھال چکا ہے، آہ وہ معصوم لڑکی! منوں مٹی کے بوجھ تلے سو رہی ہوگی۔'' صالح نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

''پروین بی بی مجھے ماچس مل جائے گی؟'' اس

نے پروین سے کہا تھا۔

وہ سر اثبات میں ہلا کر چلی گئی۔

کچھ لمحوں بعد اس کی واپسی ہوئی، اس نے خاموشی سے صالح کو ماچس تھما دی۔

بے ساختہ صالح کو وہ پروین یاد آئی تھی، جب وہ پہلی بار حویلی میں کام کرنے آیا تھا۔ وہ گھنٹوں اس کے پاس بیٹھ کر اس کی خاموشی کے باوجود بولتی رہتی، وہ بلا شبہ بہت باتونی اور زندہ دل لڑکی تھی، اس کی زیادہ تر گفتگو کا رخ خنسہ بی بی کی تعریفوں پر مشتمل ہوتا، اب تو نہ خنسہ رہی تھی اور نہ ہی پروین کی وہ شوخی، وقت بھی انسان کو کتنا بدل کر رکھ دیتا ہے۔

صالح نے آگ کا شعلہ ڈائری کو دکھایا، وہ تیزی سے آگ پکڑتی گئی۔

وہ خاموشی سے جلتی ڈائری کے صفحوں پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔ یہاں تک کہ وہ جل کر کالی سیاہ راکھ میں تبدیل ہو گئی۔

''یہ آپ نے کیا، کیا؟'' گم صم سی پروین نے خالی، خالی آنکھوں سے صالح کی طرف دیکھا تھا۔

''اس کا صحیح حقدار میں تھا، مجھے میری امانت مل گئی۔ میں نے اس کا ایک، ایک حرف، ایک، ایک سطر کو توجہ سے پڑھا...... اور میں نے اس راز کو جان کر اسے اپنے دل کے نہاں خانے میں کسی مقدس خزانے کے مانند مدفون کر دیا ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ اسے جلا دیا جائے تو صحیح تھی...... میں بھی نہیں چاہتا کہ یہ ڈائری بھی کسی کے ہاتھ لگے...... اور اسے پڑھ کر کوئی اپنے ذہن کے مطابق کسی کہانی کا رنگ دے۔ میں اسے جلا کر یہ راز یہیں ختم کر دینا چاہتا ہوں۔'' پروین حق دق تھی اس نہج پر تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ پروین نے ممنون نظروں سے صالح کی طرف دیکھا۔

''واقعی یہ شخص اسی قابل ہے کہ خنسہ بی بی کی سی پیاری شخصیت اس کے عشق میں اپنی جان قربان کر دیں...... میری سوچ سے بھی بڑھ کر عظیم و بلند ہے یہ شخص۔'' پروین اس سے بلکہ اس کی سوچ سے خاطر خواہ متاثر نظر آئی تھی۔

''تو جناب یہاں ہیں اور میں آپ کو گاؤں میں جگہ، جگہ تلاش کر رہی ہوں۔'' قندیل کی شوخ آواز پر پروین کے ساتھ، ساتھ صالح نے بھی چونک کر پلٹ کر دیکھا تھا۔

''دیکھیے! میں آپ سے ملوانے کس کو لائی ہوں؟''

صالح نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا...... درمیانی عمر کی عورت اور ایک مرد کھڑا تھا۔ لگتا تھا، قدرت آج سارے فیصلے طے کیے بیٹھی تھی۔

وہ دونوں آگے بڑھے، قندیل نے ان کا تعارف کروایا۔ اس کے والد نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے بڑی محبت سے لگایا تھا اور ماں نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔

وہ ان اجنبی لوگوں کی اتنی والہانہ محبت پر جتنا حیران ہوتا کم تھا۔ یہ حیرانی اس کے چہرے سے اتنی ظاہر نہیں ہو رہی تھی جتنی حیران منہ کھولے کھڑی پروین تھی، جو ان لوگوں کو کب سے تکتی جا رہی تھی۔ خصوصاً اس خوش شکل پیاری سی پُراعتماد لڑکی کو۔ قندیل نے خلاف معمول آج بال باندھ رکھے تھے۔ لمبی بلیو رنگ کی قمیص پر سفید دھاگے کا کام ہوا تھا کے ساتھ ہم رنگ دوپٹا شلوار پہنے وہ بہت دلکش لگ رہی تھی۔ آج اس نے دوپٹا سر پر اچھی طرح لے رکھا تھا۔ صالح انہیں مہمان خانے میں لے آیا، قندیل نے خود اپنا اور اپنے ماں، باپ کا تعارف سب سے کروایا۔

ماں جی کو لگا حویلی کے در و دیوار جی اٹھے ہوں، یوں لگ رہا تھا... جیسے خنسہ دوبارہ زندہ ہو کر آ گئی ہو، اسے دیکھ کر ان کو خنسہ کا گمان ہو رہا تھا۔ چوہدری عمر نے بھی تعارف کا مرحلہ طے کیا۔

قندیل کے ماں، باپ اس کی خواہش پر اس کا رشتہ صالح کے لیے خود لائے تھے۔ وہ لوگ بالکل صحیح وقت پر آئے تھے۔ وہ لوگ سب کچھ جانتے ہوئے

اکلوتی بیٹی کی خوشی میں خوش تھے۔

وہاں موجود کسی کو بھی اس رشتے پر اعتراض نہ تھا۔ سب کو وہ ہنس مکھ، سادہ دل قندیل بہت پسند آئی تھی۔ مگر صالح کو کچھ تحفظات تھے۔

''قندیل بی بی آپ ایک بار پھر سوچ لیں۔ میرا ساتھ کسی بھی عام جذبات رکھنے والی لڑکی کے لیے بہت کٹھن ہوسکتا ہے، میں کسی اور راہ کا مسافر ہوں...... شادی دور، دور تک میرے سان وگمان میں نہ تھی...... مگر اب جبکہ تمام بزرگ اسی فیصلے پر خوش ہیں تو میں ایک بار پھر آپ سے درخواست کروں گا کہ اپنے فیصلے پر اچھی طرح غور کرلیں۔'' صالح نے بڑوں کی موجودگی میں نظریں جھکائے اپنا موقف بہت مہذب انداز میں بیان کیا۔

''میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے، میں ایک خود مختار اور سادہ مزاج لڑکی ہوں...... تھوڑے میں خوش رہنے والی، میری سوچیں عام لڑکیوں سے بہت مختلف ہیں...... اسی لیے میں نے آپ جیسے شخص کو چنا...... میں اسی راہ پر چلنا چاہتی ہوں اور آپ کا ساتھ چاہتی ہوں تاکہ کبھی جو میں گرنے لگوں تو آپ جیسا مضبوط شخص مجھے گرنے نہ دے۔ میں اپنے فیصلے پر بے حد خوش اور مطمئن ہوں۔'' قندیل کے لہجے کی سچائی اور مضبوطی کو صالح کے علاوہ بھی وہاں موجود بہت سے لوگوں نے محسوس کیا تھا۔

آج قدرت نے صالح کے لیے ہر فیصلہ آسان کردیا تھا۔ اس کی رضامندی پر قندیل کے والدین نے اپنی بیٹی کے انتخاب کو دیکھا۔

بلاشبہ وہ مردانہ وجاہت کا شاہکار تھا۔ ان دونوں کی نظروں میں بیٹی کے انتخاب کے لیے ستائش اُمڈ آئی تھی۔ صالح باغ کی سمت کھلنے والی کھڑکی میں آکھڑا ہوا۔

وہاں سے صاف نظر آتے، سبزے میں گھرے قبرستان میں وہ حسین و معصوم شہزادی پُرسکون نیند سو رہی تھی۔

اسے لگا وہ سامنے کھڑی مسکرا کر اسے قندیل کو اپنانے کے فیصلے پر مبارک باد دے رہی ہے۔ صالح کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

قندیل خاموشی سے اس کے پہلو میں آکھڑی ہوئی۔

''زندگی کے ہر موڑ پر آپ مجھے اپنے ساتھ پائیں گے، میں آپ کو پاکر بے حد خوش ہوں۔''

صالح نے ذرا سا رخ موڑ کر دائیں طرف کھڑی قندیل کو دیکھا۔ پالینے کی الوہی چمک سے اس کا مسکراتا چہرہ دمک رہا تھا۔ وہ نم آنکھوں سے اس کی معصوم خوشی پر مسکرا دیا تھا۔ اس نے دوبارہ اپنا رخ موڑا، خنسہ سامنے کہیں نہیں تھی۔ شاید وہاں کا مکمل منظر دیکھ کر وہ آسودہ حال لوٹ گئی تھی، شاید کبھی نہ آنے کے لیے...... صالح نے وہاں موجود تمام لوگوں سے کچھ دیر کی غیر حاضری کے لیے معذرت چاہی اور کارخانے چلا آیا۔

جہاں بہت سے ادھورے کام اس کے منتظر تھے۔

عصر کا وقت ہو رہا تھا۔ اس نے ہاتھ اوپر اٹھائے اور اذان دینے لگا۔ کچھ ہی دیر میں، اس کی پُرسوز مسحور آواز فضا میں گونج اٹھی تھی۔

وہی آواز جس کے سحر نے خنسہ کو عاشق بنا ڈالا تھا۔ دور حویلی کی کھڑکی میں کھڑی قندیل نے آنکھیں بند کرکے اس کی خوب صورت آواز اپنی سماعتوں میں اتاری تھی۔

''اللہ سب سے بڑا ہے۔''

''اللہ سب سے بڑا ہے۔''

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔''

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔''

قندیل کے دل میں صالح کی محبت و عظمت کے روشن جگنو دھیرے، دھیرے اترتے رہے۔

وہ محبت کی ان دیکھی پھوار میں پور، پور بھیگتی جارہی تھی۔



اختر شجاعت

تصوف...... قربِ الٰہی

تمام تر حمد و ثنا اللہ عزوجل کے لیے ہے۔ جس کی جلالتِ شان کی مناسب تعریف کرنے میں زبانیں گنگ ہیں اور اس کے جمال کی حقیقت کو سمجھنے میں لوگوں کی عقلیں عاجز ہیں۔

اے میرے رب! کیا ہی سرور ہے ان خیالوں میں جو تیرے ذکر سے دلوں میں آتے ہیں اور کتنا شیریں ہے تیری طرف وہ سفر اور کتنا اچھا ہے تیری محبت کا ذائقہ اور کتنا میٹھا ہے تیرے قرب کا شربت...... تیرے ہی لیے حمد و ستائش ہے۔ اے ہمارے رب، رحمت نازل فرما ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپؐ کی آل پر اور آپؐ کے اصحاب پاک پر...... درود و سلام ہو پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر......

ہمارا آج کا موضوع......

تصوف اور اس کی حقیقت......

جس میں تصوف کیا ہے، قرآن و سنت کی روشنی میں۔ اس کی تعلیمات، اصول اور انسانی زندگی پر اس کا اثر...... تصوف کے لغوی معنی ہیں، پشمینہ پہننا، علم معرفت، دل کو خواہشوں سے دور کر کے اللہ کی طرف دھیان لگانا، تزکیہ نفس کا طریقہ......

تصوف درحقیقت نام ہے روحانی ارتقا کی منازل طے کرنے کا اور اس ارتقائی عمل کو جاری رکھنے کے لیے جو کوشش اور جدوجہد کرنی پڑتی ہے اسے اصطلاحی طور پر تصوف کا نام دیا ہے۔ تصوف ایک روحانی قوت بخشتا ہے جس کے باعث ایک انسان بہ آسانی شریعتوں کی مشکلوں پر آسانی سے عمل کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تصوف کی ابتدائی منازل طے کرنے کے عمل کو بہت مختصر اور سادہ الفاظ میں یوں بیان کیا کہ تصوف چار حروف پر مشتمل ہے۔

ت۔ص۔و۔ف

ت سے مراد ہے توبہ

ص سے صفائی

و سے وارفتگی

ف سے فنافی اللہ

تصوف کی راہ پر جو آدمی چلتا ہے وہ ان چاروں چیزوں سے گزرتا ہے اور اس کی منزل ''فنافی اللہ'' ہے۔

تو سب سے پہلے انسان کو توبہ کرنی چاہیے اپنے ان گناہوں اور کوتاہیوں پر جو اس سے سرزد ہو چکی ہیں، یہ پہلا قدم ہے پھر پچھلے گناہوں سے توبہ کرنے کے ساتھ، ساتھ آئندہ بھی گناہوں سے بچنے کے لیے اپنے باطن کی پوری صفائی کرے۔ یوں بالآخر وہ فنافی اللہ کے مقام تک چلا جائے گا۔

بعض کہتے ہیں کہ اہلِ تصوف وہ لوگ ہیں جو صوف کا کپڑا پہنتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ صوفی وہ لوگ ہیں جو اصحاب صفہ کے مشرب پر ہوں، صحابہ کی یہ مقدس جماعت جو اصحاب صفہ کے نام سے مشہور ہے انہوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور تعلیم قرآن پر وقف کر دی تھی۔ دنیاوی معاملات سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔ دن رات عبادت، تلاوت اور قرات میں مصروف رہتے تھے۔ معاش کا زیادہ تر دارومدار صحابہ اور خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعانت پر تھا۔ آپ علم دین حاصل کیا کرتے تھے، اخلاقِ حسنہ اخذ کرتے تھے، دنیا سے بے تعلق تھے، مفلس و نادار تھے، مسجد نبوی کے باہر ایک سایہ دار چبوترے پر قیام کرتے تھے، فقر و فاقہ پر قانع رہتے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں۔ ''کم کھانا، خلق سے بھاگنا اور خالق کی عبادت کرنا تصوف ہے۔''

حضرت سلیمان دارائیؒ فرماتے ہیں کہ ''تصوف اس کو کہتے ہیں کہ تمام تکالیف کو منجانب اللہ سمجھ کر صبر کرے اور ماسوائے اللہ کو ترک کر دے۔''

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں...... ''صوفی وہ ہے جس نے تمام چیزوں کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کو اختیار کر لیا ہو اور اللہ اسے دوست رکھتا ہو۔''

حضرت بشر حافیؒ فرماتے ہیں۔ ''جو شخص خدا کے ساتھ دل صاف رکھے اسی کو صوفی کہتے ہیں۔''

حضرت ابو محمد مرتعشؒ فرماتے ہیں۔” حسن خلق تصوف ہے۔“

حضرت ابو بکر شبلیؒ فرماتے ہیں۔” درگاہِ الٰہی میں بے غم زندگی بسر کرنے کا نام تصوف ہے۔

مذہب کی رو سے اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہے اور انسان اس سے رابطہ پیدا کر سکتا ہے۔ اس رابطے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ خود بندوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ ” اگر تم مجھے پکارو گے تو میں تمہاری پکار سنوں گا۔“ ہر مذہب نے دو چیزیں پیش کیں پہلی یہ کہ اطاعت کرو گے تو جزا کی صورت میں داخلِ جنت ہوگے اور نا فرمانی کی صورت میں سزا کے لیے جہنم میں ڈالا جائے گا...... دوسری چیز یہ کہ اطاعت کے علاوہ تم مجھ سے محبت کرو گے تو میں بھی تم سے محبت کروں گا اور اس محبت کا ثمر یہ کہ تمہاری شخصیت میں میری صفات منعکس ہو جائیں گی اور اس قرب کا یہ نتیجہ ہوگا کہ تم بچشم دل میرا دیدار کر سکو گے...... اسی لیے اہلِ مذہب دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے...... جن لوگوں پر عقل کا غلبہ تھا انہوں نے صرف اطاعت شریعت کو کافی سمجھا اور جنت کو مقصود بنالیا لیکن جن لوگوں پر عشق کا غلبہ تھا انہوں نے اطاعت کے علاوہ محبت (طریقت) کو بھی ضروری سمجھا اور دیدار کو مقصود بنالیا...... دوسرے طبقے کے افراد کو عرف عام میں صوفی کہتے ہیں اور ہر صوفی عاشق ہوتا ہے۔

تصوف کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ سے ملنے یا اسے دریافت کرنے یا اسے دیکھنے کی شدید ترین آرزو کا دوسرا نام ہے۔

تصوف کیا ہے؟ روح انسانی کا اپنی اصل (اللہ) سے واصل ہو جانے کا اشتیاق...... جب انسان نے اپنے باطن پر غور کیا تو اسے احساس ہوا کہ اس کی روح کسی ایسی ہستی سے محبت کرنا چاہتی ہے جس سے زیادہ حسین تر کوئی ہستی ہو ہی نہیں سکتی...... روح کیونکہ اللہ کا امر ہے اور اللہ ہی کے پاس سے آتی ہے تو اسے پھر یہ یقین حاصل ہو گیا کہ اگر اللہ مجھ سے محبت کرتا ہے تو میری روح بھی اس سے محبت کرتی ہے یہی وہ مرکزی نقطۂ خیال ہے جس پر تصوف کا سارا دارومدار ہے...... اگر یہ شبہ ہو کہ یہ بات ہر شخص پر ظاہر کیوں نہیں ہوتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ طلب تو ہر انسان کے دل میں موجود ہے مگر اکثر و بیشتر انسان اپنی مادیت پرست دنیاوی معاملات میں اس قدر مشغول رہتا ہے کہ کبھی اپنے باطن اور اس کے تقاضے کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر (دل) میں اپنی محبت کی شمع روشن کر دی ہے...... اور ذکر الٰہی اس کا روغن ہے اگر روغن ختم ہو جائے تو شمع کا بجھ جانا یقینی ہے۔

تصوف مذہب کی روح ہے دراصل مذہب اپنی حقیقت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندہ رابطہ پیدا کرنے کا نام ہے...... ارکان، شعائر، مناسک، رسوم احکام شریعہ یہ سب اس رابطے کے حصول کے ذرائع ہیں...... تو تصوف ہی وہ رہنما، مشیر اور ناصح ہے جو ہر وقت انسان کو یہ تلقین کرتا رہتا ہے کہ کہیں مقصود (اللہ تعالیٰ) نگاہ سے اوجھل نہ ہو جائے......” اے انسان! تیرا مقصود حقیقی اللہ سے رابطہ یا تعلق پیدا کرنا ہے، اس لیے جب تو نماز پڑھنے کھڑا ہو اور یہ دیکھے کہ مصلیٰ پاک ہے یا نہیں قبلہ رو ہے یا نہیں...... تو ان ظاہری باتوں کے ساتھ تو یہ بھی دیکھ کہ تیرا تصور پاک ہے یا نہیں؟ دل اللہ کی طرف حاضر ہے یا نہیں؟ اگر حالتِ نماز میں آپ کا دل دنیا کی طرف متوجہ ہے تو ایسی نماز بے حضور ہے ظاہر شرعی تقاضا تو پورا ہو جائے گا لیکن اللہ سے تعلق پیدا نہیں ہو سکے گا۔ اور جب اس سے تعلق پیدا نہ ہوا تو پھر نماز کا مقصودِ حقیقی بھی فوت ہو گیا...... اسی پر اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے کہ......

” قرآن رہے پیش نظر، یہ ہے شریعت
اللہ رہے پیش نظر، یہ ہے طریقت“

جو شخص کسی مذہب کا پیرو ہے اور تصوف پر عامل نہیں تو اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص نے ساری عمر کسی حلوائی کی دکان پر حلوا بنایا مگر خود کبھی حلوا نہیں کھایا۔ فقیہہ کہتا ہے کہ اللہ کا نام لے اے مسلمان۔

صوفی کہتا ہے کہ اے مسلمان! اللہ کا نام ضرور لے (کیونکہ حکم شریعت ہے) مگر اس طرح سے لے کہ وہ تیرے دل میں بس جائے...... تو زبان کے ساتھ دل سے بھی اس کا نام لے۔ انسان بظاہر جسم اور نفس کا نام ہے مگر درحقیقت دل کا نام ہے...... اور اگر دل مسلمان نہ ہو سکا تو یہ رکوع و سجود یا صرف زبان سے خدا کا اقرار دونوں بے معنی ہیں۔ جب تک کوئی شخص ” خداوندانِ دل“ دل کی محبت اختیار نہیں کرے گا اس وقت تک دل حقیقی معنوں میں دل نہیں بن سکتا کہ چراغ سے ہی چراغ روشن ہوتا ہے۔ دین (تصوف دین کی روح ہے) نہ کتابوں سے پیدا ہو سکتا ہے نہ کالجوں سے...... وہ صرف نظر سے پیدا ہو سکتا ہے۔

☆☆☆

انسانی زندگی پر تصوف کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ صوفی تمام رذائل اخلاق (برے اخلاق) سے پاک ہو جاتا ہے۔ تصوف میں سارا زور عمل پر دیا جاتا ہے۔ تصوف ان پانچ بنیادی عیوب کا ازالہ کر دیتا ہے جو روح کو دیدار سے محروم رکھتے ہیں۔

۱۔نفسانی خواہش یا شہوت ۲۔غضب، غصہ۔۳۔حرص
۴۔طمع ۵۔خود بینی تکبر۔

تصوف کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ انسان کافر اور مومن، ہندو اور مسلمان، کالے اور گورے غرضیکہ ہر شخص سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اگر کوئی صوفی، کافر کو حقارت سے دیکھے یا اُس پر شفقت نہ کرے اس کے دکھ پر ہمدردی نہ کرے تو وہ ہرگز صوفی نہیں بلکہ بندۂ نفس ہے کیونکہ تصوف کا پہلا سبق ہی یہ ہے کہ سب انسان اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اس لیے وہ اللہ کا کنبہ ہیں کیونکہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی یہی ہے۔ ”الخلق عیال اللہ......“ صوفی سب سے یکساں محبت کرتا ہے، اسی لیے وہ مسجد، گرجا، مندر کو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کے دل و دماغ سے تعصب، تنگ نظری، نفرت، حقارت، امتیاز، رنگ و نسل، اختلاف، عقائد و مذہب، فرقہ بندی، گروہ بندی، اور باطل پسندی کے جذبات بالکل مٹ جاتے ہیں۔ وہ کسی کو دکھ، تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔ وہ تو حیوانات پر بھی رحم کرتا ہے۔

بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ تصوف ایک جدا گانہ شے ہے، جسے اسلام سے کوئی تعلق نہیں...... مگر یہ غلط فہمی، لاعلمی یا قلتِ معلومات کا نتیجہ ہے۔ تصوف کلیہ اسلام ہے۔ اسلام کی روح ہے اسلام کا جمال اس کا کمال ہے۔ ”تصوف کی اصل ہے احسان جو عبارت ہے صدق توجہ ولی اللہ سے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احسان کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی ہے۔“ اللہ کی اس یقین کے ساتھ عبادت کرنا گویا عبادت کرنے والا اسے سامنے دیکھ رہا ہے، یا اگر اتنا نہ ہو تو اسے یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔“ تصوف کی اصل بلکہ اصول رب کی آرزو ہے، محبت الٰہی ہے، اس کے لیے تمام مجاہدات ریاضیات، مراقبات برداشت کیے جاتے ہیں تا کہ محبوب کا دیدار کیا جاسکے۔ کیونکہ صوفی کا یہ یقین کہ مقصدِ حیات دیدار یار ہے اور وہ اس آیت سے ماخوذ ہے کہ

”جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہے، اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔“ (سورۂ کہف)

تو تصوف کے عناصر ترکیبی تین ہیں، کامل توحید، کامل تقویٰ، کامل محبت اور یہ تینوں عناصر قرآن پاک سے ثابت ہیں۔

۱۔کامل توحید: سارا قرآن توحید کی تعلیم دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”پس وہی ہر شے کا اول ہے اور ہر شے کا آخر، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن اور وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے۔
(سورۂ حدید)

۲۔کامل تقویٰ: درس توحید کے بعد قرآن پاک میں تقویٰ کی بہت تاکید ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں اور نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔ (سورۂ نحل)

۳۔محبت الٰہی: تصوف کا سارا دارومدار عشق یا محبت الٰہی پر ہے...... محبت ہی حصول مقصود کا واحد ذریعہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”اور جو لوگ ایمان والے ہیں (مومن ہیں) وہ سب سے زیادہ محبت اللہ ہی سے کرتے ہیں۔“ (سورۂ بقرہ)

انسان اپنی کم عقلی یا نادانی کے باعث کسی نا اہل ہستی کو بھی محبوب بنا سکتا ہے تصوف نے آگہی بخشی کہ اس ہستی کو محبوب بناؤ جو جمیل بھی ہو اور غیر فانی بھی اور تمہاری محبت کا جواب بھی دے سکے۔ اور ایسی ہستی صرف اور صرف اللہ باری تعالیٰ کی ذات ہے۔ تصوف کی راہ پر چلنے کے لیے ایک بات ذہن میں رکھی تصوف کی بنیاد یہی ہے کہ زندگی کے ہر پہلو میں سنت کی پیروی کریں اور جہاں تک ممکن ہو اتباع سنت کرتے چلے جائیں۔ تصوف کا طریق جسے اصطلاح میں تزکیہ نفس کہتے ہیں قرآن سے ہی ماخوذ ہے سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات میں درج ہے......اور اس کے مطالعے سے ہر بات یقیناً واضح ہو جائے گی کہ صوفیا حقیقی معنوں میں سنت کی پیروی کرنے والے اور ان کی زندگی اسلامی زندگی ہے۔ (ترجمہ سورۂ مزمل۔ ۱تا۱۱)

”اے کپڑا اوڑھنے والے! کھڑا رہا کر رات کو مگر تھوڑی دیر کے لیے آدھی رات یا اس میں سے بھی کم کر لیا کر...... یا کچھ بڑھا دیا کر۔ اور قرآن پاک کو خوب آہستہ، آہستہ پڑھا کر۔ ہم ڈالنے والے ہیں تیرے اوپر ایک بھاری حکم کا بوجھ...... اٹھنا رات کا۔ وہ بہت سخت (موثر) ہے۔ نفس کو کچلنے میں اور بہت سیدھا کرنے والا ہے بات کو۔ تیرے لیے دن میں (سلسلہ تبلیغ) بے شک دن میں آپ کے لیے اور مشاغل ہیں ذکر کر اپنے پروردگار کے نام کا...... اور اسی کا ہو رہ۔ سب سے ٹوٹ کر وہ پروردگار ہے مشرق و مغرب کا...... نہیں ہے معبود اس کے سوا...... بس بنا لے اسی کو اپنا کارساز۔ اور صبر کر اوپر ان باتوں کے جو (کافر) تیری نسبت کہتے ہیں اور قطع تعلق کر لے ان سے وضعداری کے ساتھ اور چھوڑ دے مجھ کو اور ان کو جھٹلانے والوں کو جو خوش حال اور دولت مند ہیں اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے۔“

اس ترجمے کو غور سے پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ صوفیائے کرام نے سلوک کے بنیادی اصول انہی آیات سے اخذ کیے

ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ شیخ طریقت مرشد: سالک کو حکم دیتا ہے کہ آخر شب میں اٹھو...... یعنی یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے کہ کھڑا رہا کر رات کو۔

۲۔ اٹھ کر نمازِ تہجد پڑھو...... یہ ماخوذ ہے رات کے ایک حصے میں نماز (تہجد) پڑھا کرو۔ یہ نفلی نماز ہے فرض نہیں...... مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کے قرب کا خواہاں ہے اس کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''بندہ نوافل کے ذریعے سے قربِ خداوندی حاصل کرسکتا ہے۔''

۳۔ نمازِ تہجد میں ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھو...... یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے کہ ''اور نہایت آہستہ، آہستہ واضح طور پر قرآن پڑھو...... تاکہ تدبر حاصل کرسکو۔''

۴۔ ذکر و فکر...... مراقبہ، مجاہدہ اوارد، اور دیگر اشغال وغیرہ سے یہ مقصد ہے کہ نفس امارہ مغلوب ہوجائے اور یہ اس آیت سے ماخوذ ہے کہ بے شک رات کا اٹھنا بڑا موثر ہے نفس کو کچلنے میں۔

۵۔ شیخ طریقت، سالک کو ذکر اسم ذات کی تلقین کرتا ہے۔ جو اس آیت سے ماخوذ ہے کہ یعنی اپنے رب کے نام کو یاد کر۔

۶۔ تصوف میں تبتل کی تلقین کی جاتی ہے جو کہ اس آیت سے ماخوذ ہے کہ یعنی پورے طور سے تمام علائق مادی (دینوی) سے قطع تعلق کر...... یعنی لذات دنیوی سے اپنا تعلق توڑا جائے۔ اور اللہ کی عبادت خلوصِ دل کے ساتھ کی جائے۔ اسلامی تصوف میں تبتل سے، رہبانیت مراد نہیں ہے بلکہ لذات دینوی سے قطع تعلق کرنا یا دنیا کو اپنا مقصود نہ بنانا...... بلکہ دنیا میں رہنا مگر اس سے دل نہ لگانا۔ تو صوفیائے کرام نے جس چیز کو ترک کیا۔ وہ دنیا نہ تھی بلکہ دنیا کا بے اعتدالانہ استعمال تھا۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کے الفاظ میں کہ ترک دنیا کے یہ معنی نہیں کہ کوئی اپنے آپ کو برہنہ کرے اور لنگوٹ باندھ کر بیٹھ جائے بلکہ ترک دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے اور کھائے بھی اور حلال کی جو چیز پہنچے اسے روا رکھے لیکن اس کے جمع کرنے کی رغبت نہ رکھے اور دل کو اس سے نہ لگائے...... ترک دنیا یہ ہے۔

حضرت شیخ سید علی ہجویریؒ ایک بزرگ کا قول نقل کرتے ہیں کہ۔ ''فقیر وہ نہیں ہے کہ اس کا ہاتھ متاع اور توشے سے خالی ہووے...... بلکہ فقیر وہ ہے جس کی طبیعت مراد سے خالی ہووے۔''

خدا کے لیے جینے کے یہ معنی نہیں کہ انسان دنیا سے قطع تعلق کرے اور ایک گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر صرف عبادت کرے۔ وہ شادی بھی کرے کھائے بھی اللہ کی مخلوق سے ملے بھی لیکن اس طرح کہ وہ علائق کے ہجوم اور تعلقات کے اژدھام میں گرفتار ہوکر اپنے معبودِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) کو نہ بھول جائے۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے مستفید ہو لیکن دنیا کی محبت اس کے دل میں جگہ نہ حاصل کرنے پائے...... وہ ہر کام میں رضائے الٰہی کا طلبگار رہو۔ یہ نیت کا ایک زبردست انقلاب ہے۔ ایک مرتبہ حضرت چراغ دہلویؒ نے حضرت شیخ عبداللہ خفیفؒ کا قصہ سنایا...... کہ شیخ عبداللہ خفیفؒ کو کہیں دعوت میں بلایا گیا کہ وہاں قسم، قسم کے کھانے تھے حلوائے لوزینہ سب کھانوں سے زیادہ شیخ سے قریب تھا۔ شیخ نے صحنک سے ایک لوزینہ (بادام کا حلوا، مٹھائی) نوش کیا...... اچھا معلوم ہوا لہٰذا دوسرا بھی اٹھا کر کھالیا۔ اسی وقت آپ کو یہ خیال آیا کہ یہ دوسرا لوزینہ خدا کے واسطے نہیں کھایا بلکہ لذت کو کھایا کہ دل کو پسند آیا تھا۔ وہی لوزینہ آپ کے منہ میں تھا کہ شیخ نے اپنی زبان چبالی، خون نکلنے لگا آپ کے معتقدین پریشان ہوگئے۔ اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا۔ ''میں نے پہلے ایک لوزینہ کھایا تھا بہت لذیذ تھا دوبارہ پھر کھایا تو خیال آیا کہ یہ کھانا خدا کے واسطے نہ تھا۔ لذت کو تھا اس لیے سزا کے طور پر اپنی زبان چبالی۔'' صوفیہ کا کہنا ہے کہ زندگی صرف وہی ہے جو یادِ حق میں بسر کی جائے باقی سب سراب اور دھوکا ہے۔

۷۔ سالک کو تلقین کی جاتی ہے کہ اللہ کو اپنا وکیل بناؤ صرف اسی پر بھروسا کرو۔ اپنی دولت مال اولاد جائداد اور مادی تعلقات پر بھروسا نہ کرو۔

۸۔ اغیار کے اعتراضات پر صبر کرو...... کوئی شخص طنز و طعن کرے برا بھلا کہے تو اس سے خاموشی سے برداشت کرو۔ الجھنے کی صورت میں تمہارا مقصد فوت ہوجائے گا۔ جب اللہ کو اپنا وکیل بنالیا تو وہ تمہاری طرف سے مدافعت کے لیے کافی ہے۔

۹۔ مخالفین سے کنارہ کشی اختیار کرو مگر لڑ بھڑ کر نہیں...... بدکلامی کے بعد نہیں بلکہ خوب صورتی کے ساتھ۔

۱۰۔ جو لوگ تمہاری تکذیب یا تردید کردیں تو ان سے بحث و مباحثہ مت کرو۔ لوگوں سے الجھنا، مناظرہ کرنا مقابلہ کرنا یہ سب باتیں تمہارے حق میں مضر ہیں۔ یہ دس بنیادی اصول ہیں جو کہ سب قرآن کی آیتوں سے ماخوذ ہیں۔

خدا کی محبت کی راہ اس کے بندوں کی محبت میں سے ہو کر گزرتی ہے جو انسان چاہتا ہے کہ اللہ سے محبت کرے اسے چاہیے کہ خدا کے بندوں سے محبت کرنا سیکھے۔

ایک بار ایک بدوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔

''مجھے وہ کام بتایئے جو مجھے جنت میں لے جائے۔''

آپ نے فرمایا۔''انسان کو غلامی سے آزاد کر۔ انسان کی گردن کو قرض کے بندھن سے چھڑا۔ اور ظالم رشتے دار کا ہاتھ پکڑ کر اگر تو یہ نہ کر سکے تو بھوکے کو کھلا۔ اور پیاسے کو پلا اور نیکی بتا اور برائی سے روک۔ اگر تو یہ بھی نہ کر سکے تو بھلائی کے سوا اپنی زبان روک۔''

صوفیائے کرام نے محبتِ الٰہی کی اس عملی راہ کو اختیار کیا۔ ان کی زندگیاں خدمتِ خلق کے لیے وقف تھیں۔ ملفوظات مشائخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خدمتِ خلق کو ان بزرگوں نے اپنی زندگی کا اہم ترین فریضہ بنالیا تھا۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ'' قیامت کے بازار میں دلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ کسی چیز کی قدر نہ ہوگی۔''

☆☆☆

ایک شخص حضرت اویس قرنیؒ کے پاس زیارت کے لیے حاضر ہوا تو اس نے دیکھا کہ ایک بھیڑیا آپ کی بھیڑوں اور بکریوں کی حفاظت کر رہا ہے۔ اور آپ خود دریا کے کنارے ریت پر مصروفِ عبادت ہیں، وہ شخص یہ منظر دیکھ کر سخت حیران رہ گیا جب آپؒ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے اس شخص سے پوچھا بتاؤ کس کام سے آئے ہو؟ اس نے کہا اپنا کام تو بعد میں بتاؤں گا پہلے یہ سمجھائیں جو میں نے مشاہدہ کیا ہے آج تک تو سنتے آئے تھے کہ بھیڑیے بکریوں کو چیر پھاڑ جاتے ہیں اور آج یہاں بھیڑیے کو بکریوں کی حفاظت کرتے دیکھا یہ کیا ماجرا ہے؟

حضرت اویس قرنیؒ نے فرمایا۔ سادہ سی بات ہے کہ جو بندہ رب کے کام میں لگ جائے رب کی مخلوق اس کے کام میں لگ جاتی ہے۔ میں اللہ کے کام میں مشغول ہو گیا تو اللہ نے اپنی مخلوق کو میرے کام پر لگا دیا۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔'' میں نے یقین کی حد تک جان لیا ہے کہ اللہ تک پہنچانے والا راستہ صرف صوفیہ کا ہے۔ باقی سب راستے بہکانے والے ہیں۔ کیونکہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ صوفیا کی ہر بات تمام انسانوں کی بات سے اعلیٰ ہے۔ ان کا طریقہ سب طریقوں سے عمدہ ہے ان کے اخلاق سب لوگوں سے بڑھ کر ہیں۔ صوفیا کا طریقہ ان کا اخلاق اور ان کا ہر، ہر فعل شریعت مطہرہ کے عین مطابق ہوتا ہے۔ ان کا بیٹھنا، اٹھنا، سونا، جاگنا اور چلنا پھرنا غرضیکہ ان کے ہر قول وفعل میں نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاباں اور درخشاں نظر آتا ہے۔

☆☆☆

آج ہم میں سے ہر شخص اپنے من کی دنیا میں جھانک کر دیکھے اور خدا کی ذات اسے بصیرت بخش دے تو یہ دلخراش حقیقت سامنے آئے گی کہ ہم میں سے کوئی خود کو خدا کے برابر اور کوئی خدا سے بھی بڑھ کر تصور کرتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ کا ایک مفید واقعہ آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے۔

ایک عالم دین آپ کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضرت! مجھے درسِ فقر دیجیے! آپؒ نے فرمایا کہ ہم فقیروں کے پاس تو فقر کا ایک ہی سبق ہے اور وہ یہ کہ اگر اور کچھ بھی نہ ہو سکے تو اتنا ضرور کرو کہ خدا کو اپنے سے بہتر نہ سمجھ سکو تو کم از کم اپنے جیسا ہی سمجھ لیا کرو......'' وہ عالم دین چونکے اور کہا استغفر اللہ آپ نے کیسی بات کہہ دی؟ یہ تو کفر ہے...... ایک انسان کی کیا مجال کہ وہ خود کو اپنے خالق و مالک کے برابر تصور کرے۔ آپؒ نے فرمایا۔ کسی کی سمجھ میں آئے یا نہیں آئے فقیروں کے پاس تو یہی سبق ہے۔ پھر فرمایا۔

مولانا! آپ رات مسافر خانے میں قیام فرمائیں۔ انشاء اللہ صبح ملاقات ہوگی اور پھر گفتگو کریں گے۔ رات قیام کے دوران حضرت خواجہ تونسویؒ نے مولانا کو کھانا بھیجا جس میں دو روٹیاں تھیں ایک تازہ اور دوسری باسی...... اسی طرح دو سالن بھیجے ایک تازہ تھا اور دوسرا باسی...... عالم دین موصوف نے کھانا شروع ہی کیا تھا کہ ایک محتاج دروازے پر آیا اور صدا لگائی کہ حضرت......! مسافر ہوں اللہ کے نام پر مل جائے۔ انہوں نے باسی روٹی اور باسی سالن اٹھا کر محتاج کو دے دیا اور تازہ روٹی اور تازہ سالن خود تناول فرمایا...... صبح جب حضرت خواجہ تونسویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؒ نے وہی باسی روٹی اور باسی سالن مولانا کے سامنے رکھ دیا۔ اور فرمایا۔ مولانا! اگر خدا کو اپنے جیسا بھی تصور کیا ہوتا تو خدا کے لیے باسی روٹی اور باسی سالن نہ دیا ہوتا اور تازہ سالن اور تازہ روٹی کو بھی برابر، برابر تقسیم کر لیا ہوتا۔ آدھا کھانا خود کھالیتے اور آدھا خدا کے نام پر مانگنے والے کو دے دیتے۔ یہ انتہائی نادانی ہے کہ ایک طرف قولاً خدا کو خود جیسا ماننے سے انکار ہے اور ایسا کہنے کو کفر گردانتے ہیں اور دوسری طرف عملاً خدا کو خود سے بھی...... العیاذ باللہ...... آپ نے فرمایا...... اب بتاؤ......! تم خود کو خدا کے برابر تصور کرتے ہو یا اس سے بھی بڑھ کر تصور

کرتے ہو؟

تصوف کی تعلیم تو یہ ہے کہ خدا سے بڑائی یا برابری کا تصور تو درکنار خدا کے کسی بندے کو بھی اپنے سے کمتر نہ سمجھو......تزکیہ نفس تو نام ہے اس کیفیت کا جو بندے کو صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بنا دیتی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اکثر بزرگ حضرت بشر حافیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔آپؒ کے شاگرد آپ سے فرماتے ......کہ آپ باوجود علم فقہ، حدیث، اور اجتہاد میں بے نظیر عالم ہونے کے آپؒ ایک دیوانے کے پاس جاتے ہیں...... یہ بات آپ کی شان کے خلاف ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا۔''میں تم لوگوں کی نسبت اپنے علم کو بہتر جانتا ہوں۔لیکن حضرت بشر حافیؒ اللہ تعالیٰ کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔''

جس چیز پر ان بزرگ صوفیا نے زور دیا وہ علم ہی تھا۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ فرمایا کرتے تھے۔کہ جاہل پیر مسخر شیطان ہوتا ہے۔اس کی نگاہ حقیقت اور سراب میں امتیاز کرنے سے قاصر رہتی ہے۔وہ دل کی بیماریوں کی درست تشخیص اور مناسب علاج نہیں کر سکتا۔

صوفیاء کا پہلا طبقہ اس میں حضرت اویس قرنیؒ، حضرت حسن بصریؒ، حضرت مالک بن دینار، حضرت ابراہیم ادھم، حضرت حبیب عجمیؒ وغیرہ شامل ہیں۔ان میں حضرت امام ابو حنیفہ سفیان ثوریؒ جنہوں نے مسلمان حکمرانوں کو اسلام کے احکامات فراموش کرنے سے روکا۔

صوفیا کا دوسرا طبقہ، جن میں حضرت امام احمد حنبلؒ صوفیہ کا تیسرا طبقہ حضرت بایزید بسطامیؒ ۔حضرت ذو النون مصریؒ۔حضرت جنید بغدادیؒ تدوین فقہ کا دور شروع ہوا۔امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے پوری دینی بصیرت کو استعمال کیا۔

غرضیکہ مختلف صدیوں میں مختلف صوفیا حالات کو دیکھتے ہوئے سامنے آتے گئے ان میں بہت بڑے معتبر نام ہیں۔ حضرت شیخ ابوسعید ابن العربیؒ، شیخ ابو طالب مکیؒ، حضرت عبد الرحمٰن اسلمیؒ شیخ سید علی ہجویریؒ، حضرت حارث محاسبیؒ، حضرت سہیل بن عبداللہ تستریؒ وغیرہ......حضرت امام غزالیؒ کو اسلامی تصوف کی تاریخ میں جو عظمت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں......اس کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ غرضیکہ صوفیا کی اتنی بڑی تعداد ہے اور ان کے اتنے کام ہیں کہ ہمارا مضمون اس طوالت کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش مکہ سے کبھی یہ نہیں کہا کہ ''اگر تم میری پیروی کرو گے تو میں تمہیں حکمران بنا دوں گا اس کے بجائے صرف یہ کہا کہ میری پیروی کرو، میں تمہیں اللہ سے ملا دوں گا بلکہ میری پیروی میں یہ تاثیر ہے کہ تم خود اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔'' تو ایک مسلمان کا مقصد حیات اللہ کو راضی کرنا ہے۔حکومت ملے یا نہ ملے۔اور اسلامی تصوف اللہ کو راضی کرنے کے طریق کار کا دوسرا نام ہے۔شریعت میں اللہ تعالیٰ معبود ہے طریقت میں اللہ تعالیٰ مقصود ہے۔بظاہر تو یہ فرق بہت معمولی نظر آتا ہے۔مگر جب ایک مسلمان اللہ کو اپنا مقصود بنا لیتا ہے تو اس کی دنیا ہی بدل جاتی ہے۔

جن لوگوں کا مقصود اللہ تعالیٰ بن جاتا ہے تو سلاطینِ عالم خود اس کی قدم بوسی کو اپنے لیے باعث سعادت جانتے ہیں۔تاریخ ہند کے مطالعے سے پتا چلے گا کہ بڑے، بڑے بادشاہوں نے ان عاشقانِ الٰہی کے آستانوں پر حاضری دی ہے۔

۱۔سلطان التمش......حضرت شیخ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

۲۔سلطان بلبن......حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر

۳۔فیروز تغلق......حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ

۴۔اکبر بادشاہ......حضرت شیخ سلیم چشتیؒ

۵۔جہانگیر......حضرت شیخ میاں میرؒ

۶۔شاہجہان......حضرت شیخ میاں میرؒ......حضرت شیخ فضل اللہؒ

۷۔سلطان احمد خان بہمنی......حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو درازؒ

۸۔فاتح جونا گڑھ سلطان محمد الملقب......حضرت سید شاہ عالمؒ

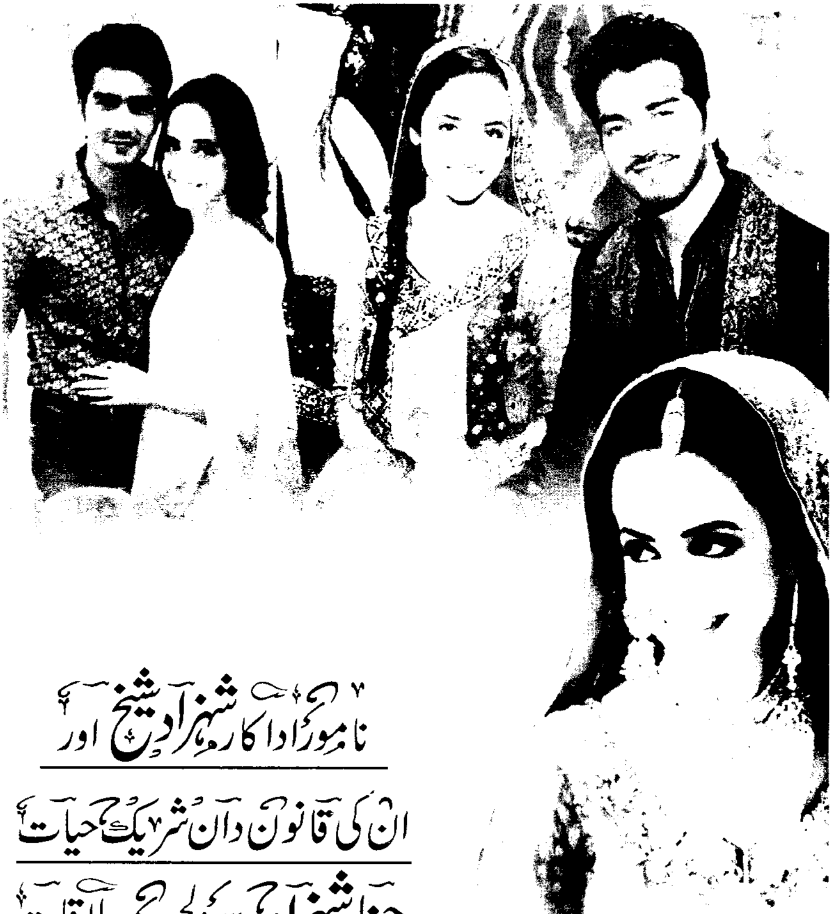
ان سب بادشاہوں کا یہ عالم تھا کہ ان فقیروں کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے تھے۔یہ صوفیا وہ عظیم ہستیاں ہیں جو اپنے اللہ پر توکل کرتی ہیں اور صرف اللہ ہی ان کے لیے کافی ہے۔یہی وجہ ہے کہ کبھی کوئی صوفی کسی دولت مند کے دروازے پر نہیں جاتا۔کیونکہ وہ جانتا ہے کہ صرف اللہ ہی اس کا مقصود ہے۔محبتِ الٰہی کی آگ ان کے دلوں میں شعلہ زن ہوتی ہے۔

الٰہی ہمارا حشر بھی اسی گروہ کے ساتھ کرنا اور ان کے حالاتِ باطنی ہم کو نصیب فرمانا......آمین ثم آمین۔

☆☆☆

پاکیزہ کے مہمان

شائستہ زریں



نامور اداکار شہزاد شیخ اور ان کی قانون دان شریکِ حیات حنا شہزاد سے دلچسپ ملاقات

قارئین کرام! السلام علیکم

مجھے طلب ہی نہیں مہرو ماہ کی اے دل
محبتوں سے مری زندگی منور ہے

محض باہمی محبت ہی سے نہیں بلکہ اپنوں کی محبت سے بھی تاباں، شاداں وفرحاں، مالا مال اور ڈاکٹر عنبرین حسیب عنبر کے شعر کی تفسیر۔ پہلے دوستی اور پھر محبت کا سفر طے کرتے ہوئے شادی کے بندھن میں بندھنے والے شہزاد شیخ اور حنا شہزاد بنے ہیں پاکیزہ کے مہمان۔ شہزاد شیخ کا نام اور کام اب

کسی تعارف کا محتاج نہیں رہا۔یہ ممتاز اور منجھے ہوئے فنکار جاوید شیخ اور ماضی کی معروف آرٹسٹ زینت منگی کے صاحبزادے ہیں۔ فنکار گھرانے میں جنم لینے اور پروان چڑھنے والے شہزاد کے دل میں اداکاری کی خواہش بیدار ہوئی تو آپ نے امریکا سے اداکاری کی تربیت حاصل کی۔ وطن واپس آکر باقاعدہ اداکاری شروع کی اور ایسی جم کر کی کہ آج اپنی ذاتی لیاقت، صلاحیت اور عمدہ اداکاری کی بنیاد پر شہزاد شیخ خود کو منوانے میں کامیاب رہے۔آپ کی اہلیہ حنا شہزاد قانون کے پیشے سے منسلک ہونے کے ناتے ...... ایک کامیاب کارپوریٹ وکیل ہیں۔

شہزاد کی طرح ہی اپنے پروفیشن کے ساتھ ایماندار، مخلص، محنتی اور لگن سے کامیابی اور مقام حاصل کرنے والی حنا شہزاد ایک بہت اچھی ماں بھی ہیں۔ شہزاد اور حنا دونوں ہی سادہ مزاج، با اخلاق، باادب، صاف گو اور اپنے بیٹے شاہ میر شیخ کے معاملے میں بہت حساس اور ذمے دار ہیں۔اپنے، اپنے پیشے میں نہایت مصروف رہنے والے اس کامیاب اور مثالی جوڑے نے بے پناہ مصروفیت کے باوجود پاکیزہ کو شرفِ میزبانی بخشا۔اس کے لیے ہم اپنی اور ادارہ پاکیزہ کی جانب سے شہزاد اور حنا کے بے حد ممنون ہیں۔ہم نے شہزاد اور حنا کی میزبانی کا بہت لطف اٹھایا۔ آئیں قارئین آپ بھی ان کی باتوں سے لطف اندوز ہوں۔



شہزاد شیخ

پاکیزہ ✧...... ”وہ آئی اس نے دیکھا اور فتح کرلیا“ ایسا ہی ہوا تھا یا رفتہ رفتہ حنا نے دل میں جگہ بنائی؟

شہزاد شیخ ❖...... واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔ایک شادی کی تقریب میں حنا کو دیکھا تھا۔ پہلی نظر میں ہی اچھی لگی اور فاتح بن گئی۔

پاکیزہ ✧...... کب احساس ہوا کہ اب حنا سے تعلق محض دوستی تک محدود نہیں رہا' کیوپڈ نے اپنا اثر دکھادیا؟

شہزاد شیخ ❖...... جب ہماری بات چیت شروع ہوئی تو ہم نے ایک دوسرے کو جاننا پہچاننا شروع کیا۔ہمارے شوق اور سوچنے کا انداز ایک جیسا تھا خاص طور پر موسیقی میں ہماری پسند بالکل ایک جیسی ہے اور ہمارے تعلق میں موسیقی نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔

پاکیزہ ✧...... شادی کی پیشکش پر حنا کا فوری ردِعمل کیا تھا؟

شہزاد شیخ ❖...... تھوڑا وقت دے دیں۔گھر والوں سے مشورہ کرکے بتاؤں گی۔

پاکیزہ ✧...... اپنی شادی کی کون سی تقریب میں سب سے زیادہ لطف آیا؟

شہزاد شیخ ❖...... باقی ساری تقریبات گھر والوں اور مہمانوں کے لیے تھیں جن سے سب لطف اندوز ہو رہے تھے۔لیکن نکاح کی تقریب ان دو شخصیات کے لیے اہم

ہوتی ہے جو کہ ایک دوسرے سے جُڑنے جا رہی ہوتی ہیں۔ تو میرے لیے بھی نکاح کی تقریب بہت اہم تھی۔

پاکیزہ ✧......شادی کے بعد آپ نے اپنا کون سا کام سب سے پہلے حنا سے کروایا؟

شہزاد شیخ ❖......تیز بخار کی حالت میں پیر دبوائے تھے۔

پاکیزہ ✧......شادی کے بعد کیے جانے والے پہلے سفر کی کوئی خاص بات؟

شہزاد شیخ ❖......ہم دبئی گئے تھے۔ ائرپورٹ پر حنا کو امیگریشن والوں نے پکڑ لیا تھا۔ (جبکہ حنا خود وکیل ہے) ۔کیونکہ حنا کی ہم نام ایک لڑکی دبئی سے کرائم کر کے فرار ہوگئی تھی اور پولیس اس کی تلاش میں تھی۔ باقی کی تفصیل آپ حنا سے سنیے گا۔

پاکیزہ ✧......شادی کے بعد حنا کی عادت اور مزاج میں کیا تبدیلی محسوس کی؟

شہزاد شیخ ❖...... پہلے سے بڑھ کر خیال رکھنے والی ہوگئی اور اس بات سے متاثر ہو کر میں نے باہر کی تفریحات کم کر کے گھر میں زیادہ وقت دینا شروع کر دیا۔ جس کا دوستوں نے بہت گلہ کیا۔

پاکیزہ ✧......گھر کو گھر بنانے میں شوہر کا کردار زیادہ اہم ہوتا ہے یا بیوی کا؟

شہزاد شیخ ❖......میں سمجھتا ہوں کہ بیوی کا کردار زیادہ اہم ہوتا ہے۔ کیونکہ شوہر کی بہ نسبت بیوی گھر کی ذمّے داری زیادہ اٹھاتی ہے۔ شوہر کا کردار یہ ہے کہ ان ذمّے داریوں میں جہاں تک ممکن ہو بیوی کے ساتھ تعاون کرے۔

پاکیزہ ✧......سسرال میں کس سے زیادہ بنتی ہے؟

شہزاد شیخ ❖......ساس سے۔ ان کے ساتھ میرا مذاق بھی چلتا ہے۔ اور ان سے میں مشورہ بھی لے لیتا ہوں۔

پاکیزہ ✧......امی اور بابا میں سے کس سے زیادہ قریب ہیں اور کیوں؟

شہزاد شیخ ❖......امی کے ۔کیونکہ بیٹے کو ماں سے زیادہ قربت محسوس ہوتی ہے۔ شاہ میر بھی مجھ سے زیادہ حنا کے قریب ہے۔

پاکیزہ ✧......ماں اور بیوی میں کسی بھی اختلاف کی صورت میں آپ کا جھکاؤ کس کی جانب زیادہ ہوتا ہے؟

شہزاد شیخ ❖...... عام طور پر اس کی نوبت نہیں آتی اگر کبھی ایسا ہوا بھی تو دونوں مل جل کر خود ہی نمٹا لیتی ہیں۔ میں نیوٹرل رہتا ہوں۔ میری ضرورت پڑے تو پہلے امی اور پھر حنا کے پاس جاتا ہوں۔

پاکیزہ ✧......کہا جاتا ہے جو مرد اپنی ماں سے بہت محبت کرتا ہے وہ اپنی بیوی سے بھی بہت محبت کرتا ہے، آپ کا تجربہ کیا کہتا ہے؟

شہزاد شیخ ❖......میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں کیونکہ میرا تجربہ یہی ہے امی اور حنا کے ساتھ ساتھ میں اپنی بہن مول شیخ سے بھی بہت پیار کرتا ہوں اور ان کی عزت بھی کرتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ خواتین کو عزت دینا ایک مرد کی اخلاقی ذمّے داری ہے۔ خاص طور پر خود سے وابستہ رشتوں میں پیار کے ساتھ عزت بھی بہت ضروری ہے۔

پاکیزہ ✧......محبت کا کون سا رنگ من بھاتا ہے؟

شہزاد شیخ ❖......قربانی کا۔ شادی کے بعد صرف محبت کرنا ہی محبت نہیں ہوتا بلکہ دونوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ آپ دوسرے سے کیا توقع رکھتے ہیں، یہ آپ کے لیے ضروری نہیں، ضروری اور اہم یہ ہے کہ دوسرا آپ سے کیا توقع رکھ رہا ہے کہ محبت قربانی کا نام ہے۔ اپنے سے زیادہ دوسرے کو محبت اور اہمیت دینے کا نام ہے۔

پاکیزہ ✧......آپ دونوں میں سے محبت کا لفظی اظہار کس کی جانب سے زیادہ ہوتا ہے؟

شہزاد شیخ ❖......میری جانب سے۔ باقی سب حنا کی طرف سے ہوتا ہے، جس کی میں بہت عزت کرتا ہوں۔ جس طرح وہ میرا اور گھر کا خیال رکھتی ہے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

پاکیزہ ✧......ویلنٹائن ڈے کا اہتمام کرتے ہیں؟ اگر ہاں تو کیسے؟

شہزاد شیخ ❖......بالکل کرتے ہیں۔ اپنے پیاروں سے پیار کا اظہار کرنا بھی چاہیے۔ محبت بانٹنے سے بڑھتی ہے۔ حنا کے لیے پھول اور چاکلیٹ لاتا ہوں۔ ڈنر پر بھی



شہزاد شیخ اور حنا شیخ (بارات کے دن) اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ

لے جاتا ہوں۔

پاکیزہ ✧......کیا تجدیدِ محبت کے لیے سال میں ایک (دن ویلنٹائن ڈے) کافی ہے؟ اور کیوں؟

شہزاد شیخ ❖......ہرگز نہیں! اس کے لیے تو سال کے ۳۶۵ دن بھی کم پڑ جاتے ہیں۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ ایک دوسرے کی اہمیت اور ضرورت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

پاکیزہ ✧......ایک قول ہے ”محبت اور جنگ میں سب جائز ہے“ جبکہ دوسرا قول ہے ”محبت اور جنگ میں جو ہو جائز ہو“ آپ کا نظریہ کیا ہے؟

شہزاد شیخ ❖......دوسرا قول ہی میرا نظریہ ہے کہ ”محبت اور جنگ میں جو ہو جائز ہو“۔

پاکیزہ ✧......سوشل میڈیا کے ذریعے جنم لینے والی محبت کے لیے کیا کہیں گے؟

شہزاد شیخ ❖......جب تک ساتھ بیٹھ کر وقت نہ گزاریں، ایک دوسرے کو سمجھیں ہی نہیں پیار کا اندازہ نہیں ہوگا۔ اصل محبت شادی کے بعد جنم لیتی ہے اور جب ہی محبت کا صحیح امتحان شروع ہوتا ہے۔

پاکیزہ ✧......خواتین شاپنگ بڑا دل لگا کر کرتی ہیں کیا یہ حنا کا بھی شوق ہے اور آپ کو کتنی دلچسپی ہے شاپنگ سے؟

شہزاد شیخ ❖......حنا شاپنگ نہیں کرتی تو نہیں کرتی لیکن جب کرتی ہے تو جی بھر کر کرتی ہے جبکہ میں اکثر کرتا ہوں اور بہت زیادہ کرتا ہوں خاص طور پر ملبوسات کی۔

پاکیزہ ✧......آپ کا سب سے سستا اور سب سے مہنگا شوق کون سا ہے؟

شہزاد شیخ ❖......حنا کے ساتھ باہر جا کر چائے پینا اور سب سے مہنگا شوق موٹر سائیکل، حال ہی میں خریدی ہے جو بہت مہنگی ہے۔

پاکیزہ ✧......اختلاف عموماً کن باتوں پر ہوتا ہے اور کیسے دور کیا جاتا ہے؟

شہزاد شیخ ❖......بہت سی باتوں پر ہو جاتا ہے جسے ہم بات چیت کے ذریعے دور کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......حنا کی اچھی عادت کون سی ہے؟

شہزاد شیخ ❖......حنا کی سب سے اچھی عادت یہ ہے کہ دن بھر میں پانچ سے آٹھ بار ضرور مجھے اپنی اور شاہ میر کی مصروفیت سے آگاہ کرتی ہے۔ اور تیار بھی جلدی ہو جاتی ہے جبکہ میں تیار ہونے میں بہت دیر لگاتا ہوں۔

پاکیزہ ✧......وہ کون سے انسانی رویے ہیں جو دل کو بھاتے ہیں اور کون سے ناپسندیدہ اور تکلیف دہ ہیں؟

شہزاد شیخ ❖......جھوٹ بولنا سخت ناپسند ہے۔ بلاوجہ کسی چیز کو بڑھاوا دیا جائے جبکہ وہ بات سچ بھی نہ ہو۔ پیار محبت اور عزت سے بات کرنے کے رویے اچھے لگتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......وزن متناسب رکھنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں؟

شہزاد شیخ ❖......ورزش بہت ضروری ہے جو میں کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ صحت بخش غذاؤں کا استعمال زیادہ کرتا ہوں اور کولیسٹرول والی چیزوں سے بچتا ہوں۔

پاکیزہ ✧......غصہ ہوا کے جھونکے کے مانند آتا ہے اور چلا جاتا ہے یا گھٹا کی طرح چھاتا ہے اور برسے بنا نہیں جاتا؟

شہزاد شیخ ❖......کوشش یہی ہوتی ہے کہ غصہ نہ آئے مگر کبھی کبھار سہی جب آتا ہے تو بہت شدید آتا ہے۔ اور بعض دفعہ تو یہ بھی ہوتا ہے کہ ٹینشن کسی اور بات پر ہوتی ہے ایسے میں کوئی بات بری لگ گئی تو غصہ آگیا اور چھا گیا۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔

پاکیزہ ✧......کس ملک اور شہر کے کھانے زیادہ پسند ہیں؟

شہزاد شیخ ❖......تھائی لینڈ اور کراچی کے کھانوں کا جواب نہیں......

پاکیزہ ✧......شریکِ حیات کا پیشہ آپ پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے؟

شہزاد شیخ ❖......عام طور پر تو اثر انداز نہیں ہوتا ہاں کبھی کبھار ایسا ضرور ہوتا ہے جب حنا میری کسی بات کا جواب دیتی ہے تو میں کہتا ہوں۔ "تمہارے اندر کا وکیل نکل کر آگیا ہے۔"

پاکیزہ ✧......ایک دوسرے کے پیشہ ورانہ معاملات میں کس حد تک دلچسپی لیتے ہیں؟

شہزاد شیخ ❖......بہت حد تک دلچسپی لیتے ہیں کہ ایک دوسرے کے کام کو سمجھنا اور اس حوالے سے بات کرنا بہت ضروری ہے۔ ہم حسبِ ضرورت ایک دوسرے کو مشورہ بھی دیتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......یہ دلچسپی محض تعریف، تنقید اور مشورے تک محدود رہتی ہے یا بے جا مداخلت بھی اس میں شامل ہے؟

شہزاد شیخ ❖......بے جا مداخلت ہم دونوں میں سے کوئی بھی نہیں کرتا۔ وقت ہی نہیں ہوتا اور کرنی بھی نہیں چاہیے۔

پاکیزہ ✧......حنا کی صلاحیتوں کا فراخدلانہ اعتراف کرتے ہیں؟

شہزاد شیخ ❖......یقیناً کرتا ہوں۔ یہ اس کا حق بنتا ہے۔

پاکیزہ ✧......بے حد مصروفیات کی وجہ سے ہونے والی تھکن دور کرنے کے لیے تفریح کے لیے جانا پسند کرتے ہیں یا گھر پہ آرام کرنے کو ترجیح دیتے ہیں؟

شہزاد شیخ ❖......گھر پر آرام کرتے ہیں، شاہ میر کو وقت دیتے ہیں اور یوں بھی ہوتا ہے جب شاہ میر سو جاتا ہے......تو ہم لانگ ڈرائیو پر نکل جاتے ہیں، موسیقی سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور ڈنر کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......دونوں ہی اپنے، اپنے پیشے میں بہت مصروف رہتے ہیں، کون شاہ میر کو زیادہ وقت دیتا ہے؟

شہزاد شیخ ❖......ہم دونوں کو جب بھی کام سے فرصت ملتی ہے شاہ میر کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چونکہ حنا جلد گھر آ جاتی ہے اس لیے وہ زیادہ وقت دیتی ہے

پاکیزہ ✧......حنا کے شوہر بننے کے بعد شہزاد زیادہ ذمے دار ہوگئے یا شاہ میر کا باپ بننے کے بعد؟

شہزاد شیخ ❖......ظاہری بات ہے کہ ایک بچے کا باپ بننے کے بعد اب ذمے داری جو بڑھ گئی ہے۔

پاکیزہ ✧......دونوں اپنے فیصلے خود کرتے ہیں یا کبھی مشورہ لینا ضروری سمجھتے ہیں؟

شہزاد شیخ ❖......حنا اپنے فیصلے خود لیتی ہے لیکن جہاں اسے میرے مشورے کی ضرورت پڑتی ہے میں مشورہ دیتا ہوں اور ہمیشہ دو آپشن اس کے سامنے رکھتا ہوں۔ جو اسے زیادہ مناسب لگتا ہے وہ اس پر عمل کر لیتی ہے۔ حنا بھی یہی کرتی ہے۔ ہم نے کبھی ایک دوسرے پر اپنے فیصلے مسلط کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

پاکیزہ ✧...... اداکاری کے میدان میں اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر آئے یا اپنے والد، جاوید شیخ صاحب کی انگلی تھام کر؟

شہزاد شیخ ❖......سو فیصد اپنی محنت اور اہمیت سے آیا ہوں۔ کبھی میں نے بابا سے نہیں کہا کہ مجھے ٹی وی فلم میں کام کرنا ہے۔ میری سفارش کروائیں۔ اپنے آڈیشن خود دیے بلکہ ابتدائی دور میں تو اکثر لوگوں کو معلوم ہی نہ تھا میں کس کا بیٹا ہوں۔ میرے بابا بھی بغیر کسی نام اور پہچان کے آئے تھے۔ لوگوں کے دلوں میں جگہ بنانے

کے لیے اپنی ذاتی لیاقت سے خود کو بہت منوانا ضروری ہے۔ ہمارا اصول ہی یہ ہے کہ ے اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

پاکیزہ✧......آپ کے ڈراموں کے بارے میں رائے دیتے ہوئے حنا بے لاگ تبصرہ کرتی ہیں یا جانب داری برتتی ہیں؟

شہزاد شیخ ✧......بے لاگ تبصرہ...... بِنا لگی لپٹی کے۔

پاکیزہ✧......کسی بھی اسکرپٹ پر کام کرنے سے پہلے حنا سے ڈسکس کرتے ہیں؟ کیا نتیجہ سامنے آتا ہے؟

شہزاد شیخ ✧......ضرور ڈسکس کرتا ہوں۔ نتیجہ میرے حق میں ہی ہوتا ہے۔ مثلاً ”محبت تم سے نفرت ہے“ کا اسکرپٹ پڑھ کر میں نے انکار کر دیا تھا۔ جب میں نے حنا کو اپنا کردار سنایا تو اس نے کہا کہ یہ ذرا ہٹ کر ہے اور خلیل صاحب نے لکھا ہے تو مکالمے بھی لاجواب ہوں گے۔ میں نے حنا کے کہنے پر کیا۔ مجھے توقع سے بڑھ کر مزہ آیا، سپر ہٹ گیا اور مجھے خوب داد ملی۔

پاکیزہ ✧......کیا پاکستان میں کسی ایسے تربیتی ادارے کی کمی محسوس کرتے ہیں جہاں فن اداکاری کی بین الاقوامی معیار کی تربیت دی جائے؟

شہزاد شیخ ✧......بہت محسوس ہوتی ہے۔ مجھے اکثر نوجوان ایسے ملتے ہیں جو ایکٹر بننا چاہتے ہیں مگر یہاں کوئی ایسا مستند ادارہ ہی نہیں ہے جو رہنمائی کر سکے جبکہ دیگر ممالک میں باقاعدہ ایکٹنگ اسکول موجود ہیں۔

پاکیزہ✧......فلم میں کام کرنے کا تجربہ کیسا رہا؟

شہزاد شیخ ✧......بہت اچھا اور بہت کامیاب رہا

پاکیزہ✧......بڑی اسکرین پر کام کرنے میں زیادہ لطف آیا یا چھوٹی اسکرین پر؟ بنیادی فرق کیا محسوس کیا؟

شہزاد شیخ ✧......مزہ دونوں جگہ آیا۔ بنیادی فرق یہی ہے کہ فلم کا کینوس، پروڈکشن بڑے ہوتے ہیں، پردہ بڑا ہوتا ہے۔ لوگ سینما میں جا کر فلم دیکھتے ہیں تو زیادہ لطف آتا ہے۔ ڈھائی تین گھنٹے میں فلم ختم ہو جاتی ہے۔ مزید معیاری فلمیں بنانے میں پانچ، سات سال لگیں گے۔ ہاں ہمارے ڈرامے، فلموں سے زیادہ بہتر



شہزاد شیخ اور حنا شہزاد اپنے پیارے بیٹے شاہ میر کے ساتھ

ہیں اور پوری دنیا میں پسند کیے جاتے ہیں۔ ٹی وی ناظرین کا حلقہ بہت بڑا ہے۔

پاکیزہ✧......کبھی آپ کی اداکاری پر کسی ملکی یا غیر ملکی اداکار کی چھاپ لگی؟

شہزاد شیخ ✧......اللہ کا شکر ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ میں نے محنت سے اپنی شناخت خود بنائی ہے۔ کسی کی کاپی نہیں کی حتیٰ کہ بابا اور چاچو کی بھی نہیں۔

پاکیزہ ✧......فلم کی کامیابی کے لیے کیا چیز ضروری ہے؟

شہزاد شیخ ✧......موضوع، مکالمے اور کہانی اچھی ہو تو باقی چیزیں اپنے آپ ہی صحیح ہو جاتی ہیں۔

پاکیزہ✧......موجودہ ٹی وی ڈراموں کے معیار میں کیسی تبدیلی کے آرزومند ہیں؟

شہزاد شیخ ✧......اگر پروڈکشن ویلیو بڑھائیں، ڈراموں پر زیادہ خرچ کریں تو اچھے نتائج سامنے آئیں گے۔ جتنے محدود سرمائے میں ہمارے ڈرامے بن رہے ہیں اس لحاظ سے وہ بہت غنیمت ہیں۔

پاکیزہ ✧......موضوعات میں تبدیلی کی ضرورت ہے؟

شہزاد شیخ ❖......کیوں نہیں! مانا کہ خواتین ملک کا ۵۲ فیصد حصہ ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر کہانی خواتین اوران کے مسائل کے گرد ہی گھومتی رہے۔کئی سماجی موضوعات ایسے ہیں جن پر معاشرے کی بہتری کے لیے ڈرامے بننے چاہئیں۔

پاکیزہ ✧......صوفی ازم کی جانب رجحان کیسے ہوا؟

شہزاد شیخ ❖......صوفی ازم کا بنیادی مقصد محبت اور امن کا پیغام عام کرنا ہے۔خواہ پیار کسی بھی سطح پر کیا جائے، میری سوچ بھی یہی ہے، اس لیے فطری طور پر اس طرف رجحان ہوگیا۔

پاکیزہ ✧......شاعری کا رجحان محض پڑھنے اور سننے تک محدود ہے یا خود بھی کبھی شعر کہنے کی کوشش کی؟

شہزاد شیخ ❖......فی الحال تو سننے اور پڑھنے کی حد تک ہی ہے۔

پاکیزہ ✧......آپ کا پسندیدہ رشتہ، شخصیت، کتاب، موسیقی ،رنگ، موسم، وقت ،ٹی وی پروگرام، فلم ،تفریحی مقام، مشغلہ، موسم کے لحاظ سے مشروب اور ڈش؟

شہزاد شیخ ❖......ماں، ماں بیٹا، 40 Rules Of Love، جو سننے میں بھلی لگے، نیلا، سردی کا موسم، شام، بچپن میں دیکھا گیا پروگرام سرگم تماشا، وہ تمام راستے جن پر حنا کے ساتھ لانگ ڈرائیو کرتے ہوئے گزرتا ہوں، ہیوی بائیک چلانا، سردی میں کافی اور گرمی میں تھادل، ہر موسم کی پسندیدہ ڈش ایک ہی ہے پائے۔

پاکیزہ ✧......اپنے مداحوں کے لیے آپ کا پیغام؟

شہزاد شیخ ❖......پہلے تو آپ کا بہت، بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے اور میرے کام کو سراہا، کوشش کروں گا کہ مزید بہتر کام کر کے دکھاؤں اور اس کے علاوہ یہی کہوں گا کہ...

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

پاکیزہ ✧......اپنی شریکِ حیات کے اعزاز میں کوئی فقرہ یا شعر؟

شہزاد شیخ ❖......لاجواب اور بہت زیادہ خیال رکھنے والی۔

اب بات کرتے ہیں حنا شہزاد شیخ سے......

پاکیزہ ✧......وہ آیا اس نے دیکھا اور فتح کرلیا۔ایسا ہی ہوا تھا یا رفتہ، رفتہ شہزاد نے دل میں جگہ بنائی؟

حنا شہزاد شیخ ❖......رفتہ، رفتہ جگہ بنائی تھی۔

پاکیزہ ✧......کب احساس ہوا کہ اب شہزاد سے تعلق محض دوستی تک محدود نہیں رہا، کیوپڈ نے اپنا اثر دکھا دیا؟

حنا شہزاد شیخ ❖......دو تین مہینے ہی میں ہوگیا تھا۔

پاکیزہ ✧......شہزاد کی شادی کی پیشکش پر آپ کا فوری ردِعمل کیا تھا؟

حنا شہزاد شیخ ❖......فٹا فٹ ہاں کردی تھی لیکن گھر والوں سے مشورہ اپنی جگہ اہم ہے۔

پاکیزہ ✧......اپنی شادی کی کون سی تقریب میں سب سے زیادہ لطف آیا؟

حنا شہزاد شیخ ❖......مہندی پر

پاکیزہ ✧......شادی کے بعد شہزاد نے اپنا کون سا کام سب سے پہلے کروایا؟

حنا شہزاد شیخ ❖......شادی والے دن انہیں تیز بخار چڑھ گیا تھا، میں نے شہزاد کے پیر دبائے تھے۔شہزاد کے کپڑوں پر استری کی تھی۔

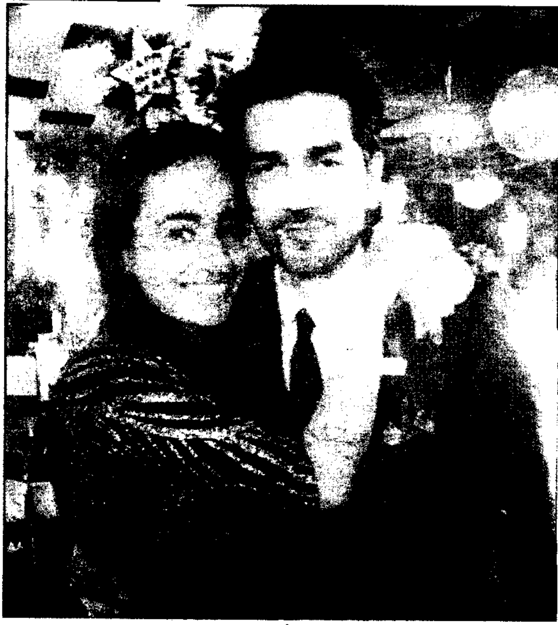
پاکیزہ ✧......شادی کے بعد کیے جانے والے پہلے سفر کی کوئی خاص بات؟

حنا شہزاد شیخ ❖......ہم دبئی گئے تھے۔ائرپورٹ پر امیگریشن والوں نے پکڑ لیا تھا، میری ہم نام کسی لڑکی کے دھوکے میں ۔ایک وکیل کی حیثیت سے میں نے دبئی میں بھی وکیلوں کے ساتھ کام کیا ہے۔وکیل ہونے کا فائدہ ہوا۔میں نے فوراً ان سے رابطہ کیا۔میں بے قصور تھی اپنے تعلقات کی بنا پر بے جا سزا سے بچ گئی۔مومل بھی وہاں آگئی تھی، شہزاد نے مجھے بہت سپورٹ کیا۔

پاکیزہ ✧......شادی کے بعد شہزاد کی عادت اور مزاج میں کیا تبدیلی محسوس کی؟

حنا شہزاد شیخ ❖......کوئی تبدیلی نہیں ویسا ہی ہے سادہ مزاج جو دل میں ہے وہی زبان پر۔

پاکیزہ ✧......گھر کو گھر بنانے میں میاں کا کردار زیادہ اہم ہوتا ہے یا بیوی کا؟



حنا شہزاد شیخ ❖......اہم تو دونوں کا ہوتا ہے۔لیکن بیوی کا زیادہ اہم ہوتا ہے کہ وہ اپنے والدین کا گھر چھوڑ کر ایک نئے ماحول میں آتی ہے تو اس کو گھر بنانے میں وقت لگتا ہے اور پھر ایڈجسٹ ہو کر اسی کا حصہ بن جاتی ہے۔

پاکیزہ ✧......سسرال میں کس سے زیادہ بنتی ہے؟

حنا شہزاد شیخ ❖......موول سے۔اس سے میں ہر طرح کی باتیں کر لیتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......شہزاد کے امی اور بابا میں سے کس سے زیادہ قریب ہیں اور کیوں؟

حنا شہزاد شیخ ❖......امی سے کیونکہ بابا تو اکثر شوٹ پر ہوتے ہیں پھر یہ کہ جب میں دفتر سے واپس آتی ہوں تو وہ میرا انتظار کر رہی ہوتی ہیں ہم ایک دوسرے سے اپنی باتیں اور مسائل ڈسکس کر لیتے ہیں خواہ وہ ذاتی ہوں یا دفتر کے۔

پاکیزہ ✧......ماں اور بیوی میں کسی بھی اختلاف کی صورت میں شہزاد کا جھکاؤ کس کی جانب زیادہ ہوتا ہے؟

حنا شہزاد شیخ ❖...... نیوٹرل ہوتے ہیں۔عموماً ایسا نہیں ہوتا۔اگر کبھی ہو جائے تو پہلے ماں کے پاس جاتے ہیں پھر میرے پاس آتے ہیں۔دونوں کو ٹھیک کر لیتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......کہا جاتا ہے جو مرد اپنی ماں سے بہت محبت کرتا ہے وہ اپنی بیوی سے بھی بہت محبت کرتا ہے آپ کا تجربہ کیا کہتا ہے؟

حنا شہزاد شیخ ❖......اس میں کوئی شک نہیں۔شہزاد اس پر صدفی صد پورے اترتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......محبت کا کون سا رنگ من بھاتا ہے؟

حنا شہزاد شیخ ❖......وفا کا رنگ......کہ اس سے محبت پائیدار ہوتی ہے۔

پاکیزہ ✧......آپ دونوں میں سے محبت کا لفظی اظہار کس کی جانب سے زیادہ ہوتا ہے؟

حنا شہزاد شیخ ❖......میری طرف سے۔

پاکیزہ ✧......ویلنٹائن ڈے کا اہتمام کرتی ہیں؟اگر ہاں تو کیسے؟

حنا شہزاد شیخ ❖......لانگ ڈرائیو پر نکل جاتے ہیں، شہزاد باہر کھانا کھلانے لے جاتے ہیں۔پھول بھی لے کر دیتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......کیا تجدیدِ محبت کے لیے سال میں ایک دن (ویلنٹائن ڈے) کافی ہے؟اور کیوں؟

حنا شہزاد شیخ ❖......بالکل نہیں۔کیونکہ جب آپ کسی کے ساتھ ہیں تو روز ہی منانا چاہیے ایک دن نہیں باندھ لینا چاہیے۔ہمیں تو جس دن فرصت ملے ساتھ ہوں وہی ہمارا ویلنٹائن ڈے ہے۔

پاکیزہ ✧......ایک قول ہے ”محبت اور جنگ میں سب جائز ہے“ جبکہ دوسرا قول ہے ”محبت اور جنگ میں جو ہو جائز ہو“ آپ کا نظریہ کیا ہے؟

حنا شہزاد شیخ ❖......سب جائز ہے۔

پاکیزہ ✧......کامیاب شادی کے لیے دلی تعلق ضروری ہے یا ذہنی ہم آہنگی؟

حنا شہزاد شیخ ❖......دلی تعلق اور ذہنی ہم آہنگی سے زیادہ دوستی ضروری ہے۔

پاکیزہ ✧......سوشل میڈیا کے ذریعے جنم لینے والی محبت کے لیے کیا کہیں گی؟

حنا شہزاد شیخ ❖......جب تک ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھ کر بات نہ کریں تو یہ محبت تھوڑی ہوئی۔ میرے نزدیک یہ بہت ناپائیدار محبت ہے۔

پاکیزہ ✧......شریکِ حیات کا پیشہ آپ پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے؟

حنا شہزاد شیخ ❖......شوٹ کی وجہ سے تاخیر سے گھر آتے ہیں تو کبھی، کبھی ہماری ڈھنگ سے ملاقات بھی نہیں ہو پاتی۔

پاکیزہ ✧......ایک دوسرے کے پیشہ ورانہ معاملات میں کس حد تک دلچسپی لیتے ہیں؟

حنا شہزاد شیخ ❖...... بہت زیادہ اور یہ بہت ضروری ہے اس سے تعلق اور مضبوط ہوتا ہے۔

پاکیزہ ✧......یہ دلچسپی محض تعریف، تنقید اور مشورے تک محدود رہتی ہے یا بے جا مداخلت بھی اس میں شامل ہے؟

حنا شہزاد شیخ ❖......بے جا مداخلت کا نہ ہم دونوں کے پاس وقت ہوتا ہے اور نہ ہی یہ ہماری عادت ہے۔

پاکیزہ ✧......شہزاد آپ کی صلاحیتوں کا فراخدلانہ اعتراف کرتے ہیں؟

حنا شہزاد شیخ ❖...... بالکل کرتے ہیں۔ میں ہوں ہی اتنی اچھی۔

پاکیزہ ✧......بے حد مصروفیات کی وجہ سے ہونے والی تھکن دور کرنے کے لیے تفریح کے لیے جانا پسند کرتی ہیں یا گھر پہ آرام کرنے کو ترجیح دیتی ہیں؟

حنا شہزاد شیخ ❖......گھر پر آرام کرنے کو اس کے بعد موقع مل جائے تو تفریح بھی کر لیتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......کون شاہ میر کو زیادہ وقت دیتا ہے؟

حنا شہزاد شیخ ❖......کام سے واپسی پر ہم دونوں ہی شاہ میر کو وقت دیتے ہیں لیکن چونکہ میں جاب سے جلد گھر آجاتی ہوں تو زیادہ وقت میں دیتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......حنا کے شوہر بننے کے بعد شہزاد زیادہ ذمے دار ہو گئے یا شاہ میر کا باپ بننے کے بعد؟

حنا شہزاد شیخ ❖......شاہ میر کا باپ بننے کے بعد۔

پاکیزہ ✧......اپنے فیصلے خود کرتی ہیں یا کبھی مشورہ لینا ضروری سمجھتی ہیں؟

حنا شہزاد شیخ ❖......میں اپنے فیصلے اکثر خود لیتی ہوں اور مشورہ کرنا ہو تو صرف شہزاد سے یا پھر اپنے بابا سے کرتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......شہزاد کے ڈراموں کے بارے میں رائے دیتے ہوئے آپ بے لاگ تبصرہ کرتی ہیں یا جانبداری برتتی ہیں؟

حنا شہزاد شیخ ❖...... بے لاگ تبصرہ کرتی ہوں اور شہزاد غور سے سنتے ہیں۔ توجہ دیتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......تبصرہ تو سن لیتے ہیں کبھی مشورہ بھی لیا شہزاد نے اس حوالے سے؟

حنا شہزاد شیخ ❖......یقیناً! محبت تم سے نفرت ہے میں شہزاد کام نہیں کرنا چاہ رہے تھے میرے مشورے پر کیا اور کامیاب رہا۔ بے پناہ پسند کیا گیا شہزاد کے کردار کو۔

پاکیزہ ✧......خواتین شاپنگ بڑا دل لگا کر کرتی ہیں کیا یہ آپ کا بھی شوق ہے؟

حنا شہزاد شیخ ❖......مجھ سے زیادہ شہزاد کو شوق ہے۔

پاکیزہ ✧......آپ کا سب سے سستا اور سب سے مہنگا شوق کون سا ہے؟

حنا شہزاد شیخ ❖......سستا تو شہزاد کے ساتھ کھڈا مارکیٹ سے لسی پینے کا ہے اور مہنگا شوق ہے کہ شہزاد سال میں ایک دفعہ ملک سے باہر لے جائیں۔

پاکیزہ ✧......اختلاف عموماً کن باتوں پر ہوتا ہے اور کیسے دور کیا جاتا ہے؟

حنا شہزاد شیخ ❖......کہیں بھی جانا ہو شہزاد تیار ہونے میں بہت وقت لگاتے ہیں لیکن گاڑی میں بیٹھتے ہی موسیقی کی دُھن میں اختلاف خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

پاکیزہ ✧......شہزاد کی اچھی اور بری عادات کون سی ہیں؟

حنا شہزاد شیخ ❖......جو کمٹمنٹ کرتے ہیں پورا کرتے ہیں۔ سب کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اور بری عادت تیار ہونے میں بہت وقت لگاتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......ایک دوسرے کی کون سی عادات اپنائیں اور کون سی چھڑائیں؟

حنا شہزاد شیخ ✧......شہزاد کا کہنا ہے ہمیشہ اچھا سوچو اچھا ہوگا شہزاد کی یہ پوزیٹو سوچ اپنائی۔اور باوجود بہت کوشش کے دیر سے تیار ہونے کی عادت نہ چھڑا سکی۔

پاکیزہ ✧......وہ کون سے انسانی رویے ہیں جو دل کو بھاتے ہیں اور کون سے ناپسندیدہ اور تکلیف دہ ہیں؟

حنا شہزاد شیخ ✧......ایک دوسرے کے دکھ سکھ محسوس کرنے اور بانٹنے کا رویہ اچھا لگتا ہے اور غصہ بہت برا لگتا ہے کہ غصے میں انسان کو کسی بھی چیز پر قابو نہیں رہتا۔

پاکیزہ ✧......وزن متناسب رکھنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرتی ہیں؟

حنا شہزاد شیخ ✧......ایکسر سائز بالکل نہیں کرتی بس ڈائیٹ کنٹرول کرتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......آپ کا غصہ ہوا کے جھونکے کے مانند آتا ہے اور چلا جاتا ہے یا گھٹا کی طرح چھاتا ہے اور برسے بنا نہیں جاتا؟

حنا شہزاد شیخ ✧......غصہ آئے تو میں چپ ہو جاتی ہوں، خود ہی کڑھتی ہوں۔آہستہ آہستہ چلا جاتا ہے۔

پاکیزہ ✧......کس ملک اور شہر کے کھانے زیادہ پسند ہیں؟

حنا شہزاد شیخ ✧......صرف اور صرف پاکستانی کھانے خاص طور پر نہاری پائے۔

پاکیزہ ✧......آپ نے وکالت کے پیشے کا انتخاب کیوں کیا؟

حنا شہزاد شیخ ✧......کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ اس کے ذریعے ہم لوگوں کو مصیبت سے نکال سکتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......کارپوریٹ وکیل سے کیا مراد ہے؟

حنا شہزاد شیخ ✧......ایسا وکیل جو جس کمپنی سے وابستہ ہے اسے کسی بھی نقصان سے بچائے اور اس کے لیے جتنے بھی قاعدے اور قانون ہیں وہ ان سب کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔

پاکیزہ ✧......آپ نے قانون کے اسی شعبے کا انتخاب کیوں کیا؟

حنا شہزاد شیخ ✧......شادی سے پہلے میں کورٹ جاتی تھی اس میں کافی دیر بھی ہو جاتی تھی۔ٹائمنگ کی وجہ سے شادی کے بعد میں اس شعبے میں آ گئی۔اب میں جاب سے جلدی گھر آ جاتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......کیا آپ اپنے دائرۂ کار میں خود کو آزاد محسوس کرتی ہیں؟ کیسے؟

حنا شہزاد شیخ ✧...... بالکل... میں اپنی مرضی کے مطابق اپنے ڈیپارٹمنٹ کو چلا سکتی ہوں اور چلا رہی ہوں۔

پاکیزہ ✧......فلموں اور ڈراموں میں دکھائی جانے والی عدالتیں حقیقی عدالتوں سے کتنی قریب ہوتی ہیں؟

حنا شہزاد شیخ ✧......قریب؟ بہت دور ہوتی ہیں اور بالکل غلط دیکھ کر خون کھول اٹھتا ہے۔

پاکیزہ ✧......قانون کا پیشہ اختیار کرنے کی خواہشمند لڑکیوں کی راہنمائی کے لیے کیا کہیں گی؟

حنا شہزاد شیخ ✧...... کیونکہ مقابلہ زیادہ ہے اور اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے جذبہ اور لگن بہت ضروری ہے۔صرف نام اور پیسہ کمانے کی نیت سے اس فیلڈ میں نہیں آئیں، کام کرنا ہے تو آئیں کہ نام بھی کام سے ہی بنتا ہے۔

پاکیزہ ✧......آپ کا پسندیدہ رشتہ، شخصیت، کتاب، موسیقی، رنگ، خوشبو، موسم، وقت، ٹی وی پروگرام، فلم، تفریحی مقام، مشغلہ، موسم کے لحاظ سے مشروب اور ڈش؟

حنا شہزاد شیخ ✧......ماں بیٹا، ایدھی صاحب، 40 Rules Of Love، موڈ کے حساب سے سنتی ہوں غزل بھی سنتی ہوں اور بھنگڑا بھی، عود کی خوشبو، گرمی، صبح، بچپن میں عینک والا جن بہت شوق سے دیکھتی تھی، دنگل، شہزاد کے ساتھ جہاں بھی جاؤں وہی، لکھنا میرا شوق ہے۔شارٹ اسٹوریز لکھتی بھی ہوں، سردیوں میں کشمیری چائے اور گرمی میں گلاس میں برف بھر کر کوک، سردیوں میں دال چاول مچھلی اور گرمیوں میں کوئی بھی موسم کی سبزی خاص طور پر توری۔

پاکیزہ ✧......اپنے شریکِ حیات کے اعزاز میں کوئی فقرہ یا شعر؟

حنا شہزاد شیخ ✧......سادہ، سچے اور محبت کرنے والے۔

☆☆☆



دائیں سے نزہت اصغر، ناہید فاطمہ حسنین، انجم انصار، سیما مناف، سیما رضا ردا،
عظمیٰ آفاق، عذرا رسول، رضوانہ پرنس، سائرہ غلام نبی و شگفتہ شفیق

یہ دوستی ہم نہیں چھوڑیں گے

عظمیٰ آفاق سعید

پتا ہے ہم ایک پارٹی میں گئے تھے، اتنا مزہ آیا کہ کیا بتاؤں...... بہت ساری رائٹرز تھیں، آپ کی باجی انجم انصار موجود تھیں، مزے، مزے کی باتیں ہوئیں، سوغاتیں ملیں گانے گائے گئے اور اور...... ارے کیا کہا۔

کیا...... بس کروں؟

اچھا...... پوری بات بتاؤں......!

”تو پھر جناب آپ پڑھیے ایک ایسی تقریب کا آنکھوں دیکھا حال جو آپ کی باجی انجم انصار کے اعزاز میں سجائی گئی تھی۔ تقریب کی میزبان کوئی اور نہیں محترمہ عذرا رسول تھیں۔ پڑھنے والوں کو میں بتادوں کہ آپ کی باجی انجم انصار یعنی ہماری امی کی طبیعت الحمد للہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ آپ لوگوں کی محبت، پیار اور دعاؤں کی بدولت اپنی گردن کی تکلیف سے نجات پا رہی ہیں اور آرام کر رہی ہیں۔

عذرا رسول آنٹی نے (میں ان کو آنٹی کہتی ہوں) کیونکہ یہ ایک دو دنوں کی بات نہیں؟ برسوں کا ساتھ ہے۔ اس تمام عرصہ جب سے امی نے پاکیزہ سے بریک لیا ہے، گاہے بہ گاہے ان کی طبیعت اور ان کی خیریت کے لیے نہ صرف دعائیں کی ہیں بلکہ برابر رابطے میں رہی ہیں، کافی عرصے سے وہ کوششوں میں تھیں کہ امی کے اعزاز میں کوئی تقریب رکھی جائے لیکن ظاہر ہے امی کی طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے وہ ملتوی ہوتی جا رہی تھی۔ دوسری طرف معراج انکل کی طبیعت بھی خراب چل رہی تھی۔

خیر جناب بروز بدھ دس جنوری کی شام کو ایک حسین گیٹ ٹوگیدر کا اہتمام سن سیٹ کلب ڈی ایچ اے کراچی میں کیا گیا۔ جن میں رائٹرز کے ساتھ، ساتھ تبصرہ نگار بہنیں

بھی مدعو تھیں۔

میں اور امی شام چار بجے کلب کے لیے روانہ ہوئے چونکہ کلب میرے گھر سے دس منٹ کی دوری پر ہے اسی لیے ہم فاصلے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسی ٹائم پر نکلے لیکن قربان جاؤں میں اپنے ڈرائیور کے..... کہ دس منٹ کی دوری کی جگہ پر اس نے ہمیں آدھے گھنٹے میں پہنچایا۔ نیا ڈرائیور تھا، پشتو ہمیں نہیں آتی تھی اور اردو سے وہ ناواقف تھا، خیر اسی بہانے مجھے اچھی، خاصی پشتو سے... واقفیت بھی ہوگئی۔ اس کا ہمیں پتا نہیں کہ اسے ہم اردو سکھا پائے یا نہیں۔ اشارے کی زبان تو آ ہی گئی ہوگی۔ خیر جناب، جب اللہ کا حکم ہوا تب ہمیں کلب نظر آ گیا۔ حالانکہ چھٹی دفعہ اس کے سامنے سے گزرے تھے۔ جلدی، جلدی گاڑی سے چھلانگ لگائی۔ اور کلب کے مین گیٹ میں داخل ہوئے۔

دروازے پر ہی آمنہ حماد نے استقبال کیا، اس کے ساتھ ہی عذرا آنٹی، نزہت اصغر بھی پُرتپاک انداز میں ملیں۔ عذرا آنٹی میرون گرم سوٹ جس کا دوپٹا ہرا تھا، ہمیشہ کی طرح سلیقے سے سر پر سجائے بڑی پُروقار لگ رہی تھیں۔ نزہت باجی بھی ڈارک کاسنی جوڑے میں سج رہی تھیں۔ اپنی بیٹی کی منگنی کر دی ہے۔ انہوں نے (مٹھائی نہیں آئی ہمارے گھر، شاید آپ کے ڈرائیور کو بھی ہمارا گھر نہیں مل رہا ہوگا) ساری رائٹرز امی کو دیکھ کر خوش ہوگئیں اور گلے ملنے لگیں، امی نے فیروزی ساڑی جو کچھ گرین پچ میں تھی زیب تن کی ہوئی تھی، ہمیشہ کی طرح ان پر ساڑی بہت جچ رہی تھی۔ (ماشاء اللہ) رائٹرز میں رضوانہ پرنس، رفعت سراج...... سعدیہ رئیس، ناہید فاطمہ حسنین، سیما رضا ردا، سیما مناف، شاعرہ شگفتہ شفیق، ہما بیگ، اختر شجاعت، عطیہ عمر، تبصرہ نگار ڈاکٹر ممتاز ضیا عقیلہ حق، سائرہ غلام نبی، تسنیم ماپارا، حمیرا طارق وغیرہ شامل تھیں جبکہ صبیحہ شاہ اپنے دانت کے درد کے باعث منزہ سہام مرزا شدید بخار اور غزالہ رشید سروائیکل کے درد کی وجہ سے ....

جبکہ رُخ چوہدری اور ناہید چوہدری کے بھائی صاحب مصروف تھے سو وہ نہ آسکیں۔ افسر سلطانہ بھی ویک اینڈ کی مصروفیات کی وجہ سے نہ آپائیں۔ عذرا آنٹی کی دوست یاسمین رشید بھی اپنی مصروفیات کے باعث نہ آپائیں۔ ملنے ملانے کے بعد تقریب کا باقاعدہ آغاز کیا گیا۔ سب سے پہلے نزہت اصغر باجی نے امی کو پھولوں کا گلدستہ پیش کیا۔ جس کو سب کی تالیوں کی گونج میں امی نے تھاما۔ عذرا آنٹی نے امی کو ایک خوب صورت سوٹ دیا۔ اس کے ساتھ،



عذرا رسول، عظمیٰ آفاق، عقیلہ حق، سیما مناف، رضوانہ پرنس

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM



ہما بیگ، نزہت اصغر، عذرا رسول، تسنیم ماپارا

ساتھ یہ بھی کہا کہ وہ ایک بہت بڑی تقریب رکھنا چاہ رہی تھیں لیکن آج کل معراج انکل کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ (اللہ انہیں صحتِ کلی عطا فرمائے، آمین) ڈاکٹرز ان کی صحت کی طرف سے ناامید ہو چکے ہیں لیکن سب کی دعائیں ہیں کہ وہ زندگی کی ڈور تھامے ہوئے ہیں، اللہ انہیں زندگی دے۔ (آمین) عذرا آنٹی نے یہ بھی کہا کہ کافی لوگوں نے ان سے کہا کہ فیئر ویل رکھی جائے لیکن میں انجم کو الوداع کبھی نہیں کہہ سکتیں پاکیزہ ادارے کے دروازے ان کے لیے کھلے ہیں، ہر تقریب میں وہ نظر آئیں گی۔ عذرا آنٹی کی باتوں کو کافی داد ملی۔

اس کے بعد فرداً فرداً تقریباً تمام ہی رائٹرز نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ شاعرہ شگفتہ شفیق نے کہا کہ انجم باجی میری ماں ہیں، میں ان سے ادب کے حوالے سے یا اپنی ذات کے حوالے سے بھی مشورے لیتی ہوں...... اور لیتی رہوں گی میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے، ان سے وہ وہ باتیں کی ہیں جو شاید میں نے اپنے بہن، بھائیوں سے بھی نہیں کی ہوں...... یہ سراپا محبت ہیں۔

رضوانہ پرنس گویا ہوئیں کہ انجم ہماری گرو ہیں، بس صرف ہم یہی کہیں گے۔ انجم نے ہمیں بتایا ہے کہ لکھنا کیسے ہے، ان کا احسان ہم کبھی نہیں بھول سکتے، لکھنے میں ہماری غلطیوں کی نشاندہی کی۔ جو آج کل کوئی نہیں کرتا۔ ان سے پیار کی خوشبو آتی ہے۔ ایک دفعہ کوئی ان سے بات کرے تو وہ انہیں بھول نہیں سکتا۔ اتنی اپنائیت، اتنی چاہت ہے ان میں کہ آپ ان کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔

سیما رضا ردا نے اپنے خیالات کا اظہار کچھ اس طرح سے کیا کہ انجم باجی کی یہ خوبی ہے کہ کوئی ان سے ایک دو دفعہ مل لے یا بات کر لے وہ ان کا ہی ہو جاتا ہے۔ احترام، محبت اور شفقت کے جذبوں سے گندھی یہ وہ ہستی ہیں کہ میں ان کے لیے کھڑے ہو کر بات کروں گی۔ ان ہی کی وجہ سے میرا تعارف عذرا رسول صاحبہ سے ہوا اور پھر وہ تعلق بنتا گیا۔ انجم باجی دوستوں کی دوست ہیں، آپ ان سے کوئی مشورہ لیں تو وہ سو فیصد وہی ہوگا جو وہ اپنے کسی بچے کو دیں گی، میں ان پر سو فیصد اعتماد کرتی ہوں۔ (ان کی بات پر تمام حاضرینِ محفل نے تالیاں بجائیں) ان کے لکھے اداریے میں اپنے ریڈیو کے پروگرامز میں کام میں لاتی ہوں۔ سائرہ غلام نبی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ سب نے بہت سی باتیں کی ہیں۔ انجم باجی کے بارے میں بتایا ہے۔ میں تو صرف اتنا کہوں گی کہ انجم باجی کو لوگوں کو جوڑنا آتا ہے، وہ کسی کو بھی دور نہیں جانے دیتی ہیں، ان سے دوستی کوئی

ایک دو سال کی بات نہیں برسوں کی شناسائی ہے، ہمیں کبھی بھی انجم باجی غیر نہیں لگیں، اپنی، اپنی سی ہی لگیں۔

رفعت سراج صاحبہ نے کچھ اس انداز سے اپنے خیالات کا اظہار کیا کہ انجم انصار نے نوے کی دہائی میں جلترنگ کے نام سے چھوڑے ہوئے چٹکلوں سے معاشرتی برائیوں کی جس طرح نشاندہی کی ہے اس کا جواب نہیں، انجم کی خدمات بھلائی نہیں جاسکتیں، بہنوں کی محفل کا جو سلسلہ انجم نے سجایا اور اسے سنوارا اس کا تو کوئی جواب ہی نہیں۔ کچھ بہنیں صرف بہنوں کی محفل پڑھتی ہیں، میں پاکیزہ میں انجم کی وجہ سے آئی ہوں مجھے وہی کھینچ کر لائیں۔ سعدیہ رئیس نے کہا ہماری ذہنی کردار سازی میں انجم باجی کا بڑا ہاتھ ہے، ایک دفعہ ہی بات کرنے کے بعد ان سے ایسا محسوس ہوا تھا کہ وہ مجھے کتنے عرصے سے جانتی ہیں یا میں انہیں کتنے عرصے سے جانتی ہوں، ان میں مقناطیسیت ہے جو ہر ایک کو جوڑ دیتی ہے۔

تسنیم ماپارا نے کہا انجم سے ہماری دوستی کچھ ہی عرصہ پرانی ہے مگر لگتا ہے کہ جیسے صدیوں پر محیط ہو۔ ان کا اداریہ کمال کا ہوتا ہے، اس میں جو آگاہی ملتی ہے وہ کسی اور پرچے میں نظر نہیں آتی۔ مقناطیسی شخصیت کی مالک ہیں۔

سیما مناف نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ انجم دوستوں کی دوست ہیں، انہیں دوستیاں نبھانی آتی ہیں، میں ان کو تب سے جانتی ہوں جب میری شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ ان کے اداریے، جلترنگ یا بہنوں کی محفل ہو سب کے سب پاکیزہ کے لیے آکسیجن کا درجہ رکھتے ہیں، ان کے اداریوں سے ہم رہنمائی اور کوئی اچھی اور مثبت سوچ اور رائے قائم کرتے ہیں، اللہ انجم کو سلامت رکھے اور ہماری دوستیاں قائم رکھے۔ (آمین)

میں نے امی کے لیے کہا کہ میں بیٹی کی حیثیت سے بات کروں گی کہ جب سے ہم بڑے ہوئے ہیں ہم نے امی کو کتابوں کے جھرمٹ میں ہی دیکھا۔ انہیں کام کرتے ہوئے ہی پایا۔ جس طرح وہ لوگوں کے لیے شفیق اور ہمدرد ہیں اسی طرح وہ ہم بچوں کے لیے بھی ہیں۔ وہ جیسی باہر سے ہیں ویسی ہی وہ اندر سے ہیں۔

عذرا آنٹی اور معراج انکل نے ان کو یہ آسانی دی کہ وہ گھر پر رہ کر کام کریں۔ جو واقعی ایک قابلِ ستائش بات تھی لیکن دوسرے رخ سے اگر دیکھا جائے تو لطف بھی تھی۔ آفس میں تو نو سے پانچ کام کرو اور کام ختم...... گھر میں کام کرنے کی وجہ سے ان کے کام کا کوئی بھی ٹائم نہیں تھا۔ وہ ساری، ساری رات بھی کام کرتی تھیں۔ ان کا نہ کوئی اتوار



آمنہ حماد (پاکیزہ) لبنیٰ خیال (جاسوسی ڈائجسٹ) عذرا رسول، یمنیٰ احمد (سسپنس ڈائجسٹ) نزہت اصغر (پاکیزہ)

تھا نہ تہوار جب رسالہ پریس میں جا رہا ہوتا تھا۔ وہ دن امی کے لیے کام کی انتہا پر ہوتے تھے، ہم بہن، بھائیوں کو ان دنوں امی کے کام کی اہمیت اور نوعیت کا پتا ہوتا تھا تو اسی وجہ سے ہم ان سے ان دنوں ذرا کم، کم بات کرتے تھے۔ وہ ہمارے پاس تو ہوتی تھیں مگر کام کی زیادتی کی وجہ سے ہمارے ساتھ نہیں ہوتی تھیں پھر ایک دفعہ مجھے یاد ہے کہ ان کا جلترنگ کا مسودہ جو انہوں نے بڑے دل سے لکھ کر رکھا تھا۔ نہ جانے کیسے وہ کھو گیا۔ پورا گھر ان کا جلترنگ کا اسکرپٹ ڈھونڈ رہا تھا گھر میں ایسا ماحول تھا جیسے کوئی بچہ کھو گیا ہو، میں بھائی، عمیر، ضیا اپنے اسکولوں کے بیگ تک میں دیکھ رہے تھے کہ امی کا جلترنگ کھو گیا ہے اور امی کو دوبارہ لکھنا پڑے گا۔ رسالے کا کام جانے والا ہے۔ آخر کار ان جلترنگ کے صفحوں کو نہ ملنا تھا نہ ملے۔ پھر امی نے وہ مزاحیہ سلسلے وار جلترنگ رو، رو کر لکھا تھا۔ مزے کی بات بتاؤں تو وہ اس مہینے کا سب سے دلچسپ اور مزاحیہ جلترنگ تھا کہ جس، جس نے پڑھا تھا فون کر، کر کے تعریف کی تھی۔ ماہنامہ پاکیزہ کی مدیرہ ہونے کے ناتے ان کا رشتہ مدیرہ اور قارئین یا مدیرہ اور رائٹرز کا نہیں رہ گیا تھا بلکہ یہ اس سے کچھ بہت آگے کا تھا۔ وہ کسی کے لیے آنٹی، کسی کے لیے پھپو جانی، باجی، خالہ ماں، بہن سب کچھ تھیں، ہیں اور ہمیشہ رہیں گی انشاءاللہ......

امی کو بھی اپنے قارئین، اپنی بہنوں، بیٹیوں سے اتنی ہی محبت ہے جتنی وہ ان سے کرتی ہیں، ان کی خوشیوں میں خوش ہوتی ہیں، جب کسی بہن کی شادی، بچے کی ولادت، نئے گھر، میاں کی جاب بچوں کی تعلیمی قابلیت کے حوالے سے خبر آتی تھی تو ہمارے گھر میں ایک خوشی کا ماحول ہوتا تھا، کیونکہ امی کا آپ سب لوگ حصہ بن چکے تھے، بالکل اسی طرح تحسین فاطمہ ترمذی، چاندنی عمران، خالدہ اسد، شازیہ چوہدری فرحانہ ناز ملک اور دیگر کسی کی وفات پر امی کے ساتھ ہم بھی بہت روئے ہیں، اس دن ہمارے گھر کھانا نہیں کھایا گیا تھا۔

مجھے یاد ہے کہ ایک لڑکی بٹو، امی سے بہت محبت کرتی تھی۔ اسلام آباد میں رہتی تھی۔ امی کو روز فون کرتی تھی۔ وہ کچن میں کھانا پکاتے ہوئے جل گئی تھی مگر اللہ نے اسے صحت دی اور وہ دوبارہ زندگی کی طرف گامزن تھی، ہم جب اسلام آباد جاتے تھے، کسی نہ کسی طرح امی سے ملنے آتی تھی۔ مجھے اب بھی اس کی شکل نہیں بھولتی۔

ایک دن امی کا میرے پاس روتے ہوئے فون آیا کہ ”عظمی بٹو مر گئی۔“

آپ یقین کریں، میں یہ لکھ رہی ہوں مگر اب بھی میری آنکھوں میں آنسو ہیں، اور پھر ہم کافی عرصے اسے بھول نہیں پائے۔ شاید یہی محبت ہوتی ہے۔ آخر میں، میں نے امی کو متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ امی آپ نے اٹھائیس سال پاکیزہ کو سنبھالا ہے وہ جوان ہو گیا ہے۔ اب اپنا خیال رکھ سکتا ہے، اب آپ ہمیں ٹائم دیں۔ ہمارے بچوں کو ٹائم دیں، ہمارا بھی آپ پر حق ہے، ہمارے بچوں سے کھیلیں۔

پھر میں نے تقریب میں کھڑے ہو کر ان کے لیے تالیاں بجائیں اور کافی دیر تک بجائیں۔

امی کی آنکھوں میں آنسو تھے لیکن وہ آنسو خوشی اور اطمینان کے تھے۔

نزہت اصغر صاحبہ نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ انجم باجی میری استاد ہیں، ان کا اور میرا کوئی مقابلہ نہیں کیونکہ استاد ہر حال میں استاد ہوتا ہے، مدیرہ کی ذمے داری جو مجھے ملی ہے وہ بہت بھاری ہے، جس کا اندازہ مجھے مدیرہ بننے کے بعد ہوا ہے، بس اللہ خیر رکھے اور مجھے اس ذمے داری کو اٹھانے کے لیے ہمت اور طاقت دے، آمین۔

آپ کی باجی انجم انصار نے مختصراً کہا۔ ان اٹھائیس سالوں میں پاکیزہ کو میں نے اپنے بچے کی طرح سنبھالا ہے، اس میں کچھ اچھا ہوا تو میں اس کی ذمے دار... تھی اور اگر کچھ اچھا نہیں ہوا تو پھر بھی ساری ذمے داری میں نے لی۔ عذرا نے کبھی میرے کام میں دخل اندازی نہیں کی۔ مجھے بھرپور طریقے سے کام کرنے کی اتھارٹی تھی۔ یہ میرا رسالہ تھا، ہے اور رہے گا۔ نزہت بہت اچھے طریقے سے اسے سنبھال رہی ہیں، اللہ انہیں کامیاب کرے، (آمین) عنیزہ سید، اقبال بانو، صائمہ اکرم، سعدیہ ہما شیخ، قیصرہ حیات، سیما مناف کا شکریہ جو پاکیزہ سے ہٹنے کے بعد بھی



انجم انصار، عذرا رسول، عظمیٰ آفاق

مسلسل رابطے میں ہیں، بلکہ بہت زیادہ رابطے میں ہیں۔

تھوڑی بہت تکلیف بھی پہنچی اور ان لوگوں سے پہنچی کہ جن کے بارے میں میری سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جن کو میں نے پاکیزہ میں متعارف کرایا تھا وہ اب میرا تعارف بھی بھول گئے ہیں۔

خیر ہر پھول کے ساتھ کانٹے ہوتے ہیں، یہی دستورِ دنیا ہے، اللہ سب کو خوش رکھے، پاکیزہ کو کامیاب رکھے، آمین...... رائٹرز تبصرہ نگار بہنیں، قارئین کی دعائیں، ان کے پیغامات اور ان کی نیک خواہشات مجھ تک پہنچتی رہتی ہیں، اللہ سب کو آباد رکھے اور اپنے گھروں میں خوش رکھے۔

بات چیت کے بعد تصویروں کا دور چلا، سب لوگوں نے کافی پوز مار، مار کر تصویریں لیں۔ (معاف کیجیے سب کا تو پتا نہیں ہم نے تو خوب مارے) کبھی اوپر دیکھا کبھی نیچے، کبھی ہنسے، کبھی چپ رہے یعنی بالکل ریما بن گئے۔

ساری رائٹرز ایک دوسرے سے مل کر خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔ ایک دوسرے کو اپنے، اپنے گھر مدعو کر رہی تھیں۔

سیما مناف بولیں، میں نے اپنے گھر پارٹی رکھی کافی لوگ نہیں آئے، جو نہیں آیا اسے تو میں اب بلاؤں گی ہی نہیں۔

میں نے ہنستے ہوئے کہا، سیما باجی، دیکھیں ایک دفعہ مجھے اور بلالیں، وہ دراصل بچے کا امتحان تھا آجاتی تو فیل ہوجاتا۔ (حالانکہ وہ تو ویسے بھی پاس نہیں ہوا بعد میں افسوس ہوا پارٹی ہی اٹینڈ کرلیتی)

میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں، اس دفعہ ضرور آؤں گی......

رضوانہ پرنس ٹائیگر پرنٹ سوٹ میں بالکل ٹائیگر لگ رہی تھیں۔ بالوں میں بھی انہوں نے ایش کلر ڈائی لیا ہے جو نہیں بہت سوٹ کر رہا تھا۔

ڈاکٹر ممتاز ضیا کو میں نے کافی عرصے بعد دیکھا مجھے کافی کمزور لگیں، مجھ سے کہنے لگیں، کچھ مزے دار سا... سفرنامہ لکھو ناں......

”کہیں گھومنے تو جاؤں، گھر میں ہی گول، گول گھوم رہی ہوں، میاں کہیں لے کر ہی نہیں جا رہے......“ میں نے انہیں کہا۔

سن کر ہنسنے لگیں، جس کو دیکھ کر مجھے اچھا لگا۔

مجھے اچھا لگتا ہے کہ میری کمپنی میں لوگ خوش ہوں، ہنسیں، بولیں، اپنی پریشانی کچھ دیر کے لیے بھول جائیں، یہ بھی ایک عبادت ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہی ہال کے کونے

میں جو ناشتے کا انتظام کیا گیا تھا ویٹرز اس کی اطلاع دے رہے تھے۔ ناشتے میں حلیم، سموسے، سینڈوچ اور الفریڈو پاستا، پیسٹری، گلاب جامن وغیرہ سرو کی جا رہی تھیں۔ عذرا آنٹی چونکہ میزبان تھیں اس لیے وہ میزبانی کے فرائض بخوبی انجام دے رہی تھیں، انہوں نے امی کو لوازمات نکال کر دیے۔ نزہت باجی بھی بار، بار آ کر پوچھتی رہیں۔

ویسے بھی عذرا آنٹی کی یہ بہت اچھی عادت ہے کہ وہ کسی کے گھر بھی جائیں تو وہاں پر بھی ان کی حیثیت ایک میزبان سے کم نہیں ہوتی، مجھے یاد ہے میرے بھائیوں کی شادیوں کی تقریبات میں وہ ہمارے ساتھ کسی گھر کے فرد کی طرح ہی پیش، پیش تھیں۔ (عذرا آنٹی آپ کا بہت شکریہ)

تھوڑی دیر بعد ہی چائے اور کافی سرو ہونے لگی، اختر شجاعت اپنی پیاری سی بیٹی ردا کے ساتھ آئی تھیں، پیاری سی ردا بہت ہی معصوم سی لگی اور ردا نے ماشاء اللہ ایم بی اے میں گولڈ میڈل حاصل کیا ہے (بہت مبارک ہو) کسی نے کہا کہ رفعت سراج بہت ہی سُریلی آواز رکھتی ہیں، ان سے کوئی غزل سنی جائے۔

ارے یہ کب ہوا؟

مجھ پر یہ انکشاف پہلی دفعہ ہو رہا تھا۔

سب رائٹرز کے پُر زور اصرار پر انہوں نے اپنی سُریلی اور مسحور کُن آواز میں ایک پرانے گانے کی چند لائنیں سنائیں جس کو سب نے انجوائے کیا اور بھرپور داد دی۔ اس کے بعد تسنیم ماپارا نے اپنی گرجدار اور زوردار آواز میں۔

یہ دوستی ہم نہیں چھوڑیں گے
چھوڑیں گے دم مگر، تیرا ساتھ نہ چھوڑیں گے

گاتے ہوئے انہوں نے امی کی طرف اشارے کیے جس پر سب ان کے ساتھ اس گانے میں شریک ہو گئے جن میں رضوانہ پرنس، رفعت سراج، میں اور سیما رضا سرِ فہرست تھیں، امی اور عذرا آنٹی سارے ماحول کو انجوائے کر رہی تھیں، تسنیم ماپارا نے دو گانے سنائے۔

''اگلی دفعہ کوئی محفلِ غزل کا انتظام ہونا چاہیے۔ جس میں، جو کوئی بھی گانا چاہے اس کو اجازت ہوگی۔'' کسی نے مشورہ بھی دے ڈالا۔

''میں تو گیارہ گانے گاؤں گی۔'' رفعت سراج ہنستے



سعدیہ رئیس، حمیرا طارق، انجم انصار، عذرا رسول، ڈاکٹر ممتاز ضیا اور عظمیٰ آفاق



نزہت اصغر، رداافتخار (بیٹی اختر شجاعت) عذرا رسول، رفعت سراج

ہوئے بولیں۔

''میں تو محفل شروع کروں گی.....'' تسنیم ماپارا بولیں ویسے بولنا تو ہم بھی چاہ رہے تھے کہ ہم بھی..... مگر آواز حلق میں ہی رہ گئی۔

چلیں جب محفل ہوگی تب آواز بھی باہر آ ہی جائے گی۔ ٹیلنٹ کی تو کمی ہی نہیں ہے، کبھی گوالو، کبھی ہنسوالو، .... اللہ نے کافی کرم کررکھا ہے۔

یوں یہ ہنستی مسکراتی گاتی گواتی، محبت بھری، محفل جو آپ کی باجی انجم انصار کے اعزاز میں رکھی گئی تھی اپنے اختتام کو پہنچی۔ امی کی خدمات اور کام کو لوگ اتنی جلدی تو نہیں بھول سکیں گے بلکہ یہی کہتے ہوں گے کہ

''یہ دوستی ہم نہیں چھوڑیں گے۔''

عظمیٰ سے پوچھو

☆اب بہنوں عظمیٰ سے پوچھ ہی لیا ہے تو سنو کہ تقریب میں کون کیسا لگ رہا تھا۔ میں بتاتی کسی کو نہیں ہوں صرف آپ کو بتارہی ہوں۔

☆رضوانہ پرنس وہ البیلی نار لگ رہی تھیں جن پر بہار بھی چھائی ہوئی تھی۔ براؤن بالوں، براؤن میک اپ اور براؤن ٹائیگر پرنٹ سوٹ میں بالکل چیتی لگ رہی تھیں۔

☆عقیلہ حق حسبِ روایت سونے میں لدی ہوئی تھیں۔ بلیک سوٹ پر ان کا میچنگ بلیک سیٹ لشکارے مار رہا تھا۔ اور وہ کچھ فکرمند بھی نظر آئیں اس لیے کہ ان کی .... بیٹی کے پیر کا پلاسٹر اسی شام کو کٹ رہا تھا لیکن وہ پھر بھی تقریب میں موجود تھیں۔

☆تسنیم ماپارا نے آف وائٹ سوٹ پر کوپر مالا پہن رکھی تھی جو پیاری لگ رہی تھی۔ ویسے آپس کی بات بتاؤں کہ بالکل ایسی ہی مالا میرے پاس بھی ہے، اگلی دفعہ دونوں ایک ساتھ پہنیں گے۔ ڈن ہوگیا۔

☆عذرا آنٹی کی ہاتھ کی کلائی پر جو زیور تھا کافی ہرا بھرا تھا، اپنے ہرے دوپٹے سے میچنگ گولڈ کا چوڑا سا بریسلیٹ کافی خوب صورت لگ رہا تھا۔ نظر ٹک سی گئی تھی اس پر۔ پتا نہیں ہٹ کیوں نہیں رہی تھی۔ اس پر انگلیوں میں موٹی، موٹی انگوٹھیاں الگ رونق دکھا رہی تھیں۔

☆ہما بیگ نے سردی کی وجہ سے اپنا دوپٹا کرسی کو اوڑھا دیا تھا تاکہ اسے سردی نہ لگے۔ بے زبانوں کا خیال رکھنا کوئی ان سے سیکھے۔

☆ناہید فاطمہ حسنین کافی دیر سے تقریب میں پہنچیں جس کی وجہ انہوں نے ٹریفک جام بتائی۔

☆سیما مناف کا بیگ بالکل نیا تھا جو اُن کے گرم جوڑے کے ساتھ میچنگ ہی تھا، ایک ساتھ ہی لیا ہوگا۔

☆سیما رضا مجھ سے بولیں۔ ”تمہیں ریڈیو میں بلاؤں گی آجاؤ گی، میں نے کہا بالکل گھر میں کوئی کام ہی نہیں ہوتا۔ مکھیاں مارتی ہوں، آجاؤں گی......“ جس پر وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکیں۔

☆نزہت اصغر امی سے پاکیزہ کے لیے مشورے لیتی رہیں جو انہوں نے انہیں دیے بھی......

☆عطیہ عمر ہمیشہ کی طرح صابر شاکر سی نظر آئیں، پریشانیوں میں سے فوراً نکل آنے کا فن آتا ہے انہیں، ان کے میاں عمر فاروق کچھ بیمار تھے۔ اللہ انہیں صحت دے، آمین۔

☆آفس سے وابستہ آمنہ حماد مجھے دیکھ، دیکھ کر مسکرا رہی تھیں، شاید میں نے میک اپ زیادہ کرلیا تھا ورنہ اور تو کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔

☆رفعت سراج آنکھیں بند کر کے گانا گا رہی تھیں۔ شاید ایسے ہی گاتے ہوں، ہمیں آتا نہیں ہے ناں......

☆☆☆

مردوں کے راج میں اردو طنز ومزاح پر راج کرنے والی خاتون مزاح نگار ”انجم انصار“

شائستہ زریں

شائستہ زریں نے ایک اخباری مضمون میں انجم انصار کو کچھ اس طرح سراہا ہے۔

اُردو کے شعری ونثری ادب کے سفر میں خواتین مردوں کے ہمرکاب رہی ہیں اور خاصا کام بھی کیا ہے لیکن طنز ومزاح وہ صنفِ ادب ہے جس پر آغاز سفر ہی سے مردوں کا راج رہا ہے اور انھوں نے اس صنف پر لکھ کر شہرت بھی خوب کمائی لیکن مزاح لکھنے والی خواتین کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے اور جو لکھ رہی ہیں وہ بہت کم، کم لکھتی ہیں انجم انصار وہ واحد خاتون مزاح نگار ہیں جو مسلسل کئی برسوں سے مزاح لکھ رہی ہیں۔

اردو مزاح کی تاریخ ہو یا انشائیہ نگاری کی ان اصناف پر برسوں مردوں کا راج رہا ہے ان کہنہ مشق مزاح نگاروں کے درمیان بہت اعتماد سے اپنے مخصوص نسائی لہجے، منفرد اسلوب، قلم کی چابکدستی، فنکارانہ ہنرمندی، مشاہدے پر مضبوط گرفت اور ذاتی تجربات کو لطافت اور شگفتگی سے پورے اہتمام کے ساتھ بیان کرتے ہوئے انجم انصار نہ صرف یہ کہ اپنا مقام بنانے میں کامیاب ہوگئیں بلکہ طنز ومزاح کے میدان میں آنے والی نئی لڑکیوں کے لیے ہوا کا وہ پُرکیف اور حیات بخش جھونکا ثابت ہوئیں جو تازگی اور فرحت ہی نہیں بخشتا آگے بڑھنے کی لگن، اُمنگ اور حوصلہ بھی عطا کرتا ہے۔

رهے گی کمی تیری

امنه حماد

یوں تو لا حاصل بہت کچھ رہا
پر سر فہرست رہی کمی تیری

کچھ لوگ جتنے اچھے لگتے ہیں، وہ اتنا ہی اچھا بولتے بھی ہیں۔ جن سے بات کر کے کبھی اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا کچھ ایسا ہی میرے ساتھ بھی ہوا۔ میں نے جب پاکیزہ میں جاب کی تو بہت عرصے تک میرا انجم انصار کے ساتھ رابطہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ ایک خوف سا رہتا تھا لیکن جب انجم سے بات ہوئی تو بالکل بھی جھجک نہیں ہوئی۔ انسان کو پہچاننے کے لیے اس کی چھوٹی، چھوٹی باتیں ہی اس کا خاکہ آپ کے ذہن میں یا آپ کے سامنے بناتی ہیں اور انجم کا ہر کسی کے لیے بالکل ایسے پیش آنا جیسے وہ ان کا کوئی رشتے دار ہو ان کی شخصیت کا اہم جز ہے اور یہ سادگی اور ان کے اپنے کام سے ایمانداری، سچائی کے ساتھ جڑے رہنے نے ہی ان کی شخصیت کو قارئین بہنوں کے لیے پُراثر وپسندیدہ بنایا ہے۔ اور اسی لیے قاری بہنوں نے انجم کے پاکیزہ سے الگ ہونے پر اتنا ری ایکٹ کیا ورنہ لوگ تو آتے جاتے رہتے ہیں۔ پاکیزہ نے انجم کو اور انجم نے پاکیزہ کو ایسا ساتھ دیا ایسا بڑھایا۔ بقول شاعر

میری تکمیل میں حصہ ہے اس کا بھی فراز
میں اگر اس سے نہ ملتا تو ادھورا رہتا

☆☆☆

نکاہیے کالم گوشۂ ظرافت

ادارہ

مزاح نگاری، کمال کی صنفِ ادب ہے کہ جس میں وہ بات بھی بہ آسانی کہہ دی جاتی ہے کہ جسے سوچنے میں زمانے لگیں...... مگر ایسی نشتر زنی بخاطرِ اصلاح کا فن بھی کسی کسی کو آتا ہے۔ ورنہ مزاح نگاری کو عامیانہ طرز تحریر بننے میں دیر نہیں لگتی۔

کرنل محمد خان اردو مزاح نگاری کا ایک نہایت معتبر و معروف نام ہے۔اس ماہ اپنے با ذوق پڑھنے والوں کے لیے ہم نے انہی نامور مزاح نگار کی تصنیف بسلامت روی سے تین اقتباس منتخب کیے ہیں جس سے یقیناً آپ محظوظ ہوں گے۔

من آنم

چند روز ہوئے ایک پروفیسر صاحب کا خط آیا، لکھا تھا:

''محترمی...... کسی نے آپ کی بجنگ آمد کو بھی مدرسہ میں پہنچا دیا ہے۔ یعنی اس کا ایک باب انٹرمیڈیٹ کے نصاب اردو میں شامل کر دیا ہے، لیکن مرتبین مرقع نے آپ کا تعارف صرف دو سطروں میں کرایا ہے جو طلبا کے لیے ناکافی ہے۔ پچھلے امتحانوں میں ایک سوال پوچھا گیا تھا۔ ''بجنگ آمد کے مصنف کے حالاتِ زندگی دس سطروں میں بیان کرو۔'' ایک امیدوار کا جواب ملاحظہ ہو:

''محمد خاں کے بچپن کے حالات پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے، جب جوان ہوا تو دوسری جنگِ عظیم چھڑ گئی اور یہ اسکول سے بھاگ کر فوج میں بھرتی ہوگیا اور نیم لفٹین ہو کر مصر جا پہنچا۔ وہاں اس نے کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ پھر جنگ ختم ہوگئی تو اسے فوج سے نکال کر گھر بھیج دیا گیا۔ اس نے غصے میں آ کر ڈاکے ڈالنے شروع کر دیے مگر ڈاکو شریف نکلا یعنی امیروں کو لوٹتا اور غریبوں میں بانٹ دیتا۔ حکومت کو یہ بات اچھی نہ لگی اور اس کے پیچھے پولیس لگا دی گئی لیکن یہ اس کے ساتھ کئی سال آنکھ مچولی کھیلتا رہا۔ آخر ایک بھیدی نے اسے پکڑوا دیا اور صدر ایوب نے اسے جیل میں ڈال دیا۔ جب اس نے دیکھا کہ جیل سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں تو تنگ آ کر بجنگ آمد لکھ ڈالی۔ مصنف تو یہ جیسا ہے سو ہے مگر ڈاکو بارعب ہے، یہ لمبی مونچھیں ہیں۔''

خط ختم کرنے سے پہلے پروفیسر صاحب نے لکھا۔ ''مجھے شبہ ہے کہ آپ کے سوانح حیات میں کسی مقام پر آپ کا کوئی ہم نام شریک ہوگیا ہے، براہِ کرم صحیح حالات زندگی لکھ کر ممنون فرمائیں ورنہ طلبا کو 15 نمبروں کا گھاٹا رہے گا۔''

پروفیسر صاحب کو تو ہم نے ایک مناسب جواب دے دیا لیکن یہ حسرت دل ہی میں رہے گی کہ کاش یہ افسانوی حالات سچ مچ ہمارے ہی ہوتے ورنہ کبھی ہماری ملاقات اپنے ہم نام سے جیل کے اندر یا باہر ہوگئی تو وہ ہماری بے رنگ اور بنجر زندگی کو دیکھ کر ہمیں بجا طور پر طعنہ دے سکے گا کہ

کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے جنگ باز

اے روسیاہ، تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا......
(عظیم شاعر سودا سے معذرت کے ساتھ)

زلف سے بڑھ کر نقاب اس شوخ کے منہ پر کھلا

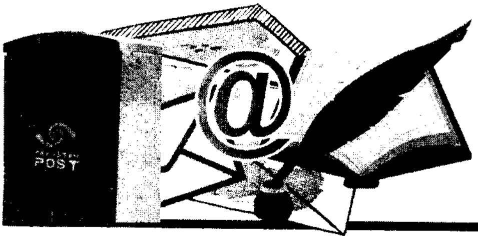
اتنے میں کار ایک عمارت کے سامنے رکی جس کی پیشانی پر لکھا تھا "اسکاٹش کمانڈ لائبریری۔" یہ ہماری سیر و تماشا کی پہلی منزل تھی اندر گئے تو دفتر میں ایک ادھیڑ عمر کی ایک معتبر صورت خاتون بیٹھی تھی جو لائبریرین لگتی تھی اور تھی...... شیپرڈ نے ہمارا تعارف کرایا تو محترمہ نے ہمیں پاکستانی پا کر قدرے فالتو شفقت سے خیریت مزاج پوچھی اور پھر بلا تاخیر وجہ شفقت بھی بیان فرمادی۔ یعنی یہ کہ آپ ایک پاکستانی داماد کی خوشدامن تھیں۔ لہٰذا ہم سے ایک رشتے، ایک نسبت محسوس کرتی تھیں اور جواباً ہم نے بھی رشتے داری کا اقرار اور اظہار کیا۔ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ ایک نوجوان اسکاچ لڑکی قمیص شلوار پہنے مسکراتی، مسکراتی کمرے میں داخل ہوئی۔ یہی محترمہ کی بیٹی یا ہمارے ان دیکھے پاکستانی بھائی کی بیوی تھی لیکن اب سخن گسترانہ بات صاحبزادی کا پاکستانی بہو ہونا نہ تھا بلکہ پاکستانی قمیص شلوار میں ملبوس ہونا۔ ہم نے فوراً شیپرڈ کو پورے فخر کے ساتھ اپنی خواتین کا قومی لباس دکھایا۔ لڑکی نے لباس کی تعریف کو اپنی تعریف بھی سمجھا تو خوشی میں اٹھ کر، پیشانی کی لٹ جھٹکا کر، فیشن پریڈ کی ادا کے ساتھ اپنے گرد چکر لگا کر دکھایا گویا کہتی ہو۔ "اب دیکھو۔" پھر اسی موڈ میں دلہنوں کی طرح دوپٹا اوڑھ کر نگاہیں پہلے نیچی کرتے ہوئے اور پھر ذرا اوپر اٹھا کر حاضرین کو دکھایا جیسے کہتی ہو۔ "یہ بھی دیکھو۔" اس کے چہرے پر لٹوں کی بہار بھی دیدنی تھی لیکن جب اس نے شیفون کا دوپٹا اوڑھ کر گھونگھٹ کا کونہ کھینچا تو غالب گواہ کہ زلف سے بڑھ کر نقاب اس شوخ کے منہ پر کھلا...... شیپرڈ کے لیے یہ مشرقی ادائیں جتنی اجنبی تھیں، اتنی ہی دلکش تھیں۔ مسحور سا ہو گیا اور اپنی...... رقاصاؤں کو دفعتاً بھول کر چلا اٹھا۔ "بیوٹی فل......"

ہمیں تسلی ہوئی کہ پاکستانی قمیص شلوار...... اور دوپٹے کے متعلق ہمارا حسنِ ظن بجا تھا۔

کاش کارنیگی پاکستان سے بھاگا ہوتا

دلہن کے بعد ہم نے لائبریری دیکھی لیکن لائبریری میں وہ بات نہ پائی جو دلہن کے بانکپن میں پائی جاتی تھی بلکہ یہ برطانیہ کی پہلی لائبریری تھی جس کی حالت ذرا پتلی نظر آئی۔ اسے دیکھ کر بڑا اطمینان ہوا کہ وطنِ عزیز کی لائبریریاں کسی ایک برطانوی لائبریری کا مقابلہ تو کر سکتی ہیں۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے لیے ہم بھی سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہو گئے۔ مگر بہت تھوڑی دیر کے لیے کیونکہ ہماری اگلی منزل ایک ایسا بے مثل کتب خانہ تھا جس کے سامنے یا جس کے خالق کے سامنے چاروناچار سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا تھا یہ تھی سینٹرل لائبریری اور اس کا بانی تھا اینڈریو کارنیگی...... وہ دریا دل منعم جو لڑکپن میں ایڈن برا سے بھاگ کر امریکا میں کروڑ پتی بنا تو اپنے بچپن کے شہر کو علم و دانش کا یہ انمول تحفہ پیش کیا۔ ہمارے دل میں پھر وہی حسرت بیدار ہوئی کہ کاش یہ شخص پاکستان سے بھاگ کر گیا ہوتا۔ گو وطن کو لائبریری کا تحفہ دینے کے لیے لازم نہیں کہ ایک دفعہ وطن سے ضرور بھاگا جائے۔ ملک کے اندر کمائے ہوئے کروڑوں سے بھی اتنی ہی خوب صورت لائبریری بن سکتی ہے جیسی کارنیگی نے بنائی تھی...... بہر حال ہم نے کارنیگی کی مثال دے کر اس کارِ خیر کے لیے اشتعال تو دلا دیا ہے۔ اب مشتعل ہونا کسی پاکستانی کروڑ پتی کا کام ہے۔

☆☆☆



بہنوں کی محفل

مدیرہ

خط کتابت کے لیے پی او باکس 662 جی پی او کراچی 74200 ای میل: jdpgroup@hotmail.com

پیاری پاکیزہ بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ و برکاتہ

تمام تعریفیں اس رب العزت جل شانہ کو زیبا ہیں جو ہمارا اور کل عالمین کا پروردگار ہے۔ وہ وحدہ لاشریک ہے......اور کروڑہا درود وسلام رحمتہ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ جن کی آمد سے جہالت وظلمت کے اندھیرے چھٹے اور دنیا میں حق کا بول بالا ہوا۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہم سب کو ایمان کی قوت و پختگی کے ساتھ دونوں جہاں میں سرخروئی نصیب فرمائے اور اپنے کنزِ خاص سے وہ سب کچھ عطا فرمائے جو ہمارے حق میں بہتر ہو (الٰہی آمین)

☆☆☆

کچھ باتیں اپنی بہنوں سے

پیاری بہنو سلام اور پُرخلوص دعائیں لیے آپ کی اس پیاری محفل میں پھر حاضر ہوں، آپ لوگ اس دفعہ کے شمارے میں انجم انصار کے ساتھ ایک شام منانے کی تقریب کا احوال پڑھیں گی اور تصویروں سے بھی لطف اندوز ہوں گی۔ بہنوں یہ میں ہی جانتی ہوں کہ معراج صاحب کی پل، پل بدلتی ہوئی بیماری کی کیفیت میں، میں کس طرح جکڑی ہوئی ہوں مگر ساری بہنوں کو یہ انتظار تھا کہ انجم انصار کی اتنی طویل رفاقت کے بعد پاکیزہ سے الگ ہوجانے پر کوئی الوداعی پارٹی نہیں دی گئی۔ روایتی الوداعی تقریب تو مجھے کرنی بھی نہیں تھی کیونکہ یہ تو ان کا اپنا رسالہ تھا جیسا انہوں نے ہمیشہ کہا تو اپنے ادارے سے کوئی الوداع نہیں ہوتا بلکہ مجبوری کی بنا پر الگ ہونا پڑتا ہے جیسا کہ انجم کو ہونا پڑا کہ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اُن کی صحت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ اس کام کو مزید جاری رکھیں......تو میں نے اس صورت میں یہی سوچا تھا کہ ایک شاندار ساڈنر رائٹرز اور ریڈرز کا رکھیں گے اور انجم کی ایڈیٹر شپ پر سب اپنے، اپنے خیالات کا اظہار کریں گے لیکن اس نوعیت کی تقریب میں نہیں رکھ پا رہی تھی کیونکہ معراج صاحب کی طبیعت مسلسل خراب رہنے لگی ہے اور کسی، کسی دن تو اتنی زیادہ خراب ہوجاتی ہے کہ کہیں ضروری بھی شرکت بھی نہیں کر پاتی ہوں ایسے میں، میں اپنی تقریب کیسے رکھ لیتی لیکن بہنوں کا مسلسل استفسار جاری تھا جس پر میں نے ایک چھوٹے سے پیمانے پر انجم کے ساتھ ایک شام منانے کا فیصلہ کر ڈالا اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو رہی کہ اس میں کوئی رکاوٹ نہ آنے پائے۔ اس طرح یہ تقریب منعقد ہوگئی جس کا احوال عظمیٰ کے قلم سے اس شمارے میں آپ پڑھ لیں گے۔

انسان کی ہر خواہش تو پوری نہیں ہوتی، جیسا میں چاہ رہی تھی ویسا بالکل نہیں ہوسکا اور تشنگی رہ گئی لیکن یار زندہ صحبت باقی......

جو بہنیں مجبوری کی بنا پر شرکت نہیں کرسکیں وہ یاد کی گئیں خاص طور پر منزہ سہام کے نہ آنے کا افسوس رہا۔ اللہ کریم ان کو جلد صحت یاب کردے اور اگلی کسی تقریب میں وہ ضرور آسکیں۔

اچھا بہنو! اب اجازت دیں......انشاء اللہ اگلے ماہ پھر ملاقات ہوگی۔ اپنا اپنے پیاروں کا اور اپنے پاک وطن کا بے حد خیال رکھیں۔

اللہ نگہبان......دعا گو: عذرا رسول

☆☆☆

جی تو پیاری بہنو اور پاکیزہ محبتوں کے جذبات سے لبریز پیارے قارئین! کہیے کیا حال ہیں، اس ماہ کے شمارے

میں آپ بہت کچھ مزیدار اور دلچسپ پڑھیں گی پھر اپنی قیمتی آرا کا اظہار بھی جلد سے جلد کیجیے گا۔

پیاری بہنو! باغ کی کھلتی کلیوں کو اگر بچے کھیل، کھیل میں توڑ ڈالیں یا نوچ پھینکیں تو ہر شخص کہتا ہے ارے بچوں یہ کیا کر رہے ہو، پھول، پودے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں انہیں مت توڑو...... ہر باغ میں ہدایتی تختی لگی ہوتی ہے۔ ''پھول مت توڑیں'' مگر افسوس کہ معاشرے کے کسی ادارے میں یہ نہیں لکھا ہوتا ''بچوں کو زیادتی کا نشانہ نہ بنائیں''۔ ''پیارے، پیارے معصوم بچوں کی حفاظت کریں''۔ ''بچیاں کلیوں سے نازک، شبنم سے زیادہ لطیف ہوتی ہیں۔۔انہیں سنبھال کر رکھیں۔'' ہائے افسوس پچھلے دنوں قصور شہر میں جو کچھ ہوا اس کے بعد اور بھی علاقوں سے کلیوں کی تازگی روندنے والے واقعات سننے کو ملے۔ دل و دماغ سُن اور ہاتھ پیر بے جان ہونے کو ہیں۔ بس رب کی بارگاہ میں گمراہوں کے لیے ہدایت اور ذمے داران کے لیے عقل و شعور کی دعا کرتے ہیں۔ اس احساس کی دعا کہ جس کو حاصل کر کے صرف اپنے بچے کی حفاظت کا خیال نہیں بلکہ پوری قوم کے بچوں کی حفاظت کا درد پیدا ہو۔

اللہ پاک ہم سب کو با ایمان رکھے... مطمئن رکھے اور دوسروں کا دکھ درد محسوس کرنے اور اسے بانٹنے کا شعور عطا کرے، الٰہی آمین......

اللہ آپ سب کو خوش باش اور پُرسکون رکھے اور خوش حال اور خوش مزاج بھی رکھے، الٰہی آمین...... براہ راست رابطہ نمبرز نوٹ فرمالیں۔ 03316266612,021.35386783.021.35802552.Ext:122.107

☆☆☆

اور حسب روایت نت نئی خبروں اور سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے سے قبل ایک بار خلوصِ دل سے درودِ ابراہیمیؑ اور اس کے بعد تین بار آیت کریمہ ضرور پڑھ لیں اور اپنی دعاؤں میں اپنے پیاروں کے ساتھ، ساتھ تمام اہل وطن کو بھی یاد رکھیں۔ اللہ رب العزت عالم اسلام کی تمام پریشانیوں کو رفع کرے اور تمام مسلمانانِ عالم کو کامیابی نصیب ہو۔ (الٰہی آمین)

مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ مصنفہ قرۃ العین خرم ہاشمی کی بہن کا نکاح گزشتہ دنوں بخیر و خوبی انجام پایا۔

☆ گزشتہ دنوں معروف ریڈیو براڈ کاسٹر، مصنفہ و شاعرہ سیما رضا ردا نے اپنے ایک پروگرام کے لیے نامور پروڈیوسر اور شاعرہ رفعت ہمایوں کا تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا۔

☆ مستقل تبصرہ نگار، ناظمہ شاہین اعوان، واہ کینٹ کی شادی بخیر و خوبی انجام پائی اور وہ مظفر گڑھ بیاہ کر گئی ہیں۔ (مبارک باد، اللہ خوش آباد رکھے۔)

☆ مستقل تبصرہ نگار، صبا آصف، کراچی کی بیٹی ہنزہ شاہد کے ہاں اللہ تعالیٰ نے فرزند عطا کیا ہے۔ (مبارک باد)

☆ مستقل قاری نادیہ گزشتہ دنوں راول پنڈی سے کراچی اپنے بیٹے کا چیک اپ کرانے آئیں تو پاکیزہ کے آفس آنا چاہ رہی تھیں مگر نہ آپائیں۔ (انشاء اللہ نادیہ اگلی دفعہ ضرور ملنا)

☆ مستقل قاری و شاعرہ فریدہ افتخار، اسلام آباد ایک عدد پیارے سے پوتے کی دادی جان بن گئی ہیں۔ (مبارکاں)

☆ مصنفہ رضوانہ پرنس اپنے بچوں سے ملنے لندن روانہ ہو رہی ہیں۔

☆ مستقل تبصرہ نگار اور معلمہ مسرت پرویز، کراچی نے ایک اسپینش ڈرامے کی ڈبنگ میں حصہ لیا ہے۔ (بہت خوب)

☆ گزشتہ دنوں نسیم نیازی کے دولاڈلے بھتیجوں کی شادیاں بخیر و خوبی انجام پائیں۔ (مبارکباد)

☆ مستقل تبصرہ نگار مسز یٰسین، لیہ شہر کے بھائی حنیف کے ہاں پیارا سا بیٹا تولد ہوا ہے۔ جس کا نام ضیا اسد رکھا گیا ہے۔ (بہت مبارک باد)

☆ پاکیزہ تبصرہ نگار حدیث اختر کے ہونہار بیٹے منیب کی سیکنڈ لیفٹننٹ کے لیے ٹریننگ ہے آپ سب دعا کیجیے گا۔ (جی ضرور اللہ کامیاب کرے)

☆ ہماری پیاری رائٹر رفاقت جاوید کی دو نئی تصانیف نے آج کل ادبی حلقوں میں دھوم مچائی ہوئی ہے۔ ان کی ایک کتاب

یادیں میری ہم سفر جو شہید بیوہ کی ڈائری کے طور پر شائع ہوئی ہے۔ اس میں بے حد خوب صورت یادیں معلومات کے ساتھ، ساتھ شہیدوں کے لواحقین کے دلی جذبات کی عکاسی بھی کی گئی ہے۔ یہ کتاب معروف پبلشنگ ادارہ القریش کے بینر تلے شائع کی گئی ہے۔ صفحات کی تعداد 400 ہے اور قیمت بھی چار سو روپے ہے رفاقت جاوید کی دوسری کتاب چودھویں کا چاند تقسیم ہند سے لے کر صدر ایوب خان تک کے تاریخی حالات پر مشتمل ہے اس کی قیمت بھی چار سو روپے ہے اور سفید کاغذ پر لکھی یہ چار سو صفحات پر مرتب کی گئی ہے۔ رفاقت کی کتابوں کے سرورق نہایت متاثر کن اور دیدہ زیب ہوتے ہیں اور متن اس سے بھی حسین تر......

☆ رائٹر ثمر کاظمی کے نکاح کی تقریب گزشتہ دنوں ڈیرا اسماعیل خان میں انجام پائی۔ (بہت بہت مبارک ہو)

دعائے صحت کے لیے التماس ہے

☆ معراج رسول صاحب کی بڑی ہمشیرہ ماہ مبین صاحبہ کی طبیعت آج کل شدید خراب ہے......وہ تمام پاکیزہ بہنوں کو اپنی دعاؤں میں یاد کیے رہتی ہیں۔ ماہ مبین صاحبہ کی مکمل صحت یابی کے لیے آپ سے خصوصی دعا کی التماس ہے۔

☆ ٹی وی پروڈیوسر اور معروف شاعرہ رفعت ہمایوں کے بڑے بھائی عارضۂ قلب میں مبتلا ہیں۔

☆ پاکیزہ قاری نادیہ، راولپنڈی کے بچوں کی صحت کے لیے خصوصی دعا۔

☆ پاکیزہ سے دلی وابستگی رکھنے والی ہماری دو پاکیزہ بہنوں کی بینائی بتدریج کم ہو رہی ہے......اگرچہ دونوں اپنی، اپنی جگہ نہایت باصلاحیت اور ادبی ذوق کی حامل ہیں۔ اللہ ان کی آنکھوں کا نور سلامت رکھے اور بتدریج اضافہ ہوتا جائے۔ (آمین)

☆ مستقل تبصرہ نگار، نگینہ ضیا بخش اور ان کے شوہر، دونوں کی آنکھوں کا باری باری آپریشن ہوا......بفضل تعالیٰ اب وہ آہستہ، آہستہ روبصحت ہیں۔ (نگینہ تم نے بیماری میں بھی اپنے شوہر کا ساتھ دیا۔ اللہ خوش آباد رکھے)

پروردگار عالم تمام بیماروں کو صحت عاجلہ و کاملہ عطا فرمائے۔ آمین......

انتقال پُرملال

☆ مستقل قاری فریدہ سجاد، کراچی کے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے۔

☆ مستقل قاری ہما علی، اسلام آباد کے والد بزرگوار عبدالحمید زاہد انتقال کر گئے۔ مرحوم کافی عرصے سے بلڈ کینسر میں مبتلا تھے۔

☆ پاکیزہ کی بہت پیاری ساتھی ہماری عزیز مصنفہ اختر شجاعت کی کزن دیورانی عنبر علیم برضائے ربی انتقال کر گئیں، ہماری پیاری مصنفہ اس صدمے کے باعث کافی اپ سیٹ رہیں۔

☆ تبصرہ نگار حدیث اختر، حاصل پور پچھلے دنوں اپنے...... کئی اعزا کی وفات کے باعث کافی اداس رہیں۔

☆ مصنفہ، شاعرہ اور پاکیزہ کی دیرینہ دوست نسیم نیازی کے جیٹھ جی کا طویل بیماری کے بعد انتقال ہو گیا۔

☆ مصنفہ رفاقت جاوید اور ان کے شوہر جاوید احمد قاضی کے عزیز ترین دوست اور بھائیوں جیسی اپنائیت رکھنے والے اسکوارڈن لیڈر عبدالوہاب برضائے ربی انتقال کر گئے۔ اس اچانک رونما ہونے والے سانحے نے رفاقت جاوید کو ذہنی طور پر شدید متاثر کیا۔ (رفاقت اللہ کی رضا میں ہی راضی رہنا پڑتا ہے اللہ آپ سب لوگوں کو اور مرحوم کے اہل خانہ کو صبر جمیل دے)

اللہ پاک تمام مرحومین کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرما......الٰہی آمین!

اب آتے ہیں آپ بہنوں کے کھٹے میٹھے خطوط کی جانب......

☆☆☆☆

✉ قانتہ رابعہ، گوجرانوالہ سے۔ ''ڈرتے جھجکتے ہی تبصرہ اور افسانہ بھجوا رہی ہوں۔ (کیوں بھئی آپ کی محفل ہے بلا جھجک آیئے۔) امید ہے حسب توقع اچھا رسپانس دیں گی۔ آج رسالہ لیا تو خوشگوار حیرت ہوئی دو چار تحریریں پڑھیں ماشاء اللہ بڑی اسٹرانگ تھیں۔ نصرت یوسف کا افسانہ بھی تھیم، ڈائیلاگ اور اسٹوری کے حساب سے بہت زبردست رہا......اللہ قلمکار کی اور آپ کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔ (مختصر سے تبصرے کا شکریہ اور بھی تحریر ضرور بھیجیں)

✉ رضوانہ پرنس، کراچی سے۔ ''ڈیئر عذرا خوش رہو اور پاکیزہ کو مزید پھلتا پھولتا دیکھو......گزشتہ ہفتے تم نے انجم انصار

کے اعزاز میں جو خوب صورت تقریب منعقد کی تھی اس میں شرکت کر کے بہت اچھا لگا۔ انجم جی کی شان میں سب رائٹرز نے بہت خوب صورت کلمات ادا کیے تمہاری تقریر میں بھی ان کی خدمات کے اعتراف کے علاوہ ان کے لیے چھلکتی محبت بتا رہی تھی کہ محبت اور دوستی کا کوئی مول نہیں۔ اللہ ان محبتوں کو ہمیشہ قائم رکھے اور ہم سب ایسی ہی خوب صورت شاموں کا لطف اٹھاتے رہیں۔ نزہت کو ہمارا خاص سلام کہنا۔ اس ماہ کا پاکیزہ بہت زبردست تھا۔ تفصیلی تبصرہ بھی انشاء اللہ اپنی مصروفیات کے ختم ہونے کے بعد ضرور ارسال کریں گے۔'' (شکریہ)

ؐ عقیلہ حق، کراچی سے۔ ''جنوری کا پاکیزہ ماشاء اللہ جگمگاتا ہوا ملا۔ سب سے پہلے اداریہ پڑھا۔ ماشاء اللہ پختہ سوچ اور بہترین الفاظ میری پیاری نزہت آج کل کے دور میں اتنی محنت اور اس قدر معیاری رسالے کی قیمت 70 روپے کچھ بھی زیادہ نہیں۔ مجھے آپ سب کی محنت اور لگن کا اندازہ ہے (بہت شکریہ) سب سے پہلے بہنوں کی محفل پڑھی' ان تمام قارئین کا شکریہ جن کو میری تحریر پسند آتی اور جن کو پسند نہیں آئی ان کا بھی شکریہ کہ انہوں نے اس قدر توجہ سے پڑھی۔ میرے بہت سارے قارئین جب یہ کہتے ہیں کہ آپ کی فلاں بات میں نے اپنی زندگی میں شامل کر لی یا فلاں تحریر نے میرے ذہن کی گتھی سلجھادی تو یوں سمجھتی ہوں میرے قلم کا حق ادا ہو گیا۔ دین کی باتیں پڑھیں اور پھر جلدی سے ذکیہ بلگرامی صاحبہ کی تحریر کو عقیدت سے پڑھا۔ رفعت سراج تو ادب کا چراغ ہیں لیکن شیریں حیدر بھی ماشاء اللہ اچھا لکھ رہی ہیں۔ ڈیئر نزہت جبیں آپ کا ناولٹ پڑھا بہت زبردست..... غزالہ عزیز تو ہمیشہ ہی اچھا لکھتی ہیں۔ حیا بخاری کی تحریر کا انداز بھی خوب صورت ہے۔ مکمل ناول ابھی نہیں پڑھ سکی۔ غزالہ رشید نے بہت خوب صورت لکھا۔ اسما قادری کی تحریر مناسب رہی لیکن یہ درست ہے کہ ہر شخص نے اپنی سہولت کے مطابق حدود طے کر رکھی ہیں۔ شمع تفسیر نے رواج میں ایک اچھا پیغام دیا اور میرے خیال سے شادی سے زیادہ پریشانیوں میں یک جہتی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے..... ماشاء اللہ دس جنوری کو عذرا نے انجم انصار صاحبہ کے اعزاز میں سن سیٹ کلب میں ایک ہائی ٹی کا اہتمام کیا جس میں بندی ناچیز بھی مدعو تھی، ایڈیٹر تو بہت سارے اچھے ہوتے ہیں انجم باجی بھی ایک بہت اچھی ایڈیٹر تھیں لیکن عذرا رسول اور معراج رسول جیسے مالکان میں نے بہت کم دیکھے، عذرا نے جتنے اختیارات انجم باجی کو دیے وہ شاذو نادر ہی کسی کو دیے جاتے ہیں سب سے بڑی سہولت کے انجم باجی آفس نہیں آتی تھیں ایک رائیڈر صبح ان کے پاس جاتا اور دوسرا شام کو لینے بہت بڑی بات ہے، یقیناً انجم باجی کی کچھ مجبوریاں تھیں لیکن اگر عذرا یا معراج صاحب معمولی ظرف کے لوگ ہوتے یا ایک عام ظرف رکھتے تو وہ کہہ سکتے تھے کہ ٹھیک ہے آپ گھر پر رہیے لیکن آفس سے میٹر منگوانے اور بھجوانے کی ذمے داری آپ کی ہے لیکن آفرین ہے کہ اس دور میں بھی ایسے انسان دوست لوگ موجود ہیں، عذرا پیاری وہ جو آپ کی دعائیں اللہ کے دربار میں فوراً قبول ہوتی ہیں ان کو سہارا آپ کی نیکیاں دیتی ہیں گو کہ میں اس دعوت میں انوائٹڈ نہیں تھی لیکن انجم باجی کی جاب کی سلور جوبلی پر عذرا صاحبہ نے گولڈ کا سیٹ دے کر ان کی خدمتوں کا اعتراف کیا، ورنہ بڑے، بڑے اداروں میں چاندی کے میڈلز پر سونے کا پانی چڑھا کر دیا جاتا ہے۔ عذرا میری بہت اچھی دوست ہیں اس کے باوجود میری کوئی تحریر جو عذرا کو بہت پسند آئی ہو اور انجم باجی نے اس کو ریجیکٹ کر دیا ہو تو عذرا نے کبھی ان کے کام میں مداخلت نہیں کی اور میں نے بھی کبھی برا نہیں مانا۔ ادارہ پاکیزہ جہاں انجم باجی جیسی قابل ایڈیٹر رکھتا تو عذرا رسول اور معراج رسول جیسے مخلص، نیک، قدردان اور اچھے مالکان بھی تھے.....کوئی جاتا نہیں ہے بس انجم باجی پاکیزہ کے ساتھ ہیں اور نزہت اصغر اور آمنہ حماد جیسی مدیران یقیناً انجم باجی کی محنت کو چار چاند لگائیں گی اور لگا رہی ہیں، ویسے عذرا آپس کی بات ہے آپ تو ماشاء اللہ گولڈ میڈل سے نوازتی ہیں ایک آدھ میڈل ہم رائٹرز کے لیے بھی ہونا چاہیے۔ میرے خیال سے تمام رائٹرز میری ہم نوا ہوں گی۔ ویسے اکثر میں سوچتی ہوں جاب کتنی آسان ہو جاتی ہے جب ادارے کے سربراہان اس قدر کو آپریٹو ہوں اور اسٹاف کو فیملی ممبرز کی طرح لے کر چلیں..... سبحان اللہ..... ارے ہاں جاتے، جاتے میں نے دلشاد نسیم صاحبہ کا انٹرویو پڑھا ان ہی کی طرح شگفتہ، شگفتہ سا تھا، سیما رضا آپ کے افسانے بہت خوب صورت ہوتے ہیں آپ کی طرح..... باقی دوستو اجازت دو لیکن یاد رکھنا، اس خط کو میں نے بہت خلوص سے لکھا ہے، عذرا رسول کے بارے میں میرے تاثرات اگر وہ میری دوست نہیں ہوتیں جب اس سے بھی زیادہ کھل کر لکھتی، ابھی تو یہ خیال ہے لوگ میری

سچائی کو دوستی کا لبادہ نہ پہنادیں۔'' (عقیلہ آپ کے جذبات قابل قدر ہیں، بہت نوازش)

✍ سسپنس کی ایڈیٹر یمنیٰ احمد کی خوشگوار آمد اس محفل میں ''امید ہے کہ پاکیزہ کے قارئین اور اسٹاف بخیریت ہوں گے اور ساتھ ہی یہ امید بھی ہے کہ ماہنامہ دلکش پڑھنے والے اپنی (معصوم سی) رائٹر اور شاعرہ یمنیٰ احمد کو بھی نہیں بھولے ہوں گے...... جی جناب آپ سب بھی سدا خوش و شاد آباد رہیں (آمین) یقیناً آپ سب چونک گئے ہوں گے کہ اتنے عرصے بعد کیسے آپ کی محفل میں ہم نے قدم رنجہ فرمایا ہے تو صاحب اس کا سہرا بھی پیاری سی عذرا رسول کے سر ہے کیونکہ اس محفل میں شریک ہونے کا موقع ہمیں گزشتہ دنوں انجم انصار صاحبہ کے اعزاز میں دی جانے والی ٹی پارٹی میں مدعو کر کے دیا۔ آج اس پلیٹ فارم کے ذریعے عذرا رسول صاحبہ سے ہم بہت، بہت ساری باتیں کرنا چاہیں گے جو شاید ہم سامنے نہ کر سکیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم تہ دل سے شکر گزار ہیں کہ وجہ جو بھی ہو بہر حال عذرا رسول صاحبہ جنہیں ہم سب پیار سے باجی کہتے ہیں نے آفس باقاعدگی سے آنا شروع کیا تو ہم سب کو بالکل ایسا لگا جیسے حبس زدہ ماحول میں تازہ ہوا کا جھونکا آ گیا ہو۔ اگرچہ آپ کی انوالومنٹ پہلے بھی رہی ہے مگر اس طرح باقاعدگی سے ہر پرچے پر خصوصی تفصیلی نگاہ ڈالنا اور انہیں درپیش مسائل کا فوری، فوری حل نکالنا آپ کا ہی کمال تھا۔ دیکھا جائے تو اس کی تحریک بھی محترمہ انجم انصار صاحبہ کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ بہت شکریہ انجم باجی آپ کا...... اگرچہ پاکیزہ سے آپ کی لمبی رفاقت نے بہت سے دلوں میں گھر کر لیا ہے جو کہ آپ کا حق بھی ہے تاہم آپ کے جانے سے بہت سارے لوگوں کو عذرا رسول کی رفاقت بھی میسر آ گئی ہے۔ محفل میں آپ کی سادہ سی پُر وقار شخصیت دیکھ کر اچھا لگا۔ اللہ آپ کو مکمل طور پر صحت یابی عطا فرمائے اور عظمیٰ آفاق کا جذباتی انداز بھی اچھا لگا بالخصوص ان کا بار، بار یہ کہنا کہ ''امی آپ نے بہت کام کر لیا اور اب بس ہمیں اور ہمارے بچوں کو ٹائم دیجیے......'' ایسا لگا جیسے عظمیٰ بحیثیت ایک بیٹی کے آپ کے وقت کی متمنی ہے اور وہ یہ بات دل سے کہہ رہی تھیں تو عظمیٰ چلیں آپ کی دلی تمنا تو پوری ہوئی کہ کام تو انسان ضرور تا کر ہی لیتا ہے مگر محبت انسان کا فطری تقاضا اور اپنے رشتوں پر حق ہے اور ہمیں امید ہے کہ اب آپ اپنا یہ حق سود سمیت وصول کر لیجیے گا۔ انسان کے آنے اور جانے سے کچھ نہ کچھ تبدیلی تو آ ہی جاتی ہے جیسے پرانے مکان میں نئے آنے والے مکین اپنی پسند ناپسند کے مطابق تبدیلیاں لاتے ہیں بالکل ایسے ہی پاکیزہ کی ایڈیٹر شپ تبدیل ہو جانے سے یقیناً پاکیزہ کے اوراق اور مزاج میں بھی بہت نمایاں اور خوشگوار تبدیلیاں محسوس ہوئیں۔ ماشاء اللہ نزہت اصغر اپنی ادبی صلاحیتوں اور دلکش کے گزشتہ تجربات کی بنیاد پر پاکیزہ کو نکھارتی جا رہی ہیں۔ اب نہ صرف افسانوں، ناولوں، شاعری، خطوط بلکہ دیگر تمام سلسلوں میں سنجیدگی اور پختگی محسوس ہو رہی ہے، ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے ہر تحریر کو بہت جانچ کر شائع کرنے کے اصول پر کاربند ہیں۔ بہت خوب ایڈیٹر صاحبہ ساتھ ہی عذرا رسول کی مسلسل مشاورت، آئیڈیاز اور مصنفات سے مسلسل رابطے نے لگتا ہے کہ آپ کے حوصلے کو مہمیز کر دیا ہے۔ انجم باجی ہمیں آپ کی باتیں بھی بہت اچھی لگیں۔ یقیناً آپ کا اور معراج رسول، عذرا رسول صاحبہ کا ساتھ کافی عرصے رہا ہے اور ایسی پیاری شخصیت اور قدر دانوں کو بہ آسانی چھوڑنا ممکن نہیں ہوتا۔ ہمیں بھی احساس ہے آپ کو دکھ تو ہوا ہوگا لیکن صحت کا بھی ایک تقاضا ہوتا ہے کہ آخر میں ایک بار پھر انجم انصار کا شکریہ ادا کریں گے کہ آپ کے جانے کا دکھ بجا سہی مگر ہمیں عذرا رسول باغ و بہار شخصیت کی قربت نصیب ہو گئی۔ جس کا اثر نہ صرف پاکیزہ بلکہ جاسوسی، سسپنس اور سرگزشت پر بھی مثبت ہوا ہے بہر حال تقریب بہت شاندار تھی۔'' (شکریہ! یمنیٰ بڑے عرصے بعد اظہارِ خیال کیا۔ انجم انصار کے ساتھ کام کرنے سے ہم نے ظاہر ہے سیکھا اور بہت کچھ سیکھا۔ اب ہر شخص اپنے انداز سے کام کرتا ہے ہاں ادارے کی پالیسی اور اخلاقیات ادب کو تو ہر آن ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ تمام قارئین کی رائے، مشورے اور تعمیری تنقید ہی مزید بہتر کرنے کا موقع اور ہمت دیتی ہے۔)

✍ طیبہ عنصر مغل، راول پنڈی سے۔ ''سب سے پہلے تو روز افزوں پاکیزہ کی ترقی و کامیابی پر پیاری عذرا آپا، نزہت، اور آمنہ کو بہت مبارک باد...... اس کے بعد آتے ہیں بہت ہی بے چینی کے ساتھ بہت پیاری لکھاری عقیلہ حق جیسی مصنفہ کی تحریر میرے خواب چھین لو کی جانب، واہ عقیلہ پیاری بہت ہی حساس موضوع کو انتہائی احتیاط سے لکھا کہ کہیں پر اعتراض کی گنجائش بھی نہیں نکل سکتی اور قاری کو سب سمجھ میں بھی آ جاتا ہے۔ میں آپ کی اور رفاقت جاوید جی کی اسی لیے فین (چھت والی نہیں) ہوں کہ آپ عام فہم انداز میں بہت خاص لکھتی ہیں اس بار تو ڈائجسٹ ہماری سکھیوں سے سجا ہوا ہے پھر جو مزے کا ناولٹ ہماری حیا بخاری نے لکھا سلامت رہیے، بہت بہترین...... بنت سحر ہوں یا غزالہ عزیز جی......! آپ ہی کوئی غلطی کر دیتیں لیکن مجال ہے ایک دم پکی

ہیں سب، ذرا جو موقع فراہم کریں کہ ہم تنقید کر کے جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے۔ سدرۃ المنتہیٰ! تیری چاہ میں تو سچ مچ ہم تو آپ کی چاہ میں ایک بار ہی پڑھ بیٹھے بہت ہی منفرد تحریر یہ مبارک باد کی مستحق ہیں۔ غزالہ جلیل راؤ کی آمد بھرپور رہی آپ واقعی شہر گل میں تمنا بہار کی لے کے آئیں اور ہمیں بھی آس میں پرو گئیں۔ شاہدہ ذاکر نے بھی اچھی تحریر پڑھنے کے لیے دی۔ مبارک باد...... ہما بیگ جی سلامت رہیں خوب لکھا، سبق آموز کہانی شاید ایسا بھی ہوتا ہے، ہالہ احمد، غلطی کے ساتھ مریم شہزاد کی تحاریر مختصر لیکن بہت متاثر کن رہیں پڑھ کر لطف ملا کہ کم صفحات میں بڑے اسباق لائیں، بشریٰ سیال جی نے راز الفت کو پاکیزہ کے صفحات پر الگ انداز میں کھولا اچھا لگا لیکن بشریٰ جی کے قلم سے اس سے بھی زیادہ کی امیدیں ہیں ہمیں، کیوں بشریٰ جی......؟ محبت مانگ میں تارہ ایک اچھی کاوش ہے، انتقام کے عنوان سے لکھی تحریر ایک اچھے موضوع کا بہتر انداز میں استعمال اچھا لگا۔ خوش رہیں شہلا جمال البتہ محبت نفس اور تقسیم کا اختتام مثبت کرنے کے چکر میں درصدف معذرت کے ساتھ کچھ کہنا چاہوں گی بہت باکمال تحریر تھی۔ لیکن اس چکر میں ہمیں ایسا پررج کے غصہ چڑھا۔ دیکھیں جب وہ بچہ بھی پیدا نہیں کر سکتی تو بیچارے مرد کا کیا قصور...... کہ وہ اگر وفا نبھا رہا ہے تو بیوی کا بھی فرض بنتا ہے کہ وہ اس کے فطری تقاضوں کو سمجھے یہ اختتام تو مصنفہ پیاری نے کر دیا ورنہ یہ سو فیصد الٹ ہوتا اور اس گناہ کی ذمے داری بیوی پر ہی جاتی ہے کہ وہ شرع سے روکے گی دوسری شادی نہیں کرنے دے گی تو مرد اگر گناہ کرے گا تو اس میں اس کا کیا قصور......؟ یہ میری ذاتی رائے ہے ضروری نہیں سب متفق ہوں انجام سے قطع نظر تحریر بہت جاندار تھی مبارکاں پیاری...

درصدف اب آتے ہیں قسط وار ناولز کی طرف بہت، بہت مبارک باد شیریں حیدر پیاری بہت ساری محبتیں، کیا خوب لکھ رہی ہیں کیسے اتنے سارے کرداروں کو سمیٹ کر ایک بہترین کہانی کا تانا بانا، امرت کے ساتھ اب کیا ہونے جا رہا ہے بے چینی سے انتظار رہے گا۔ اب کرتے ہیں بات رفعت جی کے سفینہ، زارا، ساحل، اور پرنس کی پلیز رفعت جی زارا کو پرنس کی زوجہ محترمہ بنا کر ساحل کے ساتھ سفینہ کا سفینہ نہ ڈبو دیجیے گا بہت دکھ ہوگا یا کہیں پرنس حضرت ثوبان میاں کے والد گرامی نہ بن بیٹھیں ہمیں کافی پریشانی ہے اس بات کی، بالکل لیڈی صوفیہ کی طرح ہم پرنس کی فکر کرنے لگے ہیں رات کی نیندیں اڑ گئی ہیں کچھ رحم کریں رفعت جی......! لیکن واللہ! کیا کمال لکھتی ہیں۔ ذکیہ آپی اور اختر شجاعت کے کیا کہنے؟ جزاک اللہ بہت نیک کام کر رہی ہیں، سلامت رہیں ہمارا بہت سلام، اب ذرا اداریہ کی بات کریں نزہت آپ کو بھی بانی پاکستان کی سالگرہ مبارک...... نیا سال خوشیاں اپنے جلو میں لائے آپ کی ہر بات درست ہے کہ سب خرابیاں اسی وجہ سے ہیں کہ ہم سیرت طیبہ پر عمل پیرا نہیں ہیں بہت بہترین باتیں لکھیں آپ نے۔

میں نے ڈائری پر اتار لی ہیں (جزاک اللہ) اور کیا بتاؤں مجھے اس بار کے پرچے میں دو باتوں پر دل چاہا ناچوں لیکن پھر سوچا اتنے وزن کے ساتھ یہ حرکت بہت مہنگی پڑ سکتی ہے لوگ سمجھیں گے زلزلہ آ گیا اور بچے سمجھیں کہ اماں بیگم پگلا گئی ہیں، پہلی بڑی بات یہ کہ عذرا آپا کی پیاری باتیں ہر بار ماشاء اللہ اور اوپر سے انہوں نے میرا نام اپنے پیارے، پیارے ہاتھوں سے لکھا اپنے چند دوستوں میں جو اُن کو فون کرتی ہیں، اس بات پر ہم نے باقاعدہ مٹھائی بانٹی ہے الحمدللہ، ماشاء اللہ، عذرا آپا، بہت ہی منکسر المزاج ہیں اسی لیے ان کا چہرہ شگفتہ، شگفتہ ہے سلامت رہیں آپ کی محبتوں کی مقروض ہوں آپا، دوسری بڑی بات سیما مناف جی، ویسے میں ان کو سیمز کہتی ہوں ان کے وہ آئے بزم میں، پاکیزہ میں تشریف لانے پر دلی خوشی ہوئی ہے یہ رسالہ بھی ان رسالوں میں رکھوں گی جہاں میرے بہت خاص رسالوں کا خزانہ ہے، یہ الگ بات ہے کہ میں بھی ان کے انٹرویو کو الٹ پلٹ کر ایک طیبہ کا نام ڈھونڈتی رہی لیکن شاید وہ ان کے دل پر رہ گیا آج بہت لکھ دیا ہے لیکن نزہت قینچی مت چلانا پلیز چند باقی چیزیں بھی بہت خاص ہیں۔ فریدہ فری جی بہت اچھی شاعرہ ہیں بلاشبہ اور بہت محبت کرتی ہیں، عقیلہ جی اور ان سب کا شکریہ جن کو میری تحریر اچھی لگتی ہے، سب کو سلام اور سب کی پیاری، پیاری تصویریں بھی دیکھ لیں ہم نے سب ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی تھیں گیٹ ٹو گیدر میں، خوش رہیں...... اب اس تقریب کا احوال پڑھنے کے بھی منتظر ہیں جو حال ہی میں ہوئی۔'' (جی بالکل اسی ماہ پڑھیں گی ......بہت طویل تبصرے کا لمبا سا شکریہ)

✍ صبیحہ شاہ، کراچی سے۔ ''پاکیزہ ہر ماہ باقاعدگی سے مل رہا ہے بہت شکریہ...... پڑھتی ضرور ہوں لیکن مصروفیات کے باعث باقاعدہ تبصرہ نہیں لکھ پاتی۔ اس ماہ اسما طاہر کے افسانے تاراج نے مجبور کر دیا کہ چند سطریں ہی سہی کچھ لکھوں ضرور...... بہت خوب اسما، بہت اچھا لکھا...... اچھی بات یہ ہے کہ یہ صرف نوحہ نہیں تدبیر بھی ہے بہتری کی، تعمیر کی، ماؤں اب بھی ہوش میں نہ

آؤ گی......؟ دلشاد نسیم کا انٹرویو ذرا تشنہ رہا......ان کی شخصیت کے بہت سے رنگ چھلکے نہیں......غزالہ رشید شکایت ہجراں نہ کرتے ہوئے گہری بات کہہ گئیں۔'' (بہت شکریہ، اس دفعہ تو ہماری محفل مصنفین کے خطوط سے سج رہی ہے)

☆ ڈاکٹر ممتاز ضیا، کراچی سے۔ ''تقریباً ایک سال کے بعد محفل میں شرکت کر رہی ہوں مگر محفل سے کبھی دور نہیں رہی۔ بیماری میں بھی پاکیزہ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اور شرکت بھی پورے تبصرے کے ساتھ نہیں ہے کیونکہ میں ابھی پورا نہیں پڑھ سکی۔ انجم کے لگائے ہوئے درخت کی تم بہت اچھی طرح سے آبیاری کر رہی ہو، رسالے کا معیار برقرار ہے اور تم اور تمہارا ادارہ مبارک باد کا مستحق ہے، انجم کے اعزاز میں دس جنوری کو عذرا نے بہت اچھی محفل سجائی اور مصنفین اور قارئین سے مل کر اور بہترین مینیو نے اسے یادگار بنا دیا۔ انجم پاکیزہ سے بلاشبہ کہیں نہیں گئی ہیں، ان سے مل کر بہت خوشی ہوئی اور عذرا اور انجم کے قریبی تعلقات جان کر بہت خوشی ہوئی۔ کاش ہم بھی ان لوگوں میں شامل ہو جائیں کیونکہ اب آپ لوگوں سے جدائی منظور نہیں۔ (آپ ہمارے ساتھ، ساتھ ہیں) ذکیہ کی ایمان افروز تحریر تعریف سے بالاتر ہے۔ رفعت سراج اچھا لکھ رہی ہیں مگر اس قسط میں زیادہ مزہ نہیں آیا۔ شیریں حیدر، امرت کے ساتھ بہت برا کر رہی ہیں۔ پتا نہیں اتنے پیارے چاچو اپنی اتنی پیاری بھتیجی کو اپنے نالائق بیٹے کے لیے کیوں لے آئے اور کہانیوں پر تبصرہ نہیں کر سکتی کیونکہ ابھی پاکیزہ پورا پڑھا نہیں ہے۔ اختر شجاعت کا مضمون بہت اچھا ہے، دلشاد نسیم سے ملاقات اچھی رہی۔ بہنوں کی محفل حسبِ معمول لاجواب تھی۔ عذرا کی باتیں بہت اچھی لگتی ہیں، امینہ کے بارے میں عذرا کے خیالات جان کر خوشی ہوئی۔ امینہ تو سب کی لاڈلی ہیں، اللہ تعالیٰ اسے صحت عطا کرے (آمین) سب بہنوں کو میری طرف سے سلام اور دعا کی درخواست۔ خدا حافظ'' (بہت شکریہ' ڈاکٹر صاحبہ)

☆ پروین افضل شاہین، بہاول نگر سے۔ ''اس بار سالِ نو دھماکے دار تھا تو اس کی قیمت بھی دھماکے دار ہو گئی ہے۔ چلیں ہمیں آپ کی مجبوری پر دس روپے کا اضافہ بھی منظور ہے۔ جب پاکیزہ سے ناتا جوڑ لیا ہے تو قیمت کیا دیکھنی......(جی ضرور) سرورق دلکش تھا ارتج خان اچھی لگ رہی تھی۔ دین کی باتیں اور اللہ اور اس کا نور پڑھ کر روح کو غسل دیا......آپ نے دلشاد نسیم سے دلنشیں گفتگو کی۔ ان کا انٹرویو پڑھ کر مزہ آ گیا۔ ایک تصویر میں وہ اپنے ہونہار بیٹوں کے ساتھ تھیں اس تصویر میں وہ ان دونوں کی چھوٹی بہن لگ رہی تھی۔ آپ نے (ماشاء اللہ) میرے خط کے جواب میں یہ جو جملہ لکھا کہ آپ بھی یہاں آئیں تو ایسی ہی ضیافت ہوگی پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ اللہ آپ کو ایسے ہی سخی رکھے، آمین......آپ نے میری نند فریدہ جاوید فری کی خوب صورت غزل شائع کی اس پر آپ کو شاباش تو بنتی ہے ناں۔ بزم پاکیزہ میں میرے نام کے آگے بہاول نگر کے بجائے لاہور لکھ دیا گیا ہے جسے پڑھ کر میرے میاں نے کہا ارے واہ بیگم......تم نے سلائی کے کام کر کے رقم جمع کر کے لاہور میں گھر بھی خرید لیا اور ہمیں کانوں کان خبر بھی نہیں ہونے دی۔ اب میں انہیں کیسے سمجھاؤں کہ یہ مس پرنٹنگ کی وجہ سے ہوا ہے (جی ہاں لیکن آپ کے میاں جی نے بھی نیک فال نکالی ہے)

☆ فائزہ فاروق سحر، لاہور سے۔ ''بہت، بہت خوب صورت موسم لاہور کا ہو رہا ہے۔ بے انتہا خوب صورت پھولوں کی نمائش آپ سب بھی کراچی سے لاہور آئیں، ریس کورس پارک میں۔ آج رسالہ بھی وہیں بیٹھ کر پڑھا۔ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ دسمبر سج گیا۔ شعر سب نے خوب بھیجے۔

☆ خولہ سعید جاوید، کراچی سے۔ ''السلام علیکم......نئی ذمے داریاں سنبھالنے اور بطریق احسن عہدہ برآ ہونے پر آپ کو دلی مبارک باد......(بہت شکریہ) تبدیلی وقت کی ضرورت اور قدرت کی طرف سے جمود کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے۔ انجم انصار باجی سے گہری وابستگی رہی اگرچہ کبھی لکھا نہیں لیکن فون پر کبھی، کبھار بات ہو جاتی تھی۔ اب ایک ذاتی تجربے کو کہانی کا رنگ دیا ہے۔ پہلی کوشش ہے امید ہے تحریر پاکیزہ میں جگہ پائے گی کیونکہ امید پر دنیا قائم ہے۔'' (جی ضرور)

☆ غزالہ عمران بھٹی، لاہور سے۔ ''میں گزشتہ اٹھارہ سال سے پاکیزہ سے محبت کرتی رہی ہوں بلکہ سنبھال کے بھی رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ اسے دن دگنی رات چوگنی ترقی دے۔ (آمین) آپ کے آنے کے بعد بہت چینج آیا ہے پاکیزہ میں، نیا، نیا سا لگنے لگا ہے اور یہ خوش آئند بات ہے۔ آپ کی محنت بھی نظر آ گئی ہے۔ ڈھیروں مبارک باد......اب آتے ہیں تبصرے کی طرف مجھے کچھ کہنا ہے میں آپ نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ بچوں کے حوالے سے بات کر کے شاید کسی کو احساس ہو جائے کہ عملی طور پر بھی کچھ کرنا ہے اور اگر واقعی ہم قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارنے میں لگ جائیں تو سارے مسئلے ختم ہو جائیں۔ (جی ہاں) اللہ اور اس کا نور ذکیہ آپا کی باتوں نے تو میری زندگی

بدل دی ہے۔ مسلمان تو ہم سب ہی ہیں حق گوئی، کوئی ادا کرتا ہے۔ اتنے بہترین انداز میں ذکیہ آپا کی باتیں سمجھ میں آتی ہیں کہ لگتا ہے چاروں طرف روشنی پھیل گئی ہے۔ اللہ ہمیں بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) رفعت سراج، کمال کر دیا آپ نے ایک، ایک لفظ پڑھنے سمجھنے اور داد دینے کا مستحق ہے۔ اگر کوئی سیکھنا چاہتا ہے تو میں نہیں سمجھتی آپ کی یہ تحریر پڑھ کر کوئی نہ سیکھ سکے اتنا شاندار لکھنے پر دل کی گہرائیوں سے مبارک باد...... ہاجرہ ریحان کی دشمن بس ٹھیک ہی لگی۔ شہناز وسیم کی بوجھ واقعی گورنمنٹ اسکول کی ٹیچرز ایسی ہی ہوتی ہیں میں خود گورنمنٹ اسکول میں پڑھی ہوں۔ اس سے بھی سخت رویہ دیکھا ہے ٹیچر کا...... بلاعنوان میں ام ایمان نے بہت خوب صورت انداز میں لکھا۔ فصل محبت دل کو لگی شیریں حیدر کی امرت سچ کہوں برا تو نہیں منائیں گی بڑی مشکل لگتی ہے۔ حیا بخاری، دردانہ نوشین نصرت یوسف، شگفتہ شاہ سب کی پُر اثر تحریریں تھیں۔ شمع ہدایت، اختر شجاعت کی بڑے شوق سے پڑھتی ہوں اور عمل بھی کرتی ہوں۔ احوال کلیوں کی مہک کا۔ ہم اس گلدستے میں کب شامل ہوں گے کہ ان مہکتے پھولوں کی خوشبو سے مسحور ہو سکیں۔ اور ہاں عذرا آپا آپ اس گلدستے کا ریڈ روز ہیں۔ جس کے بغیر گلدستہ نہیں بنتا۔ (ماشاء اللہ) میں جب بھی یہ محفلیں سجی دیکھتی ہوں پاکیزہ میں تو دعا کرتی ہوں یہ یونہی قائم رہیں۔ اللہ آپ سب کو سلامت رکھے۔ عذرا آپا اس طرح کی محفلیں لاہور میں بھی سجایا کریں۔'' (ارے آپ کا یہ خط پیدل چل کر آیا ہے، بہت شکریہ...... آئندہ بھی باقاعدگی سے آیئے گا)

٭ نادیہ، راول پنڈی سے۔ ''آپی دسمبر کا پاکیزہ حسبِ معمول بہترین رہا۔ اللہ تعالیٰ سے آپ سب کے لیے ترقی کی دعائیں ہیں۔ سب نے میرے بیٹے کی صحت کی دعا کی آپ کا شکریہ...... مجھے پاکیزہ بہت پسند ہے۔ نئے سال کی آمد پر سب کے لیے بہت دعائیں اور نیک جذبات...... (بہت شکریہ نادیہ، اللہ کرے یہ سال تمہارے لیے بھی خوش آئند ہو) آنٹی جان بہت سارا شکریہ آپ نے مجھے محفل میں شامل کیا۔'' (شکریے کی کیا بات ہے آپ کی اپنی محفل ہے)

٭ بیگم یسٰین، لیہ شہر سے۔ ''اس دفعہ پاکیزہ بہت زبردست ہے۔ دس تاریخ کو پرچہ ملا اور میں نے ایک دن میں ہی پڑھ لیا کہ جلدی سے تبصرہ بھیج دوں۔ (بہت شکریہ جی) سلسلے وار ناول دونوں بہت خوب ہیں۔ ذکیہ آنٹی کا مضمون ویل ڈن...... آنٹی کے لیے بہت ساری دعائیں، سب بیماروں کے لیے دعائیں۔ (آپ کے لیے بھی پُر خلوص دعائیں...... بیگم یسٰین، اپنا پیارا سا نام بھی لکھ دیا کریں...... ہمیں خطوط پندرہ سے اٹھارہ تاریخ تک لازمی مل جایا کریں۔)

٭ تمنیٰ علوی، ہالہ نیون سے۔ ''میں پاکیزہ پچھلے چالیس سالوں سے پڑھ رہی ہوں (ماشاء اللہ) اس کا معیار قابلِ تعریف ہے، معراج رسول صاحب نے خوب صورت سا پودا لگایا جواب تناور درخت ہے۔ پاکیزہ کی سب کہانیاں لاجواب ہیں، رفعت سراج سے گزارش ہے کہ ناول میں تھوڑی تیزی لائیں۔ ہاں عمیرہ احمد نے بھی کب کا وعدہ کر رکھا ہے۔ (ہاں جلدی پورا ہوگا) نمرہ احمد سے بھی لکھوائیں۔ ان کا پارس بھی یاد ہے۔ سحر ساجد بھی کمال کا لکھتی ہیں۔ جنوری کا پاکیزہ تو وی آئی پی تھا۔ دونوں ناول بھی۔'' (تبصرے کا شکریہ)

٭ سحر، احمد پور شرقیہ سے۔ ''باجی میں پاکیزہ 1994ء سے پڑھ رہی ہوں لیکن خط لکھنے کی جسارت پہلی بار کر رہی ہوں۔ پاکیزہ کی مستقل لیکن خاموش قاری ہوں۔ پاکیزہ میرا فیورٹ ڈائجسٹ ہے۔ میں نے زندگی گزارنے کا سلیقہ، طریقہ اس سے سیکھا ہے۔ میری عمر تقریباً 39 سال ہے اور میری زندگی میں پاکیزہ کا کردار ایک دوست کا سا رہا ہے۔ آج بھی پاکیزہ کا ہر ماہ شدت سے انتظار رہتا ہے۔ زندگی میں بہت سے نشیب و فراز آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمت و حوصلہ دیا۔ آپ سب میری پریشانیاں رفع ہونے کے لیے ضرور دعا کریں۔ (جی بالکل کریں گے) آج کے دور میں سب اپنی غرض کے ہیں جب مشکل آتی ہے تو سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ (جی یہ تو ہے) پاکیزہ کی محفل میں دکھ درد بانٹنے سے سکون سا ملتا ہے۔'' (اللہ آپ کے مسائل حل کرے۔)

٭ ریحانہ آفتاب، کراچی سے۔ ''چھوٹی سی لیکن ذمے دار لکھنے والی ہوں، ہر ادارے کے ساتھ...... الحمد للہ اچھے تعلقات ہیں، انجانے میں آپ کے ادارے کے ساتھ ناانصافی ہوگئی۔ جس پہ میں آمنہ حماد جی سے کئی بار معذرت کر چکی ہوں۔ صرف کمیونیکیشن نہ ہونے کی بنا پر یہ واقعہ رونما ہوا لیکن میرا ابھی یہ پہلا اور آخری واقعہ ہوگا۔ انشاء اللہ کہ عزت و ذلت رب العزت کے ہاتھوں میں ہے۔ امید ہے کھلے دل سے خوش آمدید کہیں گی۔ آپ کا تعاون رہا تو انشاء اللہ پاکیزہ سے جڑی رہوں گی۔'' (غلطی تو انسان سے ہو ہی جاتی ہے مگر آئندہ خیال رکھیے گا اور رابطے کے لیے پورے رسالے میں تین چار ٹیلی فون

نمبرز تو ہر ماہ دیے جاتے ہیں اور ہم فون پر ضرور بات کرتے ہیں۔ کوئی بھی ادارہ جان بوجھ کر اپنی اور مصنفہ کی ساکھ خراب نہیں کرتا۔ ادارہ پاکیزہ ہر معیاری تحریر کو خوش آمدید کہتا ہے۔ مگر سب کو ہی اپنی، اپنی اخلاقی ذمے داریوں کا ضرور پاس ہونا چاہیے)

✍ سلمٰی غزل، کراچی سے۔ ''سب سے پہلے اللہ اور اس کا نور پڑھا سبحان اللہ پھر بہنوں کی محفل میں چھلانگ لگائی۔ ماشاء اللہ اور آخر میں نمبر آیا افسانوں کا...... اسما قادری کی حد برے لوگوں کے لیے سبق آموز افسانہ رواج بھی خوب رہا۔ موضوع اور تحریر دونوں کے لحاظ سے لیکن اکثر لوگ ضرورت مندوں کے کام ضرور آتے ہیں۔ لیکن اس طرح کے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کو پتا نہ چلے بشریٰ ماہا نے بھی بزرگوں پر اچھا لکھا لیکن کیا، کیا جائے کمپیوٹر اور موبائلز نے رشتوں سے دور کر دیا ہے۔ عائشہ کا افسانہ بھی اچھا تھا فرحین اظفر کی بہترین تحریر لاجواب کہانی...... مگر رخ چوہدری برا نہ مانیں تو میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ ان کی تحریر نے مجھے بڑا دکھ پہنچایا۔ کیا ساری زندگی ہم عورت کو محنت کی چکی میں پیستے، جلتے توے پر سینکتے پاؤں جلتے اور ٹھڈے کھاتے ہی لکھ کر خوش ہوتے رہیں گے۔ میں مانتی ہوں ہمارے ملک کی ننانوے فیصد عورتیں سمجھوتے کی زندگی گزارتی ہیں لیکن سمجھوتے کا مطلب اپنی انا اپنی خودداری اور عزتِ نفس مجروح کرنا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ زندگی صرف ایک بار ملتی ہے جو صرف چار تعریفوں کے الفاظ سن کر کوئی بھی عورت وہ تکلیفیں، دکھ اور محرومیاں بھول نہیں سکتیں۔ عظیم عورت سن کر بجائے رونے کے وہ خوش ہوئی کیوں؟ مجھے اس کے خوش ہونے پر اعتراض ہے، اتنے دکھ اٹھانے کے بعد تو عورت نہ تو تعریف کی بھوکی ہوتی ہے نہ ستائس کی کیونکہ اس کا فخر تو اس کی اولاد ہے۔ آخری عمر میں کیا خاک مسلماں ہوں گے۔ پتا نہیں کب تک ہم عورت کو کمزور، بے بس، لاچار اور مجبور دکھاتے رہیں گے۔ اللہ نے تو ہر جگہ شوہروں کو بیویوں کے ساتھ حسن سلوک اور برابری کا حکم دیا ہے کہیں بھی کمتر مخلوق نہیں بنایا۔ اللہ نے مرد کو برتری، نان نفقہ کی وجہ سے دی ہے مگر آج کی عورت تو مردوں کے شانہ بشانہ کام کر رہی ہے بلکہ ان سے زیادہ کر رہی ہے نوکری کے باوجود بچوں کی پرورش گھر کی دیکھ بھال۔ کیا مرد نوکری سے آکر کچھ کرتے ہیں؟ ''میں تھک گیا ہوں۔'' یہ کہا اور پاؤں پسار کر پڑ گئے۔ اولاد لائق تو میری اولاد ہے۔ نالائق ہو کیسی عورت ہو صحیح تربیت نہیں کی۔ آج کی عورت تو چومکھی جنگ لڑ رہی ہے۔ باہر کی گھر کی بچوں کی تربیت کی سب ذمے داری اس پر ہے۔ خدارا عورت کو اپنے حق کے لیے لڑنے کا شعور بخشیں۔ رخ چوہدری بہت پیاری رائٹر ہیں مگر عورتوں کی تذلیل مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ اکثر خواتین رائٹر بہوؤں کو سسرال کی خدمت گزاری کا مرقع بنا کر پیش کرتی ہیں خدارا بتایئے قرآن شریف میں کہاں نامحرم رشتوں کا ذکر ہے، بہو اگر ساس، سسر کی خدمت کرتی ہے تو یہ اس کی خوبی ہے مگر نہ کرے تو گناہ نہیں...... قرآن شریف میں صرف اولاد کا لفظ استعمال ہوا ہے مگر ہم ہر ذمے داری بیٹے کے سر ڈال کر بیٹی کو بری الذمہ قرار دیتے ہیں۔ اب گاؤں دیہاتوں میں بھی عورتوں کو حقوق سے آگاہی ہو گئی ہے یہ میری ذاتی رائے ہے جس کے لیے میں رخ چوہدری سے معذرت خواہ ہوں مگر سچ پوچھیے تو کسی بھی کہانی میں اگر عورت کو بے بس اور مجبور بتایا جاتا ہے تو مجھے بہت دکھ ہوتا ہے عورت تو وہ ہستی ہے جس نے بڑے، بڑے انبیاؤں کو جنم دیا ہے وہ کمتر کیسے ہو سکتی ہے۔ افسانے تو اور بھی پڑھ لیے ہیں مگر تبصرہ طویل ہو گیا ہے اس لیے لکھنے سے قاصر ہوں۔'' (بہت خوب تبصرہ کیا اور اپنی قیمتی رائے کا اظہار کیا ہے)

✍ نرگس نسیم، صابہ موہڑہ سے۔ ''چھ جنوری کو کہر آلودہ موسم میں پاکیزہ ملا۔ سب سے پہلے بہنوں کی محفل میں چھلانگ لگائی۔ عذرا آپی کی سویٹ باتوں سے مستفید ہوتے ہوئے نزہت کی رس گھولتی باتوں کے بعد قارئین کی سرگرمیوں کی رپورٹ پڑھ کر تبصرہ نگار بہنوں کے تبصرے پڑھنے شروع کیے اوہ جیو سویٹ رابعہ یاسمین اتنے ٹھنڈ ٹھار موسم میں تمہارا تبصرہ پڑھ کر سیروں خون نہ صرف بڑھا بلکہ سمجھا کرو ناں میری تعریف جو ہوئی، تھینک یو رابعہ...... نئی لکھنے والیاں بھی آتے ہی چھا گئیں، خاص کر کے اسما طاہر نے بہت اچھا افسانہ لکھا۔ دوسری اسما کی بھی اچھی کہانی تھی۔ میں خود کو کہیں رکھ کر بھول بیٹھی ہوں رخ جی آپ نے بہت حساس موضوع کا چناؤ کیا ہے کہ عورت پیدا ہوتے ہی سمجھوتے کی چادر اوڑھ کر واقعی اپنے آپ سے بیگانہ ہو جاتی ہے۔ شائستہ زریں اچھا سروے کرتی ہیں کبھی یہ تو کبھی وہ ارے شائستہ جی ذرا ہم بیچاری تبصرہ نگار بہنوں کا بھی سروے نہیں پھر دیکھنا ہماری یادوں کی پٹاری سے کیا نکلتا ہے۔ (جی ہاں ضرور آئندہ شائستہ یاد رکھیں گی) قربان جاواں، ہائے دلشاد نسیم کیا لشکتا مشکتا کوکا پین رکھا تھا۔ (تصویر میں) دیکھ کے کوکا مجھے اپنا وہ دور یاد آ گیا جب ہم نے بھی بڑے ارمانوں سے ناک کی دونوں سائڈ پر سوراخ کروائے تھے کچھ عرصہ تو ادل بدل کر ایک ہی کوکا پہنتے رہے...... اب میرا سات سالہ بیٹا پوچھتا ہے مما آپ کی ناک پر سوراخ کیوں ہیں کس نے مارا ہے؟

تو ہم آگے سے جواب دیتے ہیں کوکے کے ارمانوں نے (واہ بہت خوب) سلمٰی غزل صاحبہ آپ نے جو تجویز دی ہے وہ ہے تو اچھی......اس کے علاوہ نزہت کیا ہی اچھا ہو کہ دو تین ماہ بعد کسی نہ کسی شہر کی رہنے والی مصنفہ یا تبصرہ نگار بہن آپ کے اعزاز میں ایک تقریب کیا کریں اپنے ،اپنے شہر میں۔ (واہ اچھی تجویز ہے بلکہ ہم بھی وہاں کی مصنفات اور بہنوں کی میزبانی کرنا چاہیں گے۔ انشاء اللہ) جیسا کہ چکوال میں نگہت سیما ہے میں ہوں ہم دونوں مل کر چکوال میڈیا کو بھی ساتھ ملا کر آپ لوگوں کے اعزاز میں چکوال پریس کلب میں تقریب رکھ لیں یا کوئی مشاعرہ بھی.....'' (ارے پھر تو غزل بھی ساتھ لانی پڑے گی نرگس)

☚ فریدہ افتخار، اسلام آباد سے۔ '' قارئین کو سالِ نو مبارک ہو رواج کا آخری پیرا دل کو لگا کہ جاں بلب مریض کے لیے دوست رشتے دار مالی امداد کرنے کے بجائے پھل جوس لے کر جاتے ہیں۔ اسی طرح کسی کے ہاں جانے کے لیے کریم بھرے کیک ضرور لے جاتے ہیں، جو اکثر گھر کے خادم، مالی، چوکیدار کی قسمت میں ہوتے ہیں کہ گھر والے میٹھا نہیں کھا سکتے۔ ہماری ایک عزیزہ کو شکوہ ہے کہ جسے دیکھو کیک مٹھائی لے کر آرہا ہے۔ (ان کے ہاں پوتی کی پیدائش ہوئی تھی) اتنا نہیں کرتے کہ چار پانچ درجن انڈے، ڈبل روٹی ہی لے کر آجائیں جو کام آئیں......ورنہ یہ کیک تو ملازموں کی نذر ہو جاتے ہیں۔ مگر ملازم بھی کتنا کھائیں گے۔ اور ہم نے اب یہ تہیہ کر رکھا ہے کہ ان کے ہاں جاتے ہوئے ان کی یہ خواہش ضرور پوری کروں گی انشاء اللہ......! پاکیزہ کے سارے سلسلے لاجواب ہیں بس کہانیاں بعض اوقات غیر ضروری طوالت اختیار کر لیتی ہیں۔ اچھوتے عنوان کہانی کو خوب صورتی عطا کرتے ہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک...... کس، کس کی تعریف کی جائے۔ ادارہ اس رسالے کو سنوارنے سجانے میں بھر پور کوشش کر رہا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ترتیب دینے والے افسانہ نگار اپنی ذمے داری بخوبی سرانجام دیں۔ اس سارے پھولوں کے گلدستے کو اکٹھا کرنے میں بے شک عذرا رسول صاحبہ کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ ان کی دست راست نزہت اصغر کو سراہنے کو دل کرتا ہے۔ انجم انصار صاحبہ کی کمی اس وقت زیادہ محسوس ہوتی ہے جب بہنوں کی محفل کا صفحہ پلٹتی ہوں۔ انجم جی کبھی تو اپنی جھلک دکھا دیا کریں۔ (اس دفعہ آپ نے دیکھ لی ہوگی)

☚ شائستہ اعجاز، کراچی سے۔ '' عذرا، نزہت، آمنہ اور تمام لکھاریوں کو نیا سال مبارک ہو، عذرا جب تم سے معلوم ہوا تھا کہ انجم انصار کے اعزاز میں ایک شام منائی جا رہی ہے تو سمجھو کہ میں تڑپ کر ہی رہ گئی تھی کہ میری آنکھوں کی سرجری تھی۔ بس تصور میں تھا کہ دس جنوری کی شام ڈیفنس کلب میں بہت سارے ستارے اور ان کے درمیان چاند ہوگا۔ یہ تقریب کرنے کے بارے میں عذرا بہت دنوں سے پلان کر رہی تھیں مگر معراج صاحب کی طبیعت کی وجہ سے ٹل رہی تھی پھر بھی عذرا کی ہمت ہے کہ ایک سیریس مریض کے ساتھ جن کی طبیعت کا صبح پتا ہے نہ شام تقریب رکھ ہی لی۔ انجم کے جانے کے بعد لوگوں کو لگ رہا تھا کہ پاکیزہ نہیں چل پائے گا مگر ماشاء اللہ نزہت (جن کا دلکش کا تجربہ بھی تھا) نے آمنہ اور عذرا کی ادارت میں خوب چلا لیا ہے۔ ایک ایڈیٹر کے لیے کسی ادارے میں 28 سال گزارنا ایک بڑی مدت ہوتی ہے۔ انجم انصار نے بہت محنت و جانفشانی سے پاکیزہ میں کام کیا اور پاکیزہ کی بدولت شہرت عزت حاصل کی۔ مگر اس کا سارا کریڈٹ معراج رسول صاحب کو جاتا ہے جنہوں نے انجم کو گھر بیٹھے تمام سہولیات دیں، تمام میٹر گھر پر پہنچانے اور لانے کے لیے چپراسی کا انتظام کیا جس کی وجہ سے انجم اطمینان سے کام کرتی رہیں اور ان کی نجی زندگی متاثر نہیں ہوئی۔ ان کے غیر ملکی دورے بھی چلتے رہے کہ انہیں چھٹی کا کوئی مسئلہ نہ ہوا اور نہ کسی اور ادارے کے ایڈیٹر سے پوچھیں کہ صبح گھر سے نکلنا، آفس پہنچنا، کبھی رش میں پھنسنا، کبھی میٹنگ میں رہنا اور شام کو گھر جا کر میاں اور بچوں کو، فیملی کو دیکھنا۔ انجم خوش قسمتی سے ان سب سے بری الذمہ رہیں۔ انجم کی بہنوں کی فیملی کی وجہ سے پاکیزہ بہنوں کی سہیلی بن گیا اور انہوں نے اتنے عرصے میں ناول، طنز و مزاح کا جلترنگ لکھا جو پاکیزہ کی وجہ سے کافی مقبول و مشہور ہوئے۔ انتظار تھا کہ سب کے تاثرات سنتی، مجھے یقین ہے کہ رضوانہ پرنس کی شوخیاں، تسنیم ماپارا کی پھلجڑیاں اور ہما بیگ کے لطیفے اس محفل کو زعفرانِ زار بنا رہے ہوں گے۔ خیر زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔ عذرا تم تو ایسی تقریبات کرتی رہتی ہو اور تم نے تو انجم کی ہمیشہ ہی بہت قدر کی جیسا کہ 2009 میں تم نے تو گولڈ کا خوب صورت سیٹ بھی انہیں میڈل کی صورت دیا۔ جو ہائی ٹی انجم ہی کے گھر میں ایک دفعہ منعقد ہوئی تھی، سچی بات ہے میری دانست میں تو کوئی ایک مثال بھی کسی اور ادارے کی نہیں ملتی کہ ایڈیٹر کی صحیح معنوں میں اتنی قدر دانی کی جاتی ہو جیسا کہ تم نے کی۔ جیسے معراج صاحب قدر دان ہیں ویسے ہی انجم انصار نے بھی اپنی ذمے داریاں بھر پور طریقے سے نبھائیں۔ یقین

جانو عذرا ایک آنکھ بند کر کے بہ مشکل یہ چند سطریں لکھ پائی ہوں کہ لکھے بغیر چین بھی نہیں آ رہا تھا اور تقریب میں بھی تو شرکت نہیں کر پائی تھی۔ (بہت، بہت شکریہ شائستہ باجی، اللہ آپ کی آنکھوں کا نور سلامت رکھے)

☒ شمسہ الطاف زندگی، ایبٹ آباد۔ آپ کی کہانی تا حال نہیں ملی...... دوبارہ بھیج دیں پاکیزہ پسند کرنے کا شکریہ۔

حدیث اختر، حاصل پور سے۔ ''پاکیزہ بہت بہترین ہے، اس دفعہ منتخب غزلوں نے پیٹ کے کس بل نکال دیے بہت مزہ آیا۔ پاکیزہ ڈائری دلچسپ اور پرلطف رہی۔ دلشاد نسیم سے ملاقات بہت اچھی لگی۔ رفعت سراج کے لیے بہت سی دعائیں۔ اللہ ان کی صلاحیتوں میں اضافہ کرے۔ ان کا بس نام ہی کافی ہے۔ گوشہ ظرافت تو ایک دم سے دلوں کی افسردگی دور کر دیتا ہے۔ عذرا باجی اور معراج صاحب کے لیے پُرخلوص دعائیں......'' (تبصرے کا شکریہ)

عاصمہ، گاؤں تیمر گراں، خیبر پختونخوا سے۔ '' آپی پاکیزہ بہت زبردست ہے، میں یہاں کافی دور رہتی ہوں، بہت مشکل سے رسالہ ملتا ہے، اس میں آج کل جو ناول امرت چل رہا ہے مجھے بہت پسند آ رہا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کا مکمل ناول تیری چاہ میں بہت اچھا تھا۔ ذکیہ آپا کا اللہ کا نور کا کوئی مقابلہ نہیں (بے شک) اتنا خوب صورت لکھ رہی ہیں کہ ہاتھ چومنے کو دل کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی تمام کہانیاں ہی اچھی ہوتی ہیں۔'' (عاصمہ اتنی دور سے تبصرہ بھیجا، بہت شکریہ)

تسنیم منیر علوی، دبئی سے۔ ''یہاں پاکیزہ بہت پڑھا جاتا ہے مگر مشکل سے ملتا ہے۔ شاپ کے کئی چکر لگانے پڑتے ہیں، میری بھیجی گئی کہانی پر جو تحفظات تھے وہ آپ سے ڈسکس کیے تھے، مزید بھی کچھ کہنا ہو تو بتایئے گا۔ یہاں انڈین افراد بھی پاکیزہ شوق سے پڑھتے ہیں۔'' (جی تسنیم انشاء اللہ آپ سے رابطہ رہے گا۔ آپ رسالہ لگوالیں تو جلدی مل جائے گا)

طاہرہ، خوشاب سے۔ ''باجی میں دو ماہ سے طبیعت کی خرابی کے باعث پاکیزہ نہ پڑھ پائی میری میجر آپریشن سے بیٹی ہوئی، اب اکٹھے رسالے پڑھوں گی، سب پاکیزہ والوں کو میرا سلام......'' (وعلیکم السلام...... مبارک ہو، اللہ آپ کو صحت سے رکھے)

عمارہ جے خان، گلگت سے۔ ''باجی آپ کے ادارے کے تمام پرچے بہت اچھے ہیں، ہم یہاں بیٹھ کر شوق سے پڑھتے ہیں اگرچہ دیر سے ملتے ہیں، مجھے کہانیاں لکھنے کا بھی شوق ہے۔'' (جی ضرور لکھیں اور دور و نزدیک بظاہر ہے ویسے تو آپ رسالوں کے ذریعے قریب ہی ہیں)

عنبر وسیم، گوجرانوالہ سے۔ '' آنٹی ذکیہ کے مضمون میں قرآن سمجھنے کی معلومات ہیں، بس بہت کچھ سیکھتی ہوں۔ رفعت سراج نے اینڈ میں بہت سسپنس پھیلا دیا۔ ساحل کو زارا جیسی لڑکی سوٹ کرتی ہے سفینہ نہیں۔ اس دفعہ تو شمارے کا نام عورت نمبر رکھنا چاہیے تھا بہت اچھا لکھا۔ غزالہ رشید نے بہت اچھا لکھا۔ ڈاکٹر نفیسہ نے بھی بہت اچھی باتیں بتائیں۔ رخ چوہدری نے ہمیشہ کی طرح عورت کے نازک احساسات پر قلم اٹھایا، بہت عمدہ کہانی لکھی کہ ساری زندگی دوسروں کی خدمت عورت کرتی ہے۔ اسما طاہر نے بہت ہاٹ موضوع پر قلم اٹھایا جو مائیں تربیت کرتی ہیں ان کی رہنمائی کی ہے، میں بھی بہت کیئر کرنے لگی ہوں۔ سائزہ ان سائن آؤٹ بہت اچھی کہانی تھی۔ ذیشان اور فاطمہ بہت اچھے ہیں، بہت کیوٹ ہیں، اللہ انہیں خوش رکھے، لکھنا تو بہت کچھ تھا لیکن آئندہ سہی......'' (ہاں عنبر اب باقاعدگی سے حاضری دینا)

حمیرا وحید، واہ کینٹ سے۔ ''سب سے پہلے باجی آپ کو پاکیزہ ڈائجسٹ کی بطور مدیرہ نامزد ہونا بہت مبارک ہو۔ آنٹی ذکیہ بلگرامی صاحبہ کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ آپ کی تحریر قابلِ ستائش ہے۔ سلسلے وار ناول اچھے جا رہے ہیں۔ پاکیزہ کے افسانے بہت معیاری ہوتے ہیں ہما بیگ کا افسانہ چاند کا داغ بہت پسند آیا۔ اکثر و بیشتر جو بیماریاں بچوں میں آتی ہیں وہ موروثی ہوتی ہیں۔ جو لوگ خاندان سے باہر رشتہ نہیں دیتے یا کرتے ان کے لیے سبق آموز تحریر تھی۔ جیون کہانی بھی اچھی تحریر تھی۔ دیر سے سہی پر ماں کی زندگی میں ہی بیٹے کو ماں کی اہمیت کا احساس ہو گیا تھا۔ رازِ الفت افسانہ معصومہ کی معصومیت بھری اسٹوری بے حد پسند آئی۔ چھوٹی سی کہانی دل کی گہرائیوں کو چھونے والی تحریر تھی۔ محبت نفس اور تقسیم کہانی بھی دل کی گہرائیوں کو چھونے والی تحریر تھی۔ کامران وفادار بیوی کا وفادار شوہر ثابت ہوا تھا۔ افسانہ عروسی جوڑا معاشی حالات جیسے ہوں ان کے مطابق چلنا چاہیے جو لڑکیاں سسرال والوں اور ماں باپ سے ان کی استطاعت سے بڑھ کر مطالبہ کرتی ہیں ان کے لیے سبق آموز تحریر تھی۔ باقی تمام افسانے بھی بہت اچھے تھے۔ آپی میرے میسج کرنے کے تھوڑی دیر بعد ہی جب آپ کا reply آیا تو مجھے بے حد خوشی ہوئی۔'' (جی

اسی مقصد سے تو نمبر دیا ہے تا کہ فوری، فوری بات ہو جائے۔)

ثمینہ کوکب، ضلع جہلم سے۔ ''سالِ نو کا پہلا شمارہ خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ دل کو بے حد بھایا۔ اور دل سے بے ساختہ یہ دعا نکلی کہ نیا سال تمام عالم اسلام اور پاکیزہ بہنوں کے لیے بے حد مبارک اور خیر و عافیت کا سال ہو آمین۔ یا رب العالمین، دین کی باتیں ایمان کو تازگی بخش گئیں۔ ذکیہ بلگرامی صاحبہ کا اللہ اور اس کا نور اور اختر شجاعت صاحبہ کا شمع ہدایت میں مضمون تواضع، توفیق الٰہی دل پر گہرا اثر چھوڑ گیا۔ ان خوب صورت ایمان افروز تحریروں کے رائٹرز کو دل سے خراجِ عقیدت پیش کرتی ہوں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ شائستہ زریں صاحبہ کا متوازن گھریلو بجٹ کے بارے میں خواتین سے سروے بہت اچھا اور معلوماتی لگا۔ نزہت اصغر صاحبہ کا اداریہ مجھے کچھ کہنا ہے حسبِ معمول بہترین اور پُر اثر تھا۔ رفعت سراج اور شیریں حیدر صاحبہ دونوں کے ناولز کی اقساط اچھی جا رہی ہیں اور تمام افسانے بھی سبق آموز اور بہترین ہیں۔ روحانی مشورے بھی ایک خوب صورت کالم ہے۔ غرض کہ پاکیزہ رسالے کے تمام سلسلے اپنی مثال آپ ہیں، پاکیزہ قاری بہنوں کے جن رشتے داروں کا انتقال ہوا ہے، اللہ سے دعا ہے کہ ان کی مغفرت ہو اور اپنے جوارِ رحمت میں ان کو جگہ دے، آمین...... اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام بیمار بہنوں کو اور بنت حوا صاحبہ کے بیٹے اور معراج رسول صاحب کو شفائے کاملہ عاجلہ فرمائے، آمین یا رب العالمین۔'' (بہت پیاری دعاؤں کے لیے جزاک اللہ)

حافظہ ست البنات، تونسہ شریف سے۔ ''آپی اک مزے کی بات سنیں آپ جس ماہ پاکیزہ کی مدیرہ بنی تھیں تو میں نے مبارک باد اور تبصرہ لکھا تھا لیکن وہ خط پوسٹ نہیں ہو سکا تھا اب دیکھا تو گھر رکھا ہوا تھا ہم سمجھتے رہے کہ ہمارا خط شائع نہیں ہوا۔ اب ڈھیروں مبارک باد اور نیک تمنائیں قبول فرمائیں (جی شکریہ بہت، بہت)۔ یہ کہاں بچیں کہ دل ہے، بہت اچھا جا رہا ہے۔ تاجور کی سمجھداری درحقیقت محترمہ رفعت سراج صاحبہ کی اپنی ہی سمجھداری ہے اللہ پاک نے محترمہ رفعت سراج صاحبہ کو بہترین دماغ عطا فرمایا ہے۔ (ماشاء اللہ کہیں بھئی) امرت میرا پسندیدہ ناول شیریں حیدر صاحبہ اب امرت کی تکلیفیں رکھ دیتی ہیں اس کے ساتھ اچھا کیجیے گا۔ سدرۃ المنتہیٰ کا تیری چاہ سے ناول تو اچھا تھا لیکن پڑھتے ہوئے ذہن میں بار، بار منشا محسن علی کا خیال آ تا رہا کیونکہ انہی جیسا انداز تھا لکھنے کا۔ محبت لفظ ہے لیکن ...... نام اور ناول دونوں ہی زبردست تھے۔ بدلتے رشتے وہی اپنوں کی بے حسی، جاذب کا کردار اچھا لگا۔ افسانوں میں سب سے بہترین افسانہ محترمہ عقیلہ حق کا تھا ظالموں کو جھنجوڑتا ہوا بہت خوب عقیلہ جی اللہ آپ کو حق لکھنے کی ہمیشہ توفیق عطا فرمائے۔ باقی تمام کہانیاں بھی بہترین تھیں۔ محترمہ نگہت غفار صاحبہ آپ نے میرا تبصرہ پسند فرمایا آپ کے خط میں اپنا نام پڑھ کر اور بہترین دعائیں جو آپ نے دی ہیں بہت ہی خوشی ہوئی۔ بس آپ سے اک عرض ہے کہ اپنی دعاؤں میں میرا نام لے کر مجھ ناچیز کو یاد رکھا کریں۔'' (بہت شکریہ حافظہ، ہم تو آپ کو اچھی طرح پہلے سے ہی جانتے ہیں)

تسنیم کوثر، کراچی سے۔ ''سالِ نو کا پاکیزہ پڑھا ماشاء اللہ زیادہ تر تحریریں بے حد عمدہ لگیں۔ افسانوں میں ابتدا نئے سال سال کی عائشہ تنویر کی کہانی اچھی لگی اور سلمیٰ غزل کی امید صبح کا جواب نہیں اتنی خوب صورت اسٹوری لکھنے پر سلمیٰ کو بہت مبارک باد...... عورت کہانی کے نام سے جو نیا سلسلہ شروع ہوا ہے، اس میں فرحین اظفر نے کیا خوب لکھا۔ عورت کی پاکیزہ خوبی چٹانوں جیسی مضبوطی کو نہایت دلکش انداز میں پرو کر ایک مکمل اور جامع تحریر رقم کی ہے تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں، ویلڈن اسما طاہر کا تاراج ماؤں کے لیے زبردست میسج ہے کسی پر بھروسا نہ کریں اور اپنی بچیوں کو بچپن سے ہی مکمل لباس پہننے کی عادت ڈالیں۔ پل صراط نسرین جمل سیال کا ناول نہایت ہی اچھا لگا ہر لحاظ سے شاندار رہا مگر ہمیں ایسا لگا کہ اس کا اینڈ ناول سے سوٹ نہیں کر رہا تھا۔ اور خاص طور پر ناول کے آخری صفحات تو ناول کی کہانی سے بالکل جداگانہ لگ رہے تھے۔ آپ کا کیا خیال ہے نزہت ...... (نسرین جمیل نے سچی کہانی پیش کی اب یہ وضاحت وہ خود دیں گی) میں اکثر گنگناتی ہوں بہترین سلسلہ ہے مگر ہمیں اس میں نظر انداز کیوں کیا؟ شمع ہدایت میں اختر شجاعت کا تواضع توفیق الٰہی پر لکھا مضمون دل میں گھر کر گیا۔ اتنا سحر انگیز جاندار مضمون لکھنے پر اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے، امرت اور یہ کہاں بچیں کہ دل ہے بھی ماشاء اللہ نکھرتا جا رہا ہے۔ وہ آئے بزم میں دلشاد نسیم سے ملاقات اچھی لگی۔ آخر میں بہنوں کی محفل تو سمجھو گویا جان ہے پاکیزہ کی تمام بہنیں بہت عمدہ خطوط لکھتی ہیں اور آپ کے معصوم سے ننھے منھے جواب تو دھوم مچا دیتے ہیں۔'' (پیارے سے تبصرے کا شکریہ، تسنیم ہماری ادارتی ٹیم ہے جو مل کر یہ کام کرتی ہے جس کے بارے میں آپ نے پوچھا یہ اور اس کے علاوہ آپ قارئین جو بھیجتے ہیں وہ دعاؤں میں شامل کر لیتے ہیں)

☒ طلعت تنویر، گاؤں متھرا پشاور۔ آپ کی رائے بہت قیمتی ہے، دور دراز سے جو بہنیں فون کرتی ہیں، وہ سب قابلِ قدر ہیں، ہماری کوشش ہوتی ہے کہ پاکستان کے چپے، چپے میں پاکیزہ پہنچایا جائے۔ آپ لوگوں کو مشکل سے ملتا ہے اس کے لیے معذرت انشاءاللہ یہ شکایت بھی دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

☒ فہمی فردوس، گوجرانوالہ۔ آپ مایوس نہ ہوں کہانی بھی ضرور لگ جائے گی۔

☒ کلثوم علی، تلہ گنگ چکوال۔ رسالے کی پسندیدگی کا شکریہ، کہانی بھی جلد لگے گی۔

✉ عائشہ، لکی مروت۔ ''باجی مجھے پاکیزہ بہت اچھا لگتا ہے، ہم یہاں بہت شوق سے پڑھتے ہیں، میری دوستیں اور کزن بھی پڑھتی ہیں۔''

✉ بنت زہرا ثانی، کراچی سے۔ ''باجی میں ہر ماہ دیکھتی ہوں رسالہ، آخر میری کہانی کب لگے گی۔'' (جی بہت جلد، پریشان نہ ہوں)

✉ لبنیٰ قدیر، لاہور سے۔ ''پاکیزہ ایک میچور اور بہت سبق آموز رسالہ ہے، تفریح کے ساتھ با مقصد تحریر ہی قلم کا حق ادا کرتی ہے آپ لوگ بہت اچھا کام کررہے ہیں۔'' (بہت شکریہ)

✉ شاہدہ، ملتان سے۔ ''آپی یوں تو تمام بہنیں ہی آپس میں ایک تعلق رکھتی ہیں پھر دوستی، درد، احساس کا رشتہ ہے (یہ تو ہے) میرا دل امینہ عندلیب کے لیے بہت دکھتا ہے بس ان سے بات کرنا چاہتی ہوں۔'' (جی پاکیزہ کے ذریعے ضرور کیجیے)

☒ حنا بشریٰ، لاہور۔ آپ کی کہانی بھی جلد لگے گی، پاکیزہ کے مطالب پسند کرنے کا شکریہ۔

✉ زرمینہ خان، بہارہ کہو سے۔ ''باجی ویسے تو اس دفعہ کا بھی سارا پاکیزہ ہی بہت عمدہ ہے بس ایک سیما رضا کی کہانی سائن ان میں کچھ کمی لگ رہی ہے ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ آج کل کے ماڈرن دور میں نیٹ پر رابطہ ہی نہ ہوا ہو اور اتنا بڑا حادثہ لڑکی کے ساتھ ہوجائے اس کے علاوہ سروے اور گوشۂ ظرافت بہت پسند آیا ہے اگلے ماہ تفصیلی تبصرہ کروں گی۔'' (جی ضرور کریں...... آپ کا اعتراض مصنفہ تک پہنچا دیا گیا ہے ہم نے پہلے ہی بات کی تھی آپ کوئٹہ کے حالات جاننے کو افسانہ دوبارہ پڑھیں اور آئندہ ماہ انشاءاللہ رائٹر بھی آپ کی تسلی کرادیں گی)

✉ ممتاز خانم، کراچی سے۔ ''میرے خواب چھین لو، دسمبر میں عقیلہ حق کا یہ افسانہ حقیقی زندگی کے تمام بدصورت رنگ دکھاتا سیدھا دل میں اتر گیا۔ ویلڈن عقیلہ، باقی رسالہ بھی بہت خوب تھا۔ پاکیزہ تو پسندیدہ رسالہ ہے۔'' (شکریہ)

✉ ایک مخلص قاری، کراچی سے۔ ''باجی ایک تجویز ہے کہ آپ ہماری شاعری اصلاح کے بعد ضرور لگایا کریں اس طرح ہماری رہنمائی بھی ہوگی۔ ہمارا دل چاہتا ہے کہ شاعری بھیجیں۔'' (جی ضرور بھیجیں، قابلِ اشاعت ہوگی تو ضرور لگے گی۔ مخلص قاری کا کوئی نام بھی ضرور ہوگا)

☆☆☆

اچھا تو بہنو! اب اجازت دیں کہ آپ کی آنکھیں فی الحال تھک گئی ہوں مگر نہیں...... اتنے پیارے، پیارے شبنم جیسے خطوط تو تازگی دیتے ہوں گے ناں...... جن بہنوں کے نامے رہ گئے ان سے معذرت...... اگلی دفعہ پہلے آپ ہی شامل ہوں گی۔ پُرخلوص دعاؤں اور نیک خواہشات کے ساتھ وقتی طور پر خدا حافظ کرتے ہیں۔

پروردگارِ عالم ہمیں راہِ ہدایت پر چلا، اپنی عطا، اپنے کرم، اپنے جود و سخا کو ہم پر جاری و ساری رکھ اور ہمارا خاتمہ بالخیر ہو، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے تو ہی علیم ہے، حکیم ہے، خبیر ہے۔

آپ کی خیریت کی طالب

نزہت اصغر

پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.c فیز III ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500

فون نمبر 021-35804200 , 021-35386783,021-35802552 EXT 107,118



پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ آفاق سعید

حمد

ہر قدم اِک امتحاں ہے ہر گھڑی اِک ابتلا
مشکلیں آسان کردے اے مرے ربِّ علیٰ
تیرا کرم تیری عطا، سنتا ہے تو پھر بھی دعا
سب ہی کا تو رازق ہے، وہ بادشہ ہو یا گدا
پھولوں کی اِک رنگیں قبا پہنے ہے سارا گلستاں
یہ جگمگاتا آسماں تاروں بھری جیسے ردا
میں تو بکھر کر رہ گئی تھی سازشوں کے درمیاں
تیرا کرم سجدوں سے دی تو نے سکوں کی ہر دوا
لطف و کرم یمنیٰ پہ کر، وہ طالبِ انوار ہے
ظاہر نہیں تو خواب ہی میں طور کا جلوہ دکھا

کلام: یمنیٰ احمد، کراچی

نعتِ رسولؐ

مری زندگی مری ہر خوشی
تری یاد کی ہے یہ روشنی
مرے تارِ نفس حیات پر
ہے بسی ہوئی یہی روشنی
کوئی درد ہو کوئی فکر ہو
ترا نام لب پہ جو آ گیا
ہوئے دور درد کے سلسلے
کوئی روشنی سی چمک گئی
نہ کمالِ زندگی کوئی پا سکا
نہ جمال تیرا سا آ سکا
تو حبیبِ ربِ کریم ہے
ترا نام زیست کی چاندنی
وہی ساعتیں وہی راحتیں
جو قریب تیرے گزر گئیں
وہی رازدارِ نفس ہوئیں
وہی مہرِ جاں وہی آگہی
کوئی نذرِ جاں بھی کروں تو کیا
نہ خلوصِ دل نہ وفائے جاں
وہی مخفی دلِ زار ہے
وہی دھڑکنیں وہی خامشی

کلام: فریدہ ہاشمی مخفی، کراچی

عقیدت کے پھول

نظروں میں بسی ہے تصویر حرم کی
طالب ہوں میرے مولیٰ بس تیرے کرم کی
ہر راہ جاتی ہے یوں جانب حرم کی
پہنچوں جو وہاں تو بارش ہو کرم کی
سر رکھ دیا ہے چوکھٹ پر حرم کی
کیسے کروں تعریف بیاں تیرے کرم کی
اُٹھتی ہیں نگاہیں جب سمت حرم کی
دِکھتی ہے ضیا ہر سو تیرے کرم کی

عقیدت گزار، عالیہ ضیا، کراچی

نعتیہ کلام

بڑا لُطف دیتا ہے نام محمدؐ
قلب و جاں سے ہے پیارا نام محمدؐ
چومے جاؤں میں اس انمول مٹی کو
بنایا جس سے مصور کائنات نے ہمارا محمدؐ
تکتی رہوں میں صدیوں تک ان گلیوں کو
قدم، قدم چلتے رہے ہیں جن میں آقا محمدؐ
بڑی ہی چاہت ہے مجھے اس شہر سے عظمیٰ
جس میں ہیں سوئے بڑے سکون سے دلارے محمدؐ

عقیدت گزار، عظمیٰ زہری، اوستہ محمد

نیت

محبت کی نمازوں میں نیت خالص ہی رکھتے ہیں
یہاں تکنے وہاں تکنے سے نیت ٹوٹ جاتی ہے
نمازیں چھوٹ جاتی ہیں......

از: فرح طاہر، ملتان

باتیں یاد رکھنے کی

☆محبت پانا ہر کسی کے لیے ممکن نہیں مگر محبت پھیلانا ہر ایک کے لیے ممکن ہے۔

☆خوش اخلاقی پر کچھ خرچ نہیں ہوتا بلکہ آپ کا وقار بڑھا دیتی ہے۔

☆انسان کو بادِ صبا کی طرح ہونا چاہیے کہ ہر کوئی اس کے آنے کا انتظار کرے۔

☆اللہ تعالیٰ سے معاملہ درست رکھو جب وہ دیتا ہے تو کوئی روک ہی نہیں سکتا۔

☆دل کی سلیٹ پر لکھنے سے پہلے یہ سوچ لیں کہ یہ نقش مٹائے نہیں مٹتا۔

☆کسی کا دل نہیں دُکھاؤ ایسا نہ ہو کہ اس کے آنسو تمہارے لیے سزا بن جائے۔

از: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

اداس موسم

اداس موسم
اے میرے ہمدم
زخم بھی دیں تو یوں مسکرانا
کہ جیسے کوئی دعا ملی ہو
دعا وہ جس کی قبولیت کا قوی یقیں ہو
اداس موسم میں مسکرانا
اداسیوں کو بھی تم سکھانا
کہ کوئی موسم اداس نہ ہو

شاعرہ: ثنا شیخ، کراچی

گفتگو کا سلیقہ

ایک دفعہ ہارون رشید نے خواب میں دیکھا کہ میرے بہت سے دانت ٹوٹ کر گر پڑے ہیں، صبح ہوئی تو عالموں کو بلا کر خواب کی تعبیر پوچھی۔ ایک شخص نے کہا آپ کے اکثر عزیز آپ کے سامنے مر جائیں گے، یہ بات ہارون رشید کو اس قدر ناگوار گزری کہ اس شخص کو اسی وقت دربار سے نکلوا دیا۔ پھر دوسروں سے پوچھا اور جواب سے ناخوش ہو کر یہی سلوک کیا۔ آخر ایک موقع شناس درباری نے عرض کی جہاں پناہ......حضور کا خواب بہت مبارک ہے جس کی تعبیر یہ ہے کہ خدا حضور کو ایسی لمبی عمر عطا فرمائے گا کہ حضور کے جیتے جی شاہی خاندان میں شادی اور غم کی اکثر رسمیں انجام پائیں گی۔ دانا کے جواب سے ہارون رشید خوش ہو گیا اور انعام و خلقت دے کر ارشاد فرمایا ”میں خوب سمجھتا ہوں کہ مطلب سب کا ایک ہی ہے مگر بیان کرنے کا ڈھنگ جدا، جدا ہے۔ آخری درباری کو گفتگو کا سلیقہ ہے جو پہلے والوں میں نہیں، اسی لیے ان کے ساتھ یہ بدسلوکی کی گئی ہے۔“

از: عامرہ، لاہور

غزل

کبھی بن سنور کے جو آ گئے تو بہارِ حسن دکھا گئے
مرے دل کو داغ لگا گئے یہ نیا شگوفہ کھلا گئے
کوئی کیوں کسی کا لبھائے دل کوئی کیا کسی سے لگائے دل
وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے
میرے پاس آتے تھے دم بدم وہ جدا نہ ہوتے تھے ایک دم
یہ دکھایا چرخ نے کیا ستم کہ مجھی سے آنکھیں چرا گئے
جو ملاتے تھے میرے منہ سے منہ کبھی لب سے لب کبھی دل سے دل
جو غرور تھا وہ انہی پہ تھا وہ سبھی غروروں کو ڈھا گئے
بندھے کیوں نہ آنسوؤں کی جھڑی کو یہ حسرت ان کے گلے پڑی
وہ جو کلیں تھیں بڑی، بڑی وہ انہی کے بیچ میں آ گئے

انتخاب: نفیسہ آرا، راس الخیمہ

غائب دماغی

ایک پروفیسر صاحب گھر کے برآمدے میں داخل ہوئے تو ان کی بیوی نے باہر سڑک پر جھانک کر دیکھا۔
”ارے آپ کار کہاں چھوڑ آئے؟“ بیوی نے حیرت سے پوچھا۔

”کار.....“ پروفیسر نے سوچتے ہوئے کہا۔ ”میں نے راستے میں ایک صاحب کو لفٹ دی تھی۔ یہاں پہنچ کر میں نے ان کا شکریہ ادا کیا' معلوم نہیں پھر کار کہاں چلی گئی۔“

از: صبا نور' لیہ

غزل

غم کی بارش نے بھی تیرے نقش کو دھویا نہیں
تو نے مجھ کو کھو دیا، میں نے تجھے کھویا نہیں
نیند کا ہلکا گلابی سا خمار آنکھوں میں تھا
یوں لگا جیسے وہ شب کو دیر تک سویا نہیں
ہر طرف دیوار و در اور ان میں آنکھوں کے ہجوم
کہہ سکے جو دل کی حالت وہ لبِ گویا نہیں
جرم آدم نے کیا اور نسل آدم کو سزا
کاٹتا ہوں زندگی بھر میں نے جو بویا نہیں
جانتا ہوں ایک ایسے شخص کو میں بھی منیرؔ
غم سے پتھر ہو گیا لیکن کبھی رویا نہیں

محبت اب نہیں ہوگی

ستارے جو دمکتے ہیں
کسی کی چشم حیراں میں
ملاقاتیں جو ہوتی ہیں
جمال ابرو باراں میں
یہ نہ آباد وقتوں میں
دل ناشاد میں ہوگی
محبت اب نہیں ہوگی
یہ کچھ دن بعد میں ہوگی
گزر جائیں گے جب یہ دن
یہ ان کی یاد میں ہوگی

نشا علی، حیدر آباد

یاد بہت تم آتے ہو

جب رات کی ناگن ڈستی ہے
نس نس میں زہر اترتا ہے
جب چاند کی کرنیں تیزی سے
اس دل کو چیر کے آتی ہیں
جب آنکھ کے اندر ہی آنسو
زنجیروں میں بندھ جاتے ہو
سب جذبوں پر چھا جاتا ہو
جب یاد بہت تم آتے ہو

سدرہ کلثوم، لکی مروت

سنہری کرنیں

☆ برا وقت وہ شفاف آئینہ ہے جو بہت سے چہرے واضح کر دیتا ہے۔

☆ کائنات میں کوئی اتنی شدت سے کسی کا انتظار نہیں کرتا..... جتنا اللہ اپنے بندے کی توبہ کا کرتا ہے۔

☆ خوشی میں کوئی دوست شامل ہو تو خوشی بڑھ جاتی ہے۔ اور غم میں اگر دوست ساتھ دے تو غم گھٹ جاتا ہے۔

☆ اچھے دوست آنکھ اور ہاتھ کے مانند ہوتے ہیں، جب ہاتھ کو تکلیف ہوتی ہے تو آنکھ روتی ہے اور جب آنکھ روتی ہے تو ہاتھ آنسو پونچھتے ہیں۔

☆ پاؤں پھسل جائے تو جسمانی چوٹ لگے گی مگر زبان کو نہ پھسلنے دو یہ روحانی چوٹ کا باعث ہو سکتی ہے۔

☆ صبر اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہونے والا بہت بڑا تحفہ ہے۔

☆ تہجد کے وقت آنکھ کھلے تو سمجھ لو آسمان سے کال آئی ہے، سمجھدار ہو تو وصول کر لو۔

☆ جتنی محنت سے لوگ جہنم خریدتے ہیں، اس سے آدھی محنت میں جنت ملتی ہے۔

از: یاسمین اقبال، لاہور

ہم مسافر ہیں میری جان

ہم مسافر ہیں میری جان مسافر تیرے
ہم تو بارش سے بھی ڈر جاتے ہیں
اور دھوپ سے بھی
اپنے قدموں کے نشانوں سے مٹائیں جو لہو کے دھبے
راستے غصے میں آ جاتے ہیں
ہم مسافر ہیں میری جان مسافر تیرے

کرائیوں کو ترستے ہوئے خیموں میں گھرے
گھر سے گھبرائے ہوئے یوں ہی ہوا کرتے ہیں
اجنبی شہروں کے وہموں میں پڑے
خوف اور عدم تحفظ سے چراتے ہیں نگاہیں
اور کہیں اور ہی جا پڑتے ہیں
کب تلک کون ہمیں رکھے گا جہاں میں محبت کے سوا
اور کسی روز ہمیں یہ بھی کہے گی کہ خدا ہی حافظ
ہم جو لوگوں سے جھجکتے ہیں تو مجبوری ہے
ہم جو رستوں میں بھٹکتے ہیں تو مجبوری ہے
ہم مسافر ہیں میری جان مسافر تیرے
ہم اگر تجھ سے بچھڑتے ہیں تو محصوری ہے

کلام: رابعہ سرفراز
پسند: ناظمہ شاہین اعوان، واہ کینٹ

ڈرا ہی دیا تھا

ایک صاحب جدید ترین اور بے حد قیمتی کار میں اپنی محبوبہ سے ملنے گئے۔ اسے کار میں بٹھایا اور شہر سے باہر ایک پُر فضا مقام پر پہنچ گئے۔ ایک گھنٹا گزارنے کے بعد وہ ہکلاتے ہوئے شرمندگی سے یوں بولے۔

''میں تم سے کیا کہوں مگر...... آج نہیں تو...... کل یہ حقیقت کھلے گی کہ میں...... شادی شدہ ہوں۔'' محبوبہ ہنس کر بولی۔

''تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا میں سمجھی کہ تم یہ کہنے والے ہو کہ یہ کار تمہاری نہیں ہے۔''

شادی

پارک میں بیٹھے باتیں کرتے، کرتے اچانک محبوبہ کسی بات پر روٹھ کر بولی۔

''دیکھو تم مجھے اتنا تنگ نہ کیا کرو ورنہ میں شادی کے بعد گن، گن کر بدلے لوں گی۔''

''کس سے؟'' محبوب نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

''تمہاری بھی شادی طے ہو گئی ہے کیا؟''

مرسلہ: عروبہ ناز۔ کوٹلی

بچپن

انسان کی زندگی کا بہترین دور جو سب سے خوب صورت اور حسین ہوتا ہے، صبح ہوئی سو کے اٹھے، ناشتا کیا، تیار ہوئے اور اسکول چل دیے۔ کھانے کی چھٹی ہوئی ڈبا نکال کے کھائے یا پانی پیا اور دوبارہ پڑھائی کے لیے تیار، نہ کمانے کی فکر اور نہ خرچ کی سوچ، شام کا بہترین وقت بھائی بہنوں کے ساتھ کھیل کر تمام کیا۔ دوبارہ کھایا اور سو گئے۔ روٹین لائف کا بھی ایک اپنا ہی الگ مزہ ہوتا ہے۔

بچپن کے دن بُھلا نہ دینا
آج ہنسے کل رُلا نہ دینا

اور

اڑنے دو پرندوں کو ابھی شوخ ہوا میں
پھر لوٹ کے بچپن کے زمانے نہیں آتے

جب، جب وہ بے فکری کے دن یاد آتے ہیں، بے ساختہ یہ مصرع زبان پر آجاتا ہے۔

کوئی لوٹا دے میرے بیتے ہوئے دن

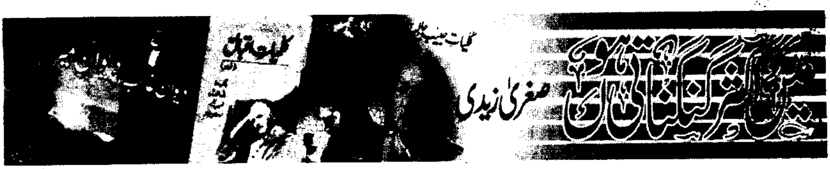
تحریر: فریدہ فضل ڈلاس، یو ایس اے

غزل

پھر سے دل گرفتہ ہوں
بد حال اور شکستہ ہوں
جو کسی کو نہ آئے
یاد وہ گم گشتہ ہوں
نہ میرا تذکرہ کوئی
ہے اس کی نرم باتوں میں
میں کہ اس کے آنگن کی
محبت گزشتہ ہوں
زخم، زخم ہوں میں بھی
کیسے جانے گا کوئی
دکھنے میں تو اے صاحب
میں گل بدن شگفتہ ہوں

شاعرہ: سیدہ علیشاہ، بہاول پور

☆☆☆



☆حسینہ ممتاز خان......اسلام آباد

زخم بڑھتا ہی رہا اور دوا ہو نہ سکی
ہم وفا کرتے رہے اوران سے وفا ہو نہ سکی

☆صبا سجاد......دبئی

کتنے حسین لوگ تھے جو مل کے ایک بار
آنکھوں میں جذب ہو گئے دل میں سما گئے

☆یاسمین کنول......پسرور

میرے مولا یہ التجا ہے میری
پُرسکوں دہر کی فضا کر دے

☆جبیں نیاز......ملتان

میرے وطن تیری گلیاں سدا مہکتی رہیں
ہرے درختوں پر چڑیاں سدا چہکتی رہیں
ہوائیں امن کی چلتی رہیں مکینوں پر
نکھار آتا رہے سبز تر زمینوں پر

☆سارہ شاہ......لالہ موسیٰ

پھر گلاب کا موسم اس کی ترجمانی ہے
پھر وہی محبت ہے پھر وہی کہانی ہے
فیصلوں کے لمحوں میں یاد ہی نہیں ہم کو
کس نے سر جھکایا تھا کس نے ہار مانی ہے

☆سعیدہ بانو......لوئر مال، مری

نظر انداز کرتے ہو لو ہٹ جاتے ہیں نظروں سے
انہی نظروں سے ڈھونڈو گے نظر جب ہم نہ آئیں گے

☆عنبر وسیم......گوجرانوالہ

خدا کرے آئے وہ بھی دن
تجھے چین آئے نہ مجھ بن
تو گلے ملے میں پرے ہٹوں
میری منتیں تو کیا کرے

☆حرا قریشی......ملتان

تو فراہم نہ ہو مجھ کو، یہ ہے مرضی تیری
تجھ کو جب چاہوں بلا لوں یہ اجازت مجھے دے

☆نازیہ نزی......نوشہرہ کینٹ

چھین کر لے گئی مجھ سے مری پونجی دنیا
کھو دیا میں نے محبت میں کمایا ہوا شخص

☆امینہ مشیر......نئی دہلی

بہت نزدیک رہ کر بھی انائیں ایک جیسی ہیں
تکلم وہ نہیں کرتے، مخاطب ہم نہیں کرتے

☆نورین ولی......کوٹ ادو

آ تیری آنکھوں میں گلاب دھروں
کہ خواب خوشبو میں کھل کے آئیں تجھے

☆بیگم تسنیم علی......ضلع جہلم

میں تجھ کو اس لیے آنکھوں سے اوجھل کر نہیں سکتا
کہ کھو جائے تو بینائی بڑی مشکل سے ملتی ہے

☆ممتاز خانم......کراچی

کتنا ہے سخت جان مرا ذوق زندگی
سو بار مٹ چکا ہے ترا سنگِ آستاں

☆نسا آصف اعوان......عارف والہ

سرزد ہم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی
کوسوں اس کی اور گئے پر سجدہ ہر، ہر گام کیا

☆رفیعہ ابدالی......کراچی

کچھ نظر آتا نہیں ان کے تصور کے سوا
حسرتِ دیدار نے آنکھوں کو اندھا کر دیا

☆رابعہ نورین......راول پنڈی

نظر سے دور ہو کر بھی یہ تیرا رو برو رہنا
کسی کے پاس رہنے کا سلیقہ ہو تو تم سا ہو

☆نگہت اعوان......سرگودھا
رکھتے ہیں لوگ پچھلے مراسم کا کچھ لحاظ
اس نے تو ہم سے یہ بھی مروت نہیں رکھی

☆ظل شاہین......رحیم یار خان
تم مجھ میں اترو میرے لہو کی طرح
میری روح کے رقیب ہو جاؤ
تم جو چھولو درد گھٹ جائے
آؤ میرے طبیب ہو جاؤ

☆غزالہ طارق......سرگودھا
قصور تو بہت کیے ہیں زندگی میں
پر سند وہاں ملی جہاں بے قصور تھے ہم

☆پروین افضل شاہین......بہاول پور
جن سے ملنا قسمت میں نہ ہو صاحب
ان سے محبت، کمال ہوتی ہے

☆صائمہ سید......کراچی
ان کو بُلا کے اور پشیماں ہوئے جگر
یہ کیا خبر تھی ہوش میں آیا نہ جائے گا

☆زریں مشتاق......منڈی بہاؤالدین
جس کسی کی یاد آئے تلملا جاتا ہے دل
جگمگا اٹھتی ہے کچھ اس شان سے بزمِ وفا

☆نگینہ ضیا بنگش......کراچی
رنگِ محفل دیکھنے کو ہوش میں آئے تھے ہم
ہوش اب اڑنے لگے ہیں رنگِ محفل دیکھ کر

☆تسنیم کوثر......کراچی
جفا جو عشق میں ہوتی ہے، وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں، کچھ مزہ ہی نہیں

☆ثمینہ کوکب......جہلم
اسے کہنا سدا موسم بہاروں کے نہیں رہتے
سبھی پتے بکھرتے ہیں ہوا جب رقص کرتی ہے

☆نسرین کمال......راول پنڈی
الاؤ بن کے دسمبر کی سرد راتوں میں
ترا خیال دل کے طاقچوں میں جلتا ہے

☆عروبہ ناز......کوٹلی
مانا سکوں نواز ہے ہر شے بہار میں
تیرے بغیر چین نہ آئے تو کیا کروں

☆نیلوفر خان......بہارہ کہو
یہ خود کو لبادوں میں چھپانے والے
بات کرتے ہیں تو اوقات نکل آتی ہے

☆شاہانہ......جیکب لائنز، کراچی
اب کیا کہیں کہ تم سے محبت ہی اور ہے
لیکن درونِ دل تو روایت ہی اور ہے
ممکن ہے تیرے حق میں نہ ہو فیصلہ کوئی
یہ دل ہے اور دل کی عدالت ہی اور ہے

☆نگہت اعوان......سرگودھا
میں تجھے ڈھونڈنے یادوں کی کھلی سڑکوں پر
خشک پتوں کی طرح روز بکھر جاتا ہوں

☆ثروت سجاد......لندن
بے ہنر لوگ کہاں اور سچائی کہاں
اب کتابیں کسی دریا میں بہادی جائیں

☆مسز نگہت غفار......کراچی
کچھ صبحِ تمنا کے تقاضوں کو بھی سمجھو
کافی نہیں کہنا کہ سحر ہو کے رہے گی

☆آسیہ عاشق......کینیڈا
اِک چراغ سینے میں بچ گیا تھا بجھنے سے
سانس آتے جاتے میں اب بھی ہاتھ ملتی ہے

ستارہ شاہ وراث......راول پنڈی
منزلیں راستوں کی دھول ہوئیں
پوچھتے کیا ہو تم مسافت کی
کون کس کے لیے تباہ ہوا
کیا ضرورت ہے اس وضاحت کی

☆فرخندہ اعوان......سرگودھا
متاعِ زیست میں شامل رہے ہزاروں رفیق
وہ جس کی چاہ تھی دل کو وہی مگر نہ ملا

☆☆☆

منتخب غزلیں

بہترین شعری ذوق رکھنے والے اپنے پاکیزہ قارئین کی خدمت میں بین الاقوامی شہرت یافتہ
مقبول عام شاعر فیض احمد فیض کا خوبصورت کلام حاضر ہے . . .

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں
کسی بہانے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں

حدیثِ یار کے عنواں نکھرنے لگتے ہیں
تو ہر حریم میں گیسو سنورنے لگتے ہیں

ہر اجنبی ہمیں محرم دکھائی دیتا ہے
جواب بھی تیری گلی سے گزرنے لگتے ہیں

صبا سے کرتے ہیں غربت نصیب ذکرِ وطن
تو چشمِ صبح میں آنسو ابھرنے لگتے ہیں

وہ جب بھی کرتے ہیں اس نطق و لب کی بخیہ گری
فضا میں اور بھی نغمے بکھرنے لگتے ہیں

درِ قفس پہ اندھیرے کی مہر لگتی ہے
تو فیض دل میں ستارے اترنے لگتے ہیں

کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں کب ہات میں تیرا ہات نہیں
صد شکر کہ اپنی راتوں میں اب ہجر کی کوئی رات نہیں

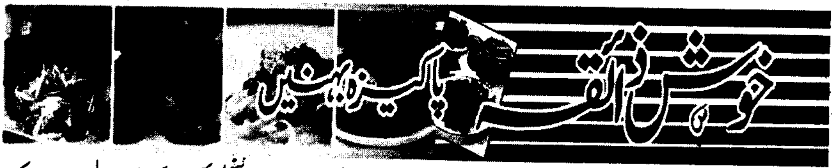
مشکل ہیں اگر حالات وہاں دل بیچ آئیں جاں دے آئیں
دل والو کوچۂ جاناں میں کیا ایسے بھی حالات نہیں

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جاں کی تو کوئی بات نہیں

میدانِ وفا دربار نہیں یاں نام و نسب کی پوچھ کہاں
عاشق تو کسی کا نام نہیں کچھ عشق کسی کی ذات نہیں

گر بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا ہارے بھی تو بازی مات نہیں

13 فروری 1911ء تا 20 نومبر 1984ء



سبزیوں کا سوپ

اشیا: موسم سرما کی تازہ اور مزیدار سبزیوں کا سوپ اس موسم میں بہت لطف دیتا ہے اور بنانا بھی نہایت آسان ہے۔

ترکیب: آلو، شملہ مرچ، مٹر (ایک کپ) شلجم، گاجر، ٹماٹر، اپنی پسند کے حساب سے لے لیں۔ دو، دو عدد بھی کافی ہوں گے۔ ثابت کالی مرچ، نمک، لہسن، ایک پوتھی۔ ادرک، دو انچ کا ٹکڑا مزید ذائقے کے لیے مرغی کی ہڈیاں یا بکرے کی ہڈی گڈی بھی ڈال سکتے ہیں۔ ایک پتیلے میں تمام اشیا ڈال کر خوب زیادہ پانی بھر کر چولھے پر چڑھائیں۔ جب پانی آدھا رہ جائے اور چیزوں کا عرق بھی اچھی طرح نکل جائے تو چھان کر استعمال کریں۔ اپنی پسند سے لیموں اور کالی مرچ یا پسا زیرہ چھڑک کر بھی پی سکتے ہیں، نہایت مفید اور مزیدار سوپ بنتا ہے۔

از: نفیسہ آرا، راس الخیمہ

سگ پیتا

چقندر کے پتے اور مونگ کی چھلکا دال

دال ساگ تو عام طور پر بنتا ہی ہے مگر چقندر کے نرم ڈنٹھل اور پتوں سے بہت مزیدار دال بنتی ہے۔ چقندر ایک بہت مفید، کارآمد اور صحت بخش سبزی ہے۔ چقندر کی سادہ سبزی، چقندر گوشت، چقندر قیمہ اور چقندر کی سلاد کے ساتھ، ساتھ چقندر کا جوس اور حلوا بھی پسند کیا جاتا ہے۔ آج چقندر دال آپ کے لیے بنائی جا رہی ہے تو جلدی سے اشیا نوٹ کر لیں۔

چقندر کے تازہ پتے آدھا کلو۔ دال مونگ چھلکا، دو کپ، ادرک، لہسن، دو ٹیبل اسپون (دونوں باریک کاٹ لیں) زیرہ ثابت آدھا ٹی اسپون کٹی سرخ مرچ حسبِ ذائقہ۔ ہری مرچ باریک کاٹ لیں وہ بھی اپنے ذائقے کے حساب سے لے لیں۔ ہلدی، ایک ٹی اسپون۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ بگھار کے لیے تیل، کڑی پتا، ثابت سرخ مرچ، سفید زیرہ، ایک ٹی اسپون۔ ایک پیاز درمیانہ لے لیں، باریک کاٹ لیں۔

عام دالوں کی طرح دال مونگ صاف کر کے دھو لیں۔ چقندر کے پتے اور نرم ڈنٹھل بھی باریک کاٹ لیں۔ پتوں کو بہت خیال سے دھوئیں کہ کرکراہٹ نہ رہ جائے۔ دیگچی میں دال اور پتے ایک ساتھ زیادہ پانی ڈال کر چڑھا دیں۔ اس میں ہلدی، نمک، مرچ، زیرہ، لہسن، ادرک ڈال کر دال خوب گلا لیں۔ دونوں چیزیں تقریباً گھل جائیں تو مناسب پانی رکھ کر چولھے سے اتار لیں اور بتائی گئی اشیا تیل میں کڑکڑا کر اچھا سا بگھار لگائیں۔ سادہ ابلے چاول یا چپاتی کے ساتھ بہت مزے سے کھائیں۔

از: نگہت زیدی، بہارہ کہو

قندھاری کوفتے

اشیا: چکن، بیف، مٹن، قیمہ، 500 گرام۔ (ایک بار مشین سے نکال لیں) پسی دار چینی، 1/2 چائے کا چمچ۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ تیل، حسبِ ضرورت۔ پیاز، 1/2 کپ۔ ادرک، لہسن پیسٹ، 2 کھانے کے چمچ۔ دھنیا، (پسا ہوا) 1 چائے کا چمچ۔ لال مرچ (پسی ہوئی)، 1 چائے کا چمچ۔ ٹماٹر کا گودا، 1/2 کپ۔ انار کا جوس، 2 کھانے کے چمچ۔ بالائی، 1/2 کپ۔ انڈے کی سفیدی، 1 عدد۔ کاجو پیسٹ، ایک چمچ۔

ترکیب: قیمے میں حسبِ ضرورت پسی ہوئی دار چینی اور انڈے کی سفیدی اچھی طرح ملا لیں اور کوفتے کی شکل کے بالز بنا کر رکھ دیں۔

ایک پین میں تیل گرم کر لیں۔ پیاز ڈالیں جب ہلکا سنہری ہو تو نکال کر پیس لیں اور پھر یہ پسی پیاز اسی تیل میں ڈالیں۔ ادرک لہسن پیسٹ ڈالیں ہلکا سا بھونیں پھر لال مرچ اور دھنیا پسا ہوا بھی ڈالیں پھر ٹماٹر کا پیسٹ اور کاجو پیسٹ بھی ملائیں اور اچھی طرح بھونیں۔ جب مسالا اچھی طرح بھن جائے تو ایک گلاس پانی ڈالیں۔ ابال آنے پر کوفتے ڈالیں اور تھوڑی، تھوڑی دیر پین کو ہلاتے رہیں، چمچہ بالکل نہ استعمال کریں، تھوڑی دیر بعد انار کا جوس اور گرم مسالا ڈالیں۔ آخر میں بالائی ڈال کر ہلکا سا ملائیں اور اتار لیں۔ قندھاری کوفتے نان کے ساتھ نوش فرمائیں۔

از: نگہت اعوان، سرگودھا



بزم پاکیزہ — پاکیزہ بہنیں

پہلا انعام یافتہ سوال

☆مریم بنت کاشف، حیدرآباد
سوال: کیا کوئی گُر ہے کہ انسان زندگی بھر خوش رہ سکے؟
جواب: اللہ کی رضا میں راضی رہنا......

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆نسیم منظر، کراچی
سوال: دن میں تارے کب نظر آتے ہیں؟
جواب: اپنے سر پر ہتھوڑا مار کر دیکھ لو۔

☆ناعمہ تحریم، کراچی
سوال: کیا مظلوم کی آہ عرش کو ہلا دیتی ہے؟
جواب: جی بالکل......!
سوال: ہمارے سیاستدانوں کی طویل عمروں کا کیا راز ہے؟
جواب: الو کا بھیجا کھاتے ہیں اور چمگادڑ کے پائے۔
سوال: دنیا کا سب سے بدتر، خودغرض شخص کون ہے؟
جواب: خودغرض تو خود ہی بدترین ہوتا ہے اب اس سے بڑھ کر کیا ہوگا۔

☆بنت زہرا ثانی، کراچی
سوال: باجی عورت جلدی رنگ بدلتی ہے یا گرگٹ؟
جواب: ٹھہر جاؤ، میں ذرا تمہیں، مطلب ایک عورت اور ایک گرگٹ کو ساتھ، ساتھ دیکھوں تو بتاؤ۔

☆زرینہ خان، بہارہ کہو
سوال: چپ کا گڑ کھا کر کب بیٹھا جاتا ہے؟
جواب: جب ساس اماں کی تجوری سے خزانہ چوری ہو جائے اور شک تم پر، نہیں نہیں...... کسی اور پر ہو۔

☆فلک بنت عبدالندیم، حیدرآباد
سوال: کیا کبھی آپ کی آنکھیں چار ہوئی ہیں؟
جواب: ہاں عینک لگا کر۔
سوال: دل لگا کر پڑھائی کیسے کی جا سکتی ہے؟
جواب: ساتھ، ساتھ میوزک آن کرو اور اس میں دل لگا لو بات ختم۔
سوال: رسی جل جاتی ہے پر بل کیوں نہیں جاتا؟
جواب: اتنی کسی جو ہوتی ہے تو آسانی سے کس بل تو نہیں نکلتے ناں...... ریزہ، ریزہ کرنا پڑتا ہے۔

☆نسرین یاسین، لطیف آباد
سوال: کچھ گیری نہایت ہی مشکل فن ہے اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟
جواب: مشق، مشق اور مشق......
سوال: وہ مجھے پگلو کہہ کر بلاتے ہیں، میں انہیں کیا کہوں؟
جواب: پگلو کے دیوانے۔
سوال: عورت کو ناقص العقل کا خطاب کیوں ملا؟
جواب: خطاب دینے والے کو ڈھونڈیں گے پھر اس سے پوچھ کر بتائیں گے، جب تک کوئی دوسرا ''گھسا پٹا'' سوال سوچ لو۔

☆ماہ رخ، حیدرآباد
سوال: چوں، چوں کا مربہ کیسے بنایا جاتا ہے؟
جواب: پہلے کہیں سے ایک کلو چوں، چوں لاؤ پھر باقی کے اجزا بھی بتا دیں گے۔



چہرے کی حفاظت اور دیکھ بھال

ہر موسم کے لحاظ سے ہماری جلد کی حفاظت اور دیکھ بھال کا طریقہ بدل جاتا ہے اور موسم کے اعتبار سے یہ طریقہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ سردیوں کے موسم میں ہمارے ہاتھ اور پاؤں کی جلد یا کھال اترنے لگتی ہے۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ ہماری جلد نئے خلیات بناتی ہے اور پرانے خلیات اس اترتی ہوئی کھال کی صورت جھڑ کر گرنے لگتے ہیں۔ یہ عمل ہماری پوری جلد پر مستقل جاری رہتا ہے مگر بظاہر نظر نہیں آتا یا محسوس نہیں ہوتا۔ چہرے کی جلد پر بھی یہ عمل جاری رہتا ہے اور چہرے سے بھی ان مردہ خلیات کو جلد از جلد صاف کر دینا چاہیے۔ اس عمل کو کلینزنگ کہتے ہیں۔

رات کو سونے سے قبل نیم گرم پانی سے ہاتھ، پاؤں اور چہرہ دھولیں۔ تولیے یا نرم کپڑے سے ہلکے ہلکے تھپتھپا کر چہرہ صاف کریں۔ یاد رکھیں چہرے کی جلد کو ہرگز ہرگز رگڑ کر صاف نہ کریں۔ اس کے بعد کولڈ کریم کا مساج کریں۔ یا برسوں کا آزمودہ گلیسرین عرقِ گلاب اور عرقِ لیموں ہم وزن بنا کر رکھ لیں اس کے علاوہ روغن زیتون، روغن بادام اور روغن سفید تل ہم وزن ملا کر رکھ لیں اور رات کو ہاتھ، پیر، گردن کا مساج کریں۔ یہ تیل سر پر بھی لگا سکتے ہیں۔

☆ ناریل کے تیل میں موم ملا کر پھینٹ کر رکھ لیں رات سونے سے قبل اسے ہاتھ پیروں خصوصاً ایڑیوں پر ملیں۔

☆ روغن زیتون، روغن سورج مکھی ہم وزن لے کر اس میں پچاس گرام ہلدی یا زعفران کا سفوف شامل کر دیں اور گاڑھا سا پیسٹ بنالیں۔ اسے کسی جار میں ڈال کر رکھ لیں اور پوری سردیاں اس سے چہرے، ہاتھ، گردن کا مساج کریں اور پھر نیم گرم پانی سے دھولیں۔

☆ کچے دودھ پر آنے والے جھاگ کو نکال کر آنکھوں کے اردگرد مساج کریں یا پھر تیل سے جو بتایا گیا ہے۔

☆ موسمی پھلوں اور سبزیوں کا زیادہ سے زیادہ استعمال کریں۔ یہ آپ کی ظاہری خوب صورتی اور صحت کے لیے بہت مفید ہے۔

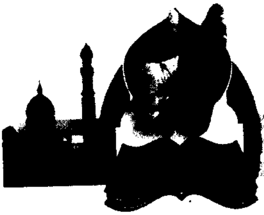
☆ سردیوں میں زیادہ گرم پانی سے نہانے سے جلد خشک ہوجاتی ہے، اس لیے کوشش کریں کہ تیز گرم پانی سے نہانے کے بجائے نیم گرم پانی استعمال کریں۔ جن افراد کی جلد خشک ہے وہ نہانے کے پانی میں تھوڑا کھوپرے کا تیل شامل کرلیں اس طرح ان کے جلد کی مطلوبہ نمی برقرار رہے گی۔

☆☆☆

شہد اور دہی کا مشترکہ استعمال

آج ہم آپ کو ایک نئے ماسک سے متعارف کروا رہے ہیں، جس کی خوبی یہ ہے کہ ہر طرح کی جلد کے لیے موزوں ہے۔ اور اس کے اثرات جلد پر بہت اچھے پڑتے ہیں، خصوصاً اگر میک اپ سے دو گھنٹے پہلے اسے استعمال کرلیا جائے تو میک اپ زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ اور چہرہ بھی دلکش لگنے لگتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے اجزا عام طور پر دستیاب ہوتے ہیں یعنی شہد اور دہی ہر گھر میں استعمال ہوتے ہیں۔

ایک چمچ شہد، ایک چمچ دہی خوب پھینٹ کر چہرے، گردن اور ہاتھوں پر بھی لگائیں پھر نیم گرم پانی سے دھولیں۔



روحانی مشورے

ادارہ

اسمائے حسنیٰ

اسمائے مبارکہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

”اچھے نام خدا ہی کے خاص ہیں تو اسے انہی ناموں سے پکارو اور جو لوگ اس کے ناموں پر کفر کرتے ہیں انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو وہ بہت جلد اپنے کرتوت کی سزا پائیں گے۔“

پس! اللہ کے اسمائے مبارکہ کے ساتھ اللہ کو عاجزی سے پکاریں، اپنے دینی اور دینوی مسائل کے حل کے لیے بس اسی سے مدد مانگیں۔ اس یقین کے ساتھ کہ وہ دعاؤں کو سننے والا اور انہیں قبول کرنے والا ہے۔

اسمائے حسنہ کے خواص

رزق میں برکت و کشادگی کے لیے

☆ فجر اور عشا کی نماز کے بعد اللہ کے اسم مبارکہ ”یارزاق“ کا اول آخر گیارہ بار درود شریف کے ساتھ 119 مرتبہ ورد رزق میں برکت کا باعث ہے۔

☆ ”یا واسع“ کے کثرت سے ذکر سے مکان، دکان، باغ میں برکت اور رزق میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

☆ روزانہ ایک ہزار مرتبہ ”یا صمد“ کا ورد کرنا بھی رزق میں برکت اور کشادگی کا باعث ہے۔ اس کا ورد کرنے والے کو اللہ بھوک اور پیاس کی شدت سے محفوظ رکھے گا۔

☆ اگر کوئی شخص ہر روز گیارہ سو گیارہ (1111) مرتبہ اسم مبارکہ ”یا مغنی“ اور چالیس مرتبہ یا کم از کم گیارہ مرتبہ سورۂ مزمل پڑھے تو اللہ اپنے فضل و کرم سے کثیر رزق عطا فرمائے گا۔

☆ اگر کوئی شخص اسم مبارکہ ”یا قیوم“ کا بکثرت ورد کرے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے کاروبار، مال واموال اور تجارت میں ترقی عطا فرمائے گا۔

مختلف روایات اور احادیث سے ثابت ہے کہ استغفار کا کثرت سے ورد بھی رزق میں برکت اور تنگدستی سے نجات دلاتا ہے۔

☆ فجر کی نماز میں سنتوں اور فرض کے درمیان سو مرتبہ یہ دعا پڑھنا بھی احسن ہے۔

سبحان اللّٰہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم وبحمدہ استغفراللہ

☆ اگر کوئی شخص قرض کے بوجھ تلے دبا ہو تو ہر روز صبح شام یہ دعا پڑھے۔ بطور وظیفہ ستر مرتبہ اس دعا کو پڑھا جائے ہر نماز کے بعد......

اللھم اکفنی بحلالک عن حرامک و اغننی بفضلک عمن سواک

☆ ادائیگی قرض اگر استطاعت سے باہر ہو تو سورۂ تحریم کی بہ کثرت تلاوت کرنے سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے غیب سے اس کے قرض کی ادائیگی کی صورت پیدا فرمادے گا۔

☆ ادئیگی قرض کے لیے بعد نماز جمعہ سات مرتبہ سورۂ کہف کی تلاوت اور پوری یکسوئی اور توجہ سے دعا کی جائے، انشاءاللہ غیب سے قرضہ اترنے کے سامان ہوں گے۔

☆ اگر کسی پر قرض ہو اور اس کے اترنے کا سامان نہ ہو تو ہر نماز کے بعد سورۂ مزمل ایک مرتبہ پڑھی جائے۔ پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی

ادائیگی کا سامان فرمادے گا۔

کاروبار کی بحالی کے لیے

☆ اگر کسی کا کاروبار بند ہوگیا تو وہ کاروبار کی بحالی کی نیت سے سورۂ جمعہ نمازِ تہجد کے بعد تین مرتبہ اکتالیس روز تک پڑھے۔ انشاء اللہ کاروبار بحال ہو جائے گا۔

کاروبار میں ترقی اور برکت

☆ اگر کوئی شخص اپنی دکان میں یا اپنے کاروبار کی جگہ پر سورۂ قریش کو روزانہ کثرت سے پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے کاروبار میں ترقی فرمائے گا۔

☆ حدیث شریف سے مروی اور بے حد آزمودہ عمل ہے کہ سورۂ واقعہ اور سورۂ مزمل کو بعد نماز عشا معمول بنایا جائے تو رزق میں برکت ہوتی ہے۔

کاروبار کی حفاظت

اگر کوئی شخص اسم مبارک یا رقیب کا بکثرت ورد کرے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے مال، کاروبار، اہل و عیال اور روزگار وغیرہ کی حفاظت فرمائے گا اور اسے دشمنوں یا حاسدوں کے ہاتھوں لاحق ہوسکنے والے نقصانات سے محفوظ رکھے گا۔

کاروبار میں رکاوٹ

☆ اگر کسی شخص کے کاروبار میں کوئی رکاوٹ ہو تو وہ سورۂ نوح کو اپنے کاروبار کے مقام پر روزانہ گیارہ مرتبہ پڑھے۔ انشاء اللہ اس کے کاروبار میں حائل ہر رکاوٹ رفع ہو جائے گی اور اسے اپنے کاروبار سے کثیر نفع حاصل ہونے لگے گا۔

کشائش رزق اور چہار قل

سورۂ اخلاص کا پڑھنا باعث رحمت ہے۔ رزق میں زیادتی و فراخی کے خواہوں کے لیے سورۂ اخلاص آبِ حیات کی طرح ہے۔ رزقِ حلال میں اضافے کے لیے چاہیے کہ روزانہ نماز فجر کے بعد اکیس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ لیا کرے۔ نماز ظہر کے بعد بائیس مرتبہ، نماز عصر کے بعد تیئیس مرتبہ اور نماز مغرب کے بعد چوبیس مرتبہ اور نماز عشا کے بعد پچیس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ لیا کرے اور کوشش کرے کہ ہر نماز کے بعد جس قدر تعداد میں سورۂ اخلاص پڑھے اسی تعداد میں اول و آخر درود ابراہیمیؑ بھی پڑھے۔ یہ وظیفہ ہمیشہ کرے، انشاء اللہ رزق میں زیادتی اور فراخی عطا ہوگی۔ بفضلِ باری تعالیٰ کبھی رزق میں تنگی نہیں ہوگی۔

☆☆☆

دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں؟

لوگوں نے ایک دفعہ حضرت ابراہیم ادھمؒ سے سوال کیا، کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں قبول کیوں نہیں فرماتا؟ آپ نے فرمایا۔

1۔ تم خدا کو جانتے ہو مگر اس کی اطاعت نہیں کرتے۔
2۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانتے ہو مگر ان کی پیروی نہیں کرتے۔
3۔ قرآن کریم پڑھتے ہو مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔
4۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کھاتے ہو مگر شکر ادا نہیں کرتے۔
5۔ جانتے ہو کہ جنت اطاعت کرنے والوں کے لیے ہے مگر اس کی طلب نہیں کرتے۔
6۔ جانتے ہو کہ دوزخ گنہگاروں کے لیے ہے مگر اس سے نہیں ڈرتے۔
7۔ شیطان کو دشمن جانتے ہو مگر اس سے دوستی کرتے ہو دور نہیں بھاگتے۔
8۔ خویش و اقارب کو اپنے ہاتھوں سے دفن کرتے ہو مگر عبرت نہیں پکڑتے۔
9۔ موت کو برحق جانتے ہو مگر عاقبت کا کوئی سامان نہیں کرتے۔
10۔ دوسروں کی عیب جوئی کرتے ہو مگر اپنی برائیوں کو ترک نہیں کرتے۔

بھلا ایسے شخص کی دعائیں کیسے قبول ہوں۔

☆☆☆



اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

ہائی بلڈ پریشر اور درد

ڈالی......لاہور

میں کئی سال سے جوڑوں کے درد کی شکایت میں مبتلا ہوں۔ اب تکلیف کافی بڑھ گئی ہے۔ صبح ہونے سے پہلے آنکھ کھل جاتی ہے۔ سو کے اٹھنے پر ہاتھ ہلانا مشکل ہوتا ہے۔

گھٹنے کے آپریشن کے بعد سے میں بستر پر لیٹی ہوئی ہوں۔ کروٹ لینے پر بہت تکلیف ہوتی ہے۔ پیر پھیلتے نہیں سکڑ گئے ہیں۔ آج کل سانس کی شکایت بھی ہے۔ زبان خشک رہتی ہے۔ خاص طور پر صبح کے وقت۔ بھوک بھی نہیں لگتی ہے۔ گیس کا مسئلہ بھی ہے۔ زبان پر چھالے بھی ہیں۔ بلڈ پریشر بھی بڑھا رہتا ہے۔ تقریباً ہر روز بلڈ پریشر 140/100 ہوتا ہے۔

ہاتھ کانپتے ہیں۔ چائے کی پیالی پکڑنا مشکل ہوتا ہے۔ دعا مانگنے کی پوزیشن میں ہوں تو بایاں ہاتھ ہلنا شروع ہوجاتا ہے۔

جواب: محترمہ اللہ آپ کو صحت وتندرستی دے۔ کھانے کو اچھی طرح چبا کر کھائیں بصورت دیگر اس کو میش کر کے کھائیں۔ کھانے کے ساتھ اور فوراً بعد پانی نہ پئیں۔ کھانے سے پہلے یا کھانے کے دو گھنٹے بعد

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

مارچ 2018ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ____________________

پتا: ____________________

____

پئیں۔ جتنا بستر میں کم سے کم لیٹیں گی اتنا صحت مند زندگی کے چانس بڑھیں گے۔ ہمت کر کے اٹھیں بیٹھیں اور چلیں۔ وضو کرتے ہوئے ناک میں پانی اوپر تک چڑھایا کریں۔ 3 ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں Arsenic Album30,Gelsemium30,Calc.Carb30, کے 7 قطرے آدھے گلاس پانی میں پہلے 2 ہفتے ہر 2 گھنٹے بعد استعمال کریں۔ پھر 2 ہفتے ہر 3 گھنٹے بعد لیں۔ ایک ماہ بعد یعنی پانچویں ہفتے سے ہر 4 گھنٹے بعد استعمال کریں۔ Viscum Pentarkan
Rhustox Pentarkan اور Ptk 89
Ptk 73 کے 10 قطرے 1/2 گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔

نسوانی حسن

عائشہ...... مانسہرہ

ڈاکٹر صاحب میں نے آپ کی بہت تعریف سنی ہے کہ آپ کی دوا سے مریض جلد ٹھیک ہوجاتے ہیں۔ میری عمر 20 سال ہونے والی ہے۔ میری ریڑھ کی ہڈی ٹیڑھی ہے۔ جس کی وجہ سے میرا ایک کندھا دوسرے سے نیچے ہے۔ کمر میں بھی کبھی کبھی درد ہوتا ہے۔ اور نسوانی حسن کی بھی کمی ہے۔ پلیز اس کے لیے کوئی دوا بتائیں۔

جواب: یہ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذات ہے جو کسی کو ٹھیک کرسکتی ہے۔ 20 سال کی عمر میں قد نہیں بڑھتا۔ کمر کے مسئلے میں کسی سے کوئی علاج کیا ہے؟ ٹین ایج اور اس سے پہلے جسمانی نشوونما ہوتی ہے قد بھی بڑھتا ہے۔ اگر اس وقت توجہ دی جائے تو صحت کے چانس زیادہ ہوتے ہیں۔ بہرحال متوازن خوراک لیں جس میں پروٹین زیادہ ہو۔ لٹکنے اور اچھل کود والی ورزش کریں۔ 6 سے 8 گھنٹے کی نیند لیں۔ سوتے وقت سر کے نیچے تکیہ نہ لیں اور ٹانگیں سیدھی کر کے لیٹیں اور ساتھ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ 3 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔ Calc.Carb - 30, Theridion 30 کے 5،5 قطرے 1/2 گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔

بچے کی پیدائش کے بعد پیٹ بڑھنا

گلنار...... لاہور

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا پیٹ بہت بڑھ گیا ہے بیٹے کی پیدائش کے بعد سے، بیٹا نارمل ہوا تھا۔
دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا رنگ بہت سانولا ہوگیا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ پہلے جیسا صاف اور گورا ہوجائے اس کے لیے بھی کوئی دوا بتایئے۔

جواب: لیڈی ڈاکٹر نے آپ کو کچھ ورزشیں بتائی ہوں وہ کریں۔
اگر بچے کو دودھ نہیں پلا رہی ہیں تو مندرجہ ذیل ادویات ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی استعمال کریں۔
Sarsaprilla 3x, Calc.Carb30
Podophylum30 کے 5،5 قطرے ایک گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ کھانے سے 1/2 گھنٹے پہلے لیں۔ وزن بھی نوٹ کریں، پیٹ کا سائز بھی نوٹ کریں۔ 3 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

ایام کی زیادتی

نرگس...... شیخوپورہ

میرا مسئلہ یہ ہے کہ جب میں پندرہ سال کی تھی تو پیریڈز نہیں آرہے تھے۔ مختلف ڈاکٹرز سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ٹھیک ہوجائے گا لیکن پھر پندرھویں ... سال کے آخر تک شروع ہو گئے تھے۔ پھر پورا مہینا ہی تقریباً ایسی حالت میں ہی گزرتا ہے، پھر کچھ دن ٹھیک ہونے کے بعد دوبارہ وہی کیفیت مسلسل رہتی ہے۔ گائنی ڈاکٹرز اور دیگر ڈاکٹرز کو

چیک کروایا۔ دوائی بھی لی۔ ڈاکٹر، حکیم وغیرہ سے بھی دوائی لی مگر کوئی خاطر خواہ افاقہ نہیں ہوا۔

جواب: ایام شروع ہوں تو آرام کیا کریں (بیڈ ریسٹ) 3 ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Sabina 6, Ferr.Phos 30, AletrisQ کے 5،5 قطرے دن میں 3 مرتبہ لیں۔ ناغہ کے 7 دن شمار کریں، باقی دن نماز اور قرآن پڑھ سکتی ہیں۔

چہرے پر دانے

فضیلہ......راولپنڈی

میری عمر 20 سال ہے میرے چہرے پر دانے نکل آئے ہیں شادی سے پہلے زیادہ ہوتے تھے۔ اب بھی وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں۔ میری شادی کو دو سال ہو گئے ہیں میرا ایک بچہ ہے۔ مجھے ایسی کوئی دوا دیں کہ میرے دانے صحیح ہو جائیں، میں نے کئی دفعہ صافی بھی پی ہے لیکن وقتی فائدہ ہوتا ہے۔ میری جلد چکنی ہے۔ قبض کی شکایت کبھی ہوتی ہے کبھی نہیں۔ میرے سر میں خشکی بہت ہے۔ بالوں کے سفید ہونے سے روکنے لیے بھی کوئی دوا تجویز کر دیں۔

جواب: یہ بالکل غلط مفروضہ ہے کہ خون خراب ہوتا ہے تو چہرے پر دانے نکلتے ہیں، جلد کی صفائی نہ ہونا، شوگر، ڈپریشن، ہارمونز کی خرابی، ہاضمہ کے نظام کا صحیح نہ ہونے وغیرہ سے بھی دانے نکلتے ہیں۔ لہٰذا اشتہاری دواؤں سے اجتناب کریں۔ ماہر تجربہ کار مستند کوالیفائیڈ ہومیو پیتھک معالج سے علاج کرائیں۔ خشکی کس رنگ کی ہے، کب سے ہے، بال کب سے سفید ہو رہے ہیں؟ ذہنی دباؤ سے بھی بالوں اور سر کی جلد پر اثر پڑتا ہے۔ ایک ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں پھر دوبارہ حال بتائیں۔ Natr.mur 30, Asterias Rubens 30 کے 5، 5 قطرے، Jaborandi Q کے 15 قطرے 1/2 گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ Velaxan کی ایک گولی دن میں 3 مرتبہ تھوڑے پانی کے ساتھ لیں۔

کمزوری و جریان

امیر عجب خان......ہنگو

میری عمر 22 سال ہے۔ غیر شادی شدہ ہوں۔ تقریباً 6 سال سے مجھے جریان کا مسئلہ ہے۔ قبض بھی بہت ہے۔ برائے مہربانی کوئی اچھی سی دوائی تجویز کریں میرے لیے۔ بہت پریشان ہوں۔

جواب: 10 گلاس پانی روزانہ پئیں۔ سبزیوں اور پھلوں کا استعمال زیادہ کیا کریں۔ صبح سویرے ورزش کیا کریں۔ رات کھانے کے بعد 15 منٹ واک کریں۔ سونے سے پہلے کوئی بھی چیز نہ کھایا کریں، اور نہ پانی پیا کریں۔ پیشاب کر کے سویا کریں۔ دائیں کروٹ سے سویا کریں۔ اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کریں۔ نماز کی پابندی کریں قرآن و حدیث کا ترجمہ کے ساتھ مطالعہ کیا کریں۔

ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی دوا Selenium 30 کے 5،5 قطرے 1/2 گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

کیا قد بڑھ سکتا ہے؟

شگفتہ......ایبٹ آباد

میری بہن کی عمر 15 سال ہے۔ قد 4 فٹ 19 نچ ہے۔ خاندان میں بھی زیادہ تر قد چھوٹے ہیں جس کی وجہ سے میں بہت زیادہ پریشان ہوں۔ مہربانی فرما کر میری پریشانی دور کریں۔

جواب: ماں، باپ کے قد کے حساب سے بچوں کا قد دیکھا جاتا ہے جو کہ آپ نے نہیں لکھا۔ ذہنی دباؤ بھی قد پر اثر ڈالتا ہے، ہارمونز بھی اثر انداز ہوتے ہیں بعد میں دیگر مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

اچھا ماحول بنائیں خوشگوار دوستوں جیسا، متوازن خوراک، تازہ پھل، سبزیاں، گوشت، دودھ و دالیں وغیرہ لیں۔ جنک فوڈز، کولڈ ڈرنکس، مصنوعی شربت سے بچائیں، لسّی، ستو اور تازہ پھلوں کا جوس مفید ہے اور اگر پورا پھل کھائیں تو زیادہ مفید ہے۔ لٹکنے والی ورزش کریں اور اچھل کود والے کھیل کھیلیں۔ 6 سے 8 گھنٹے کی نیند لیں۔ سوتے وقت سر کے نیچے تکیہ نہ لیں اور ٹانگیں سیدھی کر کے لیٹیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کرائیں۔

Alfalfa Q کے 7 قطرے دن میں 3 مرتبہ 1/2 کپ پانی میں Calc Phos 30 ,Calc Fluor 30 کے 5،5 قطرے 1/2 کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کرائیں۔ 3 ماہ بعد حال بتائیں۔

پلیٹیلیٹس

مصطفیٰ...... فیصل آباد

مجھے تین سال پہلے یرقان ہوا تھا۔ مسلسل کئی ماہ کی دوائیوں کے علاج سے ٹھیک ہو گیا۔ مگر اب ایک تو میری تلی کا سائز بڑھ گیا ہے۔ اس کی وجہ سے میرے Platelets کم ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ مجھے ہومیو علاج پر بہت اعتماد اور یقین ہے۔ میں آپ کو اپنی میڈیکل رپورٹ / ٹیسٹ اور الٹراساؤنڈ وغیرہ بھیج رہا ہوں۔ برائے مہربانی ایسی دوائیں تجویز کریں جس سے میری تلی کا سائز اور platelets صحیح ہو جائیں۔

جواب: لوگوں کے مشورے سے کوئی بھی دوا استعمال نہ کیا کریں۔ مستند ماہر معالج سے رابطہ کر کے علاج کرایا کریں۔ جو ہومیو پیتھک ادویات آپ نے استعمال کی ہیں وہ غلط ہیں۔ تلی بڑھنے پلیٹیلیٹس کے کم ہونے، اے ایل ٹی، اے ایس ٹی کے بارے میں تو لکھ دیا۔ لیکن اپنی ذہنی و جسمانی حالت نہیں لکھی کہ ان کے بڑھنے سے آپ کو کیا محسوس ہو رہا ہے (درد، بھوک، پیاس، نیند وغیرہ) ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Ceanothus Q کے 10 قطرے 1/2 گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں اور Eupatorium Perf 30 کے 5، 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ تازہ صاف پانی و غذا استعمال کریں، چہل قدمی کیا کریں۔ اللہ سے دعا کیا کریں ہم آپ کے لیے دعاگو ہیں۔ ایک ماہ بعد رپورٹ و حالات سے آگاہ کریں۔

بھوک و قبض

اختری...... قلات

میری بیٹی 4 سال کی ہے۔ اُسے اکثر قبض کی شکایت رہتی ہے۔ ویسے اس کی صحت ٹھیک ہے۔ ہر دو دن بعد مشکل سے اور سخت ہو جاتی ہے۔ کھاتی پیتی بھی کم ہے۔ کوئی اچھی دوا تجویز کر دیں۔

جواب: آپ نے یہ نہیں لکھا کہ پانی کتنا پیتی ہے؟ یہ نہیں بتایا کھانے میں غذا کیا ہے؟ کتنا کھاتی ہے؟ تھائرائڈ کا ٹیسٹ کرائیں۔ کھانے میں سبزی فروٹ دیں۔ دال دلیا بھی استعمال کرائیں۔ روٹی چپاتی استعمال کریں۔ جنک فوڈز اور نوڈلز کا استعمال نہ کرائیں۔ کھیل کود کرائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کرائیں Belladona 30 , Bryonia 30 دونوں کے 5،5 قطرے 1/2 گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کرائیں۔

آنکھوں کے آگے چمکے اور موتیا

مظفر علی شاہ...... ڈیرہ غازی خان

میری عمر 55 سال ہے۔ مجھے شوگر کی بیماری تو نہیں ہے ہاں ہائی بلڈ پریشر کی شکایت ہے۔ میں نے دور اور نزدیک کی عینک لگوائی ہے، عینک سے صاف نظر آتا ہے لیکن کبھی، کبھی سیاہ رنگ کے چھوٹے چھوٹے گول نشان

نظر آتے ہیں۔ میرے لیے ادویات تجویز کر دیں جس سے میں ٹھیک ہو جاؤں اور موتیا سے بھی ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاؤں۔

جواب: ایسا اعصابی کمزوری کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے اس لیے Alfalfa کے 11 قطرے 1/2 کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ کھانے کے ایک گھنٹے بعد پئیں۔ Ferrum Phos 30 صبح و شام 5 قطرے 1/2 کپ پانی میں ملا کر پئیں۔ Physostigma30 کے 5 قطرے دن میں 3 مرتبہ 1/2 کپ پانی میں پئیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Cineraria Maritima کا ایک ایک قطرہ دونوں آنکھوں میں صبح دوپہر اور رات ڈالیں۔ اور Cratex کی ایک گولی دن میں 3 مرتبہ تھوڑے پانی کے ساتھ لیں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

دمہ

اسماعیل......مومن آباد

میں دمہ کا مریض ہوں سانس کی نالیوں میں ریشہ پیدا ہوتا ہے۔ سانس لینا مشکل ہوتا ہے کوئی اچھا سا نسخہ تجویز کریں۔

جواب: سانس کی نالیوں میں تنگی بلغم کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ٹھنڈی، کھٹی، مصالحے والی اشیا استعمال نہ کریں اور زیادہ میٹھی اشیا اور میدے سے بنی ہوئی چیزوں کا استعمال نہ کریں۔ ایک ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندجہ ذیل ادویات استعمال کریں Arsenic Alb 30 اور Antimonium Tart 30 کے 5,5 قطرے تھوڑے پانی میں دن میں 4 مرتبہ استعمال کریں۔

ایام کی زیادتی

انجم......کراچی

میرے مینسز پہلے ٹھیک تھے لیکن بیٹے کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد سے پیریڈز کا مسئلہ ہو گیا جبکہ بچہ سزیزین ہوا تھا۔ 5 سال کا ہے۔ تھکاوٹ، چڑچڑاپن اور غصہ بہت آتا ہے۔ سستی اور کاہلی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ قبض بچپن سے ہے لیکن دوائی لیے بغیر دو یا تین دن بعد مشکل سے پاخانہ ہو جاتا ہے۔

جواب: Pelvis U/S کرا کر رپورٹ بھیجیں تاکہ صحیح دوا تجویز کی جا سکے قبض کے لیے Bryonia 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔

رنگ گورا کرنا

ریشم......گلشن اقبال کراچی

میرا مسئلہ یہ ہے جیسے جیسے میں بڑی ہو رہی ہوں میرا رنگ سانولا ہوتا جا رہا ہے۔ پلیز کوئی اچھی سی دوا تجویز کریں۔ میں دعائیں دوں گی۔

جواب: متوازن غذا استعمال کریں، 8 گلاس پانی روزانہ پیا کریں۔ نمازوں کی پابندی کریں۔ سورج نکلتے وقت تازہ ہوا میں سانس لیں اور جاگنگ کریں۔ پُرسکون رہا کریں۔ پوری نیند لیا کریں۔ باربی کیو، جنک فوڈز اور مرغن غذاؤں سے پرہیز کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں Sarsaparilla 30, Calc. Phos 30 کے ۷،۷ قطرے آدھا گلاس پانی دن میں 3 مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد حال بتائیں۔